بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ھٰذا بیانٌ للنّاس وھدًی وّموعظۃٌ للمتّقین ٥

تفسیر قادری

الموسوم بہ اسم تاریخی

تفسیر کشف القلوب

۱۳۱۹ھ

(از)

امام المفسّرین حافظ کلامِ مبین ابوالوفا حضرت سید الشیوخ مولانا سید شاہ محمد عمر حسینی قادری خلیق رحمۃ اللہ علیہ

تکملہ

از

مرشدنا و مولانا حضرت سید محمد پادشاہ حسینی قادری لئیق رحمۃ اللہ علیہ

حصہ دوم **جلد دوم**

[۵۴] قمر [۵۷] حدید

تفسیر قادری اب ویب سائیٹ پر بھی: www.ata-e-habeeb.org

تفسیرِ قادری کی ویب سائیٹ

www.ata-e-habeeb.org

تفسیرِ قادری حصہ اول جلد پنجم کے ساتھ فہرست معجم (ضمنی عنوانات)

منسلک ہے جو سید غوث محی الدین حسینی صاحب قادری نصر الحق کی مرتبہ ہے

اس فہرست کی مدد سے کسی معین و مخصوص مضمون کے مباحث کی فہرست جو مختلف مقامات پر

پھیلے ہوئے ہیں ایک ہی جگہ دیکھی جاسکتی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفسیرِ قادری (تفسیر کشف القلوب)

حصہ اول کے مؤلف : سید الشیوخ سید محمد عمر حسینی قادری خلیقؔ رحمۃ اللہ علیہ

والد کا اسمِ شریف : مولانا مولوی میر پرورش علی رفعت پناہ قدس سرہ المعروف سید محمد پادشاہ حسینی شاہ رحمۃ اللہ علیہ

سن ولادت و وفات : ۱۲۸۲ھ ۱۳۳۰ھ

مقامِ ولادت وفات : حیدرآباد دکن

دیگر تصانیف : فرائض قادری، (منظوم جس میں چاروں مذاہب کے وراثت کے مسائل جمع ہیں۔ رہبرِ طریقت، مصطلحاتِ تصوف، صحیفۂ معرف، تحفہ فاروقیہ و غیرہ وغیرہ۔ پٹنہ کے رسالہ تحفہ حنیفہ میں بھی اکثر آپ کے مسلسل مضامین شائع ہوتے رہے ہیں۔ جن میں بعض مشاہیر کی کتابوں کے ترجمہ بھی شامل ہیں۔کلامِ خلیقؔ کے نام سے آپ کا مختصر کلام بھی شائع ہوا ہے۔

حصہ دوم اور حصہ سوم کے مؤلف:

شیخ الاسلام مولانا مولوی سید محمد پادشاہ حسینی لئیق رحمۃ اللہ علیہ

والد کا اسم شریف : سید الشیوخ سید محمد عمر حسینی قادری خلیقؔ رحمۃ اللہ علیہ

سن ولادت وفات : ۱۳۱۷ھ ۱۳۸۴ھ

مقام ولادت ووفات : حیدرآباد۔

دیگر تصانیف : تصریفِ قادری، جس میں عربی کے مصادر اور ان کا اُردو اور فارسی میں ترجمہ ہے۔ ماثورہ دعاؤں کی کئی کتابیں، ماہنامہ نور، ماہنامہ خلیق اور مختلف روزناموں میں بھی آپ کے مضامین شائع ہوتے رہے ہیں۔کلامِ لئیقؔ کے نام سے آپ کا کلام بھی شائع ہوا ہے۔صدر مجلس علماءِ دکن کے معتمد کی حیثیت سے آپ کے خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔

دیگر تفصیلات حصہ اول جلد اول میں مختصر تعارف میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفسیرِ قادری الموسوم تفسیرِ کشف القلوب (۱۳۱۹ھ)

پہلا حصہ	۱۷۔سورہ بنی اسرائیل تا ۴۸۔سورہ فتح ۱ تا ۲۰۲۵	از سید الشیوخ سید محمد عمر حسینی القادری خلیق رحمۃ اللہ علیہ
دوسرا حصہ تیسرا حصہ	۴۹۔سورہ حجرات تا ۱۱۴۔سورہ ناس ۱۔سورہ فاتحہ تا ۲سورہ بقرہ (صرف ابتدائی [۳۶] آیتیں)	شیخ الاسلام سید محمد بادشاہ حسینی القادری لئیق رحمۃ اللہ علیہ

۱ — پہلا حصہ جلد اوّل
۱۷۔سورہ بنی اسرائیل
تا ۱۹۔سورہ کہف
۱ تا ۴۳۴

۲ — پہلا حصہ جلد دوم
۲۰۔سورہ مریم
تا ۲۲سورہ حج
۴۳۵ تا ۷۷۲

۳ — پہلا حصہ جلد سوم
۲۳۔سورہ مؤمنون
تا ۲۷۔سورہ نمل
۷۷۳ تا ۱۲۰۸

۴ — پہلا حصہ جلد چہارم
۲۸۔سورہ قصص
تا ۳۵۔سورہ فاطر
۱۲۰۹ تا ۱۶۲۲

۵ — پہلا حصہ جلد پنجم
۳۶۔سورہ یٰس
تا ۴۸۔سورہ فتح
۱۶۲۳ تا ۲۰۲۵

۶ — دوسرا حصہ جلد اول
۴۹۔سورہ حجرات
تا ۵۳۔سورہ نجم
۱ تا ۷۰۱

۷ — دوسرا حصہ جلد دوم
۵۴۔سورہ قمر
تا ۵۷۔سورہ حدید
۷۰۲ تا ۱۳۳۶

۸ — دوسرا حصہ جلد سوم
۵۸۔سورہ مجادلہ
تا ۶۶۔سورہ تحریم
۱۳۳۷ تا ۱۹۱۱

۹ — دوسرا حصہ جلد چہارم
۶۷۔سورہ ملک
تا ۷۷۔مرسلات
۱۹۱۲ تا ۲۶۱۸

۱۰ — دوسرا حصہ جلد پنجم
۷۸۔سورہ نبا
تا ۹۲۔سورہ لیل
۲۶۱۹ تا ۳۲۲۸

۱۱ — دوسرا حصہ جلد ششم
۹۳۔سورہ ضحیٰ
تا ۱۰۴۔سورہ ھمزہ
۲۶۱۹ تا ۳۷۰۴

۱۲ — دوسرا حصہ جلد ہفتم
۱۰۵۔سورہ فیل
تا ۱۱۴۔سورہ ناس
۳۷۰۵ تا ۴۱۱۰

۱۳ — تیسرا حصہ
۱۔سورہ فاتحہ تا
۲۔سورہ بقرہ [۳۶]
آیتیں ۱ تا ۲۱۶

اس طرح یہ تفسیر (۱۵) ویں پارہ سے آخر سورہ ناس تک جملہ (۱۳) جلدوں میں سولہ پارہ+سورہ فاتحہ+سورہ بقرہ کی ۳۶ آیتوں پر مشتمل ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سنہ ۱۳۱۹ھ

تفسیر قادری

الموسوم بہ اسم تاریخی تفسیر کشف القلوب

کتاب :- حصّہ ...... دوم ...... جلد ...... دوم

تفسیر سورۃ ...... [۵۴] قمر ...... تا سورۃ ...... [۵۷] حدید

پارہ ...... پارہ ......

تصنیف :-

(۱) حصّہ اول :- سورۃ بنی اسرائیل تا سورۃ الفتح

پارہ ۱۵ تا پارہ ۲۶ تین جلدوں میں

از الشیوخ حافظ سید محمد عمر حسینی قادری خلیق قدس سرہ العزیز

(سنہ ۱۲۸۲ھ سنہ ۱۳۳۰ھ)

(۲) حصّہ دوم سورۃ الحجرات تا سورۃ الناس سات جلدوں میں

اور

(۳) حصّہ سوم سورۃ الفاتحہ و سورۃ البقرہ ایک جلد

(صرف ابتدائی ۳۶ آیتیں)

تکملہ از شیخ الاسلام سید محمد بادشاہ حسینی لیئق رحمۃ اللہ علیہ (سنہ ۱۳۱۷ھ - سنہ ۱۳۸۴ھ)

سالِ اشاعت :- حصّہ اول - سنہ ۱۳۱۹ھ سے سنہ ۱۳۳۰ھ تک (سنہ ۱۹۰۰ء تا سنہ ۱۹۱۱ء)

(ماہانہ پرچوں کی شکل میں ہر ماہ دو جز یعنی (۳۲) صفحات)

حصّہ دوم و حصّہ سوم - سنہ ۱۳۷۲ھ تا سنہ ۱۳۸۴ھ (سنہ ۱۹۵۲ء تا سنہ ۱۹۶۴ء)

مولانا حبیب محمد عمر حسینی قادری مدظلہ العالی کے حکم سے مولوی سید علی حسینی علی مرحوم مغفور
کے فرزند سید غوث محی الدین حسینی نصر الحق نے

فہرست مضامین میں آیتوں اور سورتوں کے نمبروں کے اضافہ کیساتھ ماہانہ پرچوں کو ایک جگہ کر کے اسے کتابی شکل دی۔ جو پرچے دستیاب نہ ہو سکے ان کی زیراکس کاپیاں حاصل کر لی گئیں ہیں۔

نوٹ :۔ تفسیر قادری اور الشیوخ قدس سرہ العزیز کی دوسری کتابوں کے متعلق تفصیلات سید غوث محی الدین حسینی نصر الحق سے حاصل کی جاسکتی ہیں

پتہ

مکان نمبر: 19-3-1086/1

بند گلی روبرو فلک نما بس ڈپو،

انجن باولی، فلک نما، حیدر آباد 56۔

فون : 24460038

سل : 9490748463

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلحمدُ للہ ربّ العالمین ۔ نحمدہٗ و نصلّی علٰی رسولہ النبی الکریم و علٰی آلہٖ و اصحابہٖ اجمعین ؕ

الحمدُ للہ تفسیر قادری کے ماہانہ پرچوں کو ایک جگہ کرکے اسے کتابی شکل دی گئی ہے تاکہ اسکے نسخے مختلف کتب خانوں اور ریسرچ سنٹرس میں عام استفادہ کیلئے رکھوادیئے جاسکے۔

تفسیرِ قادری تین حصّوں میں ہے۔

پہلا حصّہ :- سورۃ بنی اسرائیل (۱۵ واں پارہ) تا سورۃ الفتح (۲۶ واں پارہ)

دوسرا حصّہ :- سُورۃ الحجرات (۲۶ واں پارہ) تا سورۃ الناس (۳۰ واں پارہ)

تیسرا حصّہ :- سورۃ الفاتحہ و سورۃ البقرۃ (صرف ابتدائی ۳۶ آیاتِ کریمہ)

حضرت سیدالشیوخ حافظ کلام مبین ابوالوفا سید محمد عمر حُسینیؒ قادری خسلیق قدس سرہٗ العزیز نے ۱۳۱۹ھ میں سورہ بنی اسرائیل سے تفسیر قادری کی اشاعت کا سلسلہ شروع فرمایا۔ اس تفسیر کا تاریخی نام "تفسیر کشف القلوب" ہے آپ ہر نمازِ جمعہ کے بعد مکہ مسجد میں تفسیر بیان فرمایا کرتے تھے۔ آپ کی تفسیر سے ہزاروں افراد ظاہری باطنی فیض پاتے رہے۔ ساتھ ہی شائقین نے تفسیر کی اشاعت کا تقاضہ بھی شروع کردیا۔ اس وقت تک چودہ پاروں کی تفسیر تقریباً مکمل ہوچکی تھی۔ اور پندرہواں پارہ شروع ہونے والا تھا۔ چنانچہ اسی سے اشاعت کا سلسلہ بھی شروع کردیا گیا۔ اسطرح تفسیر قادری ہر ماہ (۲۲) صفحات پر شائع ہوتی رہی یہاں تک کہ یہ سلسلہ ۱۳۳۰ھ میں حضرت سیدالشیوخ (رحمۃ اللہ علیہ) کے انتقال کی وجہ سے سورۃ فتح کی تفسیر تک پہنچکر رک گیا۔

سیدیؒ نے ۱۳۲۴ھ میں تفسیر قادری کا مقدمہ تحریر فرمایا۔ جو بجائے خود ایک مستقل رسالہ ہے جسمیں اُن اصولوں کا ذکر ہے جو جنکا خیال ایک مفسر کو رکھنا ہے۔ جن کتابوں اور تفسیروں سے استفادہ کیا گیا ہے۔ انکا اور انکے مصنفین کا بھی ذکر ہے۔ اور بہت سی مفید باتیں ہیں جنکا جاننا ہر ایسے شخص کیلئے ضروری ہے جو قرآنِ کریم

سے ظاہری و باطنی فیض پانے کا متمنی ہو۔

اہمیت کے پیش نظر مقدمہ کی کاپیاں دوسرے حصہ کیساتھ بھی منسلک کردی گئی ہیں

سید الشیوخ رح کے انتقال کے بعد آپکے صاحبزادے اور جانشین شیخ الاسلام مولانا سید محمد بادشاہ حسینی لئیق قدس سرہ العزیز نے مکہ مسجد میں تفسیر کے سلسلے کو جاری رکھا لیکن تفسیر کی اشاعت چاہنے کے باوجود ایک طویل عرصے تک ممکن نہو سکی۔ ۱۳۷۲ھ میں تقریباً اکتالیس سال بعد آپنے سورۃ فتح کی دوبارہ اشاعت سے اس مقدس کام کی دوبارہ ابتدا کی اور سورۃ الحجرات سے سورۃ الناس تفسیر کی تکمیل فرمائی۔

اس کے بعد شیخ الاسلام قدس سرہٗ نے پہلے پارہ سے چودہ پاروں تک تفسیر کی تکمیل کا ارادہ فرمایا تھا۔ لیکن آپنے ابھی سورۃ الفاتحہ کے بعد سورۃ البقرہ کی ابتدائی (۳۶) آیتوں ہی کی تفسیر فرمائی تھی کہ ۱۳۸۴ھ میں آپکے انتقال سے یہ سلسلہ بھی یہیں رک گیا۔ کیا عجب ہے کہ حق تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے حضرتؒ ہی کے اہلِ خاندان میں اسی نہج پر اس اہم کام کی تکمیل فرمائیں۔ اور اس تشنگی کو کم کریں۔

یہاں اس بات کا تذکرہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ فہرست مضامین کو ایک جگہ کرتے ہوئے اسمیں سورتوں اور آیاتِ کریمہ کے نمبروں کا اضافہ کردیا گیا ہے۔ یہ اضافہ محض اسلئے کیا گیا ہے دورانِ تلاوت یا پھر کسی اور وقت کسی آیت کی تفسیر دیکھنے کا خیال ہو تو اسے فوری آیت کے نمبر کے حوالے سے نکال لیا جا سکے۔

فہرستِ مضامین کے ساتھ فہرست معجم بھی تیار کرلی گئی ہے۔ جسپر نظرِ ثانی ہونی ہے۔ انشاءاللہ تعالیٰ اس کی کاپیاں بعد میں سورۃ الفتح اور سورۃ الناس کے بعد منسلک کردی جائینگی۔ سہولت کیلئے تفسیر قادری کی حسبِ ذیل جلدیں تیار کی گئی ہیں۔ جو پرچے نہیں مل سکے اُن کی زیراکس کاپیاں لگادی گئیں ہیں تاکہ سٹ مکمل ہو۔

پہلا حصہ جلد اوّل } مقدمہ تفسیر قادری تفسیر سورۃ بنی اسرائیل (۱۵ واں پارہ) تا سورۃ الحج (۱۷ واں پارہ)

جلد دوم :- تفسیر سورۃ " المومنون (۱۸ واں پارہ) تا سورۃ الفاطر (۲۲ واں پارہ)

جلد سوم :- تفسیر سورۃ یٰسٓ (۲۲ واں پارہ) تا سورۃ فتح (۲۶ واں پارہ)

دوسرا حصہ جلد اوّل } تفسیر سورۃ الحجرات (۲۶ واں پارہ) تا سورۃ النجم (۲۷ واں پارہ)

جلد دوم تفسیر سورۃ القمر تا سورۃ الحدید
(۲۷ واں پارہ)

جلد سوم تفسیر سورۃ مجادلہ تا سورۃ تحریم
(۲۸ واں پارہ مکمل)

جلد چہارم :- تفسیر سورہ ملک تا سورہ المرسلٰت
(۲۹ واں پارہ مکمل)

جلد پنجم :- تفسیر سورہ نباء تا سورۃ اللیل
(۳۰ واں پارہ)

جلد ششم :- تفسیر سورۃ الضحیٰ تا سورۃ الھمزہ
(۳۰ واں پارہ)

جلد ہفتم :- تفسیر سورۃ تا سورۃ الناس
(۳۰ واں پارہ)

تیسرا حصہ :- مقدمہ، تفسیر سورۃ فاتحہ، سورۃ البقر کی ابتدائی (۳۶) آیتوں کی تفسیر

بتاریخ ۲ محرم الحرام ۱۴۱۳ھ
۳ جولائی سنہ ۱۹۹۲ء
بروز جمعہ

حق تعالیٰ ان تمام حضرات کو جنہوں نے اس سلسلے میں کوشش کیں ہیں جزائے خیر عطا فرمائیں اور خوش رکھیں۔

میری خاص دعائیں برادر طریقی مولوی سید علی حسینی مرحوم و مغفور کے فرزند سید غوث محی الدین حسینی نصر الحق سلمہ کے لئے ہیں۔ حق تعالیٰ انہیں ہمیشہ خوش رکھیں اور اُن کو اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب امت کیلئے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ اسے قبول کریں۔

آمین

والحمد للہ رب العالمین

مولانا
حبیب محمد عمر حسینی قادری
مدظلہ العالی

قادری چمن، حیدرآباد

کلام صوفیہ

کلام صوفیہ جو قرآن میں ہے۔ وہ اشارات اُن باریکیوں کے طرف ہیں جو سالکوں کیلئے کشف ہوتے ہیں اور ظاہر معنی سے اسکی تطبیق ممکن ہوتی ہے اور یہ کمالِ ایمان اور محض عرفان ہے۔ اور جو شخص یہ اعتقاد کرے کہ ظاہر معنی ہرگز نہیں اور صاف باطنی معنی ہی مقصود ہیں تو یہ اُن ملحدوں کا اعتقاد ہے۔ جو شریعت کی بالکل نفی کرتے ہیں۔ صوفیۂ کرام کا ہرگز یہ اعتقاد نہیں بلکہ وہ یہ فرماتے ہیں کہ احکام تفسیر ظاہر کو حاصل کر کے اسرارِ قرآنی سمجھنے کی کوشش کرے۔ ورنہ بغیر دروازے میں داخل ہوئے گھر کے اندر پہونچنا ممکن نہیں۔

مقدمہ تفسیر قادری صـ۱۱، صـ۱۲

تفسیر اور تاویل میں فرق

تفسیر و تاویل میں جو فرق ہے اسمیں اختلاف ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا کہ دونوں کے ایک ہی معنے ہیں۔ اور ماتریدی نے فرمایا کہ تفسیر قطعی طور سے ظاہر کرنا ہے۔ کہ اللہ کی مراد یہی ہے۔ اور تاویل احتمالات میں سے کسی ایک احتمال کو غیر قطعی طور پر ترجیح دینا ہے۔ اور بعض نے کہا کہ جو روایت کے متعلق ہو وہ تفسیر ہے۔ اور جو روایت کے متعلق ہو وہ تاویل ہے۔ اور بعض نے اس کے سوا کچھ اور کہا۔ لیکن اب عرف میں تاویل اس اشارۂ قدسیہ اور معارفِ سبحانیہ کو کہتے ہیں کہ جو سالکین کیلئے پردہ عبارات سے منکشف ہو اور قلوبِ عارفین پر ابرِ غیب سے باراں ہو۔ اور تفسیر اس کے سوائے ہے۔

مقدمہ تفسیر قادری صـ۱۳

اہلبیت اور صحابہ رضی اللہ عنہم

اگر اہل بیت نجات کی کشتی میں تو صحابہ آسمانِ ہدایت کے تارے ہیں۔ جیسے بحرِ سلوک سے پار ہونا ہو تو اس کشتی میں سوار ہو کر اُن تاروں سے راہ کی معرفت حاصل کر کے ساحلِ مقصود تک پہنچ جائے۔ کشتی بغیر تاروں کے اور تارے بے کشتی کے نافع نہیں اگر اس راہ کو جلد طئے کرنا منظور ہو تو پیران کبار و اولیائے عظام کی توجہ بھی ضرور ہے۔

مور مسکیں ہوداشت کہ در کعبہ رسد ❊ دست در پائے کبوتر زد و ناگاہ رسید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفسیرِ قادری المعروف تفسیرِ کشف القلوب ۱۳۱۹ھ

﴿تفسیر [۵۴] سورہ قمر، [۵۵] سورہ رحمٰن، [۵۶] سورہ واقعہ اور [۵۷] سورہ حدید﴾

از شیخ الاسلام مولانا مولوی سید محمد پادشاہ حسینی قادری لئیق رحمۃ اللہ علیہ

۱۳۱۷۔۱۳۸۴ھ

[۵۴] سورہ قمر [مکی]

آیات [۵۵] رکوع [۳]

آیت [۱] اِقۡتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَ انۡشَقَّ ۷۰۴

اقتربت الساعت کی تفسیر اور قرب قیامت کی مثال ۷۰۶

قرب قیامت کی دوسری مثال ۷۱۱

وانشق القمر کی تفسیر ۷۱۲

شق القمر احادیث شریفہ کی روشنی میں ۷۱۳

شق القمر تواتر سے ثابت ہے ۷۱۸

شق القمر بدرجہ تنزل، حدیث مشہور سے ثابت ہے ۷۱۰

شق القمر پر اجماع ہے ۷۲۰

شق القمر کیا دوبارہوا؟ ۷۲۱

شق القمر اہل ایمان کی تفسیر ۷۲۲

شق القمر کی نسبت فلاسفہ کا شبہہ ۷۲۴

فلاسفہ کے شبہہ کا ازالہ ۷۲۷

شق القمر سے راجگان ہندو ملیبار کا قبول اسلام ۷۲۹

انشق القمر کی دوسری تفسیر ۷۳۱

انشق القمر کی تیسری تفسیر ۷۳۲

آیت [۲] وَ اِنۡ یَّرَوۡا اٰیَةً ...... تا ختم آیت [۴] ......وَکُلُّ اَمۡرٍ مُّسۡتَقِرٌّ ۷۳۳

سحر مستمر کی تفسیر ۷۳۳

کل امر مستقر کی تفسیر ۷۳۵

آیت [۵] وَلَقَدۡ جَآءَهُمۡ مِّنَ الۡاَنۡۢبَآءِ...... تا ختم آیت [۸] ...... هٰذَا یَوۡمٌ عَسِرٌ ۷۳۶

مافیه مزد جر کی تفسیر ۷۳۹

داعی کون ہوگا؟ یوم یدع الداع کی تفسیر ۷۴۱

الی شئ نکر کی تفسیر ۷۴۳

قیامت کی ہولناکی ۷۴۵

مهطعین کی تفسیر ۷۴۵

یقول الکافرون کی تفسیر	۷۴۷
آیت[۹] کَذَّبَتۡ قَبۡلَهُمۡ قَوۡمُ نُوحٍ ...... تا	
ختم آیت[۱۷]...... فَهَلۡ مِنۡ مُّدَّكِرٍ	۷۴۸
کذبت اور کذبوا کی تفسیر	۷۵۱
عبد نا کی تفسیر	۷۵۱
امتہ محمد یہ سے خطاب	۷۵۲
مجنون واز دجر کی تفسیر	۷۵۲
قرآن کریم میں تکرار نہیں ہے	۷۵۴
ابواب السماء کی تفسیر	۷۵۵
ماء منهم کی تفسیر	۷۵۷
نظام قدرت پر ایک سرسری نظر	۷۵۸
ذات الواح ودسر کی تفسیر	۷۵۸
تجری باعیننا کی تفسیر، منقبت حضرت نوح علیہ اسلام	۷۶۰
منقبت حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	۷۶۰
منقبت اہل بیت اطہار	۷۶۱
جزاء لمن کان کفر کی تفسیر	۷۶۲
ترکنٰھا آیۃ کی تفسیر	۷۶۳
عذابی و نذر کی تفسیر	۷۶۴
یسرنا القرآن کی تفسیر	۷۶۵
برادران اسلام سے خطاب	۷۶۶
زراہ بن اوفیٰؓ کی وفات بحالت امامت نماز	۷۶۸
لسان مبارک ہی باعث تیسرا قرآن ہے	۷۶۸
فھل من مدکر کی تفسیر	۷۶۹
قرآن کریم کی برتری دیگر کتب الہیہ پر	۷۷۰
طوفان نوح علیہ السلام کے خصوصی اجزاء جو صرف یہاں بیان ہوئے	۷۷۱
آیت[۱۸]کَذَّبَتۡ عَادٌ كَيۡفَ كَانَ ...... تا	
ختم آیت[۲۲]فَهَلۡ مِنۡ مُّدَّكِرٍ	۷۷۱
ایک نکتہ	۷۷۴
دوسرا نکتہ	۷۷۵
کذبت عاد کی تفسیر	۷۷۵
یوم نحس کی تفسیر	۷۷۶
نحوست کے معنی	۷۷۶
چہار شنبہ کا دن	۷۷۷
آخری چہار شنبہ	۷۷۸
روایات بالا کی تنقید	۷۷۹
چہار شنبہ کی فضیلت	۷۸۰
سب دن برابر ہیں	۷۸۲
قوم عاد کے عذاب پر ایک سرسری نظر	۷۸۴
آخری چہار شنبہ جاہلیت کی پیداوار ہے	۷۸۶
مستمر کی تفسیر	۷۸۷
حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے برکات	۷۸۸

اعجاز نحل منقعر کی تفسیر ۷۸۹
سورۃ خفیفہ کہنے کی ممانعت ۷۹۱
عرض فقیر ۷۹۱
آیت[۲۳]کَذَّبَتۡ ثَمُوۡدُ بِالنُّذُرِ ...... تاختم
آیت[۳۲]...... فَهَلۡ مِنۡ مُّدَّكِرٍ ۷۹۲
ابشرا منا واحدا کی تفسیر ۷۹۸
دور حاضر پر ایک نظر ۷۹۹
من الکذاب الاشر کی تفسیر ۸۰۰
ان الماء قسمة کی تفسیر ۸۰۲
حرص و آز اور اس کا انجام ۸۰۳
هشیم المحتظر کی تفسیر ۸۰۵
دھاکو آواز کا راز ۸۰۶
آیت[۳۳]کَذَّبَتۡ ثَمُوۡدُ بِالنُّذُرِ ...... تاختم
آیت[۴۰]...... فَهَلۡ مِنۡ مُّدَّكِرٍ ۸۰۷
قصۂ ثمود پر ایک نظر ۸۰۶
کذبت قوم لوط کی تفسیر ۸۱۲
حاصبا کی تفسیر ۸۱۳
امام اعظمؒ کا واقعہ ۸۱۳
آل لوط کی تفسیر ۸۱۴
بیداری سحر کی فضیلت ۸۱۴
قوم لوط کی ابتدائی سزا ۸۱۶
آیت[۴۱]وَلَقَدۡ جَآءَ اٰلَ فِرۡعَوۡنَ...... تاختم
آیت[۴۲]عَزِيۡزٍ مُّقۡتَدِرٍ ۸۱۸
قوم لوط کی تباہی ۸۱۸
فرعون اور اس کی قوم کا انجام ۸۲۱
غرق فرعون میں حکمت ۸۲۲
آیت[۴۳]اَكُفَّارُكُمۡ خَيۡرٌ مِّنۡ .... تا ۸۲۴
ختم آیت[۴۶]وَالسَّاعَةُ اَدۡهٰى وَ اَمَرُّ
الکفار کم خیر کی پہلی تفسیر ۸۲۵
دوسری تفسیر ۸۲۶
خیر کی تفسیر //
ام لکم براءۃ کی تفسیر ۸۲۷
نحن جمیع منتصر کی تفسیر ۸۲۸
ابوجہل کی بدر میں ہلاکت //
ایک نکتہ ۸۳۰
قرآن کریم کی پیشن گوئی ۸۳۰
الساعة ادھی وامر کی تفسیر ۸۳۱
کار خیر میں تاخیر نہ ہو ۸۳۲
آیت[۴۷]اِنَّ الۡمُجۡرِمِيۡنَ فِىۡ .... تا ۸۳۳
ختم آیت[۵۳]............ وَكَبِيۡرٍ مُّسۡتَطَرٌ
امت دعوت کی دینوی واخروی سزا //
قدریہ کا حشر ۸۴۵

قدریہ حضرات ابن عباس کی نظر میں	۸۴۶
تقدیر وتدبیر	//
مسئلہ تقدیر کی توضیح	۸۴۷
کلمح بالبصر کی تفسیر	۸۴۸
اھلکنا اشیاعکم کی تفسیر	۸۴۹
کل شی فعلوہ فی الزبر کی تفسیر	۸۵۰
کتابت اعمال	//
آیت[۵۴]اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّ ...... تاختم آیت[۵۵]مَلِیْكٍ مُّقْتَدِرٍ	۸۵۱
مقعد صدق کی تفسیر	۸۵۳
مقعد صدق کی فضیلت	۸۵۴
سعید بن المسیبؒ کا واقعہ	۸۵۵
[۵۵]سورۃ الرحمٰن[مکی] آیات[۷۸] رکوع[۳]	۸۵۷
سورۃ الرحمٰن زینت قرآن	۸۵۷
سورۃ الرحمٰن کی فضیلت	۸۵۸
سورۃ الرحمٰن شرح سورۂ قمر	۸۵۸
آیت[۱]اَلرَّحْمٰنُ .... تاختم آیت[۴] .... عَلَّمَهُ الْبَيَانَ	۸۵۹
ایک نکتہ	//
عرض فقیر	۸۶۰
الرحمن کی تفسیر	//
امام غزالیؒ کی تصریح	۸۶۱
قرآن کریم نعمت عظمیٰ ہے	۸۶۲
علم القرآن کی تفسیر	//
حاملین قرآن کی فضیلت	۸۶۳
تخلیق انسان اور تعلیم بیان	۸۶۴
تفسیر سلف صالحین	//
آیت[۵]اَلشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ ......) تاختم آیت[۶] ......وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ	۸۶۵
حضرت آدم علیہ السلام سات لاکھ زبانیں جانتے تھے	//
الشمس والقمر بحسبان کی تفسیر	۸۶۶
نظام علویات	//
نجم وشجر میں فرق	۸۶۷
درختوں کا سجدہ کرنا	۸۶۸
آیت[۷] وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا ...... تا ختم آیت[۹]............ وَلَا تُخْسِرُ الْمِيْزَانَ	۸۶۹
میزان کی تفسیر	۸۷۰
قیام عدل کی ضرورت	//
اصلاح نیت	۸۷۱

آیت[۱۰] وَ الْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ	
تاختم آیت[۱۳]...... رَبِّكُمَا تُكَذِّبانِ	۸۷۲
طلبہ دینیات سے خطاب	۸۷۴
نظام سفلیات	۸۷۵
نباتات	//
مطعومات	۸۷۶
مشمومات	//
تفسیر فبای الاء ربکماتکذبان	۸۷۷
تکرار آیات اور مفسرین کی تصریحات	۸۷۸
قاضی بیضاویؒ	//
سلیمان الجملؒ	۸۷۹
علم الهدی	//
برہان القرآن	۸۸۰
آیہ فبای الاء میں تکرار نہیں ہے	۸۸۱
جماعت جن کا جواب	۸۸۲
ابن عباسؓ کا عمل	۸۸۳
آیہ فبای الاء کوسنکر جواب دینا مستحب ہے	۸۸۴
عرض فقیر	۸۸۵
ترجیع کلام عجم میں	۸۸۶
ترجیع کی ایک مثال کلام عرب سے	۸۸۶
ترجیع بند کلام کی دل کشی	۸۸۷
الاء کے معنی	۸۸۸
تقریر بالا کا ماحصل	۸۸۹
آیت[۱۴] خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ تا	
ختم آیت[۱۶] فَبِاَيِّ الَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبانِ	۸۹۱
انسانی آفرینش کی نسبت تغیرات قرآنیہ کی تطبیق	۸۹۲
تخلیق جن	۸۹۳
تخلیق جن وانس میں دعوت غور وفکر	۸۹۴
آیت[۱۷] رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ	
...... تاختم آیت[۱۸] فَبِاَيِّ الَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبانِ	۸۹۴
رب المشرقين رب المغربين کی تفسیر وتوجیہ	۸۹۵
آیت[۱۹] مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ ...... تا	
ختم آیت[۲۱] فَبِاَيِّ الَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبانِ	۸۹۷
مرج البحرين کی تفسیر	۸۹۷
آیت[۲۲] يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ	
...... تاختم آیت[۲۳] فَبِاَيِّ الَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبانِ	۸۹۸
اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ کی تفسیر	۹۰۰
قوم سے خطاب	۹۰۱
آیت[۲۴] وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَاٰتُ تاختم	
آیت[۲۵] فَبِاَيِّ الَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبانِ	۹۰۲
وله الجوار کی تفسیر	۹۰۲
دوسری تفسیر	۹۰۴

بحری نعمتیں	۹۰۵
عناصر اربعہ اور موجودات عالم	۹۰۶
آیت[۲۶]كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ....تا	
ختم آیت[۲۸]فَبِاَيِّ اٰلَاءِ رَبِّكُمَاتُكَذِّبَانِ	۹۰۶
امام شعبیؒ کی رائے	۹۰۷
نعمت سے منعم کی معرفت	۹۰۸
ذوالجلال والاکرام کی تفسیر	۹۰۸
آیت[۲۹]يَسْئَلُهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ	
تاختم آیت[۳۰]فَبِاَيِّ اٰلَاءِ رَبِّكُمَاتُكَذِّبَانِ	۹۱۲
یساله من فی السموات والارض کی تفسیر	۹۱۳
کل یوم هو فی شان کی تفسیر	۹۱۵
آیت[۳۱]سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلَانِ......تا	
ختم آیت[۳۲]فَبِاَيِّ اٰلَاءِ رَبِّكُمَاتُكَذِّبَانِ	۹۱۷
تمام زمانہ صرف دو دن کا ہے	۹۱۷
سنفرغ لکم کی تفسیر	۹۱۸
محاسبہ کی ضرورت	۹۱۹
آیت[۳۳]يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ......تا	
ختم آیت[۳۴]فَبِاَيِّ اٰلَاءِ رَبِّكُمَاتُكَذِّبَانِ	۹۲۰
یمعشر الجن والانس کی تفسیر	۹۲۰
نکتہ	۹۲۲
تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہ	۹۲۳
عرض فقیر	۹۲۴
سیر مریخ	۹۲۵
آیت[۳۵]يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ	
...... تاختم آیت[۳۶]فَبِاَيِّ اٰلَاءِ رَبِّكُمَاتُكَذِّبَانِ	۹۲۶
شواظ من نارونحاس کی تفسیر	۹۲۷
آیت[۳۷]فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَكَانَت......	
تاختم آیت[۳۸]فَبِاَيِّ اٰلَاءِ رَبِّكُمَاتُكَذِّبَانِ	۹۲۸
وجود افلاک پر بحث	۹۲۹
آیت[۳۹]فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْئَلُ عَنْ ذَنْبِهٖ تا	
ختم آیت[۴۲]فَبِاَيِّ اٰلَاءِ رَبِّكُمَاتُكَذِّبَانِ	۹۳۰
لایسئل عن ذنبه کی تفسیر	۹۳۰
سوال وعدم سوال کی توجیہ	۹۳۱
دوسری توجیہ	۹۳۲
مجرمین کی بے بسی	۹۳۳
یوخذبالنواصی والاقدام کی تفسیر	۹۳۴
آیت[۴۳]هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِىْ يُكَذِّبُ بِهَا	
...... تاختم آیت[۴۵]فَبِاَيِّ اٰلَاءِ رَبِّكُمَاتُكَذِّبَانِ	۹۳۵
حمیم اٰن کی تفسیر	۹۳۷
آیت[۴۶]وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ	
تاختم آیت[۴۹]فَبِاَيِّ اٰلَاءِ رَبِّكُمَاتُكَذِّبٰنِ	۹۳۷
خوف کے معنی	۹۳۹

خوف خدا کے معنی ۹۴۰
خلیفہ عباسی کا ایک واقعہ ۹۴۲
شان نزول ۹۴۳
مقام رب کی تفسیر ۹۴۴
جنتان کی تفسیر ۹۴۵
کیا جن بھی جنت میں ہونگے؟ ۹۴۶
جنتان کی وسعت ۹۴۷
جنتان کی تفسیر عارفین کے نزدیک ۹۴۸
خوف مخلوق وخالق میں فرق ۹۴۹
ذواتا افنان کی تفسیر ۹۴۹
آیت[۵۰]فِيهِمَا عَيْنٰنِ تَجْرِيٰنِ ...... تاختم
آیت[۵۱]فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۹۵۱
عیون جنت کا بیان ۹۵۱
آیت[۵۲]فِيهِمَ كُلِّ فَاكِهَةٍ ...... تاختم
آیت[۵۳]فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۹۵۳
من کل فاکهة زوجان کی تفسیر ۹۵۳
آیت[۵۴]مُتَّكِئِيْنَ عَلٰى فُرُشٍ بَطَائِنُهَا
...... تاختم آیت[۵۵]فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۹۵۵
اہل جنت کا فرش ۹۵۵
عرض فقیر ۹۵۶
وجناالجنتین دان کی تفسیر ۹۵۶
آیت[۵۶]فِيهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ ...... تا
ختم آیت[۵۷]فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۹۵۷
طلبۂ علوم عربیہ سے خطاب ۹۵۷
قاصرات الطرف کی تفسیر ۹۵۸
لم یطمثهن انس کی تفسیر ۹۵۹
نساء جنت سے مراد ۹۵۹
کانهن الیاقوت والمرجان کی تفسیر ۹۶۰
آیت[۶۰]هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ
...... تاختم آیت[۶۱] فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۹۶۱
احسان کے معنی ۹۶۱
مومن وکافر سب اسکے مخاطب ہیں ۹۶۲
احسان کے دوسرے معنی ۹۶۴
آیت[۶۲]وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ...... تاختم
آیت[۶۵] فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۹۶۶
ایک سوال کا جواب ۹۶۶
دوسرا جواب ۹۶۷
مد ھا متان کی تفسیر ۹۶۸
کیامد ھا متان آیت ہو؟ ۹۶۸
آیت[۶۶]فِيهِمَا عَيْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ...... تا
ختم آیت[۶۹] فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۹۶۹
عین نضاختن کی تفسیر ۹۷۱

نخل جنت کا بیان	۹۷۲
جنت کے انار اور فواکہ	۹۷۳
آیت[۷۰]فِيهِنَّ خَيۡرَاتٌ حِسَانٌ ......تا	
ختم آیت[۷۵]فَبِاَيِّ الَآءِ رَبِّكُمَاتُكَذِّبٰن	۹۷۵
خیرات حسان کی تفسیر	۹۷۶
مسلمان بہنوں سے خطاب	۹۷۷
حور مقصورات فی الخیام کی تفسیر	۹۷۸
حور عین کا نغمہ	۹۷۹
مومنات اہل دنیا کا جواب	۹۸۰
نساء مومنات کا نغمہ	۹۸۰
عرض فقیر	۹۸۱
ایماندا عوتوں کی فضیلت خور عین	۹۸۲
آیت[۷۶]مُتَّكِئِينَ عَلٰى رَفۡرَفٍ ......تا	
ختم آیت[۷۷]فَبِاَيِّ الَآءِ رَبِّكُمَاتُكَذِّبٰن	۹۸۳
متكين علی رفوف کی تفسیر	۹۸۵
نوشیروان کے ایوان خاص کا فرش	۹۸۵
قوم سے خطاب	۹۸۶
آیت[۷۸]تَبٰرَكَ اسۡمُ رَبِّكَ ذِى الۡجَلَالِ	
وَ الۡاِكۡرَام	۹۸۶
اسم اعظم سے دعا قبول ہوتی ہے	۹۸۷
تبٰرك اسم ربّك کی تفسیر	۹۸۸
اللہ کے نام کی برکت	۹۸۹
اسم کی برکت سے مسمی کی برکت	۹۹۰
[۵۶]سورۃ واقعہ[مکی] آیات[۹۶] رکوع[۳]	۹۹۱
سورۃ سابقہ سے مناسبت	۹۹۱
سورۃ واقعہ کی فضیلت	۹۹۲
آیت[۱]اِذَا وَقَعَتِ الۡوَاقِعَةُ............تا ختم	
آیت[۲] ....كَاذِبَةِ	۹۹۳
قیامت کو واقعہ کیوں کہا گیا	۹۹۳
طلبۂ علوم عربیہ سے خطاب	۹۹۴
آیت[۳]خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ .... تا ختم	
آیت[۷]وَكُنۡتُمۡ اَزۡوَاجًا ثَلٰثَةً	۹۹۵
قیامت بے پناہ انقلاب ہے	۹۹۶
خافضة رافعة کی تفسیر	۹۹۷
هبا کی تفسیر	۹۹۸
وكنتم ازواجا ثلثه کی تفسیر	۹۹۹
لفظ ''ازواج'' کی تفسیر	۹۹۹
آیت[۸]وَ اَصۡحٰبُ الۡمَيۡمَنَةِ...... تا ختم	۱۰۰۰
آیت[۱۱]...... اُولٰٓئِكَ الۡمُقَرَّبُوۡنَ	
آصحا ب الميمنه	۱۰۰۰
اصحاب المشأمه	۱۰۰۰

کلام پاک کی بلاغت	۱۰۰۱
سابقین	۱۰۰۲
ایک بہترین مثال	۱۰۰۲
سابقین کون ہیں؟	۱۰۰۳
سابقین میں سب سے اول کون ہے؟	۱۰۰۴
سابقین کی تفسیر کلام پاک سے	۱۰۰۵
تفسیر ابن کثیر	۱۰۰۶
طلبۂ علوم بیہ سے خطاب	۱۰۰۷
آیت[۱۲]فِی جَنّٰتِ النَّعِیۡمِ............) تاختم	۱۰۰۸
آیت[۱۶]() آیت ۱۲ تا ۱۶	
جنت النعیم کی تفسیر	۱۰۰۹
ثلۃ من الاولین کی تفسیر	۱۰۱۰
تناسب تقرب اور تناسب تعداد	۱۰۱۰
دوسری تفسیر	۱۰۱۱
اہل جنت میں امۃ مرحومہ کا تناسب	۱۰۱۲
اولین وآخرین کا فرق	۱۰۱۳
شان مقربین	۱۰۱۴
آیت[۱۷]یَطُوۡفُ عَلَیۡهِمۡ وِلۡدَانٌ ...... تاختم	
آیت[۲۱]مِمَّا یَشۡتَهُوۡنَ	۱۰۱۵
ظروف جنت	۱۰۱۵
شراب فجور وشراب طہور	۱۰۱۶
شراب طہور کے لوازم	۱۰۱۷
ولدان مجلدون کی تفسیر	۱۰۱۸
آیت[۲۲]وَحُوۡرٌ عِیۡنٌ ...... تاختم آیت	
[۲۴] ....كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ	۱۰۱۹
حور عین کی تفسیر	۱۰۱۹
نساء جنت کے اوصاف	۱۰۲۰
آیت[۲۵]لَا یَسۡمَعُوۡنَ فِیۡهَا لَغۡوًا...... تاختم	۱۰۲۱
آیت[۲۶]سَلٰمًا سَلٰمًا	
سلما سلما کی تفسیر	۱۰۲۱
سبقت کے اسباب	۱۰۲۲
آیت[۲۷]وَاَصۡحٰبُ الۡيَمِيۡنِ .... تا	
ختم آیت[۳۴]...... وَفُرُشٍ مَّرۡفُوۡعَةٍ	۱۰۲۵
طلبۂ علوم عربیہ سے خطاب	۱۰۲۷
سدر مخضود کی تفسیر	۱۰۲۸
طلح منضود کی تفسیر	۱۰۲۹
عرض فقیر	۱۰۳۰
ظل ممدود کی تفسیر	۱۰۳۱
ماء مسکوب کی تفسیر	۱۰۳۲
شان نزول	۱۰۳۳
وفاکهة کثیرة کی تفسیر	۱۰۳۳
لامقطوعة ولا ممنوعة کی تفسیر	۱۰۳۴

وفرش مرفوعة کی تفسیر	۱۰۳۶
دوسری تفسیر	۱۰۳۸
آیت[۳۵]اِنَّآ اَنشَاۡنٰھُنَّ اِنۡشَآءً ...... تاختم	
آیت[۳۸]..................لِاَصۡحٰبِ الیَمِیۡنِ	۱۰۳۹
طلبہ علوم عربیہ سے خطاب	۱۰۳۹
انشأنا ھن کی تفسیر	۱۰۴۰
ایک لطیفہ	۱۰۴۰
انکارا کی تفسیر	۱۰۴۱
عربا کی تفسیر	۱۰۴۲
اترابا کی تفسیر	۱۰۴۳
لاصحاب الیمین کی تفسیر	۱۰۴۳
سابقین اور اصحاب الیمین کا فرق	۱۰۴۴
آیت[۳۹]ثُلَّۃٌ مِّنَ الۡاَوَّلِیۡنَ ...... تاختم	
آیت[۴۰]............ مِنَ الۡاٰخِرِیۡنَ	۱۰۴۴
یہ اولین وآخرین کون ہیں	۱۰۴۵
حضور ﷺ کا مشاہدہ امم سابقہ	۱۰۴۶
امتہ مرحومہ کا شاہدہ	۱۰۴۷
عکاشہؓ سابقین ہیں	۱۰۴۸
ہدایت نبویہ	۱۰۴۸
بلاحساب جنت میں جانیوالوں کی نشانی	۱۰۵۰
اہل بدر کی ایمانی صفت	۱۰۵۰
آیت[۴۱]وَاَصۡحٰبُ الشِّمَالِ مَآ اَصۡحٰبُ	
...... تاختم آیت[۴۴]..................وَلَاکَرِیۡمٍ	۱۰۵۱
اصحب الشمال کی تفسیر	۱۰۵۳
فی سموم کی تفسیر	۱۰۵۴
حمیم کی تفسیر	۱۰۵۴
وظل من یحموم کی تفسیر	۱۰۵۵
لابارد ولا کریم کی تفسیر	۱۰۵۶
آیت[۴۵]اِنَّھُمۡ کَانُوۡا قَبۡلَ ذٰلِکَ مُتۡرَفِیۡنَ	
...... تاختم آیت[۴۸]......اَوَاٰبَآءُ نَا الۡاَوَّلُوۡنَ	۱۰۵۷
دوزخیوں کی سزا عین عدل ہے	۱۰۵۸
مترفین کی تفسیر	۱۰۶۰
مترفین کی دوسری قسم	۱۰۶۱
حنث عظیم کی تفسیر	۱۰۶۲
کافروں کا قیامت سے انکار واستبعاد	۱۰۶۳
منکرین قیامت کا جواب	
آیت[۴۹]قُلۡ اِنَّ الۡاَوَّلِیۡنَ وَالۡاٰخِرِیۡنَ	
...... تاختم آیت[۵۰]...... یَوۡمٍ مَّعۡلُوۡمٍ	۱۰۶۴
قیامت کی ایک کھلی نشانی	۱۰۶۴
آیت[۵۱]ثُمَّ اِنَّکُمۡ اَیُّھَا الضَّآلُّوۡنَ ...... تا	۱۰۶۵
ختم آیت[۵۳]...... مِنۡھَا الۡبُطُوۡنَ	
دوزخیوں پر بھوک کا غلبہ اوران کی غذا	

آیت[۵۴]فَشَارِبُوْنَ عَلَیْهِ مِنَ الْحَمِیْمِ
...... تاختم آیت[۵۷]...... فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ۱۰۶۷
ھیم کی تفسیر ۱۰۶۸
دوزخیوں کی پہلی خوراک ۱۰۶۸
نصیحت بہ ضمن واقعہ قیامت ۱۰۶۹
آیت[۵۷]اَفَرَاَیْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ...... تاختم
آیت[۶۲]فَلَوْلَا تَذَکَّرُوْنَ ۱۰۷۰
پہلی مثال مادہ تولید ۱۰۷۱
تقدیر موت اور اس کی حکمت ۱۰۷۲
بعض چیزوں کا علم نہ ہونا بھی رحمت ہے ۱۰۷۳
فیما لا تعلمون کی دوسری تفسیر ۱۰۷۵
نشاۃ اولی پر نشاۃ ثانیہ کا قیاس ۱۰۷۷
قوم سے خطاب ۱۰۷۷
قیاس بھی اصل شرعی ہے ۱۰۷۹
قیاس مجتہد کی صحت ۱۰۷۹
آیت[۶۳]اَفَرَاَیْتُمْ مَّاتَحْرُثُوْنَ ...... تاختم ۱۰۸۱
آیت[۶۷]...... بَلْ اَنْتُمْ مَحْرُوْمُوْنَ
غلہ کی پیداوار اپر ایک نظر ۱۰۸۱
کھیتیوں کے آفات ۱۰۸۲
آداب زراعت ۱۰۸۳
کسان کیلئے توکل ضروری ہے ۱۰۸۴
کھیتی کیلئے ایک مجرب دعا ۱۰۸۵
طغیانی اور خشک سالی کا راز ۱۰۸۵
طہارت موجب برکت ہے ۱۰۸۶
ایک شبہہ کا ازالہ ۱۰۸۶
آیت[۶۸]ا۔ف۔ر۔ا۔یقتُمُ الْمَآءَ الَّذِیْ......
تاختم آیت[۷۰]...... فَلَوْلَا تَشْکُرُوْنَ ۱۰۸۷
تیسری مثال آب خوردنی
قیامت کا ثبوت پانی سے ۱۰۸۷
چانی کا شکر ۱۰۸۸
برسات کا استقبال ۱۰۸۹
آیت[۷۱]اَفَرَا۔یْتُمُ النَّارَ الَّتِیْ تُوْرُوْنَ
...... تاختم آیت[۷۴]رَبِّكَ الْعَظِیْمِ ۱۰۹۰
پتھر سے آگ نکلنا ۱۰۹۱
سرسبز درخت سے آگ پیدا ہونا ۱۰۹۲
ناردنیا سے نار دوزخ کا قیاس ۱۰۹۲
تذکرہ اور مقوین کی تفسیر ۱۰۹۳
پانی گھانس اور آگ سے نہ روکو ۱۰۹۴
چقماق کی آگ سے قیامت کا ثبوت ۱۰۹۴
عناصر اربعہ سے قیامت کا ثبوت ۱۰۹۵
عجب الذنب سے دوبارہ آفرینش ۱۰۹۵
تسبیح رکوع کا ماخذ ۱۰۹۷

آیت[۷۵]فَلَآ اُقۡسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُوۡمِ ...... تاختم آیت[۸۰]مِنۡ رَّبِّ الۡعَالَمِيۡنَ	۱۰۹۷
مواقع النجوم کی تفسیر	۱۰۹۸
مواقع النجوم مواقع سحر	۱۰۹۹
مواقع النجوم کی قسم باعظمت ہے	۱۱۰۰
مواقع النجوم منازل قرآن	۱۱۰۱
مزارات مقدسہ کی اہمیت	۱۱۰۳
حاملین قرآن حکیم کے اوقات وصال کی اہمیت	۱۱۰۴
قرآن کریم کی تفسیر	۱۱۰۵
کتاب مکنون کی تفسیر	۱۱۰۷
کتاب مکنون کی تفسیر میں قوال آیۃ لاعیۃ کی تفسیر	۱۱۰۷
مس مصحف کے لئے طہارت شرط ہے	۱۱۰۹
مضمون بالا کی تائید	۱۱۱۰
طہارت ظاہری وباطنی	۱۱۱۱
مطھرون کی تفسیر	۱۱۱۱
آیت تطہیر کی شان نزول	۱۱۱۲
تنزیل الا یه آیت ۸۱تا۸۲ کی تفسیر	۱۱۱۳
آیت[۸۱]اَفَبِهٰذَا الۡحَدِيۡثِ اَنۡتُمۡ مُّدۡهِنُوۡنَ ...... تاختم آیت[۸۲]...... اَنۡتُمۡ تُكَذِّبُوۡنَ	۱۱۱۴
تکذیب کی ایک مثال	۱۱۱۶
ایک اہم امر	۱۱۱۷
قرآن کریم سے روحانی زندگی کا سامان	۱۱۱۸
طلبۂ علوم عربیہ سے خطاب	۱۱۲۰
قیامت برحق ہونیکا ایک اور ثبوت	۱۱۲۰
قبض روح کی کیفیت	۱۱۲۱
عالم احتضار کی کیفیت اور تدبیر	۱۱۲۲
تلقین کلمہ طیبہ	۱۱۲۳
تلاوت یسین شریف	۱۱۲۴
آیت[۸۸]فَاَمَّآ اِنۡ كَانَ مِنَ الۡمُقَرَّبِيۡنَ ...... تاختم آیت[۸۹]......جَنَّتُ نَعِيۡمٍ	۱۱۲۶
مقربین کا مقام	۱۱۲۶
مقربین کا جنت	۱۱۲۷
نیک وبد میں امتیاز	۱۱۲۸
مومن کیلئے بشارت بوقت موت ودفن	۱۱۲۹
روح ریحان کی تفسیر	۱۱۳۰
محبین ومحبوبین	۱۱۳۱
مقربین کیلئے تحفہ	۱۱۳۲
کیفیت قبض مقربین	۱۱۳۳
پھول چڑھانا	۱۱۳۴
میت کی معرفت وتذکیر	۱۱۳۴

آیت[۹۰]وَاَمَّآ اِنْ کَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْیَمِیْنِ تاختم آیت[۹۱] مِنْ اَصْحٰبِ الْیَمِیْنِ	۱۱۳۵
اصحاب الیمین کوسلام	۱۱۳۵
سلام کی تفسیر	۱۱۳۶
عرض فقیر	۱۱۳۶
موت صالحین کا ایک منظر	۱۱۳۷
قوم سے خطاب	۱۱۳۸
موت کیوں ناپسند ہے	۱۱۳۸
آیت[۹۲]وَاَمَّآ اِنْ کَانَ مِنَ الْمُکَذِّبِیْنَ ...... تاختم آیت[۹۴] ...... وَتَصْلِیَةُ جَحِیْمُ	۱۱۳۹
کافر کی موت	۱۱۳۹
شراب خوار کی موت	۱۱۴۱
آیت[۹۵]اِنَّ ھٰذَا لَھُوَ الْیَقِیْن...... تاختم آیت[۹۶]فَسَبِّحْ باسْمِ رَبِّكَ الْعَظِیْمِ	۱۱۴۲
قرآن شریف پر ہر شخص ایمان لائے گا	۱۱۴۵
یقین کی تفسیر	۱۱۴۶
علم الیقین	۱۱۴۶
عین الیقین	۱۱۴۶
حق الیقین	۱۱۴۷
حقیقت الیقین	۱۱۴۷
مراتب یقین کی تمثیل	۱۱۴۷
یقین دنیا وآخرت میں	۱۱۴۸
تسبیح کا حکم	۱۱۴۸
تسبیح کی فضیلت	۱۱۴۹
سورہ واقعہ کی اہمیت	۱۱۵۰

[۵۷] سورۃ حدید[مدنی]

آیات[۲۹] رکوع[۳]

ماقبل سے مناسبت	۱۱۵۱
سورہ حدید کی فضیلت	۱۱۵۲
ایک آیت ہزار سے افضل	۱۱۵۲
آیت[۱]سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ	۱۱۵۳
تسبیح جامع	۱۱۵۴
آیت[۲]لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ......	۱۱۵۵
اول وآخر کی تفسیر	۱۱۵۶
آیت[۳]ھُوَالْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاھِرُ وَالْبَاطِنُ	۱۱۵۶
کائنات کی تسبیح نہ سننا بھی رحمت ہے	۱۱۵۷
کائنات کی آفرینش تسبیح کیلئے	۱۱۵۷
عذاب قبر کو جن وانس کے سواسب سن سکتے ہیں	۱۱۵۷
مدعیان ملک سے خطاب	۱۱۵۸
تفسیر اول وآخر ظاہر و باطن	۱۱۵۹

حدیث بالا کی تفسیر	۱۱۶۰
ھوالاول والاخر کی تفسیر	۱۱۶۰
والظاھر والباطن کی تفسیر	۱۱۶۱
حضوراکرم ﷺ کی دعا	۱۱۶۲
دعائے بالامہمات کیلئے	۱۱۶۳
ایک مغالطہ اور اسکا جواب	۱۱۶۴
ایک شک اور اسکا دفعیہ	۱۱۶۵
آیہ ھوالاول کی تفسیر	۱۱۶۶
مولائے کائنات کا ارشاد	۱۱۶۷
صدیق اکبرؓ کا ارشاد	۱۱۶۷
محققین کی رائے	۱۱۶۸
حضرت جنیدؒ کا تاثر	۱۱۶۸
آیت[۴]هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ	۱۱۶۹
ستة ایام کی تفسیر	۱۱۷۰
علم الٰہی کی تفسیر	۱۱۷۱
معیت الٰہی کی تفسیر	۱۱۷۲
معیت کے باب میں محققین کی رائے	۱۱۷۲
مراقبہ معیت الٰہی	۱۱۷۳
مراقبہ معیت الٰہی کے فوائد	۱۱۷۴
واقعہ ہجرت	۱۱۷۴
اینما کنتم کی تفسیر	۱۱۷۵
بما تعلمون بصیر کی تفسیر	۱۱۷۶
آیت[۵]لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ......	۱۱۷۷
له ملك السموات کی تکرار تاکیدًا نہیں	۱۱۷۷
له ملك السموات میں تاسیں ہے	۱۱۷۸
آیت[۶]یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ	۱۱۸۰
رات دن کی کمی بیشی	۱۱۸۰
اسم آعظم سے دعا مستجاب	۱۱۸۱
اسم آعظم کی تاثیر	۱۱۸۳
آیت[۷]اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا......	۱۱۸۳
ایمان لانے کا حکم	۱۱۸۳
حضرت عمرؓ کا تاثر	۱۱۸۴
علامت ایمان انفاق مال	۱۱۸۵
حضرت عثمانؓ کی منقبت	۱۱۸۶
علم وعرفان کسب وہنر کی تعلیم	۱۱۸۷
ایک لطیفہ	۱۱۸۷
آیت[۸]وَمَالَکُمْ لَاتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ..................	۱۱۸۸
خطاب قریش سے	۱۱۸۸
خطاب اہل کتاب سے	۱۱۸۹
خطاب صحابہ کرامؓ سے	۱۱۹۰

عرض فقیر ۱۱۹۱
آیت[۹]هُوَالَّذِیْ یُنَزِّلُ عَلٰی عَبْدِهٖ...... ۱۱۹۱
آیت بینت کی تفسیر ۱۱۹۱
آیت[۱۰]وَمَالَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ...... ۱۱۹۲
انفاق فی سبیل اللہ کی تفسیر ۱۱۹۳
خرچ کا فرق ۱۱۹۴
صحابہ کرام بھی مختلف مدارج رکھتے ہیں ۱۱۹۴
مومنین قبل فتح کی فضلیت ۱۱۹۵
تمام صحابہ مغفور ہیں ۱۱۹۶
خالد اور ابن عوف کا مکالمہ ۱۱۹۸
تمام صحابہ کی فضلیت امۃ مرحومہ ۱۱۹۹
آیت[۱۱] مَنْ ذَاالَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا...... ۱۲۰۰
قرض حسن کی تفسیر ۱۲۰۰
حضرت شاہ صاحب کی رائے ۱۲۰۲
آقا اور غلام میں سود بیاج نہیں ۱۲۰۳
ابوالدحداح کی منقیت ۱۲۰۳
آیت[۱۲]یَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ...... ۱۲۰۴
یسعٰی نورھم کی تفسیر ۱۲۰۵
ملائکہ کرام کا خیر مقدم ۱۲۰۶
فوز عظیم کی تفسیر ۱۲۰۶
نور اعمال صالحہ ۱۲۰۷
انور طاعت کا تفادت ۱۲۰۸
امۃ مرحوکی کامیابی کا نظر ۱۲۱۱
قوم سے خطاب ۱۲۱۲
آیت[۱۳]یَوْمَ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ ...... تا
ختم آیت[۱۵]............ وَ بِئْسَ الْمَصِیْرُ ۱۲۱۳
منافقین کی بدحالی ۱۲۱۴
منافقین کے استہزاء کی سزا ۱۲۱۶
منافقین کی حیات دنیوی پر نظر ۱۲۱۷
عدل آخرت کا نمونہ ۱۲۱۸
آیت[۱۶]اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ ۱۲۲۰
قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِاللّٰهِ ....
شان نزول ۱۲۲۰
خشوع کی اہمیت ۱۲۲۲
حضرت فضیلؒ بن عیاض کی توبہ کا واقعہ ۱۲۲۴
حضرت مالک بن دینارؒ کا واقعہ ۱۲۲۵
آیت[۱۷]اِعْلَمُوْآ اَنَّ اللّٰهَ یُحْیِ الْاَرْضَ...... ۱۲۲۷
احیاء ارض ۱۲۲۷
احیاء قلوب ۱۲۲۸
آیت[۱۸]اِنَّ الْمُصَدِّقِیْنَ وَ الْمُصَدِّقٰت
...... تا ختم آیت[۱۹]...... اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ ۱۲۳۰
مصدقین کی تفسیر ۱۲۳۰

نادارں کی تسلی خاطر	۱۲۳۱	حیات دنیا کے دوراستے	۱۲۵۱
حدیث ابوہریرہؓ	۱۲۳۳	سابقوا کی تفسیر	۱۲۵۲
ابوالدرداؓ کی حدیث مرفوع	۱۲۳۴	عرض جنت کی تفسیر	۱۲۵۳
حدیث ابوہریرہؓ کا مطلب	۱۲۳۵	عرض فقیر	۱۲۵۳
حدیث براءؓ وابن مسعودؓ	۱۲۳۵	استحقاق جنت	۱۲۵۴
حدیث عمرو بن میمونؓ	۱۲۳۶	فضل اللہ کی تفسیر	۱۲۵۴
عرض فقیر	۱۲۳۷	آیت[۲۲]مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ ...... تا ختم آیت[۲۴]فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ	۱۲۵۶
آیت[۲۰]اِعْلَمُوْا اَنَّمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا	۱۲۳۹	''مصیبة'' کی تفسیر	۱۲۵۷
''لعب'' کی تفسیر	۱۲۴۰	رنج وراحت میں مومن کا وظیفہ	۱۲۵۸
موجودہ مدارس پرایک نظر	۱۲۴۰	یہاں معاشی مصائب مراد ہیں	۱۲۵۹
''لھو'' کی تفسیر	۱۲۴۱	عرض فقیر	۱۲۶۱
''زینة'' کی تفسیر	۱۲۴۳	مثال فخور کی تفسیر	۱۲۶۲
''تفاخر'' کی تفسیر	۱۲۴۴	منافقین کا بخل	۱۲۶۳
حضرت مولائے کائنات کی نصیحت	۱۲۴۵	آیت[۲۵]لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ	۱۲۶۵
دنیا قرآن کریم کی روشنی میں	۱۲۴۷	رسلنا کی تفسیر	۱۲۶۵
دنیا بزرگاں دین کی نظر میں	۱۲۴۸	انبیاء علیھم السلام کی بعثت	۱۲۶۷
حیات دنیا کی مثال	۱۲۴۸	حضور انور کی بعثت مبارک	۱۲۶۸
حیات دنیا کا انجام	۱۲۴۹	کتاب کیساتھ میزان کا نزول	۱۲۶۸
حیات دنیا ایک دھوکہ	۱۲۴۹	اہل بیتؑ کرام کی غظمت شان	۱۲۶۹
حیات دنیا کے دو پہلو	۱۲۵۰	المیزان کی تفسیر	۱۲۷۰
آیت[۲۱]سَابِقُوْآ اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنق رَّبِّکُمْ	۱۲۵۱		

میزان کے نزول کا مقصد	۱۲۷۱	عہد موسوی	۱۲۸۷
میزان کی دوسری تفسیر	۱۲۷۱	عہد عیسوی	۱۲۸۸
عرض فقیر	۱۲۷۲	عہد مبارک نبوی ﷺ	۱۲۸۹
انزلنا الحديد کی تفسیر	۱۲۷۳	موسوی وعیسوی تعلیمات وقتیہ تھے	۱۲۹۰
فيه باس شديد کی تفسیر	۱۲۷۴	نصاریٰ کی رہبانیت	۱۲۹۳
اسوۂ یوسفی	۱۲۷۴	رہبانیت ایجاد نصاری	۱۲۹۲
حسن وکمال یوسفی	۱۲۷۵	اسباب ایجاد رہبانیت	۱۲۹۳
اسوۂ داودی	۱۲۷۵	رہبانیت کیا ہے؟	۱۲۹۵
لوہا اور سیم وزر کا توازن	۱۲۷۷	رہبانیت عہد موسوی	۱۲۹۶
لوہا اور حضرت آدمؑ	۱۲۷۷	رہبانیت عہد مسیحی	۱۲۹۶
لوہے سے نصرت خدا اور رسول	۱۲۷۸	رہبانیت بدعت ہے	۱۲۹۷
قوی عزیز کی تفسیر	۱۲۷۹	ابتداع کا حکم	۱۲۹۸
قوی عزیز کی تاثیر	۱۲۸۰	نفل شروع کر کے توڑنے کا حکم	۱۲۹۹
عرض فقیر	۱۲۸۱	عرض فقیر	۱۳۰۰
آیت[۲۶] وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّ اِبْرٰهِيْمَ	۱۲۸۱	امت مرحومہ کی کوئی ایجا بدعت نہیں	۱۳۰۱
نبوت اولاد نوحؑ وابراہیمؑ میں	۱۲۸۱	تراویح کی پابندی کا حکم	۱۳۰۲
قوت وعزت الٰہی انبیاء کیساتھ	۱۲۸۳	تراویح بدعت حسنہ ہے	۱۳۰۲
قوت وعزت الٰہی صالحین کیساتھ	۱۲۸۴	امت مرحومہ کی ایجاد کو سنت کہو	۱۳۰۳
آیت[۲۷] ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ ……	۱۲۸۵	عرض فقیر	۱۳۰۴
تعلیمات عیسوی	۱۲۸۶	امت مرحومہ کی ایجا لائق ملامت نہیں	۱۳۰۵

امۃ مرحومہ کی ایجادات کے بابت اقوال	۱۳۰۶	رہبانیت نصاری اور جواب صدر میں فرق	۱۳۲۲
پہلا قول	۱۳۰۶	امت مرحومہ کی رہبانیت	۱۳۲۳
مضمون صدر کی توضیح	۱۳۰۸	سلمہ بن اکوعؓ کی عزلت گزینی	۱۳۲۴
امت مرحومہ میں موجد کی شان	۱۳۰۸	آیت[۲۸]یٰاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ	
دوسرا قول	۱۳۰۹	...... تاختم آیت[۲۹]ذُوالۡفَضۡلُ الۡعَظِیۡمِ	۱۳۲۶
تیسرا قول	۱۳۱۲	شان نزول	۱۳۲۷
چوتھا قول	۱۳۱۲	کفلین کی تفسیر	۱۳۲۹
پانچواں قول	۱۳۱۳	کفل کے لغوی معنی	۱۳۳۰
حزب البحر اور دلائل الخیرات وغیرہ	۱۳۱۵	فضل الٰہی پر کسی کو قابو نہیں	۱۳۳۰
چھٹا قول	۱۳۱۵	فضل کی تفسیر	۱۳۳۱
عرض فقیر	۱۳۱۷	وقت عصر پر حنفیہ کا استدلال	۱۳۳۲
ایک ضروری گزارش	۱۳۱۸	مضمون بالا کا خلاصہ	۱۳۳۳
عرض فقیر	۱۳۱۹	آیہ لئلا یعلم کی دوسری تفسیر	۱۳۳۳
ایک سوال اور اس کا جواب	۱۳۱۹	فضل عظیم کی تفسیر	۱۳۳۴
جواب صدر کی تائید	۱۳۲۲		

پیرومرشد مولانا حبیب محمد عمر حسینی قادری رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد فرمانے پر سید غوث محی الدین حسینی نصرالحق قادری نے یہ فہرست تیار کی ہے۔ اللہ تعالیٰ اُسے اور اس کے ساتھ اس کام میں شریک رہنے والوں کو اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقہ میں اور اپنے کلام کی برکت سے جزاءِ خیر عطا فرمائے اور اُن کی دین و دنیا کی مشکلوں کو حل فرمائے۔ آمین

پیر کے ساتھ رہا خدمتِ قرآں میں شریک | خادمِ خادمِ قرآن ہوا نصرالحق

الحمد للہ رب العالمین

اظہارِ تشکر

روز افزوں ہوں مدارج اور تیرا مرتبہ | حق تعالیٰ دے تجھے اس امر کا بہتر صلہ
جس کو جو دینا تھا دے کر تو نے اپنے نصر کو | ہاتھ میں تفسیر دے کر ساتھ اپنے کرلیا

Res:24460038 Cell: 9490847463

۴۸۶ / ۲۹۲

سُوْرَۃُ قَمَرْ[1]

جمہور[2] کے نزدیک مکی ہے اور اس میں پچپن[5] آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اِقْتَرَبَتِ[3] السَّاعَةُ[4] وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ پاس آ لگی وہ گھڑی 54-1

[1] اس سورت کا دوسرا نام "اقتربت" بھی ہے۔ یعنی جس کلمہ سے اس کی ابتدا ہے
اوسی نام سے اس کو موسوم کیا گیا ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں: انّها تدعى في التوراة
المبيّضة تبيّض وجه صاحبها يوم تسودّ الوجوه۔ (بیہقی) توریت
شریف میں اس کا نام "مبیضہ" لکھا ہے۔ یعنی جس دن اوروں کے چہرے سیاہ
پڑ جائیں گے اوس دن اس سورت کے حفظ کرنے والوں یا پڑھنے والوں کے چہرے

(قیامت کی) اور پھٹ گیا چاند "

(بقیہ حاشیہ ۱؎ صفحہ گذشتہ)

(اس کی برکت سے) سفید (نورانی) ہوں گے "کسی چیز کے ایک سے زیادہ نام اوس کی فضیلت اور شرف کی علامت ہے۔

۲؎ مقاتل کہتے ہیں:۔ مکیۃ الا ثلاث آیات ام یقولون الی وامر۔ پوری سورت مکیہ ہے مگر ام یقولون سے و امر تک تین آیتیں مدنیہ ہیں " بعض مفسرین لکھتے ہیں کہ صرف سیھزم الجمع والی آیت مدنیہ ہے۔ ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت بھی مکیہ ہے۔ حضرت عمر بن خطابؓ فرماتے ہیں:۔ قلت یا رسول اللہ ای جمع یھزم فلما کان یوم بدر وا نھزمت قریش نظرت الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی آثارھم مصلتا بالسیف وھو یقول سیھزم الجمع و یولون الدبر فکانت لیوم بدر (سیھزم الجمع والی آیت مکہ میں نازل ہوئی تو) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کونسی جماعت شکست کھائے گی؟ (آپؐ نے کچھ جواب ادا نہ فرمایا) جب یوم بدر آیا اور قریش کی شکست رونما ہوئی تو میں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ تلوار سونتے ہوئے اون کا تعاقب فرما رہے ہیں اور یہ آیت (زور زور سے) پڑھتے جا رہے ہیں (جس کا ترجمہ یہ ہے) اب یہ جماعت شکست کھا جائے گی اور یہ سب پیٹھ پلٹا دیں گے " (تب مجھے

اقتربت الساعة کی تفسیر اور قرب قیامت کی مثال

مطلب یہ کہ قیامت کی ساعت جس کا وعدہ اللہ سبحانہ نے دیا اور جس کی اطلاع انبیائے سابقین صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین کے ذریعہ ہر زمانہ میں ملتی رہی قریب آچکی ہے اور اوس کے قیام وقوع کا زمانہ اتنا نزدیک ہوچکا ہے کہ وہ ساعت، پاس آ لگی ہے۔ اب غفلت

(بقیہ حاشیہ ۲ے صفحہ گذشتہ)

معلوم ہوا کہ) یہ آیۃ کریمہ یوم بدر کی پیشگوئی کر رہی تھی"۔ ام المومنین عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں:۔
نزل علی محمد صلی اللہ علیہ وسلم بمکۃ وانی لجاریۃ العب بل الساعۃ موعدھم والساعۃ ادھی وامرّ۔ (بخاری شریف) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مکہ ہی میں یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی جب کہ میرا بچپن تھا اور میں کھیلتی تھی۔ بل الساعۃ موعدھم یعنی ایک ساعۃ کا اون کفار قریش کو وعدہ دیا گیا ہے وہ ساعت نہایت کٹھن اور تلخ تر ہوگی"۔ ان روایات کی بنا پر جمہور کا یہ کہنا ہے کہ پوری سورت مکیہ ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سورت کی آخری دو آیتیں ان المتقین سے مدنیہ ہیں۔ واللہ اعلم۔

۳ے سورہ نجم کے آخر میں تھا۔ ازفت الآزفۃ ۔ آپہنچنے والی ساعت آپہنچی"۔ اور اس سورت شریفہ کی ابتدا یوں ہے:۔ اقتربت الساعۃ ۔ وہ ساعت (قیامت)

تسایل مفید نہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :۔ ان اللہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ ۳)

پاس آگئی " اس سے دونوں سورتوں کی مناسبت بالکل واضح ہے کہ قیامت کا بیان جو اوس کے آخر میں شروع ہوا تھا اس میں اوس پر مزید روشنی ڈالی جارہی ہے۔ نیز یہ کہ والنجم سے پہلے کی سورت والطور کا اختتام فسبحہ وادبار النجوم پر ہوا تھا اوس کے بعد والی سورت کا آغاز جس طرح والنجم سے ہوا۔ ٹھیک اُسی طرح سورۂ والنجم کے ختم پر سورۂ قمر کا آغاز ہوا۔ علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں :۔ نجم (ستارہ) اور قمر (چاند) میں جو مناسبت ہے وہ بھی ظاہر ہے۔ مزید لطف یہ ہے کہ والنجم میں جن امم ماضیہ (عاد، ثمود، وغیرہ) کا بیان ہوا تھا اس میں بھی امم مذکورہ کا بیان آرہا ہے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو والطور، والنجم، اور سورۂ قمر کی ترتیب یکے بعد دیگرے کچھ اس طرح واقع ہوئی ہے کہ یہ تمام سورتیں ایک دوسرے سے مربوط، اور ایک ہی سلسلہ کی یہ کڑیاں ہیں۔ سورت سابقہ کا نام "نجم" تھا تو اس سورت شریفہ کا نام "قمر" ہے۔ نام کے اعتبار سے بھی تناسب و ترتیب ظاہر ہے۔ (روح المعانی)

ک۔ الساعة جزء من اجزاء الزمان و يعبّر به عن القيامة قال اقتربت الساعة تشبيها بذلك لسرعة حسابه (مفردات) اولانها

جعل الدنیا کلھا قلیلا فما بقی منھا قلیل من قلیل، ومثل

(بقیہ حاشیہ کہ صفحہ گذشتہ)

تقوم فی آخر ساعة من ساعات الدنیا او لانھا ساعة خفیفة یحدث فیھا امر عظیم (روح البیان) وقیل الساعات التی ھی القیامة ثلاثة الساعة الکبریٰ وھی بعث الناس للمحاسبة وھی التی اشار الیھا بقوله علیه السلام لا تقوم الساعة حتی یظھر الفحش والتفحش و حتی یعبد الدرھم والدینار الی غیر ذلك وذکر امورا لم تحدث فی زمانه ولا بعدہ والساعة الوسطیٰ وھی موت اھل القرن الواحد وذلك نحو ما روی انه رأی عبد الله بن انیس فقال ان یطل عمر ھذا الغلام لم یمت حتی تقوم الساعة فقیل انه آخر من مات من الصحابة والساعة الصغریٰ وھی موت الانسان فساعة کلّ انسان موته (مفردات) زمانہ کے ایک جزو کو "ساعت" کہتے ہیں اور اس ساعت سے "ساعت قیامت" مراد لی جاتی ہے۔ اللہ سبحانہ نے فرمایا:—— اقتربت الساعة۔ قیامت پاس آگئی۔" چوں کہ اوس دن فوری حساب دینا ہوگا اس لئے قیامت کو ساعت قرار دیا گیا۔" سے کہتے ہیں کہ قیامت کی تین ساعتیں ہیں۔

مابقی مثل الثغب شرب صفوه وبقی کدره ۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے پوری

(بقیہ حاشیہ سے صفحہ گذشتہ)

۱ "ساعت کبریٰ" جس میں حساب دینے کے لئے سب لوگ قبروں سے اوٹھائے جائیں گے ۔ چنانچہ اس حدیث شریف میں اسی ساعت کی طرف اشارہ ہے آنحضرت نے فرمایا: ۔ قیامت قایم نہ ہوگی تا آں کہ فحش اور بے حیائی ظاہر نہ ہو ۔ اور درم دینا وغیرہ کی پرستش نہ ہونے لگے " اس میں اور بھی امور ارشاد ہوئے جن کا آپ کے زمان مبارک اور ما بعد زمانہ میں وجود نہ تھا ۔ (وہ امور قرب قیامت کے زمانہ میں ظہور پذیر ہونے والے تھے) ۲ "دوسری ساعت وسطیٰ" (درمیانی) اس سے کسی ایک قرن والوں کی موت مراد ہے ۔ روایت ہے کہ آپؐ نے عبداللہ بن انیسؓ کو دیکھ کر فرمایا اس لڑکے کی عمر دراز ہو تو یہ قیامت کو دیکھے بغیر نہ مریگا " چنانچہ کہتے ہیں کہ ان کی وفات صحابہ میں سب کے بعد ہوئی "

فقیر عرض کرتا ہے کہ اس میں ایک پرفتن دور کی طرف اشارہ ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت سے شروع ہوا اور محاربات جمل وصفین سے گزرتا ہوا واقعہ فاجعہ کربلاء وقتال حرہ وقتال حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر ختم ہوا اور مجاہدین اسلام جو ساری دنیا کو فتح کرلینے کے لئے کافی تھے وہ باہمی آویزش اور خانہ جنگیوں کا شکار ہوگئے جو قیامت سے کم نہیں ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔

مدت دنیا کو (آخرت کے مقابلہ میں) قلیل یعنی مختصر سی فرمایا (اوس میں سے ایک حصہ تو گزر چکا) اب جو باقی رہ گیا ہے وہ قلیل میں سے بھی قلیل ہی ہے اور باقیماندہ مدت کی مثال ایک تالاب کی سی ہے جس کا صاف پانی (جو اوپر اوپر رہتا ہے وہ تو) پی لیا گیا اب صرف گدلا حصہ رہ گیا ہے'' یعنی اب لطف باقی نہیں رہا۔ کسی طرح باقی ماندہ پانی ہی پینا اور عمر گزارنی ہے۔ اگر لطف زندگی کی سعی کرو گے تو یہ سعی لاحاصل ہوگی۔ اور اگر اس سے اپنی توجہ ہٹا کر دار آخرت کی

(بقیہ حاشیہ ۴ صفحہ گذشتہ)

عبداللہ بن انیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات ۵۴ھ میں ہوئی اور ان واقعات کا دوران ۳۵ھ سے ۴۰ھ تک رہا جس سے پایا جاتا ہے کہ موصوف حسب ارشاد رسالت پناہی ان قیامت خیز واقعات کا ابتدائی اور وسطی دور دیکھ چکے تھے۔

رہا یہ کہ '' ان کی وفات صحابہ میں سب کے بعد ہوئی '' محل تامل ہے کیوں کہ عہد صحابہ کا سلسلہ ۱۱۰ھ تک تبلایا گیا ہے۔ ممکن ہے کہ راوی کی مراد تمام صحابہ نہ ہو بلکہ وہ صحابہ مراد ہوں جو اوس مجلس مبارک میں حاضر تھے۔ اور عبداللہ بن انیسؓ کی وفات ان سب کے بعد ہوئی ہو۔ واللہ اعلم۔ ''تیسری ساعت صغریٰ'' ہے اس سے ہر انسان کی موت مراد ہے لہذا ہر انسان کی موت' اوس کی قیامت ہے ''

سعی کرو گے تو کامیاب رہو گے ۔ جیسا کہ اللہ سبحانہ نے ارشاد فرمایا: — ومن اراد الاٰخرۃ وسعی لھا سعیھا وھو مؤمن فاولئك كان سعیھم مشکورا ۔" اور جو کوئی آخرت کا ارادہ کرتا ہے اور اوس کے لئے جیسی سعی کرنی چاہیے ایسی سعی کرتا ہے تو یہی لوگ ایسے ہیں جن کی سعی قابل قدر ہو گی۔"

قُربِ قیامت کی دوسری مثال حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے یہ بھی ارشاد فرمایا: — مثلی ومثل الساعۃ کفرسی رھان ۔ میری مثال اور قیامت کی مثال شرط کے دو گھوڑوں کی سی ہے ۔" جو ایک ساتھ کسی جگہ سے چھوڑے جاتے ہیں ۔ دونوں کی رفتار خوب تیز ہوتی ہے مگر اون میں سے کوئی ایک آگے نکل جاتا اور میدان جیت جاتا ہے ۔ اور دوسرا پیچھے رہ جاتا ہے مگر وہ پیچھے چھوٹ نہیں جاتا ۔ کچھ ہی وقفہ سے وہ بھی پہنچ ہی جاتا ہے ۔

فرس سے فارس بھی مراد لیا جا سکتا ہے جس طرح ظرف سے مظروف مراد ہو سکتا ہے ۔ اس اعتبار سے معنی یوں ہوں گے کہ شرط کے دو گھوڑوں میں سے ایک پر میں سوار ہوں اور دوسرے پر قیامت ۔ لیکن میرا گھوڑا آگے نکل گیا اور میں میدان جیت گیا ۔ قیامت میرے پیچھے رہ گئی ہے ۔ مگر اوس کے آنے میں بھی زیادہ دیر نہ ہو گی ۔ کیوں کہ وہ بھی برق رفتار گھوڑے پر سوار ہے ۔ اب آموجود ہوتی ہی جب آیا ۔

وانشق القمر کی تفسیر وانشق القمر۔ "اور چاند پھٹ گیا" ہجرت سے تقریباً پانچ سال قبل کا واقعہ ہے کہ قریش نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معجزہ طلب کیا (ان میں ابوجہل پیش پیش تھا۔ حضور انورؐ نے فرمایا کیا چاہتے ہو؟ اس پر ابوجہل اِدھر اُدھر دیکھنے لگا کہ کیا مطالبہ کیا جائے۔ ایک یہودی نے کہا کہ یہ ساحر ہیں۔ سحر صرف زمین پر چل سکتا ہے۔ آسمان پر نہیں چل سکتا۔ لہٰذا فرمائش یہ ہونی چاہئے کہ چاند دو ٹکڑے ہو جائے۔ ابوجہل نے اس رائے کو پسند کیا۔ اور یہی فرمائش کی[۱]۔) حضور اکرمؐ نے فرمایا کیا اس کی خواہش کرنے والے ایمان لائیں گے؟ کہا کہ ضرور ایمان لائیں گے۔ آپؐ نے اللہ سبحانہ سے التجا فرمائی۔ بدر کامل کی رات تھی۔ فوراً چاند پھٹ گیا۔ ایک حصہ داہنی طرف جھک گیا اور دوسرا بائیں طرف۔ اور دونوں حصوں کے درمیان سے پہاڑ نظر آنے لگا۔ آپؐ نے فرمایا کہ دیکھ لو (چاند شق ہو گیا ہے) حاضرین میں سے ہر ایک نے دیکھا اور انشقاق قمر کی حالت کا صاف طور پر سجھو لانبرائی العین

---

[۱] روح البیان بحوالہ امام زاہدؒ۔ احبار یہود کا اس وقت موجود ہونا ابن عباسؓ کی ایک روایت میں بھی مذکور ہے۔ کما اخرجہ ابو نعیم من طریق الضحاک۔ (درمنثور) عجیب نہیں کہ احبار یہود ہی نے ایسا مشورہ دیا ہو۔ واللہ اعلم

مشاہدہ کیا۔ جب سب کے سب دیکھ چکے تو چاند کے دونوں حصے مل گئے مگر بدعہد یہود اور کفار قریش اپنے عہد سے پھر گئے۔ اور کہنے لگے کہ یہ صریح جادو ہے۔ ایک نے کہا کہ باہر سے آنے والے مسافروں سے دریافت کرنا چاہئے اگر یہ صورت نظر بندی کی ہے تو مسافرین اس کی تصدیق نہ کریں گے۔ چنانچہ اُن سے دریافت کیا گیا۔ سبھوں نے تصدیق کی کہ فلاں رات ہم نے بھی اس کو دیکھا یہ مسافر مختلف اسمات سے آئے ہوئے تھے۔ اس باب میں احادیث شریفہ بکثرت ہیں۔ ہم بطور اختصار چند حدیثیں نقل کرتے ہیں جن سے اس واقعہ پر مزید روشنی پڑتی ہے۔

شق القمر احادیث شریفہ کی روشنی میں ۱۔ سأل اھل مکۃ النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم آیۃ فانشق القمر بمکۃ فرقتین۔ (عبدالرزاق، امام احمد، عبد بن حمید، مسلم، ابن جریر، ابن المنذر، ترمذی، ابن مردویہ، بیہقی، عن انسؓ) اہل مکہ نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معجزہ کی درخواست کی تو مکہ ہی میں چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے"

۲۔ حتی رأوا حراء بینھما۔ (بخاری، مسلم، ابن جریر عن انسؓ) یہاں تک کہ دونوں ٹکڑوں کے درمیان سے حراء کا پہاڑ نظر آنے لگا"

۳۔ مجاھد عن ابی معمر عن ابن مسعودؓ قال رأیت القمر منشقا شقتین بمکۃ قبل ان یخرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم شقۃ علی ابی قبیس وشقۃ علی السویداء قال مجاھد یقول کما رأیتم القمر منشقا فان الذی اخبرکم عن اقتربت الساعۃ حق۔ (عبد بن حمید، حاکم بروایت صحیحہ ابن مردویہ، بیہقی) مجاہدؒ ابومعمر سے اور وہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں۔ ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ میں نے مکہ میں آپؐ کی ہجرت سے پہلے چاند کو دو ٹکڑے ہوتا دیکھا۔ ایک ٹکڑا جبل ابوقبیس پر تھا اور دوسرا سویداء پر۔" مجاہد کہتے ہیں کہ اس آیہ کریمہ میں ارشاد باری یہ ہو رہا ہے کہ تم نے جس طرح چاند کو دو ٹکڑے ہوتا دیکھ لیا اسی طرح جس نے قرب قیامت کی خبر دی ہے وہ بھی حق ہے۔"

۴۔ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشھدوا۔ (عبد بن حمید، بخاری، مسلم، ترمذی، ابن جریر، ابن مردویہ عن ابن مسعودؓ) حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ خوب دیکھ لو۔"

۵۔ عن عبد اللہ بن مسعودؓ قال رأیت القمر علی الجبل وقد انشق فابصرت الجبل من بین فرجتی القمر۔ (امام احمد، عبد بن حمید، ابن جریر، حاکم

ابن مردویہ، ابونعیم) عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ میں نے چاند کو پہاڑ پر دیکھا کہ پھٹ گیا ہے۔ اور اوس کے دو شگافوں کے درمیان سے پہاڑ نظر آرہا ہے"۔

۶۔ عن جبیر بن مطعمؓ قال انشق القمر ونحن بمکۃ علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی صار فرقتین فرقۃ علی ھذا الجبل[۴۴] فقال الناس سحرنا محمدؐ فقال رجل ان کان سحرکم فانہ لا یستطیع ان یسحر الناس کلھم۔ (امام احمدؒ، عبد بن حمید، ترمذی، ابن جریر، حاکم، ابونعیم بیہقی) جبیر بن مطعمؓ نے فرمایا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک کا واقعہ ہے جب کہ ہم مکہ میں تھے، چاند شق ہوگیا، اوس کا ایک ٹکڑا اس پہاڑ پر اور ایک اوس پہاڑ پر ہوگیا۔ کفار کہنے لگے کہ محمدؐ نے ہم پر جادو کر دیا۔ اس پر ایک نے کہا کہ اگر انھوں نے تم پر جادو کر دیا ہے (تو خیر ایسا ہو سکتا ہے لیکن) وہ تمام دنیا کے لوگوں پر تو سحر نہیں کر سکتے"۔

۷۔ انتظروا ما یأتیکم بہ السفار.... فجاء السفار فسألوھم فقالوا نعم قد رأیناہ۔ (ابن جریر، ابن المنذر، ابن مردویہ، ابونعیم، بیہقی، عن ابن مسعودؓ) باہر سے آنے والے کیا خبر لاتے ہیں اوس کا انتظار کرو.... چنانچہ (جیسے جیسے) وہ آتے یہ ان سے پوچھتے، وہ کہتے کہ ہاں واقعی ہم نے بھی اسکو دیکھا۔

۴۴ - [illegible] علی ھذا الجبل

۸۔ اجتمع المشرکون علی محمد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم منھم الولید بن المغیرۃ، وابوجھل بن ھشام، والعاصی بن وائل، والعاصی بن ھشام، والاسود بن عبد یغوث، والاسود بن عبد المطلب، وزمعۃ بن الاسود، والنضر بن الحرث فقالوا للنبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان کنت صادقا فشق لنا القمر فرقتین نصفا علی ابی قبیس ونصفا علی قعیقعان فقال لھم النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان فعلت تؤمنوا قالوا نعم وکانت لیلۃ بدر فسأل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ربّہ ان یعطیہ ما سألوا فامسی القمر قد مثّل نصفا علی ابی قبیس و نصفا علی قعیقعان و رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ینادی یا ابا سلمۃ بن عبد الاسود والارقم ابن ابی الارقم اشھدوا۔ (ابونعیم عن ابن عباسؓ) حضرت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں مشرکین جمع ہوئے جن میں ولید بن مغیرہ، ابوجہل بن ہشام، عاصی بن وائل، عاصی بن ہشام، اسود بن عبد یغوث، اسود بن عبد المطلب، زمعہ بن اسود اور نضر بن حرث بھی تھے۔ آپؐ سے کہنے لگے۔ اگر آپؐ سچے (نبی رسول) ہیں تو ہمارے سامنے اس چاند کے دو ٹکڑے کر دکھائے۔ نصف ابو قبیس پر اور نصف قعیقعان پر ہو۔

آپؐ نے فرمایا۔ اگر میں ایسا کر دکھاؤں تو ایمان لاؤ گے؟ سبھوں نے کہا ہاں۔ یہ لیلۃ البدر تھی' آپؐ نے دعا فرمائی کہ پروردگار! ان کی منہ مانگی مراد دیجئے۔ بس کیا تھا چاند (پھٹ کر) نصف ابوقبیس پر اور نصف قیقعان پر ہو گیا' اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوسلمہ بن عبدالاسود اور ارقم بن ابوالارقم کو آواز دی کہ دیکھ لو۔"

۹۔ حضرت ابن عباسؓ کی اور ایک روایت میں ہے: ۔ فنظروا ثم قالوا بابصارهم فمسحوها ثم اعادوا النظر فنظروا ثم مسحوا اعينهم ثم نظروا فقالوا يا محمدؐ ماهذا الا سحر ذاهب فانزل الله اقتربت الساعة وانشق القمر۔ (ابونعیم) سبھوں نے شق القمر کو دیکھا' پھر اپنی نظروں پر شبہ کیا۔ اور آنکھیں مل کر دوبارہ دیکھا تو وہی دکھائی دیا' پھر اپنی آنکھیں مل لیں پھر دیکھا (تو وہی دیکھا تین تین دفعہ آنکھیں مل مل کر دیکھنے پر بھی شق القمر ہی نظر آیا) تو کہنے لگے ۔ محمد! یہ تو جادو کے سوا کچھ نہیں جس کا سلسلہ چلتا ہی جا رہا ہے ۔ اوس وقت اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اقتربت الساعۃ وانشق القمر کو نازل کیا۔"

۱۰۔ عن ابی عبد الرحمٰن السلمی قال خطبنا حذیفۃ بن الیمانؓ

بالمدائن فحمد الله واثنی علیه ثم قال اقتربت الساعة وانشق القمر ألا وانّ الساعة قد اقتربت الا وانّ القمر قد انشق علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم ألا وان الدنیا قد آذنت بفراق الا وان الیوم المضمار غداً السباق' (ابن ابی شیبہ' عبد بن حمید' عبداللہ بن احمد' ابن جریر' ابن مردویہ' ابونعیم) ابو عبدالرحمٰن سلمی نے کہا کہ حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہما (صاحب اسرار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مدائن میں ہم کو خطبہ دیا تو اوس میں حمد و ثنا کے بعد فرمایا:— ساعت قیامت قریب آ پہنچی' اور چاند پھٹ گیا' آگاہ رہو کہ قیامت بہت ہی نزدیک آ گئی۔ خبردار ہو جاؤ کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں چاند دو ٹکڑے ہو گیا' ہوشیار ہو جاؤ کہ دنیا جدائی کی اطلاع دے چکی۔'' ہاں ہاں آج وعدہ ہے اور کل (فردائے قیامت) مسابقت ہے۔

شق القمر تواتر سے ثابت ہے

الغرض اس باب میں احادیث شریفہ بکثرت وارد ہوئی ہیں جن کی بنا پر علامہ سید شریف رح نے تصریح فرمائی ہے کہ شق القمر کا ثبوت حدیث متواتر سے ہے چنانچہ شرح مواقف میں فرماتے ہیں:— انّہ متواتر۔ اور علامہ سبکی رح نے مختصر ابن حاجب کی شرح میں

لکھا ہے:۔ الصحیح عندی انّ انشقاق القمر متواتر منصوص علیہ فی القرآن مروی فی الصحیحین وغیرہما من طرق شتّی بحیث لا یمتری فی تواترہ۔ میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ چاند کا پھٹ جانا متواتر ہے قرآن کریم میں اس کی صراحت موجود ہے۔ صحیحین (بخاری ومسلم) وغیرہ میں تک اس کی روایات موجود ہیں جو طرق مختلفہ سے اس طرح ثابت ہیں کہ اس کے تواتر میں شک شبہ نہیں ہے۔"

شق القمر بدرجۂ تنزل حدیث مشہور سے ثابت ہے

چنانچہ اسکی روایات صحابہ کرام کی ایک جماعت سے مروی ہیں جن میں سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ، عبداللہ بن مسعود، انس بن مالک، ابن عباس، حذیفہ بن الیمان، جبیر بن مطعم، ابن عمر وغیرہم رضوان اللہ علیہم اجمعین شامل ہیں۔ ابن مسعودؓ اور جبیر بن مطعمؓ فرماتے ہیں کہ ہم اوس وقت وہاں موجود تھے اور چاند کو شق ہوتا ہوا بچشم خود دیکھا۔ اگر ابن عباسؓ اور انس بن مالکؓ اوس وقت موجود نہ تھے تو ان کی حدیث کی صحت متاثر نہیں ہو سکتی۔ بعضوں نے تواتر میں کلام کیا ہے۔ اس بنا پر ——— یہ کہا جا سکتا ہے کہ حدیث متواتر نہیں تو حدیث مشہور ضرور ہے۔ واللہ اعلم۔

شق القمر پر اجماع ہے | شق القمر کے واقعہ پر اجماع ہے۔ حافظ زین الدین عراقیؒ تو یہاں تک فرماتے ہیں:۔ وانشق مرتین بالاجماع (چاند بالاجماع دو بار شق ہوا)۔ غالباً یہ اس بنا پر ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت یہ ہے:۔ قال رأیت القمر منشقا شقتین مرتین بمکة قبل مخرج النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم۔ آپؓ نے کہا کہ میں نے چاند کو دو حصوں میں پھٹا ہوا دو دفعہ مکہ میں دیکھا۔ ابھی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت نہیں فرمائی تھی۔" (عبد بن حمید، حاکم بروایت صحیحہ، ابن مردویہ، بیہقی بطریق مجاہد از ابی معمر) اس روایت میں "شقتین" کے بعد "مرتین" کی بھی تصریح ہے۔ مگر حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:۔ اظن ان قوله بالاجماع يتعلق بانشق لا بمرتين فانی لا اعلم من جزم من علماء الحدیث بتعدد الانشقاق فی زمنه صلی اللہ تعالی علیه وسلم ولعل قائل مرتين اراد فرقتين وهذا الذى لا يتجه غيره جمعا بين الروايات میرا ظن غالب یہ ہے کہ حافظ عراقی کے قول "بالاجماع" کا تعلق لفظ "انشق" سے ہے "مرتین" سے نہیں ہے (اس اعتبار سے حافظ عراقیؒ کے قول کا یہ مطلب ہوگا کہ چاند

بالاجماع شق ہوا (بلکہ) دو بار۔" کیوں کہ عہد مبارک نبوی میں شق القمر کے تعدد کا علماء حدیث میں سے کسی نے یقین کیا ہو میرے علم میں نہیں ہے اور دیگر اہل علم بھی جو "مرتین" کہتے ہیں اون کی مراد "فرقتین" ہوگی (یعنی دو ٹکڑے ہوا نہ کہ انشقاق دو دفعہ ہوا) تمام روایات جو اس باب میں آئی ہیں اون کے مدنظر یہی توجیہ ہوسکتی ہے۔"

شق القمر کیا دو بار ہوا؟ علامہ آلوسی بغدادی صاحب روح المعانیؒ فرماتے ہیں:۔ والذی عندی فی تاویل ذلك ان مرتین فی کلام ابن مسعودؓ قید للرویة وتعددها لا یقتضی تعدد الانشقاق بان یکون راٰہ منشقا فصرف نظره عنه ثم اعاده فراٰه کذلك لم یتغیر ففیه اشارة الی انها رویة لا شبهة فیها وقد فعل نحو ذلك الکفرة۔ میرے نزدیک اس کی توجیہ یہ ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ کی روایت میں لفظ مرتین جو آیا ہے اوس کا تعلق رویت سے ہے اور رویت دو دفعہ ہونے سے انشقاق بھی متعدد بار ہونا لازم نہیں۔ یہ ہوسکتا ہے کہ ابن مسعودؓ نے چاند کو پھٹا ہوا دیکھا۔ پھر اپنی نظر اوس سے ہٹائی پھر دوبارہ دیکھا تو اس دفعہ بھی چاند کے انشقاق میں کوئی تغیر نہیں پایا (یعنی دوبارہ بھی وہ پھٹا ہوا ہی نظر آیا)

اس میں یہ ایما مقصود ہے کہ جو رویت ہوئی اوس میں کسی شبہہ کی گنجائش نہیں۔
کفار قریش نے بھی ایسا ہی دو دو تین تین دفعہ آنکھیں مل مل کر دیکھا تھا"۔ یہ روایت
اوپر بصراحت گزر چکی ہے۔ اس کے بعد علامہ الوسیؒ فرماتے ہیں: ۔فلو قال احد
هؤلاء رأيت القمر منشقا ثلاث مرات على معنى تعدد الرؤية صح
بلا غبار، ولم يقتض تعدد الانشقاق فليخرج كلام ابن مسعودؓ
على هذا الطرز ليجمع بين الروايات۔ اس اعتبار سے اگر (اس طرح
تین تین دفعہ دیکھنے والوں میں سے) کوئی یہ کہے کہ میں نے شق القمر کو تین دفعہ دیکھا
تو اوس کا یہ کلام بے کھٹکے صحیح ہوگا اس کا یہ مطلب نہ ہوگا کہ انشقاق تین دفعہ ہوا
لہذا حضرت ابن مسعودؓ کے کلام کا مفہوم بھی یہی لیا جانا چاہیے تاکہ جملہ روایات کے
مطابق ہو"

شق القمر اہل ایمان کی نظر میں بہر حال شق القمر کا معجزہ حضور اکرم صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت سے پیشتر ظاہر ہونے پر اجماع ہے۔ خیر القرون سے لے کر
اس دور تک نقل متواتر و مشہور سے ثابت ہے۔ محدثین، مفسرین، فقہا، متکلمین،
ارباب سیر، اصولیین، علما و ائمہ مجتہدین، اولیاء امت اور عارفین، خواص و
عوام مومنین، سب ہی اس کے قائل ہیں۔ اور انشاء اللہ تا قیامت قائل

رہیں گے ۔ امام سبکیؒ فرماتے ہیں :ؔ

وبدر الدیاجی انشقّ نصفین عندما

ارادت قریش منك اظهار آیة

بدرالدجی شق ہوکر دو ٹکڑے ہوگیا جبکہ قریش نے آپؐ سے اظہار معجزہ کی درخواست کی"

امام بوصیریؒ صاحب بردہ لکھتے ہیں :ؔ

اقسمت بالقمر المنشقّ انّ لہ   من قلبہ نسبۃ مبرورۃ القسم

میں پھٹے ہوئے چاند کو گواہ رکھ کے کہتا ہوں کہ اگر کوئی بحلف یوں کہے کہ اس کو آپؐ کے شق کئے ہوئے قلب مبارک سے نسبت و مشابہت ہے تو اوس کا یہ حلفیہ قول صحیح ہوگا"

نیز امام بوصیریؒ اپنے قصیدۂ ہمزیہ میں لکھتے ہیں :ؔ

شقّ عن صدرہ وشقّ لہ البد   ر ومن شرط کلّ شرط جزآء

چوں کہ آپؐ کا سینہ مبارک دو دفعہ چاک کیا گیا تھا اس لئے آپ کی خاطر بدر کامل بھی شق ہوکر دو نیم ہوگیا کیوں کہ ہر شرط کے ساتھ اوس کی جزا لازم ہے" یہ مضمون بالکل اس طرح ہے جیسا کہ صائب نے کہا ہے :ؔ

ہر محنتے مقدمۂ راحتے بود   شد ہم زبان حق چو زبان کلیم سوخت

ہر تکلیف (جو دنیا میں کسی کو پہنچتی ہے) کسی نہ کسی راحت و آرام کا پیش خیمہ ہی
جیسا کہ بچپن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان جل گئی تھی تو اللہ سبحانہ نے
ان کو اپنی ہم کلامی کا شرف عنایت فرمایا اور آپ "کلیم اللہ" کے لقب سے
ملقب ہوئے۔ ؎

ماہ را انگشت او بشگافتہ مہر از فرمانش از پس تافتہ (عطارؒ)

پس قمر کہ امر بشنید و شتافت پس دو نیمہ گشت بر چرخ و شگافت (مولانا رومؒ)

حقیقت یہ ہے کہ معجزہ "شق القمر" قرآن کریم کے بعد حضور اکرم صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کا سب سے بڑا معجزہ ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو "فلق البحر"
کا معجزہ ملا تھا جو آیات ارضیہ سے تھا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو
"شق القمر" کا معجزہ عنایت ہوا۔ جو آیات سماویہ سے ہے۔ دونوں میں اتنا ہی
فرق ہے جتنا کہ زمین و آسمان میں ہے۔ وکان فضل اللہ علیک عظیما۔
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

شق القمر کی نسبت فلاسفہ کا شبہہ میدان شعر و سخن بہت وسیع ہے۔
مفسر کو اس سے واسطہ نہیں مذکورہ اشعار کلام صلحا و عارفین ہے۔ یہ سب ایک طرف
مگر فلسفی کہ خدا اس طبقہ کو سمجھ دے وہ ایک طرف ہے۔ وہ ہر چیز کو صرف اپنے

خود ساختہ ناقص فلسفہ ہی کی عینک سے دیکھنے کا عادی ہے۔ شق القمر اوس کی
سمجھ میں ہی نہیں آتا۔ ایک شق القمر پر ہی کیا موقوف ہے شرح صدر اور شق القلب
اوس کی سمجھ میں کب آیا؟ فلق البحر اور انفجار حجر کو اوس نے کب سمجھا، عصا
و ید بیضا کو اوس نے کب تسلیم کیا۔ احیاء موتی، ابراء اکمہ و ابرص کو
اوس نے کب مانا، واقعہ معراج کا وہ کب قائل ہوا۔ اسی طرح انبیاء و رسل
علیہم الصلوٰۃ والسلام کے صدہا معجزات اور ہزارہا اولیاء اللہ کے لاکھوں
کرامات ہیں جو وہ بھی اپنے انبیاء متبوعین علیہم الصلوٰۃ والسلام اجمعین کے
معجزات ہیں اور ان کرامات کا سلسلہ تا قیامت جاری رہیگا مگر فلسفی کے
دماغ میں قیامت تک کوئی معجزہ یا کرامت نہ آسکیگی اس لئے بہتر یہی کہ
ان بیچاروں کو معذور ہی سمجھا جائے۔ اصل یہ ہے کہ فلاسفہ ہر چیز کو
عادت یا عقل کے ذریعہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں مگر معجزہ اور کرامت
خرق عادت ہے۔ روحانیات سے بے خبر لوگ اپنے انہیں محدود حواس خمسہ
سے ہر چیز کو جاننا چاہتے ہیں۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہی ہے کہ کسی کی یہ
خواہش ہو کہ نور و ظلمت کو بصارت سے ہٹ کر سماعت کے ذریعہ معلوم
کرے یا عمدہ اطعمہ و مشروبات کو آنکھوں سے دیکھ کر لذت گیر ہو یا پھول

یا عطر کی بو کو چھو کر معلوم کرے یا حسن و جمال کا ادراک اس کو کانوں کے ذریعہ ہو جایا کرے۔ ایسے شخص کو آپ کیا کہیں گے جو اپنے حواس خمسہ کے غلط استعمال کی وجہ حیران و سرگرداں ہو کر اعلان کرتا پھرے کہ کسی چیز کا مجھے ادراک نہیں ہوتا اس لئے اُس کا انکار کرتا ہوں۔ اس شخص کے متعلق آپ کی یہی رائے ہو گی کہ ع "بریں عقل و دانش بباید گریست"۔ نیز وہ سبب کو دیکھتے ہیں مسبّب پر اون کی نظر نہیں۔ اون کو ہر شئے کی علت کی تلاش رہتی ہے۔ خداوند تعالیٰ کی ذات علۃ العلل ہے وہاں تک ان کی رسائی ہی نہیں۔ پھر یہ خوارق عادات ان کی سمجھ میں آئیں تو کس طرح آسکیں۔ فذرھم فی خوضھم یلعبون۔ ان کو اپنے ناقص فلسفہ، اسی بھول بھلیاں اور اسی گورکھ دھندے میں رہنے دیجئے۔

کہتے ہیں کہ شق القمر سے افلاک کا خرق والتیام لازم آتا ہے۔ جو محال ہے۔ چاند پھٹ گیا تھا تو بڑا دھماکہ ہوا ہوگا؟ اس کی قوت کشش زائل ہو چکی ہو گی؟ زمانہ دراز تک چاند پھٹا پڑا ہوگا؟ روئے زمین کے لوگوں نے اس کو سنا اور دیکھا ہوگا؟ کتب تواریخ و نجوم و تسییر میں لکھا ہوگا؟ رصدگاہ والوں نے اس کا ذکر کیا ہوگا؟ وغیرہ وغیرہ۔

فلاسفہ کے شبہہ کا ازالہ اس کا جواب یہ ہے کہ افلاک کا خرق والتیام محال ہونا صرف فلاسفہ کے پاس ہے اس دعوے کے اثبات پر کوئی دلیل آج تک قائم نہ ہوسکی۔ فلاسفہ اس باب میں جو کچھ بیان کرتے ہیں متکلمین کی طرف سے اوس کا شافی جواب دیا جاچکا ہے۔ بدیہی امر یہ ہے کہ اللہ سبحانہ کے سوا کائنات اور اوس میں جس قدر چیزیں اس عالم کون و فساد میں موجود ہیں وہ سب ممکنات اور حوادث ہیں۔ ہر چیز کا بننا خود اوس کے فنا ہونے پر دلیل ہے۔ ممکن نام ہے ایسی چیز کا جس کا نہ تو موجود ہونا ضروری ہو اور نہ معدوم ہونا ضروری قرار پائے۔ اپنی ذات کے اعتبار سے ممکن کا وجود نہیں ہوسکتا تا آنکہ اوس کا موجد (باری تعالی شانہ) اوس کے وجود کو نہ چاہے۔ لہذا ممکن کا وجود اوس کا ذاتی نہیں بلکہ موجد کے ارادہ و مشیت کے تابع ہے۔ جب تک یہ ارادہ و مشیت اوس کے وجود سے متعلق رہے ممکن بھی موجود و متحقق ہوگا۔ اور جہاں یہ مشیت و ارادہ متعلق نہ رہا وہ ممکن، معدوم ہوگا۔ افلاک بھی ممکنات کے دائرے سے باہر نہیں۔ جب یہ بھی ممکن کی تعریف میں داخل ہیں تو دیگر کائنات کی طرح، جزاً و کلاً محل تغیر و حوادث ہیں۔ اور تغیر و حدوث ان پر طاری ہوگا۔ جب افلاک کا یہ حال ہے تو شمس و قمر اور نجوم (ستارے) بھی اسی حکم میں

ہوں گے ۔ لہذا خرق و التیام' نہ افلاک کا محال ہے اور نہ دیگر اجرام سماویہ کا۔
قیامت میں یہ سارا انتظام درہم برہم ہو جائے گا ۔ نہ افلاک رہیں گے نہ اجرام
سماویہ گو فلسفی کو اس سے انکار ہی رہے ۔

رہا دھماکہ یا چاند کی قوت کشش کا زائل ہونا' یا زمانہ دراز تک اوس کا
پھٹا پڑا رہنا' یہ تمام امور مشیت و ارادت الہٰی پر موقوف ہیں ۔ انشقاق کیلئے
یہ چیزیں لازم نہیں ۔ انسانی مصنوعات پر نظر کیجئے ۔ معمولی پٹاخہ جس میں ذرا سی
باروت ہوتی ہے جب یہ چھوڑا جاتا ہے تو اوس کی آواز بہت بلند اور دور تک
جاتی ہے ۔ اور بندوق یا مشین گن چلتی ہے تو اوس کی آواز اتنی نہیں ہوتی
حالاں کہ پٹاخہ کے مقابلہ میں بندوق اور توپ میں باروت بہت زیادہ ہوتی
ہے ۔ پھر کسی باروت کا دھواں ہوتا ہے اور کسی کا مطلقاً نہیں ہوتا ۔ موٹر ایجاد
ہوئی تھی تو اوس کی آواز دور دور تک آتی تھی ۔ اب اوس سے کہیں زیادہ
بڑے موٹر ایجاد ہوئے ہیں مگر آواز نام کو نہیں ۔

رہا روئے زمین کے لوگوں کا شق القمر کو دیکھنا' اول تو یہ لازم نہیں
کیوں کہ یہ واقعہ رات کا تھا کسی جگہ زیادہ رات ہو گی جہاں سب سوتے ہوں گے
کہیں دن ہو گا ۔ کہیں ابر ہو گا ۔ کہیں کہر و غبار وغیرہ موانع ہوں گے ۔ روئے زمین میں

منادی تو نہیں ہوئی تھی اور نہ موجودہ حالات کے مطابق اخبار وغیرہ کے ذریعہ قبل از قبل اعلان ہوا تھا جس کی بنا پر لوگ ٹکٹکی لگائے دیکھتے کھڑے ہوتے۔

شق القمر سے راجگان ہند و ملیبار کا قبول اسلام

بریں ہم نہ صرف قریش اور یہود نے دیکھا بلکہ باہر سے آئے ہوئے مسافروں نے بھی بیان کیا اور واقعہ کی تصدیق کی۔ ہندوستان کے راجہ کا اس واقعہ کو دیکھکر اسلام لانا مشہور ہے۔ اس کے علاوہ اس واقعہ کا اندراج "سامری راجہ ملیبار" کے دفتر قدیم میں ہوتا اور اوس کی بنا پر راجہ کا مشرف بہ اسلام ہونا بھی منقول ہے ؏ سیر کی کتابیں تو شق القمر کے واقعے سے بھری پڑی ہیں۔ تاریخ فرشتہ میں

؏۔ در تاریخ فرشتہ از کتب ہنود قصہ اسلام راجہ ہند در وقت انشقاق و بعد صد سال اسلام سامری راجہ ملیبار نوشتہ است کہ بعد صد سال ہجرت چوں اسلامیاں بصورت سوداگراں در ملیبار آمدند و نماز خواندند راجہ معائنہ نمود پرسید کہ ایں چہ میسازند آناں گفتند نماز می خوانیم و بر ختم المرسلین علیہ السلام ایمان آوردہ ایم۔ راجہ پرسید بکدام وجہ ایمان آوردید گفتند بہ معجزات گفت کہ یکے از معجزات یما بیان کنید گفتند یکے شق القمر است گفت کہ اگر ایں واقعہ شدہ است در دفتر ما بالضرورثبت خواہد شد۔ پس چوں دفتر بکشاد دیرا برادراں نوشتہ بود پس ایمان آورد"

تاریخ فرشتہ میں کتب اہل ہند کے حوالہ سے انشقاق قمر کے موقع پر راجۂ ہندوستان کا

اس کا ذکر موجود ہے۔ جہا بھارت جو آں حضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے زمانِ سعادت نشان کے بہت بعد لکھی گئی اوس میں بھی شق القمر کا واقعہ موجود ہے البتہ اوس کو بجائے آں حضرتؐ کے "سوامتر" کے ساتھ منسوب کیا گیا ہے۔ جیسی کہ اس قوم کی عادت ہے۔ اس سے کم از کم شق القمر کے واقعہ کا وقوع تو پایا جاتا ہے۔ آلات رصد وغیرہ کا اہتمام جیسا کہ اس دور میں ہے سابق میں نہ تھا۔ نیز وہ عادی واقعات کو قلمبند کرتے ہیں۔ یہ وقتیہ واقعہ تھا۔ اور اگر کسی کتاب میں یہ واقعہ لکھا بھی نہ ہو تو اس سے یہ لازم نہیں کہ واقعہ وقوع میں نہ آیا ہو۔

بقیہ حاشیہ عہ صفحہ گذشتہ۔

ایمان لانا اور ایک سو سال کے بعد سامری راجہ ملیبار کا مشرف باسلام ہونا لکھا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک صدی ہجری کے بعد چند مسلمان تاجر وارد ملیبار ہوئے۔ راجہ نے ان کو نماز پڑھتے دیکھا تو دریافت کیا کہ تم یہ کیا کر رہے تھے؟ جواب دیا کہ ہم نماز پڑھ رہے تھے۔ ہم حضرت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر ایمان لائے ہوئے ہیں۔ راجہ نے پوچھا کس بنا پر؟ مسلمانوں نے کہا معجزات کی بنا پر۔ کہا کہ کوئی ایک معجزہ بھی بیان کیجئے۔ مسلمانوں نے کہا کہ شق القمر ایک معجزہ ہے۔ راجہ نے کہا اگر ایسا ہوا ہے تو ضرور اس کا اندراج ہمارے دفتر میں ہوگا۔ چنانچہ سو سال پیشتر کا دفتر کھولا گیا اوس میں یہ واقعہ من وعن درج تھا۔ اسکی بنا پر سامری راجہ ملیبار فوراً مسلمان ہو گیا۔"

یوشع بن نون علیہ السلام کا واقعہ ردِ شمس، اوس زمانے کے کسی مصنف نے اپنی کتاب میں نہیں لکھا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا حال، نصاریٰ کے سوا جو آپ کے متبعین تھے اور کسی نے نہیں لکھا تو نہ اس سے حضرت مسیح علیہ السلام کے معجزات کا انکار ہو سکتا ہے اور نہ یوشع بن نونؑ کے ردِ شمس کا بطلان لازم آتا ہے چہ جائے کہ معجزۂ شق القمر کا قریش، یہود، بیرونی اشخاص نے برائی العین مشاہدہ کیا۔ ان میں مسلمان ایک بھی نہ تھا۔ ہندی راجہ اس کو دیکھ کر مشرف بہ اسلام ہوا۔ راجہ ملیبار نے اپنے قدیم دفتر کی یادداشت کی بنا پر اسلام قبول کیا۔ تاریخ فرشتہ، کتب سیرت اور مہابھارت میں اس کا ذکر موجود ہے اور کیا چاہئے؟

انشق القمر کی دوسری تفسیر | وروی عن الحسن انہ قال ھذا الانشقاق بعد النفخۃ الثانیۃ والتعبیر بالماضی لتحقق الوقوع وروی ذٰلک عن عطاء ایضا۔ حسن بصریؒ سے مروی ہے کہ یہ انشقاق (قیامت کے قریب) دوسرا صور پھونکے جانے کے بعد ہوگا۔" پھر انشق بصیغہ ماضی جو آیا ہے وہ اس بنا پر ہے کہ انشقاق کا ہونا ایسا محقق ہے گویا کہ وہ وقوع میں آچکا۔ عطاءؒ سے بھی اس آیہ کریمہ کی تفسیر اسی طرح مروی ہے۔"

یہ آیۂ کریمہ کی دوسری تفسیر ہے مگر فقیر کے نزدیک پہلی تفسیر مرجح ہے جسکی تائید احادیث صحیحہ مشہورہ بلکہ متواترہ سے ہوتی ہے جو جمہور کی تفسیر کے مطابق ہے۔ اور حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہما کی قراءت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے اون کی قراءت یوں ہے:۔ قد انشق القمر اس وقت یہ جملہ حالیہ ہوگا جو اقتراب ساعۃ سے متصل ہے۔ معنی یوں ہوں گے:۔ ساعت قیامت پاس آگئی درحالیکہ چاند شق ہوچکا ہے۔"

حضرت حسن بصریؒ اور عطاءؒ کے قول کا مطلب اسی قدر ہے کہ آیۂ کریمہ میں جس انشقاق کا بیان ہے وہ قرب قیامت کے موقع پر ہوگا۔ یعنی ایک دفعہ تو انشقاق ہوچکا ہے جب کہ آپ نے مکہ سے ہجرت نہیں فرمائی تھی۔ دوسری دفعہ قرب قیامت کے موقع پر بھی ہوگا۔ تصدیق کرنے والے تو دونوں کی تصدیق کرتے ہیں۔ لیکن مکذبین جو واقعہ گذشتہ کو نہیں مانتے۔ بعد کا واقعہ وقوع پذیر ہوگا تو دونوں واقعات کی تصدیق کریں گے مگر اون کو اس تصدیق سے کوئی نفع نہ ہوگا۔ خواہ وہ فلاسفہ ہوں یا ملاحدہ وغیرہ۔

انشق القمر کی تیسری تفسیر ابن عباسؓ کی ایک روایت یہ ہے:۔

کسف القمر علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقالوا سحر القمر

فنزلت اقتربت الساعۃ الی مستمر (طبرانی، ابن مردویہ) حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں ایک دفعہ چاند گہن ہوا تو قریش کہنے لگے کہ آپ نے چاند پر جادو کیا" اس وقت اقتربت الساعۃ سے مستمر تک آیات کریمہ نازل ہوئیں"۔ یہاں کسوف سے انشقاق مراد لینے کی ضرورت نہیں یا ممکن ہے کہ اوس رات چاند گہن بھی ہوا ہو۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ لیلۃ البدر تھی۔ کیوں کہ چاند گہن عموماً لیلۃ البدر ہی میں ہوتا ہے۔

وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۝ وَكَذَّبُوْا 54

وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ۝ اور اگر وہ دیکھیں کوئی نشانی 54

(معجزہ) تو رو گردانی کرتے اور کہتے ہیں کہ (یہ بھی ایک) جادو ہے جو (پہلے سے) چلا آیا ہے۔ اور انہوں نے جھٹلایا اور اپنی (نفسانی) خواہشوں کی اتباع کی اور ہر ایک کام کا (ایک وقت) ٹھیرا ہوا ہے (از آں جملہ ان کی سزا کا بھی)

سحر مستمر کی تفسیر کفار کی عادت ہمیشہ سے یہی رہی کہ جہاں کوئی نبی یا رسول اون کو اللہ سبحانہ کا پیام پہنچانے کے لئے مبعوث ہوئے اور اپنا فرض انجام دیا تو اون سے کوئی امر خارق عادت (معجزہ) طلب کرتے اور وعدہ کرتے کہ معجزہ دیکھ کر ایمان لائیں گے۔ اور جب معجزہ اون کی فرمایش کے مطابق

دکھایا گیا تو بجائے اس کے کہ اللہ کے بھیجے ہوئے انبیا و رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام
پر ایمان لائیں اور ان کی ہدایات کو قبول کریں وہ اپنے وعدوں کو فراموش
کر جاتے، اور معجزات سے منہ پھیر لیتے یہ کہہ کر کہ یہ جادو ہے اور یہ ہمیشہ اپنا
جادو دکھاتے رہتے ہیں۔ قریش کی اس تقریر سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرتؐ کے
اور بھی متعدد معجزات دیکھ چکے تھے۔ خود قرآن کریم کیا کم معجزہ ہے۔ بہرحال
شق القمر کا معجزہ دیکھ کر کفار قریش نے جواب دیا کہ یہ سب غلط باتیں ہیں
خدا و رسول کی ہدایات کو پس پشت ڈال دیا اور اپنی خواہش نفس کے پیچھے
چلتے رہے۔ اس سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو بہت دکھ ہوا تو اللہ
سبحانہ نے آپ کی تسلی فرمائی کہ ان کے جھٹلانے اور وعدہ فراموش کرنے سے
کیا ہوتا ہے انبیا و رسل کی صداقت، اور کافروں کی تکذیب کا نتیجہ ظاہر
ہونے کا موقع آخرت میں ہے اور اس کا وقت مقرر ہے۔ مقررہ وقت پر
حقیقت ظاہر ہو کر رہے گی لہذا آپ دل گیر نہ ہوں۔ یہاں تو ان لوگوں نے
"سحر مستمر" کہہ کر ٹال دیا ہے مگر مقررہ وقت کا عذاب ان سے ٹل نہ سکے گا۔
نیز آپ کی صداقت پر انہوں نے پردہ ڈالنے کی سعی کی ہے لیکن اس سے
کیا ہوتا ہے اگر دنیا میں یہ آپ کی تصدیق نہ کریں تو دوسرے آپ کی تصدیق

کریں گے ۔ اور آخرت میں آپؐ کی شان ظاہر ہو کر رہیگی ۔

مجاہدؒ کہتے ہیں :۔ رأوہ منشقا فقالوا ھذا سحر ذاھب ۔(فریابی

عبد بن حمید، ابن جریر) اونھوں نے شق القمر کو دیکھا اور کہا کہ یہ جادو ہے چلتا ہوا

یعنی ہمیشہ یہ ایسے ساحرانہ کرتب دکھاتے رہتے ہیں ۔

کل امر مستقر کی تفسیر نیز ان ہی سے مروی ہے :۔ وکل امر

مستقر قال یوم القیامۃ ۔ (ابن ابی حاتم) مجاہدؒ کہتے ہیں کہ (ہر کام اپنے

وقت پر ٹھہرا رکھا ہے) سے مراد قیامت کا دن ہے ۔"

قتادہؒ کہتے ہیں :۔ مستقر باھل الخیر الخیر و باھل الشر الشر

(عبد بن حمید، ابن المنذر، ابن جریر) اہل خیر کے ساتھ خیر ٹھہرا رکھا ہے اور اہل شر

کے ساتھ شر ۔"

غور کرنے کا مقام ہے کہ قریش نے "شق القمر کا معجزہ" یہود کے

اس مشورہ کی بنا پر طلب کیا تھا کہ ساحر کا سحر زمین پر چلتا ہے آسمان پر

نہیں چل سکتا ۔ جب آسمانی معجزہ بتایا گیا تو یہود کی حجت ختم ہو چکی تھی مگر

قریش کی تکذیب یہود سے بھی بڑھکر ثابت ہوئی ۔ جواب میں کہنے لگے ۔

ھذا سحر السحرۃ (ابن المنذر عن الضحاک) یہ تمام جادو گروں سے

بڑے ساحر کا سحر ہے۔" معجزہ اور سحر کا فرق حضرت موسیٰ علی نبینا علیہ الصلوٰۃ
والسلام کو واضح طور پر بتایا جا چکا تھا۔ ولا یفلح الساحر حیث اتیٰ
(طٰہٰ) ساحر جہاں (مقابلہ میں) آتا ہے تو کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔"
جیسا کہ سحرۂ فرعون، جب حضرت موسیٰؑ کے مقابلہ میں اترے تو ساحروں کی
شکست ہوئی۔ اور آمنا برب ہارون وموسیٰ کہے بغیر اون کے لئے
چارہ نہ رہا۔ اقرار کر لیا کہ ہم رب ہارون وموسیٰ پر ایمان لائے۔" ان پر
فرعون بہت کچھ برہم ہوا مگر اونھوں نے فرعون کی ایک نہ مانی، مگر قریش کی
جہالت کا یہ حال تھا کہ حضور اکرمؐ کی کامیابی قدم قدم پر دیکھ کر بھی متاثر
نہ تھے۔ ؎

بدگمانی لازمِ بدباطناں افتادہ است گوشۂ از خلق جا کردم کمیں پنداشتند

54-5 وَلَقَدْ جَاۤءَهُمْ مِّنَ الْاَنْۢبَاۤءِ[1] مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ[2] حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ
54-6 فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ۙ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ ۘ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ اِلٰى شَيْءٍ
54-7 نُّكُرٍ ۙ[3] خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ كَاَنَّهُمْ
54-8 جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ ۙ مُّهْطِعِيْنَ[4] اِلَى الدَّاعِ ۭ يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا

لہ النبأ خبر ذو فائدۃ عظیمۃ یحصل بہ علم او غلبۃ الظن ولا یقال

سورہ ۵۴ (آیت ۵ تا ۸)

يَوْمٌ عَسِرٌ ○ اور بے شک آچکی ہیں ان کے ہاں ایسی خبریں جن میں

(بقیہ حاشیہ لے صفحہ گذشتہ)

للخبر فی الاصل نبأ حتی یتضمن هذه الاشیاء الثلاثة وحق الخبر الذی یقال فیه نبأ ان یتعرّی عن الکذب کالتواتر وخبر اللّٰه تعالیٰ و خبر النبی علیه الصلاة والسلام و لتضمن النبأ معنی الخبر یقال انبأ ته بکذا کقولك اخبرته بکذا و لتضمنه معنی العلم قیل انبأته کذا کقولك اعلمته کذا (مفردات) ایسی خبر جس میں فائدہ عظیمہ ہو اور اوس سے یقین یا ظن غالب حاصل ہو اوس کو نبأ کہتے ہیں اور جب تک ان اشیائے ثلاثہ میں سے کوئی ایک شئی کسی خبر میں موجود نہ ہو اوس کو "نبأ" نہیں کہہ سکتے یعنی ایسی خبر جس کی شان "نبأ" کی سی ہو اوس کا جھوٹ سے عاری ہونا ضروری ہے۔ جیسے خبر متواتر، اللہ سبحانہ کی دی ہوئی خبر یا حضرت نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کی دی ہوئی خبر۔ نیز چونکہ "نبأ" کے معنی خبر کے ہوتے ہیں انبأ ته بکذا صلہ باء کے ساتھ کہا جاتا ہے، جیسا کہ اخبرته بکذا بصلۂ باء کہا جاتا ہے۔ اور اس اعتبار سے کہ "نبأ" سے خبر مفید علم و یقین مراد ہوتی ہے انبأته کذا بدون صلۂ باء کہا جاتا ہے جیسا کہ اعلمته کذا بدون صلۂ باء کہا جاتا ہے۔

اون کو ڈانٹ ہو سکتی ہے' نہایت معقول طور پر اب ڈر سنانے والے

(حاشیہ بسلسلہ صفحہ گذشتہ)

۲؎ اصل مزدجر مزتجر بالتاء موضع الدال وتاء الافتعال تقلب دالاً مع الدال والذال والزاء للتناسب (روح المعانی) "مزدجر" اصل میں "مزتجر" بجائے دال کے تاء تھی۔ تاء افتعال اگر دال' ذال' زاء کے بعد ہو تو اوس کی مناسبت کے باعث' دال سے بدل دی جاتی ہے" اصل الزجر الطرد مع صوت (محیط المحیط) زجر کے اصلی معنی آواز کے ساتھ ڈانٹ بتانے کے ہیں" ثم یستعمل فی الطرد تارۃ و فی الصوت اخریٰ وقولہ ما فیہ مزدجر ای طرد ومنع عن ارتکاب المأثم (مفردات) پھر اس کا استعمال کبھی صرف منع کرنے اور ملا نک دینے کے معنی میں اور کبھی صرف آواز کے معنی میں بھی ہوتا ہے۔ اور ارشاد باری ما فیہ مزدجر کے معنی گناہ سے ڈانٹنے اور روک دینے کے ہیں"

۳؎ النکر الامر الشدید (محیط المحیط) نکر کے معنی امر شدید کے ہیں" واصلہ ان یرد علی القلب ما لا یتصورہ و ذلک ضرب من الجہل۔ والامر الصعب الذی لا یعرف (مفردات) اس کی اصل یہ ہے کہ دل پر ایسی چیز وارد ہو جس کا تصور تک نہ تھا۔ یہ بھی جہل کی ایک قسم ہے۔ اور ایسا دشوار معاملہ جو اس سے پہلے

(ان کے ہاں) بے اثر ہیں، لہٰذا تم ان سے منہ پھیر لو۔ جس دن بلائے گا
بلانے والا ایک ان دیکھی چیز کی طرف تو سب اپنی آنکھیں نیچی کیے ہوئے
قبروں سے ایسے نکلیں گے گویا پراگندہ ٹڈیاں ہیں، بلانے والے کی طرف
دوڑتے (اوس وقت) منکر کہیں گے کہ یہ دن بہت کٹھن ہے۔"

ما فیہ مزدجر کی تفسیر | مجاہد کہتے ہیں:۔ ھذا القرآن مزدجر قال منتھی (فریابی، عبد بن حمید، ابن المنذر) یہ قرآن ہی زجر (ڈانٹ) ہے حد درجہ کا زجر"

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے فرمایا:۔ احل فیہ الحلال و

(بقیہ حاشیہ کے صفحہ گذشتہ)

کبھی در پیش نہ ہوا"

؎ المھطع من ینظر فی ذلّ و خضوع لایقطع بصرہٗ والساکت المنطلق الی من ھتف بہ (محیط المحیط) "مُھْطِع" وہ شخص جو ذلت و عاجزی سے ٹکٹکی لگائے رکھے اور اپنی نظر نہ ہٹا سکے۔ یا وہ جو آواز دینے والے کی طرف چپ چاپ چلا جا رہا ہو"
فقیر عرض کرتا ہے کہ ایسا اوس وقت ہوتا ہے جب کہ کسی چیز کا خوف حد درجہ غالب ہو۔
یہاں معنی ثانی یعنی ڈر کر چپ چاپ تیزی سے چل پڑنا ہی مراد ہے۔ واللہ اعلم

وحرم فیہ الحرام وانبأ کم ما تأتون وما تدعون لم یدع علکم فی لبس من دینکم کرامۃ اکرمکم بہا ونعمۃ اتم بہا علیکم (عبدبن حمید) اس قرآن کریم میں تمام حلال چیزوں کو حلال ٹھہرایا اور اس میں حرام چیزوں کی حرمت بتا دی گئی کہ تم کو کیا کرنا چاہیئے اور کیا چھوڑ دینا چاہیئے اوس کی خبر دے دی۔ تمھارے دین کی باتوں میں کسی نوع کا شبہہ نہیں رکھا۔ (قرآن کریم) عزت کا ذریعہ ہے جس سے تم کو عزت دی اور (جلیل القدر) نعمت ہے جو تم کو پوری طرح دے دی۔"

اس قرآن کریم میں منکرین کے راہ راست پر آنے کے لئے، گذشتہ زمانہ اور آئندہ کی ایسی مفید خبریں سنائی گئی ہیں جن سے علم ویقین یا ظن غالب حاصل ہو اور نہ ماننے کی صورت میں اون کو زبردست ڈانٹ بتائی گئی ہے اور حکمت کی باتیں مستحکم طریق پر گوش گزار کی گئی ہیں اس میں حکمت علمیہ بھی ہے اور عملیہ بھی، حکمۃ ظاہرہ بھی ہے جیسے شرائع واحکام اور بیان حلال وحرام اور حکمۃ مخفیہ بھی جیسے اسرار وعرفان، ہر ایک کا نہایت موثر انداز میں بیان ہوا ہے۔ مثلاً یوں ارشاد ہوا:۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔ رسول اللہؐ کی ذات میں تمہارے لئے بہترین نمونہ ہے۔"

اگر حکمۃ علمیہ کے خواہشمند ہو تو یہاں بدرجۂ اتم موجود ہے اور اگر حکمۃ عملیہ مطلوب ہے تو بدرجۂ اکمل' اوس کا نمونہ بھی آنکھوں کے سامنے موجود ہے۔ حکمۃ ظاہرہ مقصود ہے تو آپ کے ارشادات و مواعظ کا سبق' علمائے کرام سے حاصل کرو اور اگر حکمۃ مخفیہ مرغوب ہو تو آپ کے بتائے ہوئے اسرار کا' ارباب کشف و عرفان سے استفادہ و استفاضہ کرو کہ ان میں سے ہر ایک بحر ناپیدا کنار ہے۔ اور اسی پر تمھاری نجات کا دارومدار ہے۔ اسی لئے اس کے بعد یوں ارشاد ہوا:۔ ذلك لمن كان يرجوا الله واليوم الآخر وذكر الله كثيرا۔ اس نمونہ اتم واکمل سے استفادہ' اوسی کے لئے ہے جس کو اللہ سبحانہ سے ملنے (اور قیامت کے آنے) کی امید ہو اور اللہ کی یاد کثرت سے کرتا ہو" اور جو ایسا نہیں اوسکے حق میں ارشاد ہوا:۔ فما تغن النذر، فتول عنهم۔ اب ڈرسنانے والوں کا ڈرسنانا اون کو فائدہ نہیں پہنچا سکتا لہذا آپ (اے نبی کریم!) ان سے منہ پھیر لیجئے" ان کے لئے ایک دن مقرر ہے اوس کا انتظار فرمائیے۔ وہ دن کونسا ہے اور اوس میں کیا ہوگا؟ اوس کی نسبت ارشاد ہے:۔

داعی کون ہوگا؟ يوم يدع الداع کی تفسیر

يوم يدع الداع الى شيئ نكر۔ جس دن ایک داعی خاص (بلانے والا) ایک ان دیکھی چیز کی طرف

بلائے گا۔" یہ داعی کون ہوگا اور شیئ نکر (اَن دیکھی چیز) سے کیا مراد ہے
اوس کی صراحت حب ذیل ہے:۔

۱۔ والداعی اسرافیل علیہ السلام ینفخ فی الصور، قائما علی صخرۃ بیت المقدس و یدعوا الاموات۔ داعی' اسرافیل علیہ السلام ہونگے جو بیت المقدس کے صخرہ (چٹان) پر کھڑے ہوکر صور پھونکیں گے اور (روئے زمین کے) تمام مُردوں کو بلائیں گے۔" یہ ایک معلّق پتھر ہے۔ فی زماننا اس کے نیچے ایک معمولی سی دیوار اطراف سے کھینچدی گئی ہے۔ تاکہ کوئی اوس کے نیچے جانے نہ پائے۔

ینادی قائلا ایّتھا العظام البالیۃ والاوصال المتقطّعۃ واللحوم المتمزّقۃ' والشعور المتفرّقۃ' انّ اللہ یأمرکنّ ان تجتمعن لفصل القضآء۔ منادی یہ ہوگی کہ اے بوسیدہ ہڈیاں! اور شکستہ جوڑ بند اور پارہ پارہ شدہ گوشت!! اور پراگندہ بال!!! تم سب کو اللہ سبحانہ کا حکم ہے کہ فیصلہ قضاء کے لئے جمع ہوجائیں۔

۲۔ انّ اسرافیل ینفخ وجبریل یدعو و ینادی بذلک۔ اسرافیل علیہ السلام تو صور پھونکیں گے اور جبرئیل علیہ السلام بلائیں گے

اور مذکورہ منادی وہی فرمائیں گے ''۔

۳۔ قال بعضھم ھو مجاز کالامر فی قولہ تعالیٰ کن فیکون

(روح البیان) بعض مفسرین نے یوں فرمایا کہ (دعوت حقیقی نہیں بلکہ یہ) مجاز ہے (یعنی ابتدائے آفرینش کے وقت جس طرح کُنْ کے ذریعہ امر (تکوینی) صادر ہوا تھا ایسا ہی امر ربانی صادر ہوگا'' گویا داعی کا کلمہ یہاں مجازاً استعمال ہوا ہے ورنہ حقیقۃً وہاں اوس وقت نہ اسرافیل ہونگے نہ اون کا صور اور نہ جبرئیلؑ ہوں گے نہ اون کی منادی۔ بلکہ مشیت الٰہی جاری ہوگی اور چشم زدن میں اوس کی تکمیل ہوکر رہیگی۔ جس طرح محبوبین حق کی دعاؤں کی قبولیت میں دیر نہیں لگتی۔

فقیر عرض کرتا ہے کہ نفخ صور کی تصریح نصوص قطعیہ میں موجود ہے جیسا کہ سورۂ قٓ کی تفسیر میں گزرچکا۔ واللہ اعلم۔

الیٰ شیئ نکر کی تفسیر ''الیٰ شیئ نکر'' کی ''تفسیر'' میں علامہ جلال محلیؒ فرماتے ہیں:۔ منکر تنکرہ النفوس لشدّتہ وھوالحساب۔ یعنی ایک ہولناک چیز کی طرف بلائے جائیں گے جس کی شدت کے باعث کوئی نفس اوس کو پسند نہ کرتا ہوگا وہ ہولناک چیز حساب ہے'' کون نہیں جانتا کہ

محاسبہ کیسا کٹھن معاملہ ہے۔ حدیث شریف میں ہے:۔ من نوقش الحساب فقد عذّب۔ جس سے حساب میں مناقشہ کیا گیا تو مبتلائے عذاب ہوا۔ یعنی اگر حساب صاف بھی ہو تو حساب طلب کرنا ہی بجائے خود ایک عذاب ہے الی الحساب کے بجائے الی شیئ نکر جو ارشاد ہوا وہ اسی اہمیت کے مدنظر ہے اور اسی سے بلاغت کلام ہویدا ہے۔ اس سے محفوظ رہتا ہے تو بندگان خدا کے ساتھ یہاں دنیا ہی میں چشم پوشی اور حتی الامکان عفو و درگزر سے کام لیا جائے۔ مومن کا ہر کام سہولت پر مبنی ہوتا ہے یعنی دوسروں کو سہولت دیتا ہے جس کی یہ صفت ہو تو امید ہے کہ اوس کے ساتھ بھی یہی عمل ہوگا۔

اللہ سبحانہ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

اس دعوت (بلاوے) کا کیا اثر ہوگا؟ اوس کی نسبت ارشاد ہے:۔

خشّعا ابصارهم يخرجون من الاجداث كانّهم جراد منتشر مهطعين الى الداع۔ سب کی نظریں عاجزی سے پست ہوں گی' اسی حالت میں قبروں سے ایسے نکل پڑیں گے گویا ایک ٹڈی دل ہے پھیلا ہوا پراگندہ' (حیران کہ کدھر جائیں؟ بالآخر) بلانے والے کی طرف تیزی سے روانہ ہو جائیں گے۔

قیامت کی ہولناکی قیامت کی ہولناکی کا اندازہ کیجئے۔ یہ صرف قبروں سے نکلنے کا نقشہ ہے کہ بے بسی کے باعث آنکھ نیچی ہے۔ قبروں سے ایسے نکل رہے ہیں کہ کچھ سوجھتا نہیں، کہاں جائیں کیا کریں، کیوں اوٹھایا گیا ہے کچھ معلوم نہیں۔ صور کی زبردست دھما کو آواز سے صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ کوئی سخت حیران و پریشان کن واقعہ درپیش ہے۔ جبھی تو جدھر نظر ڈالئے ٹڈی دل لشکر قبروں سے نکل پڑا ہے۔ صور کی آواز جس سمت سے آرہی ہے اور بلانے والا بلا رہا ہے اوسی سمت چلنا چاہئے۔ بس یہ خیال پیدا ہوتا تھا کہ سب کے سب اوسی سمت فوراً روانہ ہو جائیں گے۔ راستے میں کہیں ٹھہرنے، دم لینے، ادھر اودھر دیکھنے، آپس میں بات چیت کرنیکا تک موقع نہ مل سکیگا۔ افتاں وخیزاں، سراسیمہ و پریشاں، لرزاں و ترساں، اوس داعی خاص کے پاس پہنچ جائیں گے۔

مھطعین کی تفسیر مھطعین کا کلمہ ایک حالت خاص کی نشاندہی کر رہا ہے۔ ارباب لغت لکھتے ہیں:۔ ھطع الرجل اسرع مقبلا خائفا او اقبل ببصرہ علی الشئ لا یقلع عنہ (محیط المحیط)۔ یعنی ھطع کے معنی یہ ہیں کہ ڈرتا ہوا جلدی سے آپہنچا۔ یا کسی چیز پر ایسی ٹکٹکی لگادی کہ اوس سے

اپنی نظر ہٹا ہی نہیں سکتا۔" یہ ایک نصرانی عرب کی شہادت ہے۔ محیط المحیط اسی کی تصنیف ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں:۔

۱۔ ناظرین، مذعنین خاضعین (ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، طستی عن ابن عباسؓ) "نظر جمائے ہوئے، یقین کئے ہوئے جھکے ہوئے۔" ابن عباسؓ سے یہ تفسیر سن کر آپ کے شاگرد، نافع نے دریافت کیا کہ کسی اہل لسان عرب سے یہ معنی منقول ہیں تو آپ نے تبّع شاہ حمیر کا یہ شعر پڑھ دیا:۔

تعبّدنی نمر بن سعد وقد اری ۔۔۔ ونمر بن سعد لی مدین مھطع

"نمر بن سعد نے کیا مجھے غلام سمجھ رکھا ہے درحالیکہ میری کیا شان ہے اس کو خوب معلوم ہے۔ اور نمر بن سعد تو میرا مدیون ہے جس کے بوجھ سے میرے آگے جھکا ہوا، میری نظر کرم کا منتظر ہے۔"

۲۔ حسن بصریؒ فرماتے ہیں:۔ منطلقین (عبد بن حمید) "چل پڑنے والے۔"

۳۔ تمیم بن حذلمؒ کہتے ہیں:۔ الاھطاع التجمیح۔ (عبد بن حمید، ابن جریر) "اھطاع کے معنی ہیں شکست خوردگی یا سرکشی دور ہونا۔"

۴۔ سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں:۔ النسلان (عبد بن حمید) "جلدی سے چل نکلنا۔"

۵۔ عکرمہؒ فرماتے ہیں :۔ صائحی آذانھم الی الصوت۔ (عبد بن حمید)

کسی کی آواز پر کان دھرے، ہوئے اوسی طرف تیزی سے گام زن ہونا۔"

ارباب لغت اور سلف صالحین کی ان تمام تصریحات کو ذہن نشین کیجیے تو قبروں سے نکلنے کی پوری تصویر آنکھوں کے سامنے ہوگی۔ اور وقت کی نزاکت کا نقشہ نظر کے سامنے کھنچ جائے گا۔ العظمۃ للہ کہ یہ پوری تصویر اور کامل نقشہ صرف ایک کلمہ "مھطعین" کے ذریعہ کھینچ دیا گیا ہے۔ اللہ اکبر۔

یقول الکافرون کی تفسیر

یقول الکافرون ھذا یوم عسر۔ خدا کے منکرین، بولنے لگیں گے کہ یہ دن (آج کا) بہت ہی کٹھن ہے۔" دنیا میں انبیاء و رسل کی تعلیمات جو اون کو دیجاتی تھیں اور یہ اون سے اعراض و انکار بلکہ تمسخر اور استہزا کرتے تھے۔ اور اللہ کی کتاب (قرآن کریم) جو ان کو پڑھ پڑھ کر سنائی جاتی تھی اور یہ اوس کے سننے سے اپنے کان بند کر لیتے تھے یا ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دیتے تھے۔ آج اون کی حقانیت و صداقت آنکھوں کے سامنے ہوگی۔ ایک ایک سماں اون کے پیش نظر ہوگا مگر بقول شخصے :۔ اب کیا ہووت ہے جب کہ چڑیاں چگ گئیں کھیت۔"

ہاں یہ یاد رہے کہ یہ مقولہ صرف کافرون (منکرین خدا) کا ہوگا۔ یہی ہے کہ

یہاں یقول الکافرون ارشاد ہوا۔ ورنہ مومن جو حق سبحانہ کا پرستار اور اوس کا
یقین واعتقاد رکھنے والا ہوگا۔ اوس کی شان ہی کچھ اور ہوگی۔ اگرچہ قبروں سے
نکلنے کی حالت سے لیکر میدان حشر میں حاضر ہونے تک بظاہر سب کا حال ایک سا
دکھائی دیتا ہوگا لیکن صورت حال ہر ایک کی جدا ہوگی۔ جذبات وکیفیات
جداگانہ ہوں گے۔ کافروں کی پریشانی' خوف وہراس' دار وگیر کے اندیشے سے
ہوگی۔ مومن کی نظر' اللہ سبحانہ کی دی ہوئی بشارات' اور وعدہ ہائے حسنیٰ پر
لگی رہیگی وہ بھی قبر سے تیزی کے ساتھ افتاں وخیزاں چلیگا اس تصور میں کہ اون
وعدوں کی تکمیل کا وقت آج آیا ہے۔

روز قیامت ہر کسے' در دست گیرد نامۂ — من نیز حاضر می شوم تصویر جاناں در بغل

54-9 كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا وَقَالُوا مَجْنُونٌ
54-10 وَّازْدُجِرَ ۝ فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ۝ فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ
54-11 السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ[1] ۝ وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ
54-12 عَلٰٓى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ۝ وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ[2] ۝
54-13 تَجْرِيْ بِاَعْيُنِنَا ۚ جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ ۝ وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَآ اٰيَةً
54-14

54-15 [1] الهمر صب الدمع والماء يقال همره فانهمر قال تعالى ففتحنا ابواب السماء

فَهَلۡ مِنۡ مُّدَّكِرٍ ۝ فَكَيۡفَ كَانَ عَذَابِيۡ وَنُذُرِ ۝ وَلَقَدۡ 54-16
يَسَّرۡنَا الۡقُرۡاٰنَ لِلذِّكۡرِ فَهَلۡ مِنۡ مُّدَّكِرٍ ۝ جھٹلا چکی ہے اُن سے پہلے 54-17

(بقیہ حاشیہ لہ صفحہ گذشتہ)

بماءٍ منھمر (مفردات) آنسو یا پانی بہانے کو "ھمر" کہتے ہیں۔ محاورہ ہے ھَمَرَہٗ فَانْھَمَرَ۔ اوس کو بہایا تو وہ بہ گیا۔ چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: — "ففتحنا ابواب السماء بماءٍ منھمر۔ ہم نے آسمان کے دروازے بہتے پانی کے کھول دیے" منھمر کثیر الصبّ۔ (مجمع البحار) بکثرت پانی بہتا رہے تو اوس کو منھمر کہتے ہیں" وَبعض العامّة یقول ھمر ای دمدم وصات شدیداً۔ (محیط المحیط) بعض عوام کہتے ہیں کہ ھمر کے معنی ہیں لگاتار سلسلہ جاری رکھا اور شدید آواز دی" **فقیر** عرض کرتا ہے اس اعتبار سے آیہ کریمہ کے معنی یوں ہوئے کہ ہم نے آسمان کے سخت دروازے ایسے پانی کے کھول دیے جس کا سلسلہ لگاتار جاری رہا اور جس کے جاری رہنے کی سخت آوازیں آرہی تھیں"

۲ لہ اصل الدسر الدفع الشدید بقھر یقال دسرہ بالرمح ورجل مدسر کقولک مطعن وروی لیس فی العنبر زکاۃ انما ھو شیئ دسرہ البحر قال تعالیٰ وحملناہ علی ذات الواح ودسر ای مسامیر الواحد دسار (مفردات)

نوح کی قوم، پھر جھوٹا بتلایا ہمارے بندے (نوح) کو اور کہا دیوانہ ہے
جھڑکا ہوا۔ پھر پکارا (نوح نے) اپنے رب کو کہ میں عاجز ہو چکا ہوں تو مدد فرما
پھر ہم نے کھول دیئے دہانے آسمان کے ٹوٹ کر برسنے والے پانی سے اور
بہا نکالے زمین سے چشمے، پھر مل گیا سب پانی ایک کام پر جو ٹھہر چکا تھا اور
ہم نے اوسکو سوار کر دیا ایک تختوں اور کیلوں والی (کشتی) پر رواں تھی ہماری
آنکھوں کے سامنے، بدلہ لینے کو اوس کی طرف سے جس کی قدر نہ جانی تھی، اور

(بقیہ حاشیہ ۲ے صفحہ گذشتہ)

شدت و قہر سے کسی چیز کے ڈھکیلنے کو لغت میں دسر کہتے ہیں۔ دسرہ بالرمح کا محاورہ اسی سے ہے۔ بہترین نیزہ باز کو مدسر کہتے ہیں۔ حدیث شریف ہے کہ عنبر میں زکات واجب نہیں کیوں کہ یہ ایسی چیز ہے جس کو سمندر ڈھکیل لاتا ہے۔ ارشاد باری تعالی ذات الواح و دسر سے جہاز کے کیلے مراد ہیں (جو تختوں میں ٹھونکے جاتے ہیں) دسر کا واحد دسار ہے "الدسار المسمار او مسمار محدد الطرفین یضمّ بہ اللوحان الی بعضھما و خیط من لیف تشدّ بہ الواح السفینۃ ج دُسُر و دُسْر (محیط المحیط) کیلے کو دسار کہتے ہیں یا ایسی کیل جس کے دونوں جانب نوک ہو اس سے دو تختوں کو جوڑ دیا جاتا ہے یا ایسا بندھن جس سے کشتی کے تختے ایک دوسرے سے باندھے جائیں۔ اسکی جمع دُسُر اور دُسْر دونوں وزن پر آتی ہے۔

اوس کو رہنے دیا ہم نے نشانی کے طور پر پھر کوئی سوچنے والا ہے؟ پھر کیسا تھا میرا عذاب اور ڈرانا' اور ہم نے آسان کر دیا قرآن' سمجھنے کے لیے' پھر کوئی ہے سوچنے والا۔

کذّبت اور کذّبوا کی تفسیر کذّبت قبلھم قوم نوح فکذّبوا عبدنا میں تکذیب کا بیان دو دفعہ اس بنا پر ہے کہ پہلی تکذیب مبہم تھی یعنی کفار مکہ سے پیشتر قوم نوح نے تکذیب کی" مگر کس کی تکذیب کی اس کو مبہم رکھا گیا تھا تاکہ سامع کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو جواب میں ارشاد ہوا:—
فکذّبوا عبدنا اونھوں نے ہمارے ہی بندے کی تکذیب کی" بندہ کون؟ وہی جن کا ذکر اوپر آچکا ہے یعنی نوح (علیہ الصلاۃ والسلام) یہ طرز کلام ایک خاص اثر اور کیفیت سامع کے ذہن میں پیدا کرتا ہے گویا متکلم کا منشا یہ ہے کہ یعنی سامع' متکلم کی طرف ہمہ تن گوش ہو کر متوجہ ہو جائے اور اوس کے کلام کو غور کے ساتھ سنے۔

عبدنا کی تفسیر پھر عبدنا میں جو لطف ہے وہ بھی بیان سے باہر ہے۔ یعنی کسی اور کی تکذیب نہیں بلکہ ہمارے ہی بندے کی" غور کیجیے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو اور کسی وصف کے ساتھ نہیں صرف وصف بندگی کے ساتھ اور

اون کی بندگی کو اپنی ذات کی طرف منسوب کر کے سراہا جا رہا ہے تا معلوم ہو کہ بندگی ہی انسان کا کمال ہے جب کہ وہ خدائے ذوالجلال کے لئے مختص ہو۔ یہ بتانا بھی منظور رہے کہ اوس ہزار سالہ دور میں بنی آدم کے اندر صرف ایک ہی وجود ایسا تھا جس پر عبدنا کا اطلاق درست ہو سکتا تھا۔ اُن ظالموں نے اوہیں کو اس مدید مدت میں طرح طرح سے جھٹلایا اب وہ جیسی سزا کے متوجب قرار پائے ظاہر ہے۔

امۃ محمدیہ سے خطاب اس ضمن میں یہ تنبیہ مقصود ہے کہ قوم نوح کا جو تیرہ اپنے نبی و رسول کے ساتھ رہا۔ بعینہٖ حضور اکرمؐ کے ساتھ آپ کی قوم (قریش) کا بھی ہے۔ جو اوصاف و کمالات حضرت نوحؑ میں تھے اور اپنی قوم میں جن فضائل و خصوصیات کے حامل تھے ٹھیک وہی تناسب قریش میں بنی ذات اقدس نبی امی روحی فداہ کو حاصل ہے بلکہ افضل و اکمل طور پر۔ لہٰذا جو نتیجہ اوس قوم کا اون کی تکذیب کے باعث ہوا اگر یہ قوم قریش بھی اوسی راہ پر گام زن ہے تو سمجھ لینا چاہئے کہ ان کا حشر بھی وہی ہونیوالا ہے بلکہ اون سے بدتر۔

مجنون وازدجر کی تفسیر رہا یہ سوال کہ نوحؑ کو قوم نے کیا کہا؟

فقالوا مجنون وازدجر نہ صرف تکذیب کی بلکہ یوں کہا کہ یہ دیوانے ہیں جھڑک دئے گئے " یعنی پاس آنے اور کسی کے قریب ہونے کے لائق نہیں نہ کوئی ان کی سنتا ہے اور نہ ان سے منہ لگاتا۔ روزانہ ان کا ایک ہی سبق ہے اور ہزار سال سے وہی جاری ہے۔ کون سُنے اور کہاں تک سُنے اُزدُجِر صیغہ ماضی مجہول ہے جس کے معنی ہیں جھڑکا گیا۔ ڈانٹ دیا گیا۔ لیکن زاجر کون ؟ خود قوم نوحؑ یا قوم جنّ ' جیسا کہ عوام کا عقیدہ ہوتا ہے کہ اگر کوئی دیوانہ ہوجاتا ہے تو کہتے ہیں کہ اس کے دماغ پر جنّ ' پری ' بھوت ' کا اثر ہوگیا ہے جس کے باعث یہ بہکی بہکی باتیں کرتا ہے۔ **فقیر** عرض کرتا ہے ممکن ہے اون کی یہ مراد ہو کہ خود ان کے خدا نے ان کو جھڑک دیا ہے جبھی تو سینکڑوں سال گزر گئے اور کئی پشت ہو چکے یہ اپنے خدا کے ہاں نہ جاسکے۔ اس عرض مدت میں ہماری پشت ہا پشت ختم ہو چکیں۔ اگر یہ اللہ کے چاہتے بندے ہوتے تو ہمارے آباؤ اجداد ' عزیز و اقارب ' شناسا اور عام انسانوں کی طرح یہ بھی اللہ کے ہاں بلالئے جاتے اس کس مپرسی کے عالم میں اتنے عرصۂ دراز تک یہاں کیوں چھوڑ دئے گئے ہیں ؟ واللہ اعلم۔

بہرحال حضرت نوح علیہ السلام نے قوم کا یہ جواب سنا تو عرض کیا۔

فَدَعَا رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ۔ پس اونھوں نے اپنے رب سے درخواست کی کہ پروردگار! میں ان کے مقابلہ سے تھک گیا' عاجز ہو گیا' مغلوب ہوا لہٰذا اب میری مدد فرمائیے ۔"

قرآن کریم میں تکرار نہیں ہے

انبیائے سابقین صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین کو اپنی امتوں کے ساتھ جو سابقہ رہا اور آخر کار اون پر جو تباہیاں آئیں اون کا بیان قرآن کریم میں متعدد جگہ بار بار آیا ہے ۔ مثلاً قوم نوح یا عاد وثمود کا انجام کئی سورتوں میں بتایا گیا ہے ۔ ہر قوم کی تباہی ظاہر ہے کہ صرف ایک ہی دفعہ ہوئی ۔ صورت واقعہ ایک ہی ہے مگر بلاغت قرآن کریم کا یہ حال ہے کہ ایک دفعہ بیان کئے ہوئے واقعہ کو اگر دس دفعہ دہرایا گیا ہے تو اس میں تکرار نام کو نہیں ۔ ہر دفعہ ایک نہ ایک نئے طرز سے اور جداگانہ انداز میں اوس کو پیش کیا گیا ہے ۔ اور مناسبت حال ومقام کے لحاظ سے اوس واقعہ کے کم از کم کسی ایک جزو پر بطور خاص روشنی ڈالی گئی ہے ۔ اوس جزو خاص کی حد تک وہ بیان' سابقہ اور لاحقہ تمام بیانات سے ممتاز ہے ۔ اور قرآن کریم کا دوسرے فُصحاء وبلغاء کے کلام کے مقابلہ میں یہ بھی ایک امتیاز ہے ۔ انسانی کلام میں اگر ایک مضمون مکرر آجاتا ہے تو

وہ کیسا ہی فصیح و بلیغ ہو کلام پھیکا بے رونق ہو جاتا ہے اور سننے سے طبیعت اُکتا جاتی ہے مگر کلام باری تعالیٰ کی شیرینی اور لطافت میں اس سے اضافہ ہی ہوتا جاتا ہے اور اوس کے پڑھنے سننے والوں کی دلچسپی بڑھتی جاتی ہے :-

یزیدك وجهه حسناً اذا ما زدته نظرا

تمہارے ہاں اوس کا حسن دوبالا ہی ہوتا جائیگا جیسی جیسی تم اوس پر نظر ڈالے جاؤ۔

ابواب السمآء کی تفسیر اس نقطہ نظر سے طوفان نوح کا بیان جو آگے آرہا ہے اوس پر غور کیجئے تو حقیقت حال منکشف ہو گی۔ ارشاد ہو رہا ہے :-

فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ وَفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰٓى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ۔ پھر کیا تھا؟ ہم نے ایک زبردست پانی کے ذریعہ (اوپر سے) آسمان کے دروازے کھول دئے اور (نیچے سے) ساری زمین سے چشمے پھوڑ نکالے ۔ بس اوپر اور نیچے کا پانی مل کر ایک ہو گیا اوس کام کے لئے جو بیشتر سے مقرر کر دیا گیا تھا۔

ابو الطفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے :- ان ابن الکواءؓ سائل علیاً رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن المجرۃ فقال ھی شرج السماء ومنھا فتحت ابواب السماء بماء منھمر ثم قرأ ففتحنا ابواب السماء الاٰیۃ

(بخاری فی الادب، ابن ابی حاتم) ابن الکواء نے حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ ورضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا کہ مجرّہ کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا:۔ وہ آسمان کا سیون اور جوڑ ہے وہیں سے آسمان کے دروازے کھولے گئے تھے پھر آپ نے اس کے ثبوت و استشہاد میں یہ آیہ کریمہ تلاوت فرمائی ففتحنا ابواب السمآء بمآء منھمر۔ قبل ازیں ابواب السماء کا بیان سورہ والنجم کی تفسیر میں بہ ضمن واقعہ معراج گزر چکا ہے۔ ہیئت داں آسمانوں اور ان کے دروازوں کے متعلق کچھ بھی کہا کریں۔ کلام باری تعالیٰ شانہ سے سبع سماوات اور ابواب السماء کا وجود ثابت ہے۔ اور حضور اکرم صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عینی شہادات ہمارے سامنے موجود ہیں۔ لیس الخبر کالمعاینۃ۔ اس کے بعد ارشاد ہے:۔ وفجرنا الارض عیونا اور ادھر ہم نے زمین کو پھٹنے والی بنا دیا۔ اب ساری زمین سے چشمے اُبل رہے تھے۔" علامہ کرخیؒ لکھتے ہیں:۔ اس طرز بیان میں جو بلاغت ہے وہ ظاہر ہے۔ اگر بجائے اس کے فجرنا عیون الارض کہا جاتا تو معنی یوں ہوتے کہ ہم نے ساری زمین کے چشمے کھول دئے۔" اس میں وہ بلاغت نہیں جو فجرنا الارض عیونا میں ہے

کیوں کہ ساری زمین کے چشمے کھول دینا اور ہے ۔ اور ساری زمین کو چشمے بہاتی ہوئی بنانا اور ہے ۔

ماءِ منھمر کی تفسیر حضرت ابن عباسؓ بماءٍ منھمر کی تفسیر میں فرماتے ہیں :۔ کثیر لم تمطر السماء قبل ذلك اليوم ولا بعده الا من السحاب وفتحت ابواب السماء بالماء من غير سحاب ذلك اليوم فالتقى الماءان ۔ (ابن المنذر، ابن ابی حاتم) بہت پانی برسا ۔ اوس دن سے پیشتر یا بعد جب کبھی برسات ہوئی تو ابر سے پانی برستا رہا ہے مگر اوس دن (جبکہ طوفان نوحؑ آیا) ابر نہ تھا (اور زبردست طوفانی بارش ہوئی بات یہ تھی کہ) آسمان کے دروازے کھل گئے تھے وہاں سے پانی آرہا تھا (ادھر نیچے سے زمین کے طنابے کھول دئے گئے اور اوپر سے ابواب السماء) بس دونوں پانی مل کر ایک ہوگئے ۔"

محمد بن کعب قرظی کہتے ہیں :۔ ماء السماء وماء الارض علی امر قد قدر، قال کانت الاقوات قبل الاجساد وکان القدر قبل البلاء (عبد بن حمید، ابن المنذر، ابن جریر) پانی آسمان کا اور پانی زمین کا ٹھیک اوس مقدار میں ایک جگہ جمع ہوگیا جس کا اندازہ پیشتر سے مقرر تھا ۔ اجسام کی آفرینش سے

پہلے اون کی روزی اور امتحان سے پیشتر مقدار مقرر کردی گئی ہے۔"

نظام قدرت پر ایک سرسری نظر سبحان اللہ! قدرت کا نظام کتنا مکمل ہے کہ بچہ پیدا ہونے سے پہلے اوس کے دودھ کا انتظام فرما دیا جاتا ہے اس کا انکار کون کرسکتا ہے؟ محمد بن کعب کا کیا صحیح استنباط ہے کہ اسی طرح اجسام کی آفرینش سے پہلے اون کی روزی مہیا فرمادی جاتی ہے۔ اس کے بعد آپ کا دوسرا استنباط کہ ابتلاء و آزمایش کے آنے سے پیشتر اوس کا انداز بھی پہلے ہی سے کرلیا گیا ہے۔ اس کو صحیح تسلیم کرنے میں کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہتی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قدرت کا ہر کام جچا' تلا' نپا ہوا ہے۔ سچ ہے:۔ کل شیٔ عندہ بمقدار۔ اللہ سبحانہ کے نزدیک ہر چیز کی ایک مقدار مقرر ہے اوس سے سرِ مو تجاوز ہوسکتا ہے اور نہ کوتاہی۔

ذات الواح ودسر کی تفسیر یہ تو منکرین کا حشر ہوا۔ اب اہل حق کیے کیا سلوک ہوا؟ ارشاد ہو رہا ہے:۔ وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ۔ اور ہم نے اون کو (نوحؑ اور اون کے ساتھیوں کو) ایک کشتی (یا جہاز) پر سوار کرادیا جو تختوں اور کیلوں سے تیار کی گئی تھی۔"

اس کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ الالواح الواح

السفینة والدسر معاریضها التی تشد بہا السفینة ۔ (عبد بن حمید
ابن المنذر) "الواح" تو جہاز کے تختے تھے اور "دسر" اوس کے قلابے جن سے
جہاز کو جوڑا جاتا ہے۔" مجاہدؒ فرماتے ہیں :۔ الالواح الصفائح والدسر
العوارض ۔ (عبد بن حمید، ابن المنذر) "الواح" سے مراد تختے اور "دسر" سے
قلابے مراد ہیں۔" قتادہؒ سے بھی اسی طرح مروی ہے ۔

۲۔ حضرت ابن عباسؓ ہی سے "دسر" کی تفسیر میں یہ بھی مروی ہے :۔
المسامیر ۔ (ابن جریر، ابن المنذر) "دسر" سے کیلے مراد ہیں" جن کے
دونوں کنارے باریک ہوتے ہیں اور اون سے دو تختوں کو جوڑ کر ایک کیا
جاتا ہے ۔ قتادہ، اور نافع بن ازرق سے بھی اسی طرح مروی ہے ۔

۳۔ حضرت ابن عباسؓ سے تیسری تفسیر اس طرح مروی ہے :۔ کلکل
السفینة (ابن جریر، ابن ابی حاتم) جہاز کا سینہ" یعنی سامنے کا حصہ جو
پانی کو کاٹتا جاتا ہے ۔ عکرمہ کہتے ہیں :۔ صدرها الذی یضرب بها
الموج ۔ (عبد بن حمید) جہاز کا سینہ جو پانی کی موجوں کو ڈھکیلتا ہے "۔
حسن بصریؒ سے بھی اسی طرح مروی ہے (عبد بن حمید) خلاصہ یہ کہ کشتی نوحؑ ان
سب کی جامع تھی ۔ اوس کے تختے کیلوں سے جوڑے ہوئے، قلابوں سے

مضبوط کئے ہوئے تھے اور اوس کا اگلا حصہ اس طرح بنا ہوا تھا کہ جہاز پانی کے تھپیڑوں کا مقابلہ کرتا ہوا آگے بڑھ سکے اور منزل مقصود تک صحیح و سالم پہنچ سکے آگے ارشاد ہے :۔

تجری باعیننا کی تفسیر منقبت حضرت نوح علیہ السلام

تَجۡرِیۡ بِاَعۡیُنِنَا ۔ وہ کشتی ہماری آنکھوں کے سامنے رواں تھی "۔ سبحان اللہ ۔ واقعہ کی تصویر کس عمدگی سے کھینچی جا رہی ہے ۔ غور کیا جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آج بھی وہ صورت حال مخاطب کے سامنے ہے ۔ طوفان کتنا ہی شدید ہو لیکن جہاز جو اس اہتمام سے بنا ہوا اور رب العزت کی حفاظت میں رواں ہو، کیا مجال کہ کسی حادثہ سے دوچار ہو یا اوس میں جو سوار ہیں اون کو کوئی دشواری پیش آئے ۔ لاریب اس میں حضرت نوح علیہ السلام کی بڑی منقبت ہے کہ آپ اور آپ کے اصحاب ایسی کشتی میں سوار ہیں جو رب العزت جل جلالہٗ کی عین عنایات میں رواں تھی ۔

منقبت حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان مبارک میں ارشاد ہوا :۔

وتوکل علی العزیز الرحیم ۝ الذی یرٰک حین تقوم ۝ وتقلُّبک

فی الساجدین ٥ (والطور) آپ بھروسہ رکھئے اوس باعزت مہربان پر جو آپ کو دیکھتا رہتا ہے جس وقت آپ اٹھتے ہیں اور آپ کا سجدہ کرنیوالوں میں پھرتا (بھی دیکھتا ہے)"۔ یعنی یہ بتایا جا رہا ہے کہ وہاں تو کشتی نوحؑ اور اوسکی روانی پر نظر عنایت تھی۔ یہاں عین عنایت و لطف آپؐ پر لگی ہوئی ہے۔ آپؐ کی ہر نشست و برخاست پر بلکہ آپؐ کا نور مبارک جب سے اصلاب آبائے طیبین اور ارحام امہات طیبات میں منتقل ہوتا آ رہا تھا مسلسل اوس پر نظر لطف و کرم لگی رہی ہے۔ پھر اسی پر اکتفا نہیں فرمائی گئی بلکہ دوسری جگہ یوں ارشاد ہوا:۔ "واصبر لحکم ربّك فانّك باعیننا"۔ اور اپنے پروردگار کے حکم پر جمے رہئے کیوں کہ آپؐ ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں"۔ یعنی زمان و مکان کی قید نہیں اور نہ کسی حال کی تخصیص و تحدید ہے بلکہ عین عنایت ہمیشہ ہر حال میں آپؐ پر لگی ہوئی ہے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

منقبت اہل بیتؑ اطہار

حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ انّ مثل اهل بیتی فیکم مثل سفینة نوحؑ من رکبها نجا ومن تخلّف عنها هلك۔ (مستدرک حاکم عن ابی ذرؓ) یقیناً میرے اہل بیت کی مثال تم میں کشتی نوحؑ جیسی ہے کہ جو اوس میں سوار ہوا نجات

پائی اور جو اوس سے پیچھے رہ گیا وہ ہلاک ہوا"۔ اسی مضمون کی روایات،
بہ عبارات مختلفہ، مسند بزار، معجم طبرانی، تفسیر ابن جریر وغیرہ میں ابن عباس
ابن زبیر رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہیں۔

یہ بھی ارشاد فرمایا:۔ احبّوا اللہ لما یغذ وکم بہ من نعمہ
واحبّونی لحبّ اللہ واحبّوا اھل بیتی لحبّی۔ (ترمذی، حاکم،
عن ابن عباسؓ) اللہ سے محبت رکھو (کم ازکم) اس لئے کہ اوس نے اپنی
نعمتوں کو تمہاری غذا بنایا ہے اور مجھ سے محبت رکھو اس لئے کہ مجھے اللہ کی
محبت ہے اور میرے اہل بیت سے محبت رکھو اس لئے کہ تم کو مجھ سی محبت ہے۔

الٰہی بحق بنی فاطمہؓ — کہ بر قول ایماں کنم خاتمہ
اگر دعوتم رد کنی ور قبول — من و دست و دامان آل رسول

جزآءً لمن کان کفر کی تفسیر

جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ۔ اس طرح بدلہ
دیا گیا اون کو جن کی قدر نہیں کی گئی تھی"۔ یعنی حضرت نوحؑ اور آپ کے ساتھیوں کو
اس طرح کشتی پر سوار کرکے ایسے طوفان عظیم سے ہم نے نجات دی۔ اور اس طرح
آپ کے دشمن تباہ و برباد کردئے گئے۔ دشمنان خدا و رسول اور دشمنان دین کی
ایک نہ چل سکی۔ اور کامیابی کا سہرا اہل حق ہی کے سر رہا۔ عادۃ اللہ یہی ہے

فاعتبروا یا اولی الابصار۔

ترکنٰھا آیۃ کی تفسیر	وَلَقَدْ تَرَکْنٰھَا آیَۃً فَھَلْ مِنْ مُّدَّکِرٍ

اور بے شک ہم نے اوس (کشتی) کو نشانی کے طور پر چھوڑ رکھا تو کیا کوئی نصیحت لینے والا ہے؟"

قتادہ کہتے ہیں: ابقی اللہ سفینۃ نوح علی الجودی حتی ادرکھا اوائل ھذہ الامۃ۔ (عبدالرزاق، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر)

اللہ سبحانہ تعالیٰ نے حضرت نوحؑ کی کشتی کو، کوہ جودی پر باقی و برقرار رکھا کہ اس امۃ مرحومہ کے اگلے لوگوں نے بھی اس کو دیکھا" درحالیکہ اس واقعہ کے ہزارہا سال بعد بنی ہوئی کشتیاں اور جہازات، گل کر ریزہ ریزہ ہو چکے تھے۔ سچ ہے: جسے اللہ رکھے اوسے کون چکھے؟۔ یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ اس واقعہ کو ہم نے ایک یادگار حیثیت دی ہے کہ ہزارہا سال گزر نے کے باوجود بھی لوگوں کی یاد تازہ ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ طوفان نوح کا واقعہ ابھی کل کا واقعہ ہے۔ اس صورت میں ترکناھا کی ضمیر سفینہ کی طرف نہیں بلکہ قصۂ نوح کی طرف راجع ہوگی۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آفرینش آدمؑ کے بعد اگرچہ نوح علیہ السلام نے

سب سے پہلے کشتی بنائی اور جہاز رانی کی پھر یہ صنعت اور صفت آپ کی اولاد میں باقی رہ گئی اس کے بعد جس قدر جہاز، کشتیاں وغیرہ تیار ہوئی یا ہوتی رہیں گی وہ اسی سفینۂ نوحؑ کی یادگار رہوں گی۔ واللہ اعلم

عذابی و نذر کی تفسیر | فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ۔ پھر میرا عذاب اور میرا ڈرانا کیسا تھا؟" "نُذُر" جمع ہے "نذیر" کی اور نذیر میں دو احتمال ہیں۔ یا تو اوس کو مصدر قرار دیا جائے جس کے معنی ہیں "ڈرانا" یہاں ہم نے یہی معنی لکھے ہیں کیوں کہ عذاب اور نذر میں جو مناسبت ہے وہ ظاہر ہے۔ یہ تبانا منظور ہے کہ ہمارے عذاب اور ڈرانے کا آخر کیا خطرناک نتیجہ ظاہر ہوا کہ کوئی اوس کا اندازہ نہیں کر سکتا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ "نذیر" سے ڈرانے والا مراد ہو۔ اس اعتبار سے ڈرسانے والے نبی و رسول مراد ہوں گے یہ معنی بھی درست ہو سکتے ہیں۔ اس لحاظ سے مراد یہ ہو گی کہ ہماری طرف سے ڈرسانے والے جو آتے ہیں دیکھو اون کی کامیابی کیسی ہوتی ہے اور جو لوگ اون کا مقابلہ کرتے ہیں اون کا انجام کیا ہوتا ہے؟ بعض مفسرین نے یہاں "نُذُر" سے منذَر منہ مراد لیا ہے یعنی جس چیز سے ڈرایا جاتا تھا اوس کا حشر کیسا ہوا؟ مگر یہ تاویل ہے جب اصلی معنی درست ہو سکتے ہیں تو

کسی تاویل کی حاجت نہیں۔

یسرنا القرآن کی تفسیر "ولقد یسرنا القرآن للذکر" اور یقیناً ہم نے قرآن کو آسان کر دیا ہے تاکہ اوس سے نصیحت لی جائے"

یسرنا القرآن کی تفسیر میں مجاہد کہتے ہیں: — ھوّنا قراءته۔ (آدم بن ابی ایاس، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر، بیہقی) اوس کی قراءت کو ہم نے سہل بنا دیا ہے"

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: — لولا ان اللہ یسّرہ علی لسان الآدمیین ما استطاع احد من الخلق ان یتکلّم بکلام اللہ۔ (ابن ابی حاتم، بیہقی) اگر قرآن کریم کی تلاوت کو اللہ سبحانہ آدمیوں کی زبان پر آسان نہ کیا ہوتا تو خلق خدا کو قدرت ہی نہ ہو سکتی کہ اللہ کا کلام اپنی زبان سے نکال سکے"

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں: — قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انّ اللہ تبارك وتعالیٰ قرأطٰه ویٰسٓ قبل ان یخلق السمٰوات والارض بالفی عام فلمّا سمعت الملائکة القرآن قالت طوبیٰ لامّة ینزل علیہا ھذا وطوبیٰ لاجواف تحمل ھذا وطوبیٰ لالسنة تتکلّم بھذا

(دارمی، ابن خزیمہ، عقیلی، طبرانی، ابن عدی، ابن مردویہ، بیہقی) حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ آسمانوں اور زمین کی آفرینش سے دو ہزار سال قبل، اللہ تبارک و تعالیٰ نے (سورۂ) طٰہٰ و یٰسٓ پڑھا۔ فرشتوں نے جب قرآن سُنا تو کہنے لگے اوس امت کو جنت نصیب ہو جن پر یہ (قرآن) نازل ہوگا۔ اور اون سینوں کو مبارک ہو جو اس کے حامل (حافظ) ہوں گے اور اون زبانوں کو خوشی ہو جن سے یہ (کلام اللہ) جاری ہوگا"

برادرانِ اسلام سے خطاب

برادران اسلام! ملائکہ کرام کی یہ مبارک باد آپ ہم سب کو مبارک ہو جو آسمان و زمین کی تخلیق سے دو ہزار سال قبل دی گئی۔ قرآن کریم، اللہ سبحانہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے اس کا شکر جس قدر ادا کیا جائے کم ہے۔ اس کی قدر پہچانیں۔ قدر دانی یہی ہے کہ اس کو پڑھا کریں۔ سنتے رہیں اس کے معانی و مطالب پر غور و فکر کرتے رہیں۔ اس کو مشعل راہ بنائیں۔ اور اس پر عمل کرنے کی سعی کریں۔ اسی میں ہماری دنیا و آخرت ہے اور اسی میں ہماری نجات ہے۔ قرآن کریم اس اعتبار سے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا کلام ہے قول ثقیل ہے اللہ سبحانہ نے فرمایا:۔ انا سنلقی علیك قولاً ثقیلاً (مزمل) ۔ اے نبی کریم! ہم آپ پر بہت بھاری کلام اتار رہے ہیں" اتنا بھاری کہ

لو انزلنا هٰذا القرآن علیٰ جبل لرأیتهٗ خاشعا متصدعا من خشیة اللّٰه۔
(حشر) اگر ہم اس قرآن کو کسی بڑے سے بڑے زبردست پہاڑ (مثلاً ہمالیہ) پر
اُتارتے تو وہ بھی خشیت الٰہی سے پست اور پاش پاش ہوجاتا" یہ وہ بار امانت ہے
کہ انا عرضنا الامانة علی السموات والارض والجبال فابین ان یحملنها
واشفقن منها وحملها الانسان (احزاب) ہم نے اپنی امانت آسمانوں، زمین
اور پہاڑوں پر پیش کی تھی (کہ کون اس کا حامل بنتا ہے؟) سبھوں نے اس کے
اوٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے۔ اور اس کو انسان نے اوٹھالیا"
آفریں وصد آفریں، انسان پر کہ وہ کلام اللہ کا حامل بنا۔ لاریب کہ قرآن کریم کا
یہ ایک نہایت دشوار گزار پہلو ہے مگر فضل الٰہی دیکھئے کہ اس کو ہمارے لئے آسان
بنادیا۔ اتنا آسان کہ پانچ چھ سال کا بچہ تک اس کا حافظ ہوجاتا ہے۔ امام
شافعی رحمۃ اللہ علیہ ابھی چھ سال کے تھے کہ پورے قرآن کریم کے حافظ ہوگئے
امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے صرف ایک ہفتے میں حفظ قرآن فرمالیا۔ حفاظ صرف
ایک شبینہ میں پورا قرآن سنا دیتے ہیں۔ سننے والوں کو وہ ذوق وشوق حاصل
ہوتا ہے کہ کھڑے کھڑے رات کے چند گھنٹوں میں قرآن پاک اول سے آخر تک
سن لیتے ہیں۔ اور سنتے ہوئے کچھ بھی تکان محسوس نہیں کرتے۔ ایسے فوائد تعجیل کی

یہ تیسیر (آسانی وسہولت) خدا کی قدرت ہے۔ اہل علم اور ارباب عرفان کا لطف، بیان میں نہیں آسکتا۔ وہ تو اپنی جان کی تک بازی لگا دیتے ہیں۔

زرارہ بن اوفیؓ کی وفات بحالت امامت نماز

بہز بن حکیم کہتے ہیں:۔ امنا زرارۃ بن اوفی فقرأ المدثر فلما بلغ فاذا نقر فی الناقور خر میتا فکنت فیمن حملہ (ابن سعد، حاکم) زرارہ بن اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہماری امامت کی تو سورۂ مدثر پڑھا۔ جب آیۂ کریمہ "فاذا نقر فی الناقور" تک پہنچے تو غش کھا کر گرے اور انتقال فرمایا۔ میں خود ان لوگوں میں تھا جنھوں نے ان کو اٹھایا۔" یہ واقعہ ترمذی شریف میں بھی ہے۔ آیۂ کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ جب صور پھونکا جائے گا تو وہ دن نہایت کٹھن ہوگا خصوصاً کافروں کے حق میں تو کسی سہولت کا دن نہ ہوگا۔"

لسان مبارک ہی باعث تیسیر قرآن ہے

قرآن کریم کی اس تیسیر کا باعث کیا ہے؟ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔ "فانما یسرناہ بلسانك لتبشر به المتقین وتنذر به قوما لدا۔" (مریم) ہم نے اس کو (اے نبی کریم!) آپ کی زبان (عربی) میں آسان کرکے محض اس لئے بھیجا کہ آپ اس کے ذریعہ خدا سے ڈرنے والوں کو (جنت کی) بشارتیں

اوراسی کے ذریعہ آپ جھگڑالو قوم کو (عذاب دوزخ سے) ڈرائیں"
دوسری جگہ ارشاد ہے: — فانما یسرناہ بلسانك لعلھم یتذکرون۔
(دخان) ہم نے اس کو آپ کی زبان میں سہولت بخش بنا کے صرف اس لئے
اتارا کہ یہ لوگ (اس قرآن کریم سے) نصیحت لیں" اس سے معلوم ہوا کہ
یہاں بھی خاطر اقدس ہی ملحوظ تھی۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

فھل من مدکر کی تفسیر فَھَلْ مِنْ مُّدَّکِرٍ۔ تو کیا کوئی ہے نصیحت
لینے والا (قوم نوح کے اس واقعہ سے؟)"

محمد بن کعب قرظی کہتے ہیں: — ھل من منزجر عن المعاصی۔
(ابن المنذر) کیا کوئی ہے گناہوں سے رُکنے والا؟" قتادہ کہتے ہیں: —
ھل من طالب خیر فیعان علیہ۔ (عبد بن حمید، ابن جریر) کیا کوئی (اس)
واقعہ کو دریافت کرنے والا ہے جس کی مدد کی جائے یعنی اوس کو یہ واقعہ بتایا
جائے" مطر الوراق کہتے ہیں: — ھل من طالب علم فیعان علیہ۔ (ابن
ابی الدنیا، ابن جریر، ابن المنذر) کیا کوئی طالب علم ہے جس کی مدد کی جائے؟"

امام ابن جریر طبری لکھتے ہیں: — فھل من ذی تذکر یتذکر بما قد
فعلنا بھذہ الامۃ التی کفرت بربھا وعصت رسولہ نوحا وکذبتہ

فیما اتاھم بہ عن ربھم من النصیحۃ فیعتبر بھم و یحذر ان یحل بہ من العذاب بکفرہ بربہ و تکذیبہ رسولہ محمدا صلی اللہ علیہ وسلم مثل الذی حل بھم فینیب الی التوبۃ و یراجع الطاعۃ۔

تو کیا کوئی نصیحت لینے والا نصیحت حاصل کریگا اس واقعہ سے جو ہم نے اوس قوم کے ساتھ کیا جس نے اپنے رب کا انکار کیا اور اوس کے رسول نوح علیہ السلام کی نافرمانی کی۔ اور جو نصیحت آپ اپنے پروردگار کے ہاں سے لائے تھے اور اس قوم کے انجام سے کیا کوئی عبرت لینے والا ہے؟ اور اس سے بھی ڈرتا ہو کہ اگر وہ بھی خدا کا انکار کرے گا اور اوس کے رسول حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب کرے گا تو اوس پر بھی ایسا ہی عذاب آئے گا جو اون سابقہ لوگوں پر آیا تھا اور اس اندیشہ کی بنا پر توبہ اور طاعت کی طرف رجوع کرے؟"

قرآن کریم کی برتری دیگر کتب الٰہیہ پر

یہاں یہ بتانا منظور ہے کہ قرآن کو عربی میں اس لئے نازل کیا گیا کہ آپ کی قوم پہلے اس کو اچھی طرح ذہن نشین کرلے کیوں کہ یہ اونھیں کی زبان میں ہے اس کو ہم نے انواع و اقسام کی نصیحتوں اور عبرتوں سے زینت دی اور وعدہ و عید کو خوب

الٹ پھیر کر تبلا دیا ہے۔" عبارت کی بندش، کلمات کی سلاست، معنی کی صحت اور رفعت شان، نامانوس الفاظ سے خالی ہونا وغیرہ ایسے اوصاف اس میں ہیں کہ اس کے خلاف دم مارنے کی گنجائش نہیں۔ اس وجہ سے حضرت سعید بن جبیرؒ تابعی فرماتے تھے: لم یستظہر شئ من الکتب الالٰھیة غیر القرآن۔ "قرآن کے سوا کتب الٰہیہ میں سے کوئی کتاب اس پر تفوق نہ حاصل کر سکی۔"

طوفانِ نوح کے خصوصی اجزاء جو صرف یہاں بیان ہوئے

حضرت نوح علیہ السلام کا جو واقعہ یہاں مذکور ہوا اوس میں جہاز کے تختوں اور کیلوں سے تیار ہونے اور سفینۂ نوحؑ حفاظتِ الٰہی میں رواں ہونے کا بیان بالکل نیا ہے۔ دوسری جگہ جہاں جہاں یہ قصہ آیا ہے بیان کے مذکورہ اجزا اوس میں نہیں ہیں۔ اسی پر دوسرے واقعات کو قیاس کیا جا سکتا ہے کہ ہر موقع کچھ نہ کچھ جدت اور نیا علم اوس کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے۔ بہر حال یہ ثابت ہوا کہ ایک ایک واقعہ کو اگرچہ کئی دفعہ دوہرایا گیا ہے مگر اس میں تکرار نہیں ہے۔

كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ۝ إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ 54-18
54-19

سورۂ قمر (آیت ۱۸ تا ۳۲)

رِيحًا صَرْصَرًا[1] فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ[2] مُّسْتَمِرٍّ ۙ تَنْزِعُ النَّاسَ كَاَنَّهُمْ 54-20

اَعْجَازُ نَخْلٍ[3] مُّنْقَعِرٍ[4] فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ○ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا 54-21

الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ع جھٹلایا عاد نے پھر کیسا تھا میرا عذاب 54-22 ع

[1] ریح صرصر شدیدۃ الھبوب او البرد ومنہ فی سورۃ الحاقۃ و امّا عاد فاھلکوا بریح صرصر۔ (محیط المحیط) تیز چلنے والی یا نہایت سرد ہوا کو "ریح صرصر" کہتے ہیں۔ سورۂ حاقہ میں قوم عاد کا ریح صرصر سے ہلاک ہونا جو بیان ہوا ہے یہی مراد ہے۔" وقولہ ریحاً صرصراً لفظہ من الصرّ وذلک یرجع الی الشدّ لما فی البرودۃ من التعقّد (مفردات) ارشاد باری تعالیٰ ریحاً صرصراً" اور اصل صَرٌّ سے ماخوذ ہے جس کے اصل معنی باندھنے اور گرہ دینے کے ہیں ٹھنڈی ہوا بھی چونکہ ہر چیز کو یخ بستہ کرتی اور باندھ دیتی ہے اس لئے اس کو "ریح صرصر" کہتے ہیں۔" فقیر عرض کرتا ہے کہ سناٹے بھرنے والی تیز ہوا میں آواز صَرصَر ہوتی ہے ممکن ہے اس وجہ سے بھی اس کا نام "ریح صرصر" رکھا گیا ہو۔ واللہ اعلم۔

[2] النحس ضدّ السعد قال فی یوم نحس مستمرّ..... واصل النحس ان یحمرّ الافق فیصیر کالنحاس ای لھب بلا دخان فصار ذلک مثلاً للشوم (مفردات) "نحس" ضد ہے مبارک و مسعود کی۔ ارشاد باری ہے:— فی یوم نحس مستمرّ۔

اور ڈرانا، ہم نے بھیجی اوِن پر ہَوا سنّاٹے کی نحوست کے دن، جو گزر گئے

(بقیہ حاشیہ ۲ صفحہ گزشتہ)

نحوست کے دن، جو گزر گئے۔" "نحس" کے اصلی معنی یہ ہیں کہ آسمان کے کنارے تانبے کی طرح سُرخ ہو جائیں۔ شعلے دکھائی دیں جن میں دھواں نہ ہو پھر ایسی صورت حال بدفالی کیلئے ضرب المثل بن گئی۔"

۳ عَجُزُ الانسان مؤخّره و به شبّه مؤخّر غیره قال کأنّهم اعجاز نخل منقعر والعجز اصله التأخّر عن الشیٔ وحصوله عند عجز الامر ای مؤخّره لما ذکر فی الدبر و صار فی التعارف اسما للقصور عن فعل الشیٔ و هو ضدّ القدرة۔ (مفردات) انسان کے پچھلے حصے (سُرین) کو عَجُز کہتے ہیں۔ اسی سے دوسری اشیاء کے پچھلے حصہ کو بھی بطور تشبیہ عَجُز کہا جاتا ہے۔ ارشادِ باری ہے:- کانّهم اعجاز نخل منقعر۔ وہ کھجور کی تنہ کے مانند ہو گئے جو اکھڑے ہوئے ہوں۔" عَجُز کے اصلی معنی کسی چیز سے پیچھے رہ جانے کے ہیں یعنی کام ختم ہونے کے بعد کسی چیز کا حاصل ہونا۔ دُبُر کا مفہوم بھی اسی طرح ہے۔ پھر عرف عام میں کسی کام سے پیچھے رہ جانے کا نام عَجز ہو گیا۔ اس کی ضد قدرة ہے۔"

۴ قعر الشیٔ نهایة اسفله و قوله کانّهم اعجاز نخل منقعر

اکھاڑ دیتی لوگوں کو گویا وہ تنہ ہیں کھجور کے اکھڑے ہوئے، پھر کیسا تھا

میرا عذاب اور ڈرانا، اور ہم نے آسان کر دیا قرآن، اس واقعہ کو سمجھنے پھر

کوئی ہے سوچنے والا۔

ایک نکتہ قصۂ نوحؑ کے بعد دوسرا قصہ قوم عاد کا ارشاد ہو رہا ہے۔ قوم
نوح کا کوئی لقب یا نام نہ تھا اس لئے اوس قوم کو نوح علیہ السلام ہی کی طرف

(بقیہ حاشیہ ۲ صفحہ گزشتہ)

ای ذاھب فی قعر الارض وقال بعضھم انقعرت من قعرھا وقیل
معنی انقعرت ذھبت فی قعر الارض وانما ارادتعالی ان ھؤلاء اجتثوا
کما اجتثت النخل الذاھب فی قعر الارض فلم یبق لھم رسم ولا اثر

(مفردات) کسی چیز کی تہ کو "قعر" کہتے ہیں یعنی اوس کا انتہائی نچلا حصہ۔
ارشاد باری ہے:۔ کانھم اعجاز نخل منقعر۔ گویا کہ وہ کھجور کی پیڑ ہیں جو زمین کی
تہ میں گھسی ہوئی ہو۔ انقعرت الشجرۃ کے معنی بعض کے نزدیک یہ ہیں کہ درخت جڑ سے
اکھیڑ دیا گیا۔ اور کوئی اس کے یہ معنی کرتے ہیں۔ درخت زمین میں دھنس گیا۔ آیۂ
کریمہ کا مطلب یہ ہوا کہ قوم عاد کا استیصال ایسا ہوا جیسا کھجور کے درخت کا استیصال ہوتا ہے
کہ اوس کا نام و نشان تک باقی نہ رہا۔ یا تو اس طرح کہ وہ جڑ سے اکھیڑ دیا گیا یا زمین میں دھنسا دیا گیا"

منسوب کیا گیا تھا۔ اور اس قوم کا نام معروف ہے اس لئے اوس کے نام سے قصہ کا آغاز ہو رہا ہے۔ پیشتر واقعات کے ضمن میں معلوم ہو چکا ہے کہ یہ حضرت ہود علیہ السلام کی قوم تھی۔

دوسرا نکتہ یہاں حرف عطف واؤ نہ لانے میں یہ منظور ہے کہ ہر واقعہ بجائے خود مستقل طور پر قابل عبرت ہے۔ اسی طرح اس سورت میں اس کے بعد جو واقعات مذکور ہوئے ہیں اون کو بھی واؤ عطف کیساتھ نہیں بیان فرمایا گیا ہے۔ یہی اشارہ مقصود ہے کہ ان میں سے ہر ایک مستقل عبرت کا مقام ہے۔ واللہ اعلم۔ پھر اس قوم کے تکذیب کرنے کا بیان ہوا ہے مگر تکذیب کس طرح کی؟ اس کو نظر انداز فرمایا گیا یا تو اس لئے کہ دیگر مقامات میں اس کی صراحت آچکی ہے یا یہ بتانا مد نظر ہے کہ تکذیب کے بعد ہم نے کچھ مہلت نہ دی، فوراً ہی سزا اوسی عمل میں آئی۔ بہرحال ارشاد ہو رہا ہے:-

كَذَّبَتْ عَادٌ کی تفسیر كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ

"قوم عاد نے جھٹلایا تو میرا عذاب اور میری ڈانٹ اس قوم پر کیسی رہی؟" اوس کو فراموش نہ کرو۔ قوم عاد نہایت قد آور، اونچی پوری، قوی تنومند تھی کہتے ہیں کہ ان میں سے ایک ایک کا قد بارہ ہاتھ کا تھا۔ بعض روایات میں

اس سے بھی زیادہ نبلایا گیا ہے۔ واللہ اعلم ان پر جو تباہی آئی وہ یہ تھی۔

یوم نحس کی تفسیر إِنَّآ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِى يَوْمِ نَحْسٍ

ہم نے ان پر ایک ٹھنڈی ہوا سائے کی بھیجی، منحوس دن "۔ عام طور پر لوگ بعض دنوں کو نحس خیال کرتے ہیں اس لئے اس کی وضاحت مفید ہوگی۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ النحس البلاء والشدۃ قال نافع وھل تعرف العرب ذلک قال نعم اما سمعت زھیر بن ابی سلمٰی وھو یقول ؎

سواء علیہ ای یوم اتیتہٗ　　أساعۃ نحس تتّقی ام باسعد (طنی)

نحوست کے معنی " نحس " کے معنی بلاء (مصیبت، آزمائش) اور سختی کے ہیں۔ یہ سنکر آپ کے شاگرد نافع نے دریافت کیا۔ کیا عرب اس معنی سے واقف ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ کیا تم نے زہیر کا یہ شعر نہیں سنا جس میں وہ کہتا ہے:۔ جس دن بھی تم اوس کے ہاں آؤ اوس کے نزدیک برابر ہے خواہ کسی منحوس گھڑی میں آؤ جس سے احتراز کیا جاتا ہے، یا کسی مبارک ساعت میں آؤ "۔ اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نحس ضد ہے سعد کی۔

ابن جریر کی روایت میں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا

فی یوم نحس قال ایام شداد ۔ "یوم نحس" سے سخت دن (نہایت کٹھن) مراد ہیں"
قتادہ کہتے ہیں :۔ فی یوم مشئوم علی القوم (عبد بن حمید ابن جریر)
نہایت برا دن جو قوم پر آیا"
وہ منحوس دن کونسا تھا؟ اس کے متعلق روایات ذیل ہیں :۔
چہارشنبہ کا دن زر بن جبیشؓ فرماتے ہیں :۔ فی یوم نحس قال یوم
الاربعاء ۔ (ابن ابی حاتم) یوم نحس سے چہارشنبہ مراد ہے" جابر بن عبداللہ
انصاریؓ کہتے ہیں ۔ یوم الاربعاء یوم نحس (ابن المنذر، ابن مردویہ)
چہارشنبہ منحوس دن ہے"
عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں ۔ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
یقول یوم نحس یوم الاربعاء ۔ (ابن مردویہ) حضرت رسول اکرم صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ یوم نحس، چہارشنبہ ہے" ایک حدیث طبرانی
کی بھی ہے :۔ یوم الاربعاء یوم نحس مستمر ۔ چہارشنبہ کا دن نحس دن ہے"
حضرت انسؓ فرماتے ہیں :۔ سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم عن الایام وسئل عن الاربعاء قال یوم نحس قالوا وکیف
ذالک یا رسول اللہ قال اغرق اللہ فیہ فرعون وقومہ واھلک

عاد و ثمود۔ (ابن مردویہ) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دنوں کے بارے میں دریافت کیا گیا اور چہار شنبہ کی نسبت بھی پوچھا گیا۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا وہ منحوس دن ہے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ کیونکر ہے؟ تو آپ نے فرمایا:۔ اللہ نے اس دن فرعون اور اوس کی قوم کو غرق کیا۔ اور عاد و ثمود کی بربادی بھی اسی دن ہوئی "

آخری چہار شنبہ ابن عباسؓ سے بھی ایک ضعیف روایت ہے:۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اخرا ربعاء فی الشھر یوم نحس مستمر۔ (وکیع' ابن مردویہ' خطیب) حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نے فرمایا کہ مہینہ کا آخری چہار شنبہ منحوس دن ہے" (مستمر کی تفسیر آگے آئیگی)۔

ان ہی روایات کی بنا پر عام خیال یہ ہے کہ چہار شنبہ اور خصوصاً آخری چہار شنبہ منحوس دن ہے۔ چنانچہ اس دن کوئی کام نہیں کیا جاتا۔ سیر و تفریح میں گزار دیا جاتا ہے۔ یا لہو ولعب ہوتا رہتا ہے۔ خرافات کے دلدادہ لوگوں کی تو اس دن عید ہوتی ہے اور خوب بن آتی ہے۔ قوم عاد پر جو عذاب آیا تھا وہ تو ماہ شوال کا چہار شنبہ تھا۔ مگر زمانہ مابعد کے لوگوں نے اس کو ماہ صفر میں منتقل کر دیا۔ اور صفر کے آخری چہار شنبہ کو منحوس دن قرار دیا۔ اور انتا

منحوس کہ اگر اس دن کسی سے ابتدائی ملاقات ہو تو اس جیسا دوسرا دن اوس کے آنے نہ پائے گا۔ ضرب المثل ہی بنالی گئی: ۔ لہٰ اربعاء لا تدور ۔ اوس کیلئے چہارشنبہ مقرر ہے جو پلٹ کر نہ آئے گا" شاعروں نے اس پر طبع آزمائی شروع کردی ۔ ایک شاعر نے لکھا ہے ۔ ؎ :۔

لقاؤك للمبكر فال سوء و وجهك اربعاء لا تدور

تیرا کسی سے ابتدائی ملاقات کرنا بہت ہی بُری فال ہے ۔ اور تیرا چہرہ اوس چہارشنبہ کی طرح ہے جو دوبارہ نہیں آنے پاتا" یہ تمام خیالات جہالت کی پیداوار ہیں ۔ تعلیمات اسلامی سے ان کو دور کا تعلق بھی نہیں ۔ جو روایات مذکور ہوئیں اون کی نسبت، ناقدین احادیث شریفہ نے جو تصریح فرمائی ہے وہ حسب ذیل ہے :۔

روایات بالا کی تنقید ابن عباسؓ کی روایت، جس کو وکیع، ابن مردویہ اور خطیب بغدادی نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے اوس کے راوی سلمہ بن صلت ہیں ۔ امام ابوحاتم ان کی نسبت لکھتے ہیں ۔ متروك ۔ محدثین نے ان کی روایت کو ترک کردیا اور ان کو متروک قرار دیا ہے" وجزم ابن الجوزی بوضعه ۔ علامہ سبط بن جوزی نے (جو حضرت شیخ سعدی

علیہ الرحمہ کے شیخ ہیں) بطور جزم فرمایا کہ یہ حدیث موضوع ہے" ابن رجب
حنبلی فرماتے ہیں:۔ حدیث لایصحّ و رفعه غیرمتّفق علیه فقد
رواه الطوری موقوفا علی ابن عباسؓ۔ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔
اس کی روایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچانے پر محدثین کا
اتفاق نہیں ہے۔ حافظ طوری نے اس کو حدیث موقوف قرار دیا ہے جو حضرت
ابن عباسؓ تک پہنچتی ہے" امام سخاویؒ لکھتے ہیں:۔ طرقه کلّها واهیة
اس حدیث کے جملہ طرق، کمزور ضعیف ہیں" وضعّفوا ایضاحدیث
الطبرانی۔ اسی طرح طبرانی کی حدیث کو بھی محدثین نے ضعیف قرار دیا
ہے" یہی حال دیگر روایات کا بھی ہے۔

چہارشنبہ کی فضیلت اس کے بالمقابل روایات ایسی بھی ہیں جن سے
اس دن کی فضیلت پائی جاتی ہے۔ چنانچہ منہاج حلیمیؒ اور بیہقی کی شعب الایمان
میں ہے:۔ انّ الدعاء یستجاب یوم الاربعاء بعید الزوال۔
چہارشنبہ کے دن، زوال کے ساتھ ہی دعا قبول ہوتی ہے"
ابن حبانؒ اور دیلمی نے حضرت جابر سے یہ حدیث مرفوع نقل کی
ہے:۔ من غرس الاشجار یوم الاربعاء وقال سبحان الباعث

الوارث اتنه اکلها۔ جس نے چہارشنبہ کے دن درخت لگائے اور یوں کہا سبحان الباعث الوارث۔ (پاک ہے اللہ کی ذات، جو زندہ کرکے اٹھانے والا اور ہر ایک کا وارث ہے۔) تو وہ درخت بارآور ہونگے۔"

علامہ برہان الاسلام نے اپنی کتاب تعلیم المتعلم میں حضرت صاحب ہدایہ کا یہ مجرب قول نقل کیا ہے:۔ ما بدئ شیئ یوم الاربعاء الا وتم وھو یوم خلق اللہ تعالی فیہ النور جس کسی کام کی ابتدا چہارشنبہ کے دن کی گئی وہ اتمام کو پہنچا۔ (کیوں نہ ہو چہارشنبہ) وہ دن ہے جس میں اللہ سبحانہ تعالیٰ نے نور کو پیدا کیا۔" اس کے بعد علامہ موصوف لکھتے ہیں:۔ فلذلک کان جمع من المشائخ یتحرون ابتداء الجلوس للتدریس فیہ ویستحب بعضھم غرس الاشجار فیہ۔ اسی بنا پر علمائے کرام کی ایک جماعت آغاز تدریس کے لئے چہارشنبہ کے دن کی متلاشی رہتی تھی۔ اور بعض بزرگوار اس دن درخت لگانے کو مستحب قرار دیتے ہیں۔"

مدارس دینیہ میں علمائے کرام کا یہ تعامل ابتدا سے ہے اور فی زمانا بھی جاری ہے کہ کسی کتاب کو شروع کرتے ہیں تو دوشنبہ اور چہارشنبہ کو

اس کے لئے انتخاب کیا جاتا ہے۔ اور تجربہ شاہد ہے کہ وہ کتاب تکمیل کو پہنچتی ہے۔

سب دن برابر ہیں علامہ آلوسی بغدادی لکھتے ہیں:۔ کلّ الایّام سواء ولا اختصاص لذلك بيوم الاربعاء وما من ساعة من الساعات الّا وهى سعد على شخص ونحس على آخر باعتبار ما يحدث الله تعالى فيها من الملائم والمنافر والخير والشرّ فكلّ يوم من الايّام يتّصف بالامرين لاختلاف الاعتبار وان تشحس الاربعاء لوقوع حادث فيه فليستنحس كلّ يوم فانّ اولج الليل فى النهار والنهار فى الليل الّا لايلاد الحوادث وقد قيل ؎

الا انّما الايّام ابناء واحد وهذى الليالى كلّها اخوات

تمام دن برابر ہیں۔ چہارشنبہ کی کوئی خصوصیت نہیں۔ (رات دن کی) ہر ساعت کسی کے حق میں مبارک و مسعود ہوتی ہے تو کسی کے لئے نحس قرار پاتی ہے۔ موافق، مخالف، یا خیر و شر سب کچھ اللہ سبحانہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ اسی کا اعتبار ہے۔ ہر ایک دن ان متضاد صفات سے موصوف ہو سکتا ہے اور یہ مختلف اعتبار و حالات کے لحاظ سے ہے۔ اگر کسی حادثہ کے باعث چہارشنبہ کو منحوس قرار دیا جائے تو کوئی دن نحوست سے خالی نہیں ہو سکتا

(کیونکہ ہر دن کوئی نہ کوئی حادثہ رونما ہوتا ہے) آخر رات کا کوئی حصہ دن میں
اور دن کا رات میں داخل ہوتا ہے تو کوئی نہ کوئی امر جدید حادث ہوتا ہے۔
کسی نے کیا اچھا کہا ہے "خبردار رہو کہ تمام دن (ایک ہی زمانہ کے اجزاء اور
آپس میں) بھائی بھائی ہیں۔ اسی طرح یہ راتیں بھی آپس میں سب بہنیں
ہیں"

عرض فقیر فقیر عرض کرتا ہے کہ جو روایات اوپر گزریں اگر سب کو درست
اور صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے اور اس دن کی نحوست اور فضیلت جب ان میں
دونوں مذکور ہیں تو اس سے یہی نتیجہ نکلا کہ کوئی دن حقیقت میں سعد یا نحس
نہیں ہے بلکہ اصل نحوست خداوند تعالیٰ شانہ کے حکم کی خلاف ورزی ہے
جس کی بنا پر انسان سزا کا مستوجب قرار پاتا ہے اور کسی کی شامت آتی ہے
جبھی تو وہ خلاف ورزی کی راہ اختیار کرتا ہے اسی طرح اصل سعادت، خدا تعالیٰ
اور رسول ﷺ کی اطاعت ہے۔ اور اس سعادت اور نیک بختی ہی کے باعث وہ
صراط مستقیم پر چلتا ہے جس کی بدولت، انسان بہترین جزا کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ تو
نحوست و سعادت کو کسی دن کے ساتھ متعلق کرنا صحیح طریقہ نہ ہوگا۔ بلکہ اپنے
اچھے یا بُرے کردار پر اس کا دارومدار ہے۔ ورنہ تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو

ہفتہ کا کوئی دن ایسا نہیں جس میں خیر و شر کا ظہور نہ ہوا ہو۔

قوم عاد کے عذاب پر ایک سرسری نظر

دور کیوں جائیے خود قوم عاد پر جو عذاب آیا یہ کس کے حق میں نحس تھا اور کس کے حق میں مبارک ومسعود ثابت ہوا؟ ظاہر ہے کہ قوم عاد سے جو لوگ حضرت ہود علیہ السلام کی تکذیب کرتے تھے اونھیں کی تباہی ہوئی۔ گو یہ تباہی چہارشنبہ یا آخری چہارشنبہ کو ہوئی۔ اصل نحوست تو ایک نبی اللہ کی تکذیب تھی۔ چہارشنبہ کو چھوڑ کر جس دن بھی اون پر عذاب آتا وہ اون کے حق میں منحوس دن ہوتا۔ اور جو لوگ ایمان لاچکے تھے اور راہ تقوی اختیار کی تھی اون کی نجات ہوئی اور حضرت ہود علیہ السلام کے ساتھ وہ بھی بچالئے گئے۔ ان مبارک ہستیوں کے لئے تو یہی دن چہارشنبہ یا آخری چہارشنبہ کا مبارک ومسعود ثابت ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اصل سعادت، ایمان وتقوی ہے۔

اس کے علاوہ اسی قوم عاد کا حال سورۂ مومن میں گزرچکا ہے جس میں ارشاد باری ہوا ہے:۔ فارسلنا علیهم ریحا صرصرا فی ایام نحسات ہم نے ٹھنڈی سناٹے کی ہوا کئی دنوں تک جاری کی جو اون پر نحس ثابت ہوئی" جس سے معلوم ہوا کہ یہ عذاب صرف ایک دن نہیں بلکہ کئی دن تک رہا۔

پھر اس کی صراحت سورۂ حاقہ میں آگے آرہی ہے :۔ سخرھا علیھم سبع لیال و ثمانیۃ ایام اوس ہوا کو اون پر سات راتوں اور آٹھ دنوں تک مسلط کیا گیا تھا"۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو قوم عاد پر مسلسل ایک ہفتہ تک یہ عذاب رہا۔ اور یہ ایام سب کے سب اون پر نحس ثابت ہوئے مگر یہ نحوست اوسی قوم کی حد تک تھی۔ اگر ان ایام کو آئندہ بھی نحس قرار دیا جائے تو ہفتہ کے پورے دن نحس ہی ہوں گے مبارک و مسعود دن کونسا ہوگا؟

نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ ما شاء اللہ کان وما لم یشأ لم یکن۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے یعنی اللہ سبحانہ تعالیٰ جو چاہے وہی ہوتا ہے اور جس کو نہ چاہے وہ نہیں ہوسکتا"۔ نیز صحیح احادیث میں وارد ہے :۔ کان صلّی اللہ علیہ وسلّم یحبّ التفاؤل و یکرہ التشاؤم۔ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو نیک فالی پسند خاطر تھی اور بد فالی سخت ناپسند تھی"۔ مثلاً کوئی شخص کسی کے سامنے آجائے جس کا نام حسن یا سعید یا فلاح یا اسلم ہو اور وہ اوس کو فال نیک سمجھے کہ وہ جو کام کرنا چاہتا ہے اوس کا انجام اچھا، نیک اور کامیاب ہوگا تو آپؐ اس کو پسند فرماتے اس لئے کہ انسان کام کیلئے پیدا ہوا ہے اور کام کے وقت، کوئی ایسی اچھی چیز درپیش ہوگئی جس کے تصور سے

اوس کی امید بندھتی اور کام میں اوس کو رغبت و دلچسپی پیدا ہوتی ہے تو آپ کو اوس شخص سے خوشی ہوتی ۔ برخلاف اس کے کوئی امر مکروہ کسی کے درپیش ہوجائے اور اوس سے وہ بدفالی اور بدشگونی لے تو آپ ایسے شخص سے ناراض ہوتے ۔ بہرحال عام ہدایت یہی تھی کہ نحوست، بدفالی، بدشگونی کوئی چیز نہیں ۔

آخری چہار شنبہ جاہلیت کی پیداوار ہے

امام مناویؒ ناقل ہیں :- ان اخبارہ علیہ الصلاۃ والسلام عن نحوسۃ آخر اربعاء فی الشہر من باب التطیر ورد انہ لیس من الدین بل فعل الجاھلیۃ ولا مبنی علی قول المنجمین ۔

آخری چہار شنبہ کی نحوست کا بیان جو احادیث مذکورہ میں آیا ہے اون کا منشا یہ ہے کہ نحوست و بدفالی کی تمام باتیں جاہلیت کی پیداوار ہیں نحوست اور بدفالی کا دین سے کچھ بھی تعلق نہیں، اور نجومیوں کی باتیں بھی بالکل بے بنیاد ہیں ۔“

کافر تو انبیاء علیہم السلام کی مبارک ہستیوں کو تک معاذ اللہ شگون بد تصور کرتے اور برملا کہتے تھے انا تطیرنا بکم۔ ہم تمہارے وجود سے

بدفالی لیتے ہیں ۔" اللہ سبحانہ کے حکم سے اونھوں نے جواب میں فرمایا:۔
طائرکم معکم۔ تمہاری بدفالی اور نحوست، تمھارے ہی ساتھ ہے ۔"
یعنی تمہارا یہ کفر اور یہ تکذیب، یہی وہ نحوست ہے جو تمھارے ساتھ ہے
اور آئندہ بھی تمھارے ساتھ جو عمل ہوگا وہ تمھارے ہی اعمال کی شامت پر
مبنی ہوگا لہٰذا نہ کفر و عناد سے کام لو اور نہ گرفتاری و عذاب کی شامت
مول لو ۔

مُستَمِرّ کی تفسیر اس کے بعد یَومِ نَحسٍ کی یہ صفت ارشاد ہوئی :۔
مُستَمِرّ ۔ اس کے معانی حسب ذیل ہیں :۔ (۱) تلخ ۔ (اگر اس کا اشتقاق
مُرّ اور مَرَارَۃ سے ہو۔) (۲) شدید ۔ (اگر یہ لفظ مِرّۃ سے
مشتق تسلیم کیا جائے ۔ (۳) مضبوط یا بنا ہوا ۔ (اگر یہ مَرِیرٌ سے لیا جائے)
(۴) گزرا ہوا ۔ (اگر یہ مُرُورٌ سے بنا ہو) یہاں ہم نے معنی آخری
لکھے ہیں ۔ اور ہماری نظر میں یہی معنی یہاں زیادہ موزوں و مناسب
ہیں ۔ مطلب یہ کہ قوم عاد پر جو منحوس ساعت عذاب کی آئی تھی وہ گزر چکی
خواہ وہ ساتؔ (۷) راتیں اور آٹھ (۸) دن ہوں جیسا کہ سبع لیال وثمانیۃ
ایام کی تصریح فرمائی گئی ۔ یا ایک دن (عذاب کی ابتدا کا یا ایک دن اوسکی

انتہا کا۔ جس دن تباہی و بربادی کی تکمیل ہوئی) جیسا کہ یہاں ارشاد ہوا ہے۔ اَب وہ منحوس دن دوبارہ پلٹ کر آنے والا نہیں۔ اوس قوم کی نحوست، اوسی کے ساتھ گزر چکی۔

حضور انور کے برکات یہ رحمۃ للعالمین ارواحنا لہ الفداء کا مبارک و مسعود دور ہے۔ اس میں نحوست و شوم کا کیا ذکر؟ دنیا بھر کی ساری نحوستیں قدوم میمنت لزوم کی برکت سے ختم ہو چکیں اور حرف غلط کی طرح مٹ گئیں صراط مستقیم پر چلو اور سیدھے، بے کھٹکے جنت میں پہنچو۔ انّ ربی علی صراط مستقیم یقیناً میرا رب صراط مستقیم پر ہے۔" حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ فی کل وقت وحین نے یہ تعلیم و تلقین فرمائی کہ ہر کام تحت مشاربے المعزت جل جلالہ وعم نوالہ ہے۔ وہی مؤثر حقیقی ہے۔ ما شاء اللہ کان وما لم یشأ لم یکن ارشاد نبوی ہے۔ اللہ سبحانہ جو چاہے وہی ہوگا۔ اور جس کو نہ چاہے وہ کبھی نہ ہوگا۔" اب توہمات باطلہ کی گنجایش نہیں۔ اگر کوئی تکلیف و مصیبت جانی و مالی بھی پہنچے تو یقین رکھے کہ یہ حق تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے قل لن یصیبنا الا ما کتب اللہ لنا۔" اور یہ بھی محض ابتلا و امتحان کے لئے ہوگا۔" ولنبلونکم بشئی

من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات "ہم
تمہارا امتحان کرتے رہیں گے کبھی کچھ خوف اور بھوک کے ذریعہ اور کبھی مال
جان اور ثمرات میں کمی کرکے " ساتھ ہی اوس کا علاج بتلا دیا گیا کہ ذرا صبر سے
کام لیں اور اللہ کو یاد کریں ہر مشکل آسان ہوجائے گی۔

اعجاز نخل منقعر کی تفسیر اس کے بعد ارشاد ہوا: ـــ تَنْزِعُ
النَّاسَ كَأَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ۔ (قوم عاد پر جو باد صرصر بھیجی
گئی) لوگوں کو اس طرح نکال پھینکتی تھی گویا وہ کھجور کی اوکھڑی ہوئی پیڑ
ہیں " قوم عاد بلند و بالا قامت کی تھی مگر باد صرصر کا مقابلہ نہ کرسکی یہ تو
عذاب الٰہی تھا اس کا مقابلہ کیا کرسکتی؟

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں: ـــ لما اقبلت الریح قام الیھا
عاد فاخذ بعضھم باید ی بعض وغمزوا اقدامھم فی الارض
وقالوا من یزیل اقدامنا عن الارض ان کان صادقا (عبد بن
حمید، عبد اللہ بن احمد، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم) جب ہوا چلنا شروع
ہوئی تو قوم عاد کے (تومند افراد) اوٹھے اور ایک دوسرے کے ہاتھ پکڑکے
اپنے قدم زمین میں دھنسا دئے پھر کہنے لگے اب ہمارے قدم زمین سے کون

ہٹا سکتا ہے اگر کوئی سچا ہے (تو ہٹادے)"

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں:۔ ان کان الرجل من عاد لیتخذ المصراعین من حجارة لو اجتمع علیه خمسمائة من هذه الامة لم یستطیعوا ان یحملوه فکان الرجل یغمز قدمه فی الارض فتدخل فیه ۔ (عبد بن حمید، ابن جریر) قوم عاد کا ایک ایک شخص پتھر کے دروازے بناکر (مکانات کو) لگاتا تھا اگر اون کو اس امت کے (۵۰۰) آدمی بھی اوٹھانا چاہیں تو اون سے نہ ہوسکے ان لوگوں نے اپنے قدم زمین میں جمادئے۔ مگر ہوا اون کے پاؤں کے نیچے بھی گھس جاتی اور اون کو متزلزل کردیتی تھی"

مجاہد کہتے ہیں:۔ وقعت رؤسهم کامثال الاخشبة وتفوقت اعناقهم فشبههما باعجاز نخل منقعر۔ (سعید بن منصور، ابن جریر، ابن المنذر) اون کے سر جو پتھر کے گنڈ کی طرح تھے لڑھکنے لگے اور اون کی گردنیں کٹتی گئیں اس کی تشبیہہ کھجور کے درختوں سے دی گئی ہے جن کی جھتری توڑ دی گئی ہو"

بہرحال ہوا کے زور سے اون کے سر ہی غائب تھے۔ اور اون کے جثے ایسے معلوم ہو رہے تھے جیسے کھجور کی تنہ کٹ کر پڑی ہوئی ہو۔

اس کے بعد ارشاد ہو رہا ہے :۔ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِىْ وَ نُذُرِ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۔ پھر میرا عذاب (جو قوم عاد پر دنیا میں آیا) کیسا تھا اور میرے ڈرانے کا انجام (دار آخرت میں) کیسا ہو گا؟ اور بے شک ہم نے قرآن کو (اس جیسے واقعہ کی) یاد دہانی ہی کی خاطر آسان بنا دیا ہے تو کیا کوئی نصیحت لینے والا ہے؟

سورہ خفیفہ کہنے کی ممانعت ابن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ ایک شخص کہتا تھا سُورۃٌ خفیفۃٌ ۔ یعنی یہ سورت ہلکی ہے ‘‘ آپ نے فرمایا کہ نادان! ایسا نہ کہتا بلکہ سورۃٌ یسیرۃٌ کہہ یعنی آسان اور سہل سورت ‘‘ کیونکہ اللہ سبحانہ نے فرمایا ہے ولقد یسرنا القرآن ہم نے قرآن کو آسان اور نرم و سہل بنایا ہے ‘‘

عرض فقیر فقیر عرض کرتا ہے کہ تیسیر قرآن یہ ہے کہ اس کی ایک ایک آیۃ کریمہ، زباں پر چڑھتی، کانوں کو بھلی معلوم ہوتی، آنکھوں کو منور کرتی اور دل کو مطمئن کرتی، سرور بخشتی، روح کو تازگی دیتی، بدن پر رونگٹے کھڑے کرتی، ہاتھ پاؤں کو آمادۂ عمل کرتی اور فضائے عالم کو معطر کرتی ہے۔ پھر کوئی ہے جو اس کو پڑھے، سنے، دیکھے، سمجھے، حیاتِ جاودانی سے تازگی

حاصل کرے۔ اوس کے آگے جھکے اور اوس کے بموجب کام کرنے کے لئے تیار
ہو جائے اور چار دانگ عالم میں اس کا اعلان کرے۔ مبارک ہیں وہ ہستیاں
جو روز و شب اسی دھن میں لگی ہوئی ہیں بارك الله لهم وكثر امثالهم
آمین۔

قوم عاد کے افعال اور اوس کے انجام پر غور کرو کہ کیسی عبرت کا مقام
ہے۔ حضرت سعدیؒ فرماتے ہیں :-

چو برگشتہ بختے در افتد به بند ۔۔۔ ازو نیک بختاں بگیرند پند
تو پیش از عقوبت درِ عفو کوب ۔۔۔ کہ سودے ندارد فغاں زیر چوب
فرا شو چو بینی درِ صلح باز ۔۔۔ کہ ناگہ درِ توبہ گردد فراز
مرو زیر بارِ گنہ اے پسر ۔۔۔ کہ حمال عاجز بود در سفر
پے نیک مرداں بباید شتافت ۔۔۔ کہ ہر کیں سعادت طلب کرد یافت
ولیکن تو دنبالِ دیو خسی ۔۔۔ ندانم کہ در صالحاں کے رسی

54-23 كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِالنُّذُرِ ۝ فَقَالُوٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا
54-24
54-25 نَّتَّبِعُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ۝ ءَاُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا

له سعر النار والحرب يسعرهما سعرا وقدهما واشعلهما وهيجهما فالسعر

بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ ۝ سَيَعْلَمُونَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ ۝ 54-26
اِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ ۝ وَنَبِّئْهُمْ 54-27
اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌۢ بَيْنَهُمْ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ۝ فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ 54-28 54-29
فَتَعَاطٰى فَعَقَرَ ۝ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِىْ وَنُذُرِ ۝ اِنَّآ اَرْسَلْنَا 54-30
عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَكَانُوْا كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ ۝ وَلَقَدْ 54-31
يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝ جھٹلایا ثمود نے 54-32

(بقیہ حاشیہ سلہ صفحہ گذشتہ)

الجنون وفی سورۃ القمر انّ المجرمین فی ضلال وسُعُر ای فی عناء وعذاب۔ (محیط المحیط) یہ لفظ باب فتح سے ہے۔ سعر النار والحرب محاورہ ہے آگ روشن کی یا لڑائی چھیڑ دی۔ اون کو مشتعل کیا۔ اور ہیجان پیدا کیا۔ سورۂ قمر میں فی ضلال وسعر جو آیا ہے اوس سے رنج وعذاب مراد ہے۔" فسُعُر مفرد ونظیرہ ما تقدّم من نُکُر ونظیرہ فی کلام العرب ناقۃ سُعُل بضمّتین ای شلاء۔ ویجوز ان یکون جمع سعیر وھو النار والاحتمالان منقولان (جمل) سُعُر مفرد ہے اس کی نظیر نُکُرا اوپر گزر چکی ہے۔ کلام عرب میں اس کی نظیر ناقۃ شُلُل بضمتین موجود ہے۔ جس کے معنی ہیں اونٹنی جس کے ہاتھ بیکار ہو چکے"۔ اور یہ بھی

ڈر سنانے والوں کو، پھر کہنے لگے (یہ) آدمی (ہے) ہم ہی میں کا ایک

(بقیہ حاشیہ لے صفحہ گذشتہ)

جائز ہے کہ یہ سعیر کی جمع ہو یعنی دوزخ۔ دونوں احتمال (ارباب تفسیر سے) منقول ہیں۔"

لے الاشر شدۃ البطر وقد اشر یاشر اشرا قال تعالیٰ سیعلمون غدا من الکذاب الاشر فالاشر ابلغ من البطر ولا یکون الا فرحا بحسب قضیۃ الھویٰ۔ (مفردات) حد درجہ اترانے کو اشر کہتے ہیں یہ سمع سے آتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ "سیعلمون غدا من الکذاب الاشر اسی سے ہے اشر بہ نسبت بطر کے بلیغ تر ہے۔ اور یہ اوس خوشی کا نام ہے جس کی بنیاد صرف خواہش نفس پر ہو۔"

ٓلے ھشم الشیئ یھشمہ ھشما کسرہ وقیل کسر الشیئ الیابس او الاجوف او کسر العظام الراس خاصۃ او الوجہ والانف او الشیئ الیابس الذی لیس بصعب المکسر او کل شیئ قال الشاعر:۔

عمرو العلا ھشم الثرید لقومہ ورجال مکۃ مسنتون عجاف

والھشیم المھشوم ونبت یابس متکسر او یابس کل کلاء وکل شجر

کیا ہم اسی کے پیچھے پیچھے چلیں ؟ (اگر ایسا کریں گے) تو ہم غلطی میں پڑے ہونگے

(بقیہ حاشیہ ۳ے صفحہ گذشتہ)

(محیط المحیط) کسی چیز کو توڑ دیتے ہیں تو هَشَمَ کہتے ہیں یہ باب نصر سے آتا ہے۔ بعضوں نے کہا کسی سوکھی چیز یا تجویف والی چیز (مثلاً بانس یا نلی) کے توڑنے کو کہتے ہیں۔ خاص کر ہڈیاں توڑنے اور سر پھوڑنے کو بھی ھشم کہتے ہیں یا منہ توڑنا یا ناک توڑ دینا یا کوئی سوکھی چیز توڑ دینی جس کا توڑنا مشکل نہ ہو یا مطلق کسی چیز کو توڑ ڈالنا۔ ایک شاعر کہتا ہے کہ عمرو عالی قدر (ہاشم بن عبد مناف) نے اپنی قوم (قریش مکہ) کے لئے روٹیاں چور چور کر ثرید تیار کرایا جب کہ اہل مکہ قحط میں مبتلا ہو کر نحیف و ناتواں ہو چکے تھے" اور ھشیم ٹوٹی ہوئی شیئ کو کہتے ہیں جو از قسم نباتات ہو یا ہر قسم کی سوکھی گھانس اور ہر قسم کا سوکھا درخت" والھاشم ابو عبد المطلب واسمه عمرو لانه اوّل من ثرد الثريد وهشمه لاهل الحرم (محیط المحیط) ھاشم حضرت عبد المطلب کے والد ماجد (جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جدامجد ہیں) آپ کا نام "عمرو" تھا۔ آپ کا لقب ہاشم اس لئے قرار پایا کہ آپ نے ساکنین حرم شریف کے لئے سب سے پہلے ثرید تیار کرایا تھا۔ (**فقیر** عرض کرتا ہے کہ آپ ہی کی اولاد بنی ہاشم کہلاتی ہے۔ ثرید چکولیوں کی طرح گوشت اور روٹی سے تیار کیا جاتا ہے۔ مذکورہ بالا شعر آپ ہی کی مدح میں ہے

اور کوفت میں (رہیں گے) کیا اُتری اسی پر نصیحت ہم سب میں سے کوئی نہیں

(بقیہ حاشیہ ۳ صفحہ گذشتہ)

"ثرید" عرب کی نہایت مرغوب اور لذیذ غذا ہے۔ جو بڑے اہتمام سے تیار کی جاتی ہے)۔

ؔ۴ الحظر جمع الشیئ فی حظیرۃ والمحظور الممنوع والمحتظر الذی یعمل الحظیرۃ قال تعالیٰ فکانوا کھشیم المحتظر۔ (مفردات) کسی چیز کو باڑھ میں جمع کر دینے کو حظر کہتے ہیں۔ اور محظور کے معنی ہیں ممنوع۔ اور جو باڑھ لگاتا ہے اوس کو محتظِر کہتے ہیں۔ ارشاد باری ہے:۔ فکانوا کھشیم المحتظر۔ (قوم ثمود) روندی ہوئی باڑھ کی طرح چورچور ہوگئی۔" الحظر المنع وھو ضدّ الاباحۃ والحظیرۃ جرین التمر والمحیط بالشیئ خشبا او قصبا وما یعمل للماشیۃ لکی یقیھا البرد والریح ج حظائر۔ وحظیرۃ القدس الجنّۃ۔ والمحتظر الذی یعمل الحظیرۃ وفی سورۃ القمر فکانوا کھشیم المحتظر ای کالشجر الیابس المتکسر الذی یتّخذہ من یعمل الحظیرۃ لاجلھا۔ (محیط المحیط) منع کرنے کو حظر کہتے ہیں اور یہ اباحۃ کی ضد ہے اور حظیرہ کھجور خشک کرنے کی جگہ اور کسی چیز کا احاطہ یا باڑھ جو لکڑیوں یا بانس سے تیار کی جائے یا وہ باڑھ جو جانوروں کو سردی اور ہوا سے بچانے کے لئے لگائی جائے اس کی جمع حظائر ہے اور حظیرۃ القدس

(یہ) جھوٹا ہے بڑائی جتاتا ہے۔ یہ کل کو جان لیں گے کہ کون ہے جھوٹا بڑائی جتانے والا۔ ہم بھیجتے ہیں اونٹنی اون کے جانچنے کے واسطے۔ تو راہ دیکھا کر اون کی اور سہتا رہ۔ اور سنا دے اون کو کہ ان میں پانی کی تقسیم ہے۔ ہر (ایک کو اپنی) باری پر پہنچنا چاہیئے۔ پھر پکارا اونھوں نے اپنے رفیق کو پھر ہاتھ چلایا اور کاٹ ڈالا، پھر کیسا ہوا میرا عذاب اور میرا ڈر سنانا پھر بھیجی ہم نے اون پر ایک سخت آواز، پھر رہ گئے جیسے روندی ہوئی باڑھ کی طرح ہوکر رہ گئے۔ اور ہم نے آسان کر دیا قرآن سمجھنے کو، پھر کوئی ہے سوچنے والا"

"ثمود" جیسا کہ بیشتر سورتوں کی تفسیر میں معلوم ہو چکا ہے حضرت صالح علیہ السلام کی قوم تھی۔ آپ نے ان کو اللہ سبحانہ کا پیام سنایا جس میں یہ بھی تھا کہ اگر تم میرا اتباع نہ کروگے تو سخت گمراہی میں رہو گے اور دوزخ میں جاؤ گے" یہ پیام انبیاء و رسل سابقین صلوات اللہ علیہم اجمعین کے پیاموں کے

(بقیہ حاشیہ ۲ صفحہ گذشتہ)

جنت کو کہتے ہیں اور حظیرہ بنانے والے کو محتظر کہتے ہیں۔ چنانچہ سورہ قمر میں ہے فکانوا کھشیم المحتظر یعنی وہ خشک ٹوٹی ہوئی باڑھ کی طرح ہو گئے جو جانوروں کی حفاظت کے لئے لگائی گئی تھی"

عین مطابق تھا۔ اس کا جواب جو قوم ثمود نے دیا اوس کو بیان فرمایا جا رہا ہے:۔ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ۔ ثمود نے (ایک صالحؑ کو کیا جھٹلایا بلکہ) تمام رسولوں کی تکذیب کی (کیوں کہ صالحؑ کا پیام تمام رسولوں کے پیامات کے مطابق تھا) فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ اِنَّآ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّ سُعُرٍ۔ ءَاُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ۔ چنانچہ بولے کہ ہم ہی میں کا آدمی وہ بھی یکہ و تنہا (جس کا کوئی پیرو نہیں اور جس کا قوم پر کچھ بھی اثر نہیں) ہم اوس کا اتباع کریں؟ (اگر ایسے کی پیروی کریں گے تو) پیروی کرنے کی صورت میں ہی ہم سخت گمراہی اور عذاب کے متوجب ہوں گے۔ (گویا صالح علیہ السلام کے پیام ہی کو اونھوں نے آپ پر پلٹا دیا کہ گمراہی اور عذاب آپ کے عدم اتباع میں نہیں بلکہ آپ جیسے کے اتباع ہی میں ہے)۔

أَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا کی تفسیر بَشَرًا میں یہ اشارہ ہے کہ رسول تو کوئی فرشتہ ہونا چاہیے یہ بشر ہیں۔ مِنَّا سے یہ بتانا منظور ہے کہ اگر ہم فرض کرلیں کہ بشر بھی رسول ہو سکتے ہیں تو کسی ترقی یافتہ قوم سے ان کا تعلق ہونا چاہیے تھا یہ تو ہم ہی میں سے ہیں۔ وَاحِدًا سے یہ جتانا چاہتے ہیں کہ چلو مان لیا کہ

ہماری ہی قوم کو ترقی دینی منظور رہے تو ان کی کوئی بڑی جماعت ہونا چاہیئے تھی اون میں یہ ذی اثر ہوتے اور ایک جماعت کی تائید ان کو حاصل ہوتی۔ ایسا بھی نہیں ہے۔ یہ کأحدٍ من الناس ہیں۔ ایک عامی شخص، نہ تمول، نہ وجاہت نہ اثر، نہ ان کی کسی پر حکومت، پھر ہم ان کی باتوں کو باور کریں تو کس بنا پر؟ اگر اس طرح ہر کس و ناکس کی بات، مان لیا کریں اور اوس کی اقتدا کرتے جائیں تو ایسی اقتدا و پیروی ہی گمراہی اور تباہی کا موجب ہوگی۔ کیا وحی الٰہی، صرف ان ہی پر نازل ہوئی درحالیکہ ہم بھی بشر ہیں۔ ہماری اتنی اکثریت ہے۔ اور ہم میں ایسے افراد کی کمی نہیں جو تمول، وجاہت، اثر اور حکومت غرض مال اور حال ہر اعتبار سے ان کے مقابلہ میں بہت بڑھے چڑھے ہیں جن کو اپنی جماعت کی پوری تائید حاصل ہے۔ ان سب کو چھوڑ کر وحی الٰہی، بھلا صرف ان پر کیوں اترنے چلی؟ بات اصل یہ ہے کہ ان پر وحی وغیرہ تو کچھ بھی نہیں آئی بلکہ یہ محض غلط بیانی سے کام لے رہے ہیں۔ صرف اپنی شان بتانا چاہتے ہیں۔ اور اس طرح گھر بیٹھے، مفت میں اپنی حکومت ہم پر قائم کرنے کا منصوبہ گھڑ لیا ہے۔

دورِ حاضر پر ایک نظر دورِ موجودہ کے حالات پر نظر کیجیے جس کو حریت اور جمہوریت کا دور کہا جاتا ہے کہ اس میں انتخابات کس طرح لڑے جاتے ہیں

اور ان کا معیار کیا ہے ؟ یہی کہ کوئی شخص کسی عہدہ کا امیدوار ہو کسی کھاتے پیتے گھرانے سے اوس کا تعلق ہو۔ خود بھی متمول صاحب جائداد ہو۔ کسی مسلّمہ جماعت کی تائید اوس کو حاصل ہو۔ کسی جامعہ کا سند یافتہ ہو۔ غیر ملکی نہ ہو۔ سزا یافتہ نہ ہو۔

بہر حال موجودہ دَور کا معیار بھی تقریباً وہی ہے جو ہزارہا سال پیشتر جاہلیت خالصہ کا معیار تھا۔ اخلاق، کردار، انسانیت، راستبازی، ایمان داری، خدا ترسی، ہمدردی، خیر خواہی سے کچھ بحث نہیں۔ مثبت اور منفی جو شروط لگائے گئے ہیں ہر ایک پر بحث کی جا سکتی ہے اور جن اہم امور کو دانستہ یا نادانستہ نظر انداز کیا گیا ہے اوس پر روشنی ڈالی جا سکتی ہے۔ اور یوں بھی عقل سلیم اور فہم مستقیم سے کام لیا جائے تو یہ تمام باتیں واضح ہو سکتی ہیں۔ اسی بنا پر قوم ثمود کے اعتراضات کا تفصیلی جواب نہیں دیا گیا بلکہ نبی اللہؑ پر جو الزام رکھا گیا صرف اوس کی مدافعت بلیغ طور پر فرمائی گئی کہ اس پر سکوت درست نہ تھا۔

مَنِ الْكَذَّابُ الْأَشِرُ کی تفسیر اللہ سبحانہ تعالیٰ نے فرمایا :—

سَيَعْلَمُونَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْأَشِرُ ۔ یہ عنقریب جان لیں گے کہ

غلط بیانی سے کام لینے والا (کَذَّاب) شان جتانے والا (اَشِر) کون ہے؟ (صالح ہیں یا یہ دریدہ دہن، ابھی حقیقت کھل جاتی ہے۔ ذرا صبر سے کام لیجئے اور ہمارے حکم کا انتظار کیجئے جس کے آنے میں زیادہ دیر نہیں ہے)

روی انھم سألوہ متعنتین ان یخرج من صخرۃ منفردۃ فی ناحیۃ الجبل ناقۃ حمرآء جوفآء و برآء عشرآء فاوحی اللہ الیہ (روح البیان) کہتے ہیں کہ ثمود نے حضرتؑ سے از راہ سرکشی یہ درخواست کی کہ دامن کوہ کی چٹان سے ایک اونٹنی برآمد فرمائیں جو سرخ رنگ کی، قوی ہیکل، حاملہ ہو۔ اوس کے بال گھنے ہوں، اور حمل بھی دس مہینے کا ہو۔ (تا کہ برآمد ہوتے ہی بچہ دے) اللہ سبحانہ نے آپؑ پر وحی فرمائی:

انا مرسلوا الناقۃ کی تفسیر

اِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌۢ بَيْنَهُمْ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ۔ ہم بھیجتے ہیں اونٹنی (اون کی فرمایش کے مطابق) اون کا امتحان کرنے کے لئے (کہ کس طرح وہ اوس کی پاسداری کرتے ہیں) تم اون کی نگرانی کرتے رہو اور (اون کی ایذاؤں کو) سہتے رہو۔ اور اونکو (اچھی طرح) جتا دو کہ پانی کی تقسیم ہے اون کے (اور اس اونٹنی اور اوسکے

بچے کے) درمیان ۔ (ایک دن پانی وہ خود لے سکتے ہیں جتنا چاہیں لیں'
استعمال کریں' خود پئیں اور اپنے جانوروں' کھیتیوں اور باغات کو دیا کریں
اور ایک دن پانی اس اونٹنی اور اوس کے بچے کے لئے چھوڑ دیا کریں) ہر ایک
(اپنی اپنی) باری پر (پانی کے پاس) حاضر ہوا کرے " (ان کی باری کے
روز اونٹنی نہیں آئے گی اور اونٹنی کی باری پر یہ نہ جائیں بس آپ اس امر کی
نگرانی فرمائیں ۔)

انّ الماء قسمة کی تفسیر | مجاہدؒ کہتے ہیں :۔ یحضرون الماء
اذا غابت الناقة و اذا جاءت حضروا اللبن ۔ (فریابی' عبد بن حمید'
ابن جریر) جس دن اونٹنی غائب رہتی سب لوگ پانی کے پاس آتے اور جس
دن اونٹنی آتی تو (یہ لوگ پانی کے پاس تو نہ جاتے مگر) دودھ سے فائدہ
اوٹھاتے " غور کیجئے کہ اللہ سبحانہ تعالی کی کیسی مہربانی تھی کہ ایک دن تو
عادت کے مطابق اون کو افراط کے ساتھ پانی مل جاتا تھا اور دوسرے دن
اگر پانی نہ ملتا تو دودھ سے فائدہ اوٹھاتے ۔ دودھ کی یہ فراوانی اور بہتات
کہ تمام قوم اوس سے متمتع ہو کیسی مہربانی ہے ۔ اور بہت ممکن ہے کہ یہ دودھ
خود اوس اونٹنی کا ہو کیونکہ اوس کی آفرینش حضرت صالح علیہ السلام کے

معجزہ کے طور پر تھی اور اللہ سبحانہ نے قوم کو پانی سے ایک دن روک دیا
تو اوس کا نعم البدل دودھ تجویز فرمایا۔ حدیث شریف میں ہے کہ دودھ
اللہ سبحانہ کی بہت بڑی نعمت ہے جس میں طعام و شراب' دونوں جمع ہیں
اس میں غذائیت بھی ہے اور پیاس بھی اس سے دفع ہوتی ہے۔ چھوٹے
بچوں کو دیکھو کہ اون کی زندگی محض دودھ پر ہے۔ کھانا' پانی سے اون کو
کچھ سروکار نہیں۔ غرض ثمود کا ایک مدت تک یہی عملدرآمد رہا۔ اس پر
قائم رہنا چنداں دشوار نہ تھا مگر مثل مشہور ہے۔ المرءُ حریصٌ علی
ما مُنِع۔ انسان کو ممنوعہ شئی پر بڑی حرص ہوتی ہے" اور یہ بھی مشہور ہے
الحریص محرومٌ۔ حرص کرنے والا محروم و بے نصیب ہے"

حرص و آز اور اوس کا انجام

قوم ثمود بھی حرص و آز کا شکار ہوگئی
رہ رہ کر ان کو خیال آتا کہ آخر پانی کی یہ ممانعت کس بنا پر اور کب تک؟
اس قوم میں ایک عورت تھی جس کے ہاں بکریاں وغیرہ زیادہ تھیں۔ اسکی
بکریاں پانی پینے جاتیں اگر اوس دن اونٹنی کی باری ہوتی تو اوس سے
ڈر کر بغیر پانی پیئے واپس آجاتیں یہ امر اوس عورت کو بہت ناگوار گزرتا۔
ایک دن اوس نے اپنے آشنا قدار بن سالف کو اشارہ کردیا کہ اس اونٹنی کا

کام تمام کردے اور قوم نے بھی اوس کو اُبھارا۔ اس کو احمر ثمود بھی کہتے تھے یہ بڑا جری اور خبیث تھا عرب بطور تحقیر اس کو اُحیمر ثمود بھی کہتے ہیں اور قصاب کو اسی مناسبت سے قُدار کہتے ہیں۔ وہ کوتاہ قامت سرخ آنکھوں نیلی پتلیاں والا تھا۔ ایسے افراد بہت شریر اور خبیث ہوتے ہیں۔ ارشاد ہو رہا ہے :۔ فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطٰى فَعَقَرَ۔ پس ان لوگوں نے اپنے ساتھی (قُدار) کو آواز دی اور اوس نے اس اہم کام کا بیڑا اٹھایا اور (اونٹنی کے) ٹانچے کاٹ دئے غرض وہ اونٹنی جس کو اللہ سبحانہ نے حضرت صالحؑ کے معجزے کے طور پر بھیجا تھا اور دوسری جگہ اوس کو "ناقۃ اللہ" کا لقب دیکر اوس کی عظمت و شان بڑھائی تھی ہلاک ہو چکی۔ اوس کا بچہ پریشان ہو کر اِدھر اُدھر پکارتا پھر رہا تھا جس کی دردناک آواز سے سننے والوں کے دل ہل جاتے تھے بالآخر اوس کا کام بھی تمام کر دیا گیا۔ دونوں کو کاٹ کر سب کھا گئے۔ حضرت صالح علیہ السلام کو اونٹنی نظر نہ آئی تو آپ نے دریافت کیا کسی نے کوئی پتہ نہ تبلایا۔ بلکہ اپنی لاعلمی ظاہر کی۔ آپ نے اوس کو پکارا تو ہر شخص کے پیٹ سے جواب ملنے لگا۔ اس سے قوم کھسیانی ہو گئی اور حضرت کو بھی بہت دُکھ ہوا۔

جبرئیل علیہ السلام نے اطلاع دی کہ تین دن کے بعد ان پر عذاب آئے گا۔ آپ نے قوم کو آگاہ فرما دیا۔ مگر قوم نے اس کی بھی پرواہ نہ کی۔ آگے ارشاد ہو رہا ہے :۔

ھشیم المحتظر کی تفسیر | فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَكَانُوْا كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ۔ پھر کیسا رہا میرا عذاب اور ڈرانا (قوم ثمود کو؟) ہم نے بھیجی اون پر ایک ہی زبردست دھماکو آواز، پھر وہ سب کے سب روندی ہوئی باڑھ کی طرح (پارہ پارہ ہوکر) رہ گئے۔" یہ دھماکو آواز، حضرت جبرئیل کی ایک چیخ تھی :۔ مُوْتُوْا۔ مرجاؤ۔ برباد و ہلاک ہوجاؤ۔" اس آواز سے جو اثر دکھایا اوسکی نسبت مفسرین کرام کی تصریحات حسب ذیل ہیں :۔

۱۔ قتادہ کہتے ہیں :۔ کرماد محترق۔ (عبدالرزاق، عبدبن حمید) جلی ہوئی راکھ کی طرح خاکستر ہو گئے۔"

۲۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں :۔ کالعظام المحترقۃ۔ (ابن جریر، ابن المنذر) جلی ہوئی ہڈیوں کی طرح ہو گئے۔"

۳۔ حضرت ابن عباسؓ کی دوسری روایت ہے :۔ کالحشیش تأکلہ الغنم۔ (عبدبن حمید، ابن المنذر)۔ گھانس کی طرح رہ گئے جس کو جانور

اپنی خوراک بنا سکیں "۔ ابن ابی حاتم کی ایک روایت بھی اسکے قریب قریب ہے۔

۴۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں :۔ التراب الذی یسقط من الحائط۔

(عبد بن حمید، ابن جریر) مٹی کی طرح ہو گئے جو (پرانی) دیوار سے جھڑتی ہے "

دھماکو آواز کا راز دھماکو آواز کے ذریعہ جو سزا دی گئی وہ بدلہ تھا اوس آواز کا جو قوم ثمود نے اپنے رفیق (قدار) کو دی تھی جس کا بیان فنادوا صاحبھم کی تفسیر میں گزرا۔ یا نتیجہ تھا اونٹنی کے بچے کی فریاد کا جو اپنی ماں کی جدائی میں پکارتا پھر رہا تھا۔ حدیث شریف میں ہے :۔

من فرق بین والدۃ وولدھا فرق اللہ بینہ وبین احبتہ یوم القیامۃ (سخاوی) جس نے ماں کو اوس کے بچے سے جدا کر دیا اللہ اوسکو قیامت میں اپنے احباء سے جدا کر دے گا " یہ حدیث شریف جنگی قیدیوں کے باب میں وارد ہوئی ہے۔ یعنی اگر ماں بچہ دونوں قید میں آجائیں تو جیل میں اون کو الگ الگ نہ رکھا جائے۔ یہ اونٹنی اور اوس کا بچہ تو قوم کی متفقہ فرمایش کی بنا پر بطور معجزہ بھیجا گیا تھا۔ بہر حال جو سزا ملی وہ حسب حال تھی آگے ارشاد ہے :۔

قصہ ثمود پر ایک نظر وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّکْرِ فَھَلْ

مِنْ مُّدَّكِرٍ ۔ اور بے شک ہم نے قرآن کو آسان بنا دیا (اس واقعہ قوم ثمود کو بھی) یاد رکھنے کے لئے ۔ تو کیا کوئی یاد رکھنے والا نصیحت لینے والا ہے؟۔
غور کیجئے کہ ساری قوم کی تباہی و بربادی کا محرک اصلی کیا تھا؟ فقط حرص و آز۔ پانی کی باری مقرر تھی ۔ اگر اس پر قناعت کی جاتی اور یہ چنداں دشوار نہ تھی کیونکہ ایک دن پانی ملتا تھا اور دوسرے دن دودھ ۔ جو پانی کا کام بھی دیتا ہے اور غذائیت ایک وصف زاید ہے مگر اس قوم پر حرص و آز کا غلبہ ہوا نتیجہ معلوم الحریص محرومٌ ۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ بِالنُّذُرِ ۝ إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا 54-33

54-34

لہ الحصباء الحصیٰ واحدتہا حَصبۃ والحاصب اسم فاعل وریح شدیدۃ تحمل التراب وتثیر الحصباء او ھو ما تناثر من دقاق الثلج والبرد والسحاب الذی یرمی بھما (محیط المحیط) کنکریوں کو حصباء کہتے ہیں اس کا مفرد حَصَبۃ ہے ۔ حاصب صیغہ اسم فاعل ہے اور اوس تیز ہوا کو بھی کہتے ہیں جو مٹی کو اٹھالائے اور کنکریاں برسائے یا وہ حالت کہ چھوٹے چھوٹے اولے یا گار گرتے ہوں یا ابر جو اون کو برساتا ہو۔" فقیر عرض کرتا ہے اِنَّا اَرْسَلْنَا عَلَیْہِمْ حَاصِبًا بھی اسی سے ہے ۔ یعنی ہم نے اون پر پتھر برسانے والی آندھی بھیجی ۔

إِلَّآ ءَالَ لُوطٍ نَّجَّيْنَٰهُم بِسَحَرٍ ۝ نِّعْمَةً مِّنْ عِندِنَا كَذَٰلِكَ نَجْزِى 54-35
مَن شَكَرَ ۝ وَلَقَدْ أَنذَرَهُم بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِٱلنُّذُرِ ۝ وَلَقَدْ 54-36
54-37

ل۲ السحر طرف الحلقوم والرئة وقيل انتفخ سحره وبعير سحر عظيم السحر والسحر والسحرة اختلاط ظلام آخر الليل بضياء النهار وجعل اسما لذلك الوقت (مفردات) حلق یا پھیپھڑے کے کنارے کو سحر کہتے ہیں۔ چنانچہ کسی کا حلق یا پھیپھڑا پھول جاتا ہے تو یہ محاورہ کہا جاتا ہے انتفخ سحرہ۔ اور بعیر سحر کہتے ہیں اس بنا پر کہ اوس کا حلق بڑا ہوتا ہے۔ نیز سحر اور سحرۃ کے معنی ہیں رات کی تاریکی کے ساتھ صبح کی روشنی مل جانا۔ نیز اوس وقت کا نام ہی سحر رکھ دیا گیا ہے"
فقیر عرض کرتا ہے نجّیناھم بسحر سے بھی یہی مراد ہے یعنی سحر کے وقت جبکہ تاریکی شب کے ساتھ دن کی روشنی مل جاتی ہے ہم نے لوطؑ اور اون کے خاندان کو بچا لیا" اسکی جمع اسحار آتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے جس میں اہل ایمان کی یہ صفت بیان ہوئی ہے" وبالاسحار ھم یستغفرون۔ اوقات سحر میں وہ دعائے مغفرت کرتے رہتے ہیں" دوسری جگہ ارشاد ہوا ہے۔ والمستغفرین بالاسحار۔ اوقات سحر میں استغفار کرنے والے" یہ استغفار کا بہترین وقت ہے واللہ الموفق۔

ل۳ البطش تناول الشیء بصولة یقال ید باطشة (مفردات) کسی چیز پر

رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهٖ فَطَمَسْنَآ اَعْيُنَهُمْ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ ۝
وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ ۝ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَ 54-38
نُذُرِ ۝ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝ 54-39 ع ۲
54-40

(بقیہ حاشیہ ۳ سے صفحہ گزشتہ)

حملہ آور ہو کر گرفت میں لانے کو بطش کہتے ہیں۔ محاورہ ہے ید باطشۃ ہاتھ کی گرفت سخت ہو جو کسی طرح چھوٹ نہ سکے تو اس موقع پر کہتے ہیں۔ محیط المحیط میں ہے :- البطش الاخذ الشدید عند الغضب والتناول بصولۃ۔ غصہ کی حالت میں سخت گرفت کرنے کو بطش کہتے ہیں۔ نیز کسی پر حملہ کر کے گرفت میں لینے کو بھی بطش کہتے ہیں۔" فقیر عرض کرتا ہے۔ بطشۃ کے معنی ہیں ایک بار گرفت میں لانا۔ یہاں بطشتنا سے ایک دفعہ کی گرفت ہی مراد ہے واللہ اعلم۔

۲ہ المماراۃ المحاجۃ فیما فیہ مریۃ قال تعالی فلا تمار فیھم الا مراء ظاھرا واصلہ من مریت الناقۃ اذا مسحت ضرعھا للحلب۔ (مفردات)

مماراۃ کے معنی بحث و حجت کرنا ایسی چیز میں جس میں تردد ہو۔ ارشاد باری ہے:- فلا تمار فیھم الا مراء ظاھرا آپ ان کے بارے میں بحث نہ کیجئے مگر سرسری طور پر۔" اس کی اصل مریت الناقۃ کا محاورہ ہے جو دودھ دوہتے وقت جانور کے

جھٹلایا لوط کی قوم نے ڈرسنانے والوں کو پھر ہم نے بھیجی اون پر آندھی پتھر

(بقیہ حاشیہ ۲ئے صفحہ گزشتہ)

نقص پر ہاتھ پھیرنے کے موقع پر کہا جاتا ہے۔ ماراہ مماراۃ ومراء جادلہ ونازعہ وطعن فی قولہ تزییناللقول وتصغیراللقائل۔ (محیط المحیط) ماراۃ اوس وقت کہتے ہیں جب کوئی کسی سے بحث کرنے اور جھگڑنے لگے اور مخاطب کی بات پر طعن کرے اپنی بات کو بھلی بتانے اور دوسرے کے قول کی تحقیر کے لئے"

شہ المراودۃ ان تنازع غیرك فی الارادۃ فترید غیرما یرید قال ھی راودتنی عن نفسی (مفردات) مُراودۃ کے معنی ہیں دوسرے سے اوس کے ارادہ کی نسبت جھگڑنا یعنی وہ جو ارادہ رکھتا ہے اوس کے خلاف اپنے ارادہ کا اظہار کرنا۔ ارشاد باری ہے:۔ (یوسفؑ نے) کہا اسی عورت نے میرے ارادے کے بغیر اپنا ارادہ ظاہر کیا" **فقیر** عرض کرتا ہے ولقد راودوہ عن ضیفہ سے بھی یہی مراد ہے کہ قوم نے حضرت لوطؑ کے ارادۂ مبارک کے خلاف اپنا ارادہ ظاہر کیا۔ واللہ اعلم۔

لہ الطمس ازالۃ الاثر بالمحو قال ولو نشآء لطمسنا علی اعینھم ای ازلنا ضوءھا وصورتھا کما یطمس الاثر۔ (مفردات) کسی چیز کو مٹا کر

برسانے والی سوائے لوط کے خاندان کے، بچا لیا ہم نے اون کو پچھلی رات سے
اپنے پاس کی نعمت سے، ہم ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں اوس کو جو شکر کرے اور
وہ ڈرا چکے تھے اون کو ہماری گرفت سے، پھر حجت کرنے لگے ڈرانیوالوں سے
اور ان سے لینا چاہا اون کے مہمانوں کو، پھر مٹا دیں ہم نے اون کی آنکھیں،
اب چکھو میرا (پہلا) عذاب اور میرا ڈرانا، اور آیا اون پر صبح سویرے عذاب
جو مقرر ہو چکا تھا، اب چکھو میرا (دوسرا) عذاب اور میرا ڈرانا، اور ہم نے
آسان کر دیا قرآن کو سمجھنے کے لئے، پھر ہے کوئی سوچنے والا؟ ؎

(بقیہ حاشیہ ۵ صفحہ گزشتہ)

اوس کا نشان زائل کر دینے کو طمس کہتے ہیں۔ ارشاد باری ہے:— ولو نشاء لطمسنا علی اعینھم یعنی اگر ہم چاہیں تو اون کی آنکھوں کی بینائی زائل کر دیں اور اون کی صورت ہی بدل دیں جیسے کسی چیز کا نشان محو کر دیا جاتا ہے؎
طمس فلان الشیئ طمسا محاہ واھلکہ وغطاہ واستاصل اثرہ (محیط المحیط)
محاورۂ عرب طمس فلان الشیئ اوس وقت بولا جاتا ہے جب کہ کسی چیز کو مٹا دیا جائے یا اوسکو ہلاک و تلف کر دیا جائے یا اوس پر پردہ ڈال کر ڈھانک دیا جائے یا اوس کا نشان سرے سے دور کر دیا جائے۔ (یہ لفظ باب نصر سے لازم اور باب ضرب سے متعدی آتا ہے یہاں متعدی ہے)۔

کذبت قوم لوطؑ کی تفسیر اسی سلسلے میں حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کا بیان ہو رہا ہے۔ ارشاد ہوا:۔ کَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍۭ بِالنُّذُرِ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا "لوطؑ کی قوم نے (بھی ہمارا) ڈرنا نے والوں کو جھٹلایا تو ہم نے اون پر پتھراؤ (کا عذاب) بھیجا"۔ فقیر عرض کرتا ہے کہ یہ انداز بیان بالکل نرالا اختیار فرمایا گیا کیوں کہ یہاں تکذیب کے ساتھ ہی عذاب نازل کرنے کا بیان ہو رہا ہے۔ امم سابقہ کے احوال جس طرح بیان ہوئے کہ اون کے پیغمبروں نے یوں فرمایا اور قوم نے یہ جواب دیا ایسا طرز یہاں نظر انداز ہوا۔ اس میں غالباً یہ اشارہ منظور ہے کہ یہ قوم جس فعل شنیع میں گرفتار تھی وہ اس قابل ہی نہیں کہ اوس کا ذکر زبان پر لایا جائے یا حوالہ قلم کیا جائے۔ تہذیب و شائستگی کا تقاضا ہی یہ ہے کہ ایسے رکیک ناموزوں افعال کی طرف التفات ہی نہ ہوتا کہ اوس فعل بد کی شناعت کمال درجہ ظاہر ہو۔ اسی وجہ سے عباد الرحمٰن کے اخلاق یہ بتائے گئے:۔ "واذا مرّوا باللغو مرّوا کراما"۔ کسی لغویت کے پاس سے کبھی اون کا گزر ہوتا ہے تو وہ شریفانہ وقار کے ساتھ وہاں سے گزر جاتے ہیں"۔ دیکھی ہوئی چیز کو ان دیکھی بنا دیا۔ اور سنی ہوئی کو ان سنی۔ اور چپ چاپ

وہاں سے گزر گئے۔

امامِ اعظمؒ کا ایک واقعہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ایک حمام میں داخل ہوئے جہاں ایک شخص برہنہ نہا رہا تھا۔ آپ نے آنکھیں بند کرلیں۔ اوس شریر کو اس پر بھی تنبیہ نہ ہوئی۔ پکار کر کہا:۔ یا اباحنیفۃ! کم اعمی اللہ بصرک؟ ابوحنیفہ! اللہ نے آپ کی آنکھیں کب سے اندھی کردیں؟ حضرت نے برجستہ جواب ادا فرمایا:۔ منذ ھتک اللہ سترک جب سے کہ اللہ سبحانہ نے تیری حیا کا پردہ چاک فرمادیا۔"

حَاصِباً کی تفسیر بہرحال اس قوم پر پتھر برسائے گئے۔ مفسرین کرام لکھتے ہیں:۔ ریحا ترمیھم بالحصباء وھی حجارۃ دون ملئ الکف۔ ایک زوردار ہوا آئی جو اپنے ساتھ پتھروں کو اڑا لائی تھی یہ پتھر زیادہ بڑے نہ تھے ایک ایک پتھر ایسا تھا جو ہاتھ میں بآسانی آسکتا تھا۔ ریح اگرچہ مونث سماعی ہے اور اس لحاظ سے حاصبۃ کہنا چاہئے تھا مگر حاصباً بصیغہ مذکر اس لئے فرمایا گیا کہ یہ ہوا بطور عذاب بھیجی گئی تھی اور عذاب مذکر ہے۔ بعض مفسرین نے حَاصِباً کی تفسیر "ملکا" سے فرمائی ہے یعنی پتھر برسانے والے فرشتوں کا دستہ بھیج دیا۔ جب یہ عذاب آیا تو ساری

قوم تباہ ہوگئی۔

آل لوط کی تفسیر اِلَّآ اٰلَ لُوطٍ نَجَّيْنٰهُمْ بِسَحَرٍ نِعْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا كَذٰلِكَ نَجْزِیْ مَنْ شَكَرَ "مگر لوطؑ کا خاندان' کہ ہم نے اون کو پچھلی رات ہی سے بچالیا' ان کا یہ بچاؤ ہمارے ہاں کی ایک نعمت تھی۔ ہم شکر گزاروں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا کرتے ہیں" کہتے ہیں کہ حضرت لوطؑ کی دو صاحبزادیاں تھیں اور ما بقی چند مومنین صالحین تھے جو آپ کا اتباع کرتے تھے۔ یہ کل (۱۳) نفوس تھے جن کو بچالیا گیا۔ ان کو حکم ہوا کہ پچھلی رات سے اُٹھ کر اس بستی سے دور نکل جائیں۔ اس بستی پر عذاب آنے والا ہے اوس طرف پلٹ کر بھی نہ دیکھیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا حضرت لوطؑ' آپ کی صاحبزادیاں' اور مومنین صالحین' پچھلی رات سے نکل پڑے اور تیزی سے بہت دور جا نکلے۔

بیداری سحر کی فضیلت اسی سے پچھلی شب کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے کہ یہ نجات کا وقت ہے۔ گناہ بخشوانے کا وقت ہے :۔

اے دیدہ گنہ می کنی و می خسپی چشمے کہ در و خار بود چوں خسپد

قرآن کریم میں دیگر مقامات پر شب بیدار رہنے والوں کی منقبت بیان

ہوئی ہے۔ اللہ سبحانہ ہم تمام مسلمانوں کو اس کی توفیق عطا فرمائے کہ اپنی عمر کے ان لمحات کو غنیمت جانیں توبہ و انابت، دعا و استغفار سے کام لیں اور خدائے قدوس کی رضا و خوشنودی حاصل کریں آمین :۔

شب خیز کہ عاشقاں بشب راز کنند گرد سر کوئے دوست پرواز کنند

دیکھئے کہ ساری قوم تباہ ہو رہی ہے مگر سحر خیزوں کو بچا لیا جا رہا ہے اور اون کی مدح سرائی ہو رہی ہے اون کو آل لوطؑ میں داخل کیا جا رہا ہے اور جو حسن سلوک لوطؑ اور آل لوطؑ کے ساتھ ہوا وہی ان مومنین متبعین کے ساتھ فرمایا جا رہا ہے۔ اس بنا پر کہ یہ بھی اللہ سبحانہ کے شکرگزار بندے تھے اس لئے اس انعام کے مستحق ٹھہرے۔ اسی طرح ایک مرتبہ صحابہ کرامؓ کے دریافت پر حضور اکرمؐ نے فرمایا آلی کل تقی یعنے ہر متقی میری آل میں شامل ہے۔" ایک موقع پر حضرت سلمان فارسی کی نسبت ارشاد ہوا:۔ سلمان منّا اھل البیت " سلمانؓ بھی ہمارے اہل بیت سے ہے "۔ یہ بدیہی بات ہے کہ خاندان و الاد و دمان، پر "آل اور اہل بیت" کا اطلاق، اولاً حقیقی و بالذات ہے اور سلمان فارسی اور ان جیسے اہل اتقاء پر ثانیاً و بالعرض۔ جن کا نسبی رشتہ اگرچہ حضور اکرمؐ کے ساتھ نہیں لیکن

نسبت روحانی و غلامی ضرور رکھتے ہیں ۔ صلوات اللہ و سلام علی رحمۃ للعلمین ۔

قوم لوط کی ابتدائی سزا آگے ارشاد ہے :۔ وَلَقَدْ اَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ ، وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهٖ فَطَمَسْنَا اَعْيُنَهُمْ فَذُوْقُوْا عَذَابِىْ وَنُذُرِ ، بے شک اون کو (لوطؑ نے) ہماری گرفت سے ڈرایا (اور اچھی طرح آگاہ کر دیا) تھا اس پر بھی وہ (ہماری تخویف سے) شک میں پڑے ہوئے تھے اور یقیناً اوس قوم نے لوطؑ کے مہمانوں پر اپنا ہاتھ ڈالنا چاہا ۔ پھر ہم نے اون کی آنکھیں (حرف غلط کی طرح) مٹادیں (اور کہا کہ) اب ہمارے عذاب اور ہمارے ڈر کا مزہ چکھو ۔

قتادہؒ کہتے ہیں :۔ ذکر لنا ان جبریل استأذن ربه فی عقوبتهم لیلة اتوا لوطا و عالجوا الباب لیدخلوا علیهم فصفقهم بجناحه فترکهم عمیانا یترددون لا یهتدون الی طریق حتی خرجهم فاخرجهم لوط ۔ (عبدالرزاق ، عبد بن حمید ، ابن جریر ، ابن المنذر) ہم سے بیان کیا گیا کہ جبرئیل علیہ السلام جس رات لوط علیہ السلام کے ہاں آئے تو پروردگار سے

اس قوم کو سزا دینے کی اجازت لے لی تھی۔ یہ لوگ دروازہ توڑ کر داخل ہوئے تو جبرئیلؑ نے اپنے پنجہ سے اون کو مارا جس سے وہ اندھے ہوکر پریشان پھرنے لگے اون کو نکلنے کا راستہ تک نہیں مل رہا تھا۔ حضرت لوطؑ نے اونکو گھر سے نکال دیا۔"

بہرحال چند آدمی جو از راہ شرارت گھر میں گھس آئے تھے اور حضرت لوطؑ سے آپ کے مہمانوں کو چھیننا چاہتے تھے جو حسین خوبصورت لڑکوں کی شکل میں آئے ہوئے تھے۔ اون کو یہ سزا ملی۔ یہ پہلی سزا تھی۔ اسی لئے یہاں " فذوقوا عذابي ونذر " دو جگہ آیا ہے۔ یعنی ہمارا عذاب اور ہمارے ڈرانے کا پہلا خمیازہ ' نابینائی کی شکل میں بھگت لو۔ دوسری سزا سب کے ساتھ جدا گانہ ہوگی۔

حضرت ابن عباسؓ اور ضحاکؒ فرماتے ہیں: — انما حجب ادراکهم فدخلوا المنزل ولم يروا شيئاً فجعل ذلك كالطمس فعبر به عنه۔ (روح المعانی) صرف اون کے ادراک پر پردہ پڑ گیا تھا۔ چنانچہ جب وہ (لوط علیہ السلام کے) مکان میں آئے تو اون کو کچھ بھی دکھائی نہ دیتا تھا۔ گویا اون کی حالت (آنکھوں کے ہوتے ہوئے) ایسی تھی جیسی

اوس شخص کی ہوتی ہے جس کی آنکھیں ہی مٹادی گئی ہوں لہذا اس حالت کی تعبیر طمس سے کی گئی جس کے معنی آنکھوں کو مٹا دینے کے ہیں۔ واللہ اعلم۔

ساری قوم پر دوسرا عام عذاب جو آیا اوس کا بیان آگے آرہا ہے۔

قوم لوطؑ کی تباہی وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ فَذُوقُوا عَذَابِي وَنُذُرِ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ۔ صبح سویرے اون پر قائم رہنے والا عذاب آیا (اور اون سے فرشتوں نے کہا کہ) اب میرے اس عذاب اور میری تخویف کا مزہ (بھی) چکھتے رہو۔ اور بے شک ہم نے قرآن کو (اس واقعہ کی) یاد دہانی کے لئے (بھی) آسان کر دیا ہے تو کیا کوئی ہے جو اس کو یاد رکھے۔"

54-41 وَلَقَدْ جَاءَ آلَ[1] فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ۚ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا

54-42 كُلِّهَا فَأَخَذْنَاهُمْ أَخْذَ عَزِيزٍ مُّقْتَدِرٍ ۝ اور بے شک آئے

سورہ ۵۴ (ع ۲)

[1] الآل خص بالاضافة الى اعلام الناطقين يضاف الى الاشرف ويستعمل فيمن يختص بالانسان اختصاصا ذاتيا اما بقرابة قريبة او بموالاة قال عزوجل آل ابراهيم وآل عمران وقال آل فرعون قيل وآل النبی علیہ الصلاۃ والسلام اقاربه وقيل المختصون به

فرعونیوں کے پاس (ہمارا) ڈر سنانے والے' اونھوں نے ہماری جملہ

(بقیہ حاشیہ لہ صفحہ گزشتہ)

من حیث العلم وقیل لجعفر الصادق رضی اللہ عنہ الناس یقولون المسلمون کلھم آل النبی علیہ الصلاۃ والسلام فقال کذبوا وصدقوا کذبوا فی ان الامۃ کافتھم آلہ وصدقوا فی انھم اذا اقاموا بشرائط شریعتہ آلہ ۔ (مفردات) لفظ آل' بطور خاص انسان کے نام کی طرف مضاف ہوکر آتا ہے جو کسی شرافت کے حامل ہوں اور وہ خود بھی کوئی خصوصیت ذاتی رکھتے ہوں' قرابت قریبہ ہو یا عہد و پیمان کیا ہو۔ قرآن کریم میں آل ابراہیم آل عمران آیا ہے۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل (پاک) آپ کے اعزہ واقارب ہیں اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ علم وفضل کی خصوصیت رکھنے والے آپ کی آل ہیں۔ حضرت سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا لوگ کہتے ہیں کہ تمام مسلمان آں حضرتؐ کی آل ہیں۔ تو آپ نے فرمایا۔ غلط بھی کہا اور صحیح بھی۔ غلط یہ کہ ساری امت آپ کی آل ہے اور درست اس طور پر کہ جب وہ آپ کی شریعت کے شروط پر قائم ہوں۔

۲ لہ قیل للبناء العالی آیۃ ولکل جملۃ من القرآن دالۃ علی حکم

نشانیوں کو جھٹلایا' پھر ہم نے لے لیا اون کو اپنی گرفت میں جیسے ایک

(بقیہ حاشیہ ۲ے صفحہ گزشتہ)

والتی ارسلت الی الامم المتقدّمة وقیل الآیات اشارۃ الی الادلة (مفردات)۔ اونچی عمارت کو آیۃ کہتے ہیں۔ نیز قرآن کریم کے ہر جملے کو جو ایک ایک حکم پر دلالت کرتا ہے۔ اور وہ قدرت کے نشان اور معجزات جو اگلی امتوں کی طرف بھیجے گئے۔ نیز آیات سے دلائل بھی مراد ہیں"۔ فقیر عرض کرتا ہے یہاں نشان ہائے قدرت و معجزات مراد ہیں۔ واللہ اعلم۔

۳ے الاخذ حوز الشیئ وتحصیله وذلك تارۃ بالتناول وتارۃ بالقهر نحو معاذ الله ان نأخذ الا من وجدنا متاعنا عنده ونحو قوله وكذلك اخذ ربك اذا اخذ القری۔ (مفردات) اخذ کے معنی کسی چیز کو گھیرے میں لینا اور اوس کو حاصل کرنا۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔ ہاتھ میں لے لینا' یا قہراً اوس پر مسلط ہونا۔ صورت اولی کی مثال معاذ اللہ ان ناخذ اور صورت ثانیہ کی مثال وکذلك اخذ ربك اذا اخذ القری۔ فقیر عرض کرتا ہے یہاں صورت ثانیہ مراد ہے۔ واللہ اعلم۔

۴ے القدرۃ اذا وصف بها الانسان فاسم لهیئة له بها یتمکّن

ایک زبردست اقتدار والے کی گرفت ہونی چاہیے"

فرعون اور اوس کی قوم کا انجام ارشاد ہو رہا ہے کہ ہمارا ڈرسنانے والے (موسیٰؑ و ہارونؑ) فرعون اور اوس کے ماتحت لوگوں کے پاس آئے انھوں نے نافرمانی کی صورت میں عذاب نازل ہونے کا خوف دلایا۔ اور شدید تک

(بقیہ حاشیہ ۴ صفحہ گزشتہ)

من فعل شیئ ما واذا وصف اللہ تعالیٰ بھا فھی نفی العجز عنہ ومحال ان یوصف غیر اللہ بالقدرۃ المطلقۃ معنی وان اطلق علیہ لفظا بل حقہ ان یقال قادر علی کذا ومتی قیل ھو قادر فعلی سبیل معنی التقیید ولھذا لا احد غیر اللہ یوصف بالقدرۃ من وجہ الا ویصح ان یوصف بالعجز من وجہ واللہ تعالیٰ ھو الذی ینتفی عنہ العجز من کل وجہ۔ (مفردات) قدرت وصف انسانی ہو تو وہ حالت مراد ہے کہ وہ کوئی کام کرسکے۔ اور اگر وہ وصف الٰہی ہو تو عاجزی کی نفی مراد ہوگی۔ پوری قدرت غیر اللہ کا وصف ہونا محال ہے اگر لفظاً اوس کو قادر کہا جائے تو کسی خاص کام کی محدود قدرت ہی مراد ہوگی۔ غیر اللہ کسی امر پر قادر بھی ہو تو اوس کے ساتھ کسی امر پر قادر نہ ہونا بھی سمجھا جائے گا۔ صرف ذات الٰہی ہے کہ یہاں عاجزی کا تصور نہیں عجز بجمیع الوجوہ یہاں منتفی ہے۔"

سلسلہ تبلیغ جاری رکھا۔ ہر قسم کے شکوک وشبہات دور کرنے کی سعی بلیغ کی۔
اپنی نبوت و رسالت کے نشان تبلائے۔ جن میں سے ہر ایک نشان ما فوق العادت
امر تھا۔ عصا، ید بیضا، قحط، طوفان، ٹڈیوں، جوں اور مینڈکیوں کی کثرت
کہ ان میں کا ایک ایک نشان، ایک مستقل عذاب تھا۔ خون کی بارش،
فرعونی سکہ کی ناقدری اور اوس کا زوال، یہ مسلسل ایسی چیزیں تھیں کہ
گوشِ ہوش، چشمِ بینا، اور سمجھدار دل رکھنے والا اچھی طرح سمجھ جائے۔
مگر ان چیزوں کا نہ فرعون پر کچھ اثر ہوا اور نہ اوس کے ساتھی اس سے
متاثر ہوئے۔ ادنھوں نے ہماری کُل کی کُل آیات کو جھٹلایا اور ہر ایک کی
تکذیب کی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم نے اون کو اپنی گرفت میں لے لیا اور
ایسا گرفتار عذاب کیا کہ کوئی بھی نہ چھوٹ سکے خدائے عزیز و مقتدر کی
گرفت جس شان کی ہو سکتی ہے کہ کوئی چیز اوس کو عاجز نہیں کر سکتی اور نہ
اس ارادے سے اوس کو روک سکتی ہے۔ جب تباہی آئی تو فرعون اور اوس کا
تمام لشکر خود موت کے منہ میں گھس آیا۔ اور چشم زدن میں سب کے سب
بحر قلزم یا دریائے نیل میں غرقاب ہو گئے۔

فرعون کو غرقابی کا عذاب عجب نہیں اس	غرقِ فرعون میں حکمت

بنا پر تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جب ولادت باسعادت عمل میں آئی تھی تو اللہ سبحانہ نے آپ کو اسی پانی کے ذریعہ فرعون کے محل میں پہنچایا تھا۔ حضرت موسیٰؑ کو اوس میں سے نکالا گیا۔ آپ کی پرورش یہاں ہونے لگی یہاں تک کہ آپ نے ہوش سنبھالا جوان ہوئے اور سن رشد کو پہنچے۔ اس عرصہ مدت میں آپ سے کیا کیا کرامات و معجزات، خوارق عادات، انوار و فیوض و برکات، اوس نے نہ دیکھے ہوں گے۔ ایک نبی اللہ و رسول اللہ کا وجود باجود غور کیجیے کیسے کیسے عجائبات، مشاہدات و آیات کا حامل نہ ہوگا مگر اس حرماں نصیب نے کچھ بھی قدر نہ جانی۔ غرور و تکبر اوس پر اتنا غالب رہا کہ اس کے آگے کسی کی کوئی قدر و منزلت اس کے دل میں پیدا نہ ہوسکی۔ آخرالامر وہی پانی جس سے حیات عالم وابستہ ہے اور اللہ سبحانہ نے جس کی نسبت فرمایا ہے :- وجعلنا من الماء کل شیئ حی۔ ہر زندہ چیز کو ہم نے پانی ہی سے بنایا ہے" وہی پانی فرعون اور فرعونیوں کی ہلاکت کا موجب ہوا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

قوم نوح، عاد، ثمود، قوم لوط، اور آل فرعون نے اللہ سبحانہ کے رسولوں اور اُن پر نازل شدہ کتابوں کی جو تکذیب کی اور اس بنا پر اون کا

جو حشر ہوا اون کی سرگذشت سنانے کے بعد اب مکہ کے رہنے والے (کفار

قریش) سے خطاب ہو رہا ہے :-

54-43 أَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ أُولَٰئِكُمْ أَمْ لَكُم بَرَاءَةٌ فِي الزُّبُرِ ۚ

54-44 أَمْ يَقُولُونَ نَحْنُ جَمِيعٌ مُّنتَصِرٌ ۝ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ

54-45

54-46 الدُّبُرَ ۝ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهَىٰ وَأَمَرُّ ۝

۱ البرآءة السلامة من الذنب والعيب وغيرهما والتخلص من

الشبهة ومنه البرآءة لخط الابراء وخط الانعام من الملك ج براءات

(محیط المحیط) گناہ یا عیب وغیرہ سے محفوظ رہنے اور شبہہ سے چھوٹ جانے کو براءۃ

کہتے ہیں۔ اسی بنا پر ابراء نامہ کو براءۃ کہتے ہیں نیز بادشاہ کی طرف سے جو خط انعام

لکھا جاتا ہے اوس کو بھی براءۃ کہتے ہیں "

۲ کل کتاب غلیظ الکتابة یقال له زبور وقیل کل کتاب صعب الوقوف

علیه من الکتب الالهیة جمع علی زبر (مفردات) تاکیدی تحریر کو زبور

کہتے ہیں۔ نیز کتب الٰہیہ میں سے ہر وہ کتاب جس پر اطلاع پانا دشوار ہو اس کی جمع

زُبُر آتی ہے ۔

۳ الدهاء النكر وجودة الرأی والادب الدَّهِیُّ العاقل۔ والداهیة

اب تم میں جو منکر ہیں کیا یہ بہتر ہیں اُن سب سے یا تم کو برا، ت لکھ دی گئی ہو ورقوں میں؟ یا یہ کہتے ہیں کہ ہم سب کا مجمع ہے بدلہ لینے والا' قریب میں یہ مجمع شکست کھاجائے گا اور بھاگ جائیں گے پیٹھ پھیر کر' بلکہ قیامت کی گھڑی ہے اون کے وعدے کا وقت' اور وہ گھڑی' بڑی آفت ہے اور بڑی تلخ۔"

أَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ أُولٰئِكُمْ	اکفارکم خیر کی پہلی تفسیر

(بقیہ حاشیہ ۳ صفحہ گذشتہ)

ذوالدھی والدھاء والتاء فیہ للمبالغۃ والداھیۃ الامر العظیم والمنکر من الامور ج دواہ ۔ (محیط المحیط) دشوار گزار کام جس کو طبیعتیں پسند نہیں کرتیں اوس کو دھاء کہتے ہیں۔ بہترین رائے اور حسن ادب کو بھی دھاء کہتے ہیں۔ اور عقلمند کو دَھِیّ کہا جاتا ہے۔ داھیۃ بڑی عقل والا' بہترین رائے اور تدبیر والا' اس کی تاء مبالغہ کے لئے ہے۔ نیز کسی بڑے کام اور ناپسندیدہ امر کو بھی داھیۃ کہتے ہیں۔" **فقیر** عرض کرتا ہے یہاں معنی آخری مراد ہیں۔

ادھیٰ اسم تفضیل کا صیغہ ہے۔

[۴] اَمَرُّ ۔ اس کی تحقیق ذو مِرَّۃ اور مستمر کی تفسیر کے ضمن میں گزر چکی۔

خطاب ہے اس کی تفسیر میں دو قول ہیں :۔

ایک یہ کہ مخاطب کفار ہیں خواہ مکہ کے رہنے والے یعنی قریش یا پورے جزیرۃ العرب کے باشندے۔ کیوں کہ یہ سورت مکیہ ہے اور اوس وقت تک مکہ کے قریش ہی مسلمان نہیں ہوئے تھے تو دیگر قبائل عرب کے اسلام کا کیا ذکر؟ فقیر کے نزدیک یہی قول مرجح ہے کیوں کہ کلام مابعد سے اس کو زیادہ مناسبت ہے۔

دوسری تفسیر دوسرا قول یہ ہے کہ خطاب اہل اسلام سے ہے یعنی تمھارے زمانہ کے یہ کفار کیا امم سابقہ کے کافروں سے باعتبار شان و شوکت مال و دولت، حکومت و سلطنت بہتر ہیں اور کیا یہ اون سے بڑھے چڑھے ہیں کہ اون امم سابقہ پر اللہ کا جو عذاب آیا تھا اوس کو وہ ٹال نہ سکے تو یہ لوگ جن کی نہ تو کوئی شان و شوکت، نہ مال و دولت، نہ حکومت و سلطنت یہ اون کے مقابلہ میں نہایت کمزور اور عاجز ہیں۔ اگر ان پر عذاب آئے گا تو یہ اوس کو کس طرح ٹال سکیں گے؟

خیر کی تفسیر اسی طرح خَیْرٌ کی تفسیر میں بھی دو قول ہیں:۔ ایک تو وہی تفسیر جو اوپر گزری کہ امم سابقہ کے مقابلہ میں یہ کمزور اور عاجز ہیں۔

جب اون پر سے عذاب الہٰی ٹل نہ سکا تو اِن پر سے کیوں کر ٹل سکیگا؟ دوسرا قول یہ کہ کیا اِن کا کفر و عناد سابقہ امم کے کفر و عناد سے کم ہے کہ اون پر ایسے سخت سخت عذاب آئے تھے مگر اِن پر ایسے سخت عذاب نہ آئیں گے۔ جو حال امم سابقہ کا اپنے انبیاء و رسل علیہم السلام اور اونکی کتابوں کے ساتھ تھا ان کا حال بھی کفر و عناد میں اون سے کم نہیں ہے لہٰذا ایسا خیال پیدا ہونے کی گنجایش ہی نہیں کہ جیسا عذاب اون پر آیا تھا اِن پر نہ آئے گا۔ دونوں کے احوال ملتے جلتے ہیں۔ اور یہ بھی اون کے نقش قدم پر چل رہے ہیں لہٰذا اِن کو یقین رکھنا چاہیئے کہ ان کا بھی وہی حشر ہوگا اور ہم ان کو بھی اوسی طرح مبتلائے عذاب کریں گے۔ ہمارے مقابلہ میں ان کی ایک نہ چلیگی۔ آن سے دوسرا سوال یہ ہے:—

ام لکم براٰءۃ کی تفسیر اَمۡ لَكُمۡ بَرَآءَةٌ فِى الزُّبُرِ۔ یا تم کو سابقہ کتب الہٰیہ میں کوئی براءت نامہ لکھہ دیا گیا ہے کہ کفر و عناد کی سزا امم سابقہ کی طرح کفار قریش یا کفار عرب کو نہیں دی جائے گی۔ خواہ یہ کیسی ہی شرارتیں کریں اور کتنے ہی کفر و عناد سے کام لیں۔ آخر ایسی تخصیص

ان کو لکھ دی جانے کی کوئی وجہ ؟ ولو بالفرض ایسا استثناء ان کو دیا بھی گیا ہے تو کتب الٰہیہ (توریت، انجیل، زبور، صحف ابراہیمؑ، صحف موسیٰ وغیرہ) میں کہیں ایسا لکھا ہوا ہے تو یہ اُس کو پیش کریں۔ جب ایسا نوشتہ دیا جانیکی کوئی وجہ نہیں اور نہ واقعتًہ ایسا لکھ دیا گیا ہے تو یہ کیا پیش کرسکیں گے؟

اس کے بعد کفار قریش و عرب سے تیسرا سوال یہ کیا جارہا ہے:۔

نحن جمیع منتصر کی تفسیر اَمْ یَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِیْعٌ مُّنْتَصِرٌ۔ یا یہ کہتے ہیں کہ ہم ایک جماعت ہیں بدلہ لینے والی"۔ یعنی اون کا کہنا یہ ہے کہ ہماری ایک خاص شان و شوکت ہے اور ہم ایسے باتدبیر اور صاحب رائے ہیں اور ہمارا باہمی اتفاق و اتحاد ایسا ہے کہ اوس کو دیکھ کر کوئی ہمارے مقابلے کو اُٹھ نہیں سکتا اور اگر کوئی اٹھا بھی تو ہمارے مقابلہ میں ٹھہر نہیں سکتا۔ ہم ہی سب پر غالب آتے ہیں ہم پر کوئی غلبہ پا نہیں سکتا۔

ابوجہل کی بدر میں ہلاکت کہتے ہیں کہ ابوجہل نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلہ کے لئے ایک کمیت گھوڑا پال رکھا تھا۔ روزانہ اوسکو اچھی خوراک دیتا۔ اور حلف اوٹھائی تھی کہ وہ آپ کا کام (خاکش بدہن) تمام کردے گا۔ چنانچہ غزوہ بدر میں ابوجہل لعین اوس گھوڑے پر سوار ہوکر آیا۔

اور لاف زنی کرنا شروع کی کہ آج ہم محمدؐ اور اون کے ساتھیوں پر غالب آجائیں گے۔ جب مقابلہ ہوا تو معاذؓ و معوذؓ بن عفراء جو نوجوان انصاری لڑکے تھے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ چچا جان! (یہ کلمہ صرف بلحاظ بزرگی کہا گیا ہے ان سے رشتہ نہ تھا) ان کافروں میں ابو جہل کون ہے ذرا ہم کو بتا دیجئے۔ حضرت ابن عوفؓ نے فرمایا:۔ بابا تم کیا کروگے وہ دیکھو گھوڑے پر سوار آرہا ہے۔ یہ سنتے ہی ان دونوں نے اوس کا رخ کیا۔ جیتا یا باز جس طرح شکار پر حملہ آور ہوتا ہے ایسا ہی یہ اوس پر لپک کر گئے اور چشم زدن میں اوس پر ایسے وار کئے کہ وہ گھوڑے سے نیچے آرہا ابھی کچھ جان باقی تھی کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ آپہنچے اور اوس کا سر کاٹ لینا چاہا ابو جہل کہنے لگا کہ مونڈھوں کے پاس سے کاٹ لیں۔ اوس کی غرض یہ تھی کہ جب مقتولین کے سر زمین پر سلسلے سے رکھے جائیں گے تو ابو جہل کا سر سب سے اونچا رہے۔ ابن مسعودؓ نے اوس کا سر گدی کے پاس سے کاٹ لیا تاکہ اوسی کا سر سب سے نیچا رہے۔ آں حضرت نے مشاہدہ فرمایا تو ارشاد ہوا امات فرعون ھذہ الامۃ۔ اس امت کا فرعون ہلاک ہوا“ اس کے بعد ارشاد ہو رہا ہے:۔

ایک نکتہ

سَيُهۡزَمُ الۡجَمۡعُ وَيُوَلُّوۡنَ الدُّبُرَ ـــ یہ جماعت عنقریب شکست کھا جائیگی اور پیٹھ پلٹا کے بھاگ جائے گی"۔ اس آیہ کریمہ میں سابقہ آیات کی طرح کفار کو مخاطب نہیں کیا گیا بلکہ بجائے صیغہ خطاب کے صیغہ غائب ارشاد ہوا ہے اس میں یہ نکتہ ہے کہ کافروں نے جب اللہ سبحانہ کی ہدایت سے روشنی حاصل نہیں کی تو ان کو لائق خطاب ہی نہیں سمجھا گیا۔

قرآن کریم کی پیشین گوئی

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں :ـــ لما نزلت سیھزم الجمع ویولون الدبر کنت لا ادری ای جمع فلما کان یوم بدر رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یلبس الدرع ویقول سیھزم الجمع ویولون الدبر فعرفت تأویلھا۔ جب یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی تو میں حیران تھا کہ یہ کونسی جماعت ہے جس کی ہزیمت خوردنی کا بیان ہو رہا ہے بدر کے دن میں نے دیکھا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زرہ زیب تن فرماتے ہوئے اس آیہ کریمہ کی تلاوت کر رہے ہیں۔ اوس دن مجھے اس آیت کی تفسیر معلوم ہوئی " یہ ہر دو روایات بخاری شریف میں بھی موجود ہیں۔

یہ بھی قرآن کریم کا ایک معجزہ اور پیشین گوئی ہے کہ یہ آیت کریمہ تو مکہ میں اتری اس کے نزول سے سات سال بعد اور مدینہ میں ہجرت سے ایک سال بعد واقعہ بدر پیش آیا۔ جس میں قرآن کریم کی پیشین گوئی کے مطابق حالات رو نما ہوئے۔ ابو جہل اور اوس جیسے (۷۰) سرغنے مارے گئے اور (۷۰) سربرآوردہ افراد گرفتار ہوئے اور ما بقی نے پیٹھ پلٹا کے راہ فرار اختیار کی۔ اس طرح قرآنی معجزہ ظاہر ہو کر رہا۔ اسی پر ختم نہیں آگے ارشاد ہو رہا ہے:—

بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ | الساعة ادھی وامر کی تفسیر

وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ ـ بلکہ اون کے وعدے کا وقت ساعت قیامت ہے اور وہ ساعت (کفار کے حق میں) ایک آفت اور بہت ہی تلخ ساعت ہے۔ یعنی بدر میں جو بُرا وقت ان کافروں پر آیا کہ ایک ہزار کا مسلح لشکر جو ہر قسم کے اسلحہ اور رسد و کمک سے مستحکم تھا۔ مسلمانوں کے (۳۱۳) نہتے اور ظاہری طور پر بے یار و مددگار۔ افراد کے مقابلہ میں ٹھہر نہ سکا۔ اور ایسی شکست فاش اوٹھائی کہ صفحات تاریخ اوس کو کبھی بھلا نہ سکیں گے۔ یہ سزا جو اللہ سبحانہ کی طرف سے کافروں کو دی گئی یہ تو معمولی سزا تھی۔ اصل سزا کا

وقت تو ساعت قیامت ہے اس روز جو کافروں کی گت بنے گی اوس کو اہل محشر دیکھیں گے جب کہ اولین و آخرین سب جمع رہیں گے۔ بدر میں تو صرف صنادید قریش کا قتل، او رقید و بند اور مابقی افراد کی ہزیمت تھی۔ قیامت میں اون کو دوزخ کا دائمی عذاب ہوگا۔

کارِ خیر میں تاخیر نہ ہو ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:— بادروا بالاعمال سبعا ما ینتظر احدکم الا غنی مطغیا او فقرا منسیا او مرضا مفسدا او ھرما مفندا او موتا مجھزا او الدجال والدجال شر غائب ینتظر او الساعۃ والساعۃ ادھی وامر۔ (ابن المبارک، ترمذی، حاکم، ابن مردویہ) جو کام کرنے کے ہیں یعنی اعمال صالحہ، اون کو جلد کر گزرو (حالت منتظرہ میں چھوڑ نہ رکھو) انتظار کرتے رہو گے تو تمھارا انتظار ان سات (۷) احوال سے خالی نہ ہوگا۔ یا تو انتظار ہوگا سرکش بنانے والی تونگری کا، یا پیچھے ہٹانے والی محتاجی کا، یا خرابی پیدا کرنے والی بیماری کا، یا ہلاک کرنے والے بڈھاپے کا، یا اوٹھالیجانے والی موت کا، یا دجال کا جس کا انتظار رہے۔ اور دجال تو بہت بڑا

شر ہے جو ابھی آیا نہیں ہے غائب ہے' یا قیامت کا اور قیامت کی گھڑی تو
بڑی آفت ہے اور نہایت تلخ تر۔"

امتِ دعوت کی دنیوی و اخروی سزا

معقل بن یسارؓ کہتے ہیں کہ
حضرت نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا:۔ ان اللہ جعل عقوبۃ
ھذہ الامۃ السیف وجعل موعدھم الساعۃ والساعۃ ادھی وامر
(ابن مردویہ) اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اس امت کی سزا' (جو دنیا میں
دی جاتی ہے) تلوار رکھی ہے اور آخرت کی سزا ساعت قیامت قرار
دی ہے اور قیامت تو بہت بڑی آفت ہے اور وہ سب سے تلخ تر ہے۔"
فقیر عرض کرتا ہے یہاں امت سے امت دعوت مراد ہے جس میں یہود'
نصاریٰ' مجوس' مشرکین اور کفار' سب ہی داخل ہیں اور یہ دنیوی و
اخروی سزا انھیں کے لئے بیان فرمائی گئی ہے۔ واللہ اعلم ۔ وہ
سزائے اخروی کیا ہے؟ ارشاد ہے:۔

إِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي ضَلَٰلٍ وَسُعُرٍ[1] ۝ يَوْمَ يُسْحَبُونَ[2]
فِي النَّارِ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ ذُوقُوا مَسَّ سَقَرَ[3] ۝ إِنَّا كُلَّ 54-47
54-48
54-49

[1] السعر التهاب النار وقوله عذاب السعير اى حميم فهو فعيل

شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ۝ وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ 54-50
بِالْبَصَرِ ۝ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَآ اَشْيَاعَكُمْ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝ 54-51
وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ ۝ وَكُلُّ صَغِيْرٍ وَّكَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ ۝ 54-52
54-53

(بقیہ حاشیہ لہ صفحہ گزشتہ) فی معنی مفعول و قال تعالی ان المجرمین فی ضلال وسعر (مفردات) آگ کے بھڑکنے کو سعر کہتے ہیں۔ عذاب السعیر سے گرم پانی کا عذاب مراد ہے یہاں فعیل بمعنی مفعول ہے فی ضلال و سعر سے بھی یہی مراد ہے"

والسُعُر الجنون و فی سورۃ القمر ان المجرمین فی ضلال وسعر ای فی عناء و عذاب۔ و فی الکلیات کل سعیر فی القرآن فهو النار الا فی ضلال و سعر فان المراد العناء (محیط المحیط) سُعُر کے معنی جنون کے ہیں۔ سورۂ قمر میں فی ضلال وسعر سے مراد "رنج اور عذاب میں ہوتا" ہے۔ اور کلیات میں ہے کہ قرآن میں سعیر جہاں بھی ہے اس سے آگ مراد ہے۔ مگر فی ضلال و سعر سے مراد رنج ہے"

لہ اصل السحب الجر کسحب الذیل و الانسان علی الوجه ومنه السحاب اما الجر الریح له او لجرہ الماء او لانجرارہ فی المر قال تعالی یوم یسحبون فی النار علی وجوههم۔ (مفردات) سحب کے

یقین جانو کہ گنہگار غلطی میں ہیں اور سودا میں، جس دن گھسیٹے جائیں گے

(بقیہ حاشیہ ۲ے صفحہ گزشتہ)

لغت میں گھسیٹنے کے ہیں۔ جیسے دامن گھسیٹنا اور انسان کو اوندھے منہ گھسیٹنا۔ ابر کو سحاب اس لئے کہتے ہیں کہ اوس کو ہوا کھینچ لاتی ہے یا وہ پانی کو کھینچ لاتا ہے یا وہ خود ہی بوقت روانی کھنچا چلتا ہے۔ ارشاد باری یسحبون فی النار سے اوندھے منہ گھسیٹے جانا مراد ہے "

۳ے المسّ کاللمس لکن اللمس قد یقال لطلب الشیٔ وان لم یوجد والمسّ یقال فیما یکون معه ادراک بحاسة اللمس۔ والمس یقال فی کل ما ینال الانسان من اذی۔ (مفردات) مسّ کے معنی چھونا ٹٹولنا، تقریباً لمس کا ہم معنی ہے۔ فرق اتنا ہے کہ کسی چیز کو طلب کریں اور وہ نہ ملے تو بھی اوس کو لمس کہتے ہیں۔ اور مسّ میں اوس کا ملنا اور حاسہ لمس سے اوس کا ادراک ہونا ضروری ہے۔ نیز مسّ کا اطلاق انسانی اذیت کے موقع پر ہی ہوتا ہے "

۴ے سقر من سقرته الشمس ای لوّحته وآذته وجعل سقر اسم علم لجهنم۔ (مفردات) سقر سے سقرت الشمس محاورہ بناہے۔

آگ میں اوندھے منہ، چکھو مزا آگ کا، ہم نے ہر چیز بنائی ٹھیک اندازے سے

(بقیہ حاشیہ ۱۴ صفحہ گزشتہ)

یعنی آفتاب نے اوس کو جھلسا دیا اور اوس کو ایذا پہنچائی ۔ سقر جہنم کا نام ہے"

وسقر علم لجھنم ولذلك لم یصرف من سقرت النار اذا لوّحته

و فی سورۃ القمر ذوقوا مسّ سقر ای حرّ النار والمھا ۔ (محیط المحیط)

سقر جہنم کا نام ہے اسی وجہ سے یہ لفظ غیر منصرف ہے ۔ سقرت النار سے ماخوذ ہے

جبکہ آگ اوس کو جھلسا دے تو یہ محاورہ استعمال کیا جاتا ہے ۔ سورۂ قمر میں مس سقر

دوزخ کی گرمی اور اوس کی تکلیف مراد ہے "

۵ اللمح لمعان البرق ورأیته لمحة البرق قال تعالیٰ کلمح بالبصر ویقال

لا ریتك لمحا باصرا ای امرا واضحا ۔ (مفردات) بجلی چمکنے کو لمح کہتے ہیں۔

اسی سے رأیته لمحة البرق محاورہ ہے یعنی اوس کو میں نے بجلی کی چمک کی طرح دیکھ

لیا ۔ ارشاد باری کلمح بالبصر سے پلک جھپکنے کی مقدار مراد ہے ۔ نیز لاریتك لمحا

باصرا کا محاورہ اوس وقت کہا جاتا ہے جب کہ کسی چیز کو واضح اور عیاں طور پر

صاف دکھا دیا جانا منظور ہو "

۶ الشیعة من یتقوی بھم الانسان وینتشرون عنه یقال شیعة

اور ہمارا کام تو بس ایک لمحہ کی بات ہے جیسے پلک کا جھپکنا' اور ہم برباد

کر چکے ہیں تمھارے ساتھیوں کو' پھر کوئی ہے سوچنے والا' اور جو چیز

انھوں نے کی ہے اعمال نامہ میں ہے' اور ہر چھوٹا بڑا (کام) لکھا جا چکا۔

مخصوص اقوام کے احوال بیان کرنے کے بعد اب خطاب عام ہو رہا ہے

کہ "مجرمین" خواہ وہ اولین سے ہوں یا آخرین سے' کفر و شرک میں مبتلا ہوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۴۶)

وشیع واشیاع قال تعالیٰ ولقد اھلکنا اشیاعکم۔ (مفردات) شیعہ وہ لوگ جن کے ذریعہ انسان کو تائید و تقویت ہوتی ہے اور وہ بھی اوس سے خوش ہوتے اور اوس کی خبریں شائع کرتے رہتے ہیں۔ شیعۃ کی طرح اِن کو شِیَع اور اشیاع بھی کہا جاتا ہے ارشاد باری ہے:۔ ولقد اھلکنا اشیاعکم۔ ہم نے تمھارے ساتھیوں اور ہم خیال لوگوں کو پیشتر بھی برباد کیا ہے۔" شیعۃ الرجل اتباعہ وانصارہ والشیعۃ ایضا الفرقۃ علی حدۃ وتقع علی الواحد والاثنین والجمع والمذکر والمونث۔ (محیط المحیط) انسان کے شیعہ اوس کے متبعین اور مددگار۔ نیز شیعہ جداگانہ فرقہ کو کہتے ہیں۔ اس کا اطلاق' واحد' تثنیہ' جمع' مذکر' مونث' پر بھی ہوتا ہے۔"

یا کسی اور جرم میں گرفتار ضابطۂ الٰہی اور قانون قدرت کی رو سے اون کی
مجرمانہ زندگی کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ غلطی میں پڑے ہوئے گمرہی کی حالت میں
اِدھر اُدھر بھٹکتے پھر رہے ہیں کہیں ٹھوکر کھا رہے ہیں کہیں اوندھے مُنہ
گر رہے ہیں۔ نہ ان کا کوئی ضابطۂ حیات ہے نہ کوئی لائحہ عمل۔ کم ازکم
ان کی حالت یہ ہے کہ وہ ضلالت کی تاریکی میں حیران و سرگرداں ہیں۔ اور
اپنی عمر عزیز اسی حیرانی و پریشانی میں ضائع کر رہے ہیں یہ تو اون کی حیات
دنیا ہے اور جب یہ دار آخرت میں اسی حال کے ساتھ آئیں گے تو ایک سعیر
(دوزخ) نہیں بلکہ کئی سُعُر سے ان کو سابقہ پڑے گا کیوں کہ لھا سبعۃ
ابواب۔ دوزخ کے (۷) سات دروازے ہیں" ہر باب میں نوعیت جرم
کے لحاظ سے جداگانہ عذاب رکھا گیا ہے۔ مجرمین اولین کو تو اوس سے
سابقہ پڑیگا ہی۔ اسی طرح آنے والی نسلیں اگر وہ بھی ان ہی کے نقش قدم
چلیں گی تو ان کا حال بھی وہی ہوگا۔ لہٰذا ان کے حق میں بہتر یہی ہے کہ
وہ اس گمراہی کو چھوڑ دیں اور راہ ہدایت اختیار کریں تاکہ اون کی دنیا
و آخرت درست ہو ورنہ دارین میں خسارہ ہی رہیگا۔ اوس دن تمام
مجرمین اولین و آخرین کو اون کے منہ کے بل گھسیٹ کر دوزخ میں

پھینک دیا جائے گا اور فرشتہ بحکم الٰہی پکار کر کہے گا ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ۔ "چکھو مزا آگ کا" دوزخ کی آگ میں کیا حال ہوگا اوس کا اندازہ یہاں کی آگ کو ہاتھ لگانے سے ہو سکتا ہے۔ اگر کوئی اس کی تاب لاسکتا ہے تو اوس آگ کی تاب بھی لاسکنے کا قیاس ہو سکتا ہے اگرچہ یہ قیاس بھی درست نہیں کیونکہ آخرت کی آگ، دنیا کی آگ سے (۷۰) درجہ بڑھی ہوئی ہے لیکن جب یہیں کی آگ پر تاب لانا نہیں ہو سکتا تو پھر کیا توقع ہو سکتی ہے کہ کوئی وہاں کی آگ کے مقابلہ میں ٹھہر سکے گا۔

یہیں سے یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ ایسے مجرمین کو گرفتار کیوں نہیں کر لیا جاتا اور کیوں اون کو ایسی آزادی دی گئی ہے کہ صبح سے شام اور شام سے صبح تک وہ دنیا میں جرائم کا ارتکاب کرتے اور فساد پھیلاتے پھرتے ہیں؟ اس کا جواب یہ دیا گیا۔ اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ "ہر چیز کو ہم ہی نے پیدا کیا ہے پھر ہر چیز کو ہم نے ایک مخصوص انداز سے بنایا ہے" کسی مہذب حکومت کا یہ طریقۂ عمل نہیں ہو سکتا کہ کسی مجرم کو اول الامر ہی دار پر چڑھا دے اور پھانسی دے دے بلکہ وہ اپنا ایک قانون اور ایک ضابطہ بناتی اور اوس کی اشاعت کرتی ہے۔ اوس میں جملہ اچھے برے

اعمال و افعال کی صراحت ہوتی ہے۔ نیز اون کے نتائج کی وضاحت
کی جاتی ہے اس کے بعد رعایا کو آزاد چھوڑ کر اون پر نگرانی قائم ہوتی ہے۔
مشتبہ افراد پر خاص نگرانی رکھی جاتی ہے موقع دیا جاتا ہے کہ ہر شہری اپنے اعمال
وخیال کی اصلاح کرے لیکن اگر کوئی اس جانب متوجہ نہ ہو اور خلاف ورزی
قانون ہی کو اپنا مسلک بنالے اور ارتکاب جرائم کی عادت کرلے تو حکومت بھی
ان کی دار وگیر، تفتیش وتجسس سے نہیں چوکتی دریافت و بازپرس اور اثبات
جرم کے بعد کیفر کردار کو پہنچاتی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیات کریمہ قدریہ کے جواب میں
نازل ہوئیں جو تقدیر کا انکار کرتے ہیں چنانچہ آپ رضؓ راوی ہیں :——

جاء مشرکو اقریش الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یخاصمونہ فی القدر
فنزلت یوم یسحبون فی النار علی وجوھھم ذوقوا مس سقر انا
کل شیئ خلقنہ بقدر" (امام احمد، مسلم، عبد بن حمید، ترمذی، ابن ماجہ، ابن
جریر، ابن المنذر، ابن مردویہ) مشرکین قریش حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کی خدمت مبارک میں آئے اور مسئلہ تقدیر میں آپ سے بحث کرنے لگے اس وقت
یہ آیات نازل ہوئیں " فقیر عرض کرتا ہے اسی مضمون کی روایات، مسند بزار،

ابن ابی حاتم، طبرانی، ابن شاہین، ابن مندہ، باوردی، خطیب، ابن عساکر ابن عدی، دیلمی، سعید بن منصور، طبقات ابن سعد میں، عمرو بن شعیب، ابو امامہ زرارہ ابن ابی اوفی، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی مروی ہیں جن سے ایک دوسرے کی تائید ہوتی ہے۔ نیز تقدیر کے باب میں ابن عمر، حذیفہ بن الیمان، ابو عبدالرحمٰن سلمی، عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہم سے بھی روایات آئی ہیں جن سے مجموعی طور پر حدیث بالقدر کو درجہ شہرت و تواتر معنوی حاصل ہوتا ہے واللہ اعلم۔

الحاصل تقدیر کا مسئلہ جزو ایمان ہے۔ اس کا ثبوت کتاب اللہ، سنت متواترہ، اجماع امت سے ہے اس کے منکر کا دائرہ ایمان و اسلام میں کوئی مقام نہیں تقدیر کے ثبوت اور منکرین قدر کی مذمت میں جو احادیث شریفہ وارد ہیں یہاں بطور نمونہ چند نقل کی جاتی ہیں۔ امید ہے کہ ان احادیث نبوی سے اہل اسلام کی رہنمائی ہوگی۔ ورنہ موجودہ دور میں بھی بعض طبقات سے ایسی آوازیں اٹھ رہی ہیں نعوذ باللہ منہم۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ خلق اللہ الخلق کلھم بقدر، وخلق اللہ الخیر والشر بقدر۔ (ابن جریر، ابن المنذر) اللہ سبحانہ نے تمام مخلوق کو

ایک اندازے سے پیدا کیا" اور اللہ نے خیر و شر کو بھی ایک اندازہ کے ساتھ پیدا کیا" مطلب یہ کہ ساری مخلوقات اور جملہ خیر و شر دائرہ تقدیر میں ہے۔ نیز یہ بھی فرمایا: — کلّ شیئ بقضاء و قدر حتّی وضعك یدك علی خدّك۔ (تاریخ بخاریؒ) ہر چیز قضا و قدر سے ہے یہاں تک کہ تمھارا اپنے رخسار پر ہاتھ رکھنا بھی اس کے تحت ہے"

ابن عمرؓ فرماتے ہیں: — قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل شیئ بقضاء و قدر حتی العجز والکیس (مسلم شریف) حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہر چیز قضا و قدر کے تحت ہے یہاں تک کہ کوتاہی اور دور اندیشی بھی"

عبادہ بن صامتؓ فرماتے ہیں: — سمعت باذنیّ ھاتین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول انّ اوّل ما خلق اللہ القلم قیل اکتب لاابدّ قال وما لاابدّ قال القدر قال وما القدر قال تعلم ان ما اصابك لم یکن لیخطئك وما اخطأك لم یکن لیصیبك ان متّ علی غیر ذلك دخلت النار۔ (ابن مردویہ) میں نے اپنے ان دونوں کانوں سے سنا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے

پہلے قلم پیدا کیا اوس سے کہا گیا کہ لابدی چیزوں کو لکھ۔ اوس نے کہا وہ کیا چیزیں ہیں؟ ارشاد ہوا کہ تقدیر۔ اوس نے کہا تقدیر کیا ہے؟ ارشاد ہوا کہ یہ جاننا چاہیے کہ جو چیز تم کو مل چکی وہ کبھی رہ جانے والی نہ تھی۔ اور جو رہ گئی وہ کبھی تم کو ملنے والی نہ تھی۔ اگر تم اس کے خلاف کسی عقیدہ پر مروگے تو دوزخ میں جاؤگے۔"

حذیفہؓ فرماتے ہیں:۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لکل امة مجوسا وان مجوس ھذہ الامة الذین یقولون لا قدر، فمن مرض فلا تعودوہ وان مات فلا تشھدوہ وھم من شیعة الدجال حق علی اللہ ان یلحقھم بہ۔ (امام احمدؒ) حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہر امت میں مجوسی ہوتے ہیں اور اس امت کے مجوس وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ تقدیر کوئی چیز نہیں۔ لہذا ان میں سے جو بیمار ہو جائے تم اوس کی بیمار پرسی کو نہ جاؤ اور اگر وہ مر بھی جائے تو تم اوس کے جنازے میں شریک نہ ہونا۔ وہ دجال کے ساتھی ہیں۔ اللہ سبحانہ نے خود پر لازم فرما لیا ہے کہ اون کو اسی کے ساتھ ملا دے۔"

ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

صنفان من امّتی لیس لهما فی الاسلام نصیب المرجئة والقدریّة انزلت فیهم آیة من کتاب الله انّ المجرمین فی ضلال وسعر الی آخر الآیة ۔ (ابن مردویہ) حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں دو گروہ ایسے ہوں گے جن کا اسلام میں کچھ بھی حصہ نہیں ۔ ایک مرجیۂ دوسرا قدریہؔ ان کے بارے میں کتاب اللہ کی یہ آیت نازل ہوئی ہے :۔ انّ المجرمین فی ضلال وسعر تا آخر" فقیر عرض کرتا ہے مرجیہ وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ سب کچھ تقدیر ہے اب کسی عمل کی ضرورت نہیں ۔ اور قدریہ وہ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ تقدیر کچھ نہیں جو کچھ ہے انسان کا عمل ہے ۔ یہ دونوں فریق اعتدال سے ہٹے ہوئے ہیں ۔ معتدل قول یہ ہے کہ سب کچھ تقدیر سے ہے انسان کو ہر اچھے کام میں لگا رہنا اور ہر بُرے کام سے بچے دور رہنا چاہیئے ۔ اسی کا نام تقوی ہے اور مومن کا تقوی بھی اوس کی تقدیر

ابن عباسؓ ابتدائً فرماتے تھے :۔ انی لاجد فی کتاب الله قوما یسحبون فی النار علی وجوھھم یقال لھم ذوقوا مس سقر لانّھم کانوا یکذبون بالقدر وانّی لا اراھم فلا ادری اشیئ کان قبلنا ام شیئ فیما بقی ۔ (ابن جریر) میں کتاب اللہ میں ایک قوم کو

پاتا ہوں جن کو اوندھے منہ دوزخ کی طرف گھسیٹا جائیگا اور اون سے کہا جائیگا کہ
دوزخ کا مزا چکھو۔ مگر اس کے مصداق کون ہیں وہ مجھے موجودہ لوگوں میں نظر
نہیں آتے ہیں۔ اب میں نہیں بتا سکتا کہ کیا یہ لوگ ہم سے پہلے تھے یا آئندہ
آنے والے ہیں۔"

قدریہ کا حشر آپ نے یہ بھی فرمایا:۔ انّہ سمع رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم یقول اذا کان یوم القیامۃ امر اللہ منادیا ینادی این
خصماء اللہ فیقومون مسوّدۃ وجوھھم مزرّقۃ عیونھم مائلا
شفاھھم یسیل لعابھم یقذرھم من رآھم فیقولون واللہ یا
ربنا ما عبدنا من دونک شمسا ولا قمرا ولا حجرا ولا وثنا قال
ابن عباس رضی اللہ عنہما لقد اتاھم الشرک من حیث لا یعلمون
..... ھم واللہ القدریون ثلاث مرات (ابن مردویہ) آپ نے
حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپؐ فرماتے تھے قیامت
ہوگی تو منادی کو اللہ سبحانہ کا حکم ہوگا وہ ندا کرے گا کہ اللہ سبحانہ کی مخالف
جماعت کہاں ہے۔ ساتھ ہی چند لوگ اوٹھیں گے سیاہ چہرے والے، نیلی
آنکھوں والے، جن کے ہونٹ لٹکے ہوئے ہوں گے اون کا لعاب بہتا ہوگا

جو کوئی اون کو دیکھے گا اون کو پلید سمجھے گا۔ وہ کہیں گے۔ قسم ہے پروردگار!
ہم نے نہ سورج کی پرستش کی اور نہ چاندکی، نہ کسی پتھر کی نہ بت کی۔ ابن عباسؓ
نے فرمایا یقیناً اون کے پاس شرک نامعلوم طریق سے آیا...... خدا کی قسم
یہی قدریہ ہیں۔ اس کو تین بار فرمایا"

قدریہ حضرت ابن عباسؓ کی نظر میں مجاہدؒ کہتے ہیں :۔ قلت
لابن عباسؓ ما تقول فیمن یکذب بالقدر، قال اجمع بینی وبینه
قلت ما تصنع به قال اخنقه حتّٰی اقتله۔ (عبدبن حمید) میں نے
ابن عباسؓ سے کہا کہ جو تقدیر کو جھٹلائے آپ اوس کے باب میں کیا فرماتے
ہیں۔ اونھوں نے کہا کہ ذرا اوس کو مجھ سے ملاؤ تو۔ میں نے کہا آپ اسکو
کیا کریں گے؟ فرمایا میں اوس کا گلا گھونٹ دوں گا تا آں کہ مرجائے"

تقدیر و تدبیر ابو عبدالرحمٰن سلمیؒ فرماتے ہیں:۔ لما نزلت ھذہ
الآیة انا کل شیئ خلقته بقدر، قال رجل یا رسول اللہ ففیم
العمل افی شیئ نستأنفه ام فی شیئ قد فرغ منه فقال رسول اللہ
صلی اللہ علیه وسلم اعملوا فکل میسر سنیسرہ للیسریٰ وسنیسرہ
للعسریٰ۔ (ابن جریر) جب آیہ کریمہ انا کل شیئ خلقته بقدر

نازل ہوئی تو ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (جب ہر چیز تقدیر کے
تحت ہے تو) عمل کا شمار کس میں ہے؟ کیا ہم اپنے عمل سے کوئی دوسرا سلسلہ
شروع کر رہے ہیں یا اس کا شمار اوسی میں ہے جس سے اللہ سبحانہ فارغ ہے؟
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم اپنا عمل کئے جاؤ۔ ہر شخص کیلئے
اوس کا اپنا کام سہل نظر آئے گا چاہے وہ کام سہولت کا ہو یا دشواری کا۔"
فقیر عرض کرتا ہے مومن کا یہی فریضہ ہے کہ وہ اپنے کام سے کام رکھے۔ کردنی کو
کرتا رہے اور ناکردنی کو چھوڑ دے اسی میں اوس کی خیر ہے یہ خیال نہ کرے کہ
اوس کی تقدیر کیا ہے۔ جو کام وہ کر رہا ہے وہی اوس کی تقدیر ہے۔ اس سے
آگے بڑھنا خطرناک ہے۔

مسئلہ تقدیر کی توضیح یہاں اس قدر سمجھ لینا کافی ہوگا کہ تقدیر کے معنی
اندازہ کرنے کے ہیں۔ اللہ سبحانہ تعالی نے بھلی یا بری چیز پیدا کرنے سے
بہت عرصہ پیشتر اپنے کمال علم لامتناہی سے ہر چیز کا ایک اندازہ لکھ رکھا ہے
علم الہی چونکہ کامل ہے اس لئے اوس کا اندازہ بالکل ٹھیک ہے اوس میں سرمو
فرق نہیں آسکتا۔ نہ کوئی چیز اوس اندازہ سے بڑھ سکتی ہے اور نہ گھٹ سکتی۔
یہ کمال علم ہے حکم سے اس کا تعلق نہیں۔ حکم کا تعلق صرف خیر سے ہے شر سے نہیں

یعنی اللہ سبحانہ کے اوامر صرف امور خیر سے متعلق ہوتے ہیں۔ ان اللہ یأمر بالعدل والاحسان اللہ انصاف کا حکم دیتا ہے اور بھلائی کا۔ "لا یأمر بالفحشآء۔ بے حیائی کا حکم نہیں دیتا۔" بلکہ ینھی عن الفحشآء والمنکر بے حیائی کے کام اور بری باتوں سے منع فرماتا ہے۔" اب بندہ ان احکام کی تعمیل جس حد تک بھی کرتا ہے وہ اپنے ارادے اور اختیار سے کرتا ہے اور اسی بنا پر وہ سزا و جزا کا مستحق و مستوجب قرار پاتا ہے۔ بندے کے کام میں اللہ سبحانہ حارج و مزاحم نہیں لہذا بندے سے جو اعمال بھی صادر ہوں گے بھلے یا برے اوس کے ارادے اور اختیار سے ہوں گے۔ اللہ سبحانہ کی جانب سے اوس میں مطلقاً مزاحمت یا رکاوٹ نہ ہوگی۔ اس اعتبار سے بندہ اپنے بھلے برے کام کا آپ ہی ذمہ دار ہوگا۔ اور اسی اعتبار سے اوس کی سزا و جزا پائے گا۔ یہ اور بات ہے کہ انجام جو کچھ ہونے والا ہے اللہ سبحانہ کو پیشتر سے معلوم ہے اور اوس کے ہاں لکھا ہوا ہے آخر الامر یوں کہہ سکتے ہیں کہ تقدیر ایسی ہی تھی۔ یوں ہرگز نہیں کہا جائے گا کہ حکم ہی ایسا تھا۔ واللہ الھادی

کلمح بالبصر کی تفسیر آمدم برسر مطلب۔ مجرمین کی سزا کا ایک وقت مقرر ہے۔ جب وہ وقت آتا ہے تو اون کی گرفتاری اور سزا میں دیر

نہیں لگتی۔ اسی مضمون کا آگے بیان آرہا ہے چنانچہ ارشاد ہے :۔ وما امرنا الا واحدۃ کلمح بالبصر ۔ اور ہمارا کام تو یہی ایک آن کی بات ہی جیسے پلک جھپکنا " یعنے جیسے پلک جھپکنے میں دیر نہیں لگتی یہی حال امرالٰہی کے اجرا ونفاذ کا ہے کہ اوس میں کچھ بھی تاخیر نہیں۔ یہاں پلک جھپکنے کا ذکر محض ہماری محدود معلومات اور ہمارے محاورے کی بنا پر ہے ورنہ بعض دفعہ نازک مزاج لوگ اس میں بھی تاخیر تصور کرتے ہیں۔ چنانچہ آصف بن برخیا نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے عرض کیا تھا انا آتیك به قبل ان یرتد الیك طرفك۔ میں تخت بلقیس، ملک سبا سے آپ کے حضور میں آپ کے پلک جھپکنے سے بھی پیشتر لا پہنچاؤں گا" چنانچہ اونہوں نے ایسا ہی پہنچا دیا۔ یہ صرف علم کتاب کی برکت تھی کہ ایک انسان ضعیف البنیان نے ایسا کرشمہ دکھایا۔ جو خالق ارض وسمٰوات ہو اور وہ جو کتاب کا نازل فرمانے والا ہو اوس کی قدرت کاملہ کا کیا ٹھکانہ۔ جلّ جلالہ وعظم شانہٗ۔

اھلکنا اشیاعکم کی تفسیر

ولقد اھلکنا اشیاعکم فھل من مدّکر ؟ اور تم جیسوں کو ہم برباد کر چکے ہیں تو کیا کوئی سوچنے والا ہے " یہ خطاب بھی کفار قریش سے ہے کہ خدا کی کتاب اور اوس کے رسولؐ کی تکذیب

جس طرح تم کر رہے ہو اس صفت کے لوگ تم سے پہلے بھی گزر رے اور ہم اون کو ہلاک کر چکے ہیں۔ اب تم میں کوئی سوچنے سمجھنے والا ہے تو اوس کو خوب غور و فکر کر لینا چاہیئے کہ اگر یہ وتیرہ آئندہ بھی جاری رہے گا تو جو حشر امم سابقہ کے مکذبین مجرمین کا ہوا ان کا بھی ہو کر رہیگا۔ اب تم خود اپنا انجام سوچ لو۔

غور کیجئے کتنا بلیغ کلام ہے اور کس موثر انداز میں نصیحت کی جا رہی ہے کہ ابھی اصلاح حال کا موقع حاصل ہے اور یہ آخری تنبیہ دی جا رہی ہے۔ اس کے بعد مخاطب نہیں کیا جائے گا۔

کل شیئ فعلوہ فی الزبر کی تفسیر | وکلّ شیئ فعلوہ فی الزبرٖ وکلّ صغیر وکبیر مستطر، امم سابقہ اور قریش بلکہ تمام انسانوں نے جو جو کام کئے ہیں وہ سب اون کے نامہ اعمال میں لکھے موجود ہیں۔ اور ہر چھوٹا بڑا (کام) جس کسی سے بھی صادر ہوا (اچھا یا برا) وہ بھی (لوح محفوظ میں) لکھا جا چکا موجود ہے۔

کتابت اعمال | یہاں دو طرح کی کتابت کا ذکر ہے ایک یہ کہ انسان روزانہ جو کام کرتا ہے اوس کو کراماً کاتبین اعمال نامہ میں لکھتے جاتے ہیں قیامت میں وہ اعمال نامے بھی رکھے جائیں گے۔ دوسرا یہ کہ اس عالم کی آفرینش سے

قبلؔ اللہ سبحانہ نے اپنے کمال علم سے ہر ایک کے متعلق جو کچھ لوح محفوظ میں لکھ رکھا ہے وہ بھی محفوظ ہے۔ اگر دونوں کی مطابقت کی جائے تو ان میں کچھ بھی فرق نہ ہوگا۔ اب کس کی مجال ہوگی کہ اپنے کئے ہوئے سے انکار کرے یا اوس میں کسی کمی، بیشی، تقدیم تاخیر، تغیر و تحریف کا ادعا کر سکے؟ جب صورت حال یہ ہے تو خیر اسی میں ہے کہ آج ہی سے راہ مخالفت چھوڑ دے اور اپنی بندگی کا اقرار کر لے اور اوامر کی پابندی اور نواہی سے دور رہنے کی سعی کرے تاکہ اوس کا شمار مومنین، متقین میں ہو۔ مجرمین کی فہرست سے اوس کا نام خارج ہو جائے۔ پھر متقین پر جو انعامات الٰہی ہونگے اون کے مقام اعلےٰ کا ذکر فرماتا ہے۔

ان المتقین فی جنّت کی تفسیر

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ۝ 54-54
فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ۝ یقین جانو کہ پرہیزگار 54-55
لوگ (آخرکار) باغات اور چشموں میں ہوں گے۔ سچائی کی مجلس میں، کامل اقتدار والے مالک کے قرب میں" سبحان اللہ! کیا ہی سہانی جگہ ہے اور اللہ اکبر کیا قرب و وصال ہے۔

متقین کون ہیں؟

یہاں متقین سے مراد کیا ہے؟ مفسرین کرام کے

دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ کفر و معاصی سے بچنے والے۔ دوسرا یہ کہ کفر سے بچنے والے۔ فقیر عرض کرتا ہے کہ اگرچہ یہ دو قول ہیں جو ابتدائی حالات کے لحاظ سے ہیں لیکن نتیجۃً دونوں کا مآل ایک ہی ہے۔ آغاز اور انجام کا فرق ہے۔ کفر و معاصی دونوں سے بچنے والے' ان کا کیا پوچھنا؟ یہ اول الامر جنت میں جا پہنچیں گے ان کی فضیلت اور اولیت میں کس کو کیا کلام ہو سکتا ہے؟ اس اعتبار سے یہ تفسیر اپنی جگہ بالکل ٹھیک ہے۔ رہا مومنین کا دوسرا گروہ جو کفر سے تو بچا ہوا تھا لیکن میدانِ عمل میں سابقین اولین کا ساتھ نہ دے سکا۔ اس سے لغزشیں بھی ہوئیں اور خطائیں بھی' گناہ بھی سرزد ہوئے صغائر بھی بلکہ کبائر بھی حقوق اللہ بھی اس کے ذمہ ہوں گے اور حقوق الناس بھی۔ یہ سب کچھ ہوا لیکن ایمان میں فرق نہ آیا۔ کفر سے ہمیشہ دور رہا یہ گروہ ظاہر ہے کہ اول مرحلہ جنت میں نہ جا سکے گا اسے اپنے اعمال کی جوابدہی کرنی ہوگی۔ حساب کتاب ہونے تک اور دیگر مراحل طے ہونے تک نہ معلوم کتنی دیر لگ جائے اور کتنا عرصہ گزر جائے۔ قیامت کا ایک دن' دنیا کے پچاس ہزار برس کے برابر ہوگا عذاب دوزخ سے قطع نظر حساب و کتاب میں

مناقشہ یہ بھی عذاب ہے۔ اللہ سبحانہ اپنے فضل وکرم سے محفوظ رکھے آمین
کیوں کہ حدیث شریف میں ہے:۔ من نوقش الحساب فقد عذب۔
اور اگر خدانخواستہ باندازہ گناہ دوزخ بھی دکھائی گئی تو خدا جانے پھر
چھٹکارا کب ہو۔ ان ہی حالات کے پیش نظر، اصلاح عمل کی تاکید اکید
قدم قدم پر فرمائی گئی ہے اور آمنوا کے ساتھ وعملوا الصالحات
بار بار فرمایا گیا ہے۔

بہر حال مومن عاصی پر ایک وقت ضرور آئیگا کہ وہ بھی جنت میں
داخل ہو گا۔ اور یکبارگی داخلہ جنت کے بعد پھر اوس کو وہاں سے نکالا
نہ جائے گا۔ وہ آغاز تھا تو یہ انجام ہے۔ نتیجہ کے اعتبار سے دوسری
تفسیر بھی بجائے خود درست ہے اسی وجہ سے ترجمہ میں ہم نے بین القوسین
(آخر کار) لکھا ہے تاکہ دوسری تفسیر کی صحت کی جانب بھی اشارہ ہو جائے
الغرض جنت اور اوس کی نہریں جزا ہیں تقوے کی جو متقین کو ملیگی۔

مقعد صدق کی تفسیر مقعد صدق (سچائی کی جگہ) یہ صدقے
مومن کی تصدیق کا، جبکہ تمام کفار، مشرکین، منافقین و ملحدین، اللہ کی
کتابوں اور اوس کے رسولوں کی تکذیب کر رہے تھے اور اوس پر اڑے

ہوئے تو مومن ان کتابوں اور رسولوں کی تصدیق کر رہا تھا اور اپنی تصدیق پر وقت آخر تک جما رہا گو وہ گوناگوں گناہوں میں مبتلا و آلودہ رہا اس تصدیق کی جزا اوس کو مقعد صدق کی صورت میں ملیگی اور وہ ملیک مقتدر کے قرب میں ہوگا یہاں وہ لطف ہوگا کہ اگر یہ نہ ہو تو جنت اور نعیم جنت کی بھی کچھ حقیقت نہیں۔ مگر چونکہ یہ قرب و وصال جنت میں آنکے بعد ہوگا اور اہل جنت ہی کو میسر ہوگا اسی لئے مومن کو جنت کا طالب گار اور امیدوار بتایا گیا ہے۔

مقعد صدق کی فضیلت مقعد صدق کی فضیلت اس اعتبار سے بھی ہے کہ جنت میں جو نعمتیں ہونگی اون کا دنیا کی نعمتوں پر قیاس مشکل ہے۔ پھر اسمار کی مناسبت سے اون کا ذکر فرمایا گیا ہے نعیم جنت کی تفصیلات قرآن کریم اور احادیث شریفہ میں بکثرت بیان ہوئی ہیں۔ قرب و وصال میں جو لطف ہے اوس کو مبہم ہی رکھا گیا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے صرف اسقدر لطیف اشارہ فرما دیا ہے کہ فیھا ما لا عینٌ رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر۔ وہاں وہ چیزیں اور وہ لطف ہوں گے جن کو نہ کسی کی آنکھ نے کبھی دیکھا اور نہ کسی کے کان کبھی اوس سے آشنا ہوئے اور نہ کسی بشر کے

قلب ہی میں کبھی اوس کا خطرہ آیا نہ اندازہ ہو سکا" حقیقت یہ ہے کہ "لطف قرب ووصال" مقولہ کیف سے ہے۔ اور یہ قرب وصال اوس ذات سبحانہ تعالیٰ کا ہے جو بے کیف ہے۔ بے کیف کی کیفیت کس طرح بیان ہو سکے ع لطف مے تو چشی نشناسی بخدا تا نہ

اللھم انا نسئلك الشوق الی لقائك ولذۃ المنظر الی وجھك الکریم

اللہ سبحانہ تعالیٰ کا محض فضل وکرم ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کے تصدق میں یہ دولت جاوید اہل ایمان کے نصیب میں رکھی ہے ہم گنہگار امتی اس پر جس قدر مسرور ہوں کم ہے۔

سعید بن المسیبؓ کا واقعہ سعید بن المسیبؒ فرماتے ہیں:۔ دخلت المسجد وانا اری انی اصبحت فاذا علیّ لیل طویل ولیس فیہ احد غیری فنمت فسمعت حرکۃ خلفی ففزعت فقال ایھا الممتلئ قلبہ فرقا لا تفرق اولا تفزع وقل اللھم انك ملیك مقتدر ما تشاء من امر یکون ثم سل ما بدالك قال فما سألت اللہ تعالیٰ شیئا الا استجاب لی۔ (ابن ابی شیبہ) میں مسجد میں گیا اوس وقت میرا خیال یہ تھا کہ صبح ہو چکی ہے حالاں کہ ابھی بہت رات تھی اور وہاں میرے سوا کوئی نہ تھا میں لیٹ گیا تو میرے پیچھے سے کچھ آہٹ آرہی تھی میں گھبرا گیا۔ (آنے والے نے) کہا اے وہ شخص جس کا دل خوف سے بھرا ہوا ہے

مت ڈرو یا مت گھبراؤ اور یوں کہو: — اللھم انك مليك مقتدر ما تشاء من امر يكون۔ اے اللہ! تو اقتدار والا بادشاہ ہے تو جو چاہے وہ ہو کر رہتا ہے۔" اس کے بعد جو چاہو دعا کرو۔ سعید بن المسیبؒ فرماتے ہیں یہ دعا پڑھ کر اللہ سبحانہ تعالیٰ سے میں نے جو دعا کی وہ قبول ہوئی۔" سعید بن المسیب تابعی ہیں ان کے والد مسیب بن حزن رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی تھے۔ سعید کبار تابعین میں شمار کئے جاتے ہیں محدثین کرام کا اتفاق ہے کہ ان کے مرسل احادیث بھی مرفوع کے حکم میں ہیں۔ اسماء حسنیٰ میں مليك مقتدر ان دو جلیل القدر ناموں کی برکت دیکھئے کہ کیا تاثیر رکھتے ہیں۔ یہ اسماء ہیں۔ مسمٰی کی شان کیسے ہوگی؟ کم از کم یہ مختصر سی دعا پیش نظر رکھئے واللہ الموفق۔

(الحمد للہ کہ سورۂ قمر کی تفسیر ختم ہوئی)

اللھم انك مليك مقتدر ما تشاء من امر يكون

وفقنا لخدمة القرآن الكريم لما تحب وترضى۔

ربنا اتمم لنا نورنا واغفر لنا انك على كل شيئ قدير

وصلى الله تعالى وسلم على خير خلقه سيدنا محمد وعلى اٰله وصحبه اجمعين۔

(۲۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۴ھ۔ دوشنبہ)

55 Rahmaan
Makky
Aayaath 78

(۵۵) سُورَۃُ الرَّحْمٰنِ

یہ سورت مکی[1] ہے اور اس میں اٹھتر[2] آیتیں ہیں

سورۃ الرحمٰن زینت قرآن

سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا۔ آپؐ فرماتے تھے :۔ لکل شیئ عروس وعروس القرآن الرحمٰن ۔ (بیہقی) ہر چیز کی ایک زینت ہوتی ہے اور قرآن کی زینت (سورۃ) الرحمٰن ہے" اس وجہ سے اس سورت کو عروس القرآن بھی کہتے ہیں ۔

---

[1] حضرت ابن عباس اور عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے اس سورت کے مدنی ہونے کی بھی روایات ہیں لیکن خود ابن عباسؓ، اسماء بنت ابی بکرؓ ام المومنین عائشہ صدیقہؓ ابن زبیرؓ سے روایات ہیں کہ یہ سورت مکیہ ہے اور یہی قول جمہور کا ہے۔ اس لئے ہم نے اسی کو اختیار کیا ہے ۔ واللہ اعلم ۔

[2] ۔ قراء بصرہ کے نزدیک اس کی آیات (۷۶) اور قراء حجاز کے ہاں (۷۷) اور قراء کوفہ کے پاس (۷۸) ہیں ۔ واللہ اعلم ۔

سورۃ الرحمٰن کی فضیلت جناب سیدہ حضرت فاطمۃ الزہرا علی ابیہا وعلیہا الصلوٰۃ والسلام فرماتی ہیں کہ حضور اکرم نے ارشاد فرمایا:۔ قاریٔ الحدید واذا وقعت الواقعۃ والرحمٰن یدعی فی ملکوت السمٰوات والارض ساکن الفردوس (بیہقی بروایت ضعیفہ[1]) سورۂ حدید، واقعہ اور الرحمٰن کے پڑھنے والے کو ملکوت سماوات وارض میں وسط جنت میں رہنے والے کے نام سے بلایا جاتا ہے۔" سبحان اللہ! یہ کیسی فضیلت ہے؟

سورۃ الرحمٰن شرح سورۂ قمر سورۂ قمر کے بعد سورۃ الرحمٰن کی مناسبت ظاہر ہے کہ سورۂ قمر کے اخیر میں قیامت، نیز مجرمین اور متقین کا اجمالاً ذکر آیا تھا۔ اس سورت میں اون کا بیان تفصیل سے آرہا ہے گویا یہ سورت، سورتِ ماقبل کی شرح ہے۔ چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ سورت ماقبل میں قیامت کے باب میں ارشاد ہوا تھا:۔ بل الساعۃ موعدھم والساعۃ ادھی وامر بلکہ اون کے وعدہ کا وقت، قیامت ہے

---

[1] بیہقی نے اس روایت کو اگرچہ ضعیف تلایا ہے لیکن حدیث شریف کا تعلق چوں کہ فضائل سے ہے اور فضائل میں حدیث ضعیف بھی حجت ہے۔ یعنی محدثین کرام اس کو مستند تصور کرتے ہیں اسی لئے ہم نے اس کو یہاں درج کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

اور ساعت قیامت نہایت کٹھن اور تلخ ہے۔ اور مجرمین کے باب میں آیا
تھا۔ انّ المجرمین فی ضلال و سعر یقیناً مجرمین گمراہی میں ہیں جن کا
مقام دوزخ ہے "۔ اور متقین کے باب میں تھا:۔ انّ المتقین فی جنّٰت
و نھر۔ یقیناً متقین، باغات اور نہروں میں ہوں گے "۔ یہاں ان امور
ثلاثہ کی تفصیل آرہی ہے۔

٥٥ (الرحمٰن ١-٤)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع ہے اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان اور نہایت رحم والا ہے " 55-1

اَلرَّحۡمٰنُ ۙ عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ ؕ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ ۙ عَلَّمَہُ الۡبَیَانَ ۝ 55-2

رحمٰن نے سکھایا قرآن ' بنایا آدمی پھر سکھایا اوس کو بات کرنا " 55-3

ایک نکتہ ابوحیانؒ کہتے ہیں کہ سورت ماقبل کے ختم پر عند ملیك 55-4
مقتدر ارشاد ہوا تھا۔ یعنی متقین پورے اقتدار والے
مالک کے حضور میں ہوں گے "۔ تو سوال ہوتا تھا کہ وہ کون ہے؟ ارشاد
ہوا:۔ وہ " رحمٰن " ہے۔ جس کی رحمت کی کوئی حد نہیں۔ بے پایاں رحمت
والا۔ حدیث شریف میں ہے:۔ رحمٰن الدنیا و رحیم الآخرۃ۔
دنیا میں عام رحمت والا اور آخرت میں خاص رحمت والا "

عرض فقیر فقیر عرض کرتا ہے کہ اللہ سبحانہ کی رحمت عامہ جو دنیا اور اہل دنیا پر ہے ایسی بے نہایت ہے کہ ہر چیز اوس سے متمتع ہو رہی ہے یہاں تک کہ خدا کا منکر (کافر، زندیق، ملحد، بلکہ ابلیس) بھی اوس سے فائدہ اٹھا رہا ہے یہ معنی ہیں رحمٰن الدنیا کے۔ اور رحمت خاصہ جو آخرت کی ہے وہ مخصوص طور پر اہل ایمان کے لئے ہے اوس میں غیر مومن کا کوئی حصہ نہیں۔ اگر رحمت آخرت سے بہرہ ور ہوتا ہے تو ایک ہی صورت ہے کہ ایمان لائیں۔

الرحمٰن کی تفسیر "الرحمٰن" گو اسم صفت اور صیغہ مبالغہ ہے لیکن اپنی وسعت و عظمت کے لحاظ سے اسم ذات کا حکم رکھتا ہے یہی سبب ہے کہ جملہ اسماء حسنیٰ پر اس کو تقدم حاصل ہے۔ اسم ذات "اللہ" کے بعد رحمٰن ہی کو جگہ دی جاتی ہے۔ ارشاد باری ہے :۔ قل ادعوا اللہ او ادعوا الرحمٰن اے نبی کریم! آپ فرما دیجئے کہ تم اوس کو اللہ کے نام سے یاد کرو یا رحمٰن کہہ کر پکارو۔" حضور انور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے عہد مبارک میں جب کبھی کسی کا نام عبدیت کے ساتھ رکھا جاتا تھا تو عبد اللہ یا عبد الرحمٰن ان ہی دو میں سے کوئی ایک نام رکھا جاتا تھا۔ قرآن کریم میں بھی عبدیت کے ساتھ ان ہی دو اسماء حسنیٰ کو لایا گیا ہے۔ قال انی عبد اللہ (مریم)

انہ لما قام عبد اللہ (جن) وعباد الرحمٰن (فرقان) ۔ دیگر اسماء حسنیٰ کیساتھ عبدیت کو ملانے کا طریقہ عہد صحابہ و تابعین میں رائج ہوا۔ رحمٰن کے بعد رحیم کا مقام ہے یہی وجہ ہے کہ رحمٰن کی صفت رحیم کے ساتھ ہی لائی جاتی ہے جو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے ثابت ہے۔

بہرحال رحمٰن بھی اسم ذات ہی ہے جو تمام اسماء وصفات کا جامع ہے۔ اس سورت کریمہ میں جن جن نعمتوں اور آیات کا بیان آیا ہے وہ اسی بنا پر ہے۔ واللہ اعلم۔

امام غزالیؒ کی تصریح امام غزالیؒ فرماتے ہیں:۔ الرحمٰن ھو العطوف علی العباد بالایجاد اوّلاً وبالھدایۃ الی الایمان واسباب السعادۃ ثانیاً والاسعاد بالآخرۃ ثالثاً والانعام بالنظر الی وجھہ الکریم رابعاً۔ "رحمٰن" وہی ہے جو بندوں پر بے حد مہربان ہے کہ اولاً اون کو عدم سے وجود میں لایا اور ثانیاً اسباب سعادت پیدا کرکے اون کو ایمان کی رہبری فرمائی، اور ثالثاً سعادت آخرت سے سرفرازی بخشی اور رابعاً اپنی ذات کریم کی رویت کا انعام مقرر فرمایا۔" اب کوئی ہے جو اس رحمت بے پایاں کی قدر کرے؟

قرآن کریم نعمت عظمیٰ ہے انسان چونکہ عجول (جلد باز) اور ظلوم و جہول واقع ہوا ہے اس لئے اللہ سبحانہ نے اپنی رحمت کاملہ سے اس سورۃ کریمہ میں اپنی ہر نوع کی نعمتوں کا بیان فرمایا خواہ وہ دنیوی ہوں یا اخروی، جسمانی ہوں یا روحانی، آفاقی ہوں یا انفس سے تعلق رکھتی ہوں جلی ہوں یا خفی۔ پھر ان نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت، جو تمام قسم کی نعمتوں کی جامع ہے اوس کا بیان سب سے مقدم تر فرمایا کہ اگر کم از کم اس کی قدر کی جائے تو ساری نعمتوں کا حصول اوس کے لئے ممکن ہو اور معلوم ہو کہ یہ بھی اوس کی رحمانیت ہی کا اقتضا ہے ارشاد ہے :۔

علّم القرآن کی تفسیر عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ۔ (اوسی رحمٰن نے) قرآن کریم کی تعلیم دی اور اس کا اہتمام فرمایا۔ سورۂ نجم میں ارشاد ہوا تھا :۔

عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى۔ مضبوط قویٰ اور زبردست قوتوں والے فرشتے (جبرئیلؑ) اس کی تعلیم دی۔ یہاں یہ وضاحت فرمادی کہ وہ اہتمام بھی "رحمٰن" ہی کا تھا معلم حقیقی "رحمٰن" ہے اوسی نے جبرئیلؑ کے واسطہ سے وہ سارا انتظام فرمایا تھا۔ جبرئیلؑ تو صرف واسطہ اور ذریعہ تھے۔ ورنہ کجا انسان ضعیف البنیان، اور کجا قرآن، جس کا تحمل، زمین اور آسمانوں، اور

بلند بلند پہاڑوں سے نہ ہوسکا اور جس کے آگے بڑے بڑے پہاڑ بھی پاش پاش اور ریزہ ریزہ ہو رہے تھے۔ ایسے قرآن کو سہل سے سہل تر بنا یا اور سورۂ قمر میں بار بار فرمایا: — ولقد یسرنا القرآن۔ ہم ہی نے قرآن کو آسان کیا۔" اور یہاں ارشاد ہو رہا ہے کہ رحمٰن ہی نے قرآن کی تعلیم دی اب غور کرنا چاہئے کہ اس میں رحمٰن کی کیسی کیسی بے پایاں رحمتیں کارفرما ہیں؟

حاملینِ قرآن کی فضیلت

یہی سبب ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا: — اشراف امتی حملۃ القرآن و اصحاب اللیل۔ میری امت میں سب سے بلند مرتبہ وہ لوگ ہیں جو قرآن کے حامل یعنی اوس کے عالم، حافظ، عامل اور رات والے ہیں۔" جو راتوں کو اوٹھ اوٹھ کر قرآنِ کریم کی تلاوت کرتے رہتے ہیں۔ نماز میں بھی اور خارج نماز بھی۔ اور یہ بھی ارشاد فرمایا: — خیرکم من تعلّم القرآن و علّمہ۔ تم میں سب سے بہتر وہی ہے جس نے قرآن سیکھا اور دوسروں کو اوس کی تعلیم دی۔" بس اسی تعلم و تعلیم میں وہ لگا رہا اور اسی میں اوس کی عمر گزری۔ کیوں نہ ہو یہ عمل جبرئیل علیہ السلام، سنتِ ہبوطِ وحی و تنزیل، اور صفت ذاتی رب جلیل تعالیٰ — ہے۔

اللہ اکبر کبیرا والحمد للہ کثیرا وسبحان اللہ بکرۃ واصیلا۔

تخلیق انسان اور تعلیم بیان خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ۔ انسان کو پیدا کیا' اوس کو بات کرنی سکھائی "۔ یہاں سے دوسری تیسری نعمت کا بیان ہو رہا ہے۔ عدم سے وجود میں لانا جس کی تعبیر خَلَقَ سے کی گئی ہے یہ بھی نعمت ہے پھر اوس کو ما فی الضمیر کے اظہار کا طریقہ اور سلیقہ سکھانا یہ بھی نعمت ہے اور ہر نعمت بجائے خود ایک ایک نعمت عظیمہ ہے جس کی کوئی قیمت نہیں ہو سکتی۔ اور یہ سب کچھ مفت' بلا محنت' بغیر کسی عمل کے جو انسان نے کیا ہو۔ ایسی عظیم الشان نعمتیں انسان کو بلا تخصیص احدے یوں ہی بخش دی گئیں کہ ان سے مدۃ العمر فائدہ اٹھاتے رہو۔ اور اگر دانائی اور سمجھ سے کام لو تو ایسے فوائد بھی حاصل ہو سکتے ہیں جو انسان کے لئے ابدالآباد کار آمد و مفید ہوں۔ بلاشبہ یہ رحمٰن کا عطیہ ہے۔

تفسیر سلف صالحین ابن جریج رحؒ فرماتے ہیں:۔ آدم بیّن لہ سبیل الھدی وسبیل الضلالۃ۔ (ابن المنذر) یعنی آدم کو پیدا کیا اور آپؑ کو راہ ہدایت' اور راہ ضلالت' دونوں واضح طور پر بتا دیے "۔

قتادہؒ کہتے ہیں:۔ آدم علمه الله بیان الدنیا والآخرة بیّن حلالہ وحرامه لیحتج بذالك عليه ولله الحجة على عباده

(عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر) آدمؑ کو اللہ نے دنیا اور آخرت کی ساری تعلیم دی، اللہ نے کن چیزوں کو حلال ٹھہرایا اور کن کو حرام سب کچھ بتادیا۔ تاکہ ہر موقع پر اوس کے بتائے ہوئے طریقہ سے اپنے دعوے کی دلیل پیش کرتے رہیں اور بندوں پر اللہ سبحانہ کی حجت ہی غالب ہے۔"

حضرت آدمؑ سات لاکھ زبانیں جانتے تھے

بحر العلوم میں ہے:۔ خلق الانسان ای آدم و علّمه الاسماء واللغات کلها وکان آدم یتکلّم بسبعمائة الف لغة افضلها العربية

اللہ سبحانہ نے آدمؑ کو پیدا کیا اور اون کو تمام اسماء اور تمام زبانیں سکھائیں چنانچہ آپ سات لاکھ زبانوں میں گفتگو فرماتے تھے جن میں عربی ہی سب سے زیادہ فضیلت والی زبان تھی۔"

"بیان" کی تفسیر میں اور اقوال بھی ہیں جن کو بخوف طوالت نظر انداز کیا جاتا ہے۔ آگے ارشاد ہے:۔

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۝ وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ ۝ 55:5 55:6

(۵۵) رحمٰن (۵، ۶)

سورج اور چاند ایک حساب پر ہیں' اور چھوٹے جھاڑ (بیلیں وغیرہ) اور درخت سجدہ کرتے ہیں۔"

الشمس والقمر بحسبان کی تفسیر قتادہؒ کہتے ہیں:۔ بحساب الی اجل (عبد بن حمید' ابن جریر' ابن المنذر) سورج اور چاند ایک مقرر کردہ حساب پر رواں ہیں جن کی روانی ایک مدت تک ہے۔"

ابو مالکؓ فرماتے ہیں:۔ علیھما حساب واجل کاجل الناس فاذا جاء اجلھما ھلکا۔ (عبد بن حمید' ابن المنذر) یہ دونوں بھی ایک حساب پر اور ایک مدت کے لئے ہیں جیسے لوگوں کا ایک وقت مقرر ہے۔ جب ان کا وقت مقررہ آجائے گا تو یہ بھی فنا ہو جائیں گے۔" نہ سورج رہیگا اور نہ چاند ۔ع یہ سب تجھی یہ مٹیں گے رہیگا تو باقی ۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ بحساب ومنازل یرسلان۔ (فریابی' عبد بن حمید' ابن جریر' ابن المنذر' ابن ابی حاتم' حاکم بروایت صحیحہ) ان کا ایک حساب ہے اور ان کے منازل مقررہ ہیں جن پر یہ رواں ہیں۔"

نظام علویات علویات کا بیان ہو رہا ہے کہ سورج اور چاند کا طلوع وغروب' گھٹنا بڑھنا' یا ایک حال پر رہنا' موسموں کی تبدیل' سفلیات پر

تاثیر اس کا ایک خاص حساب، ضابطہ اور نظام ہے کہ اس میں تخلف ممکن نہیں یہ سلسلہ ایک وقت معہود تک قائم رہیگا جب تک خدائے رحمٰن کو منظور ہو۔ انسان کو بھی اسی نظام کے تحت اپنا فرض انجام دینا ہے۔ اور اپنی دنیا و آخرت کو سنوارنا ہے یہ اوسی وقت ممکن ہے کہ زندگی کے ایک ایک لمحہ کو غنیمت جانے اور رحمٰن کے بتائے ہوئے طریقہ پر چلتا رہے جس کی رہنمائی قرآن کریم اور اوس کے رسول فرماتے ہیں۔

نجم و شجر میں فرق اسی طرح سفلیات میں سے چھوٹے جھاڑ اور بڑے بڑے تناور درخت ہیں کہ اون کا بھی ایک خاص نظام ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ النجم ما انبسط علی الارض والشجر ما کان علی ساق (ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابوالشیخ، حاکم بروایت صحیحہ) "نجم" وہ پودے جو زمین پر پھیلے ہوئے ہیں یعنی بیلیں، اور "شجر" وہ درخت جو تنہ پر کھڑے ہوں۔

ابو رزینؒ کی تصریح یہ ہے:۔ النجم ما ذھب فرشا علی الارض لیس لہ ساق والشجر ما کان لہ ساق، ظلھما سجودھما۔ (ابن جریر، ابوالشیخ) جو زمین پر بچھے ہوئے ہوں اور اون کی تنہ نہ ہو وہ "نجم" ہے اور جس کی تنہ ہو وہ "شجر" ہے اور ان کا سایہ ان کا سجدہ ہے۔" جو

سجدہ کرنے والے کی طرح زمین پر پھیلا ہوا ہے۔

درختوں کا سجدہ کرنا پودوں، بیلوں کا سجدہ تو ظاہر ہے کہ یہ زمین پر اسی طرح پھیلے ہوئے ہیں جیسے انسان بحالت "سجود" زمین پر ہاتھ، پاؤں، گھٹنے، ماتھا ٹیک دیتا ہے۔ تناور درختوں کی نسبت بھی محققین نے تصریح کی ہے کہ بعض درخت رات کو اسی طرح لیٹے رہتے ہیں جیسا کہ انسان رات کو سو جاتا ہے۔ اس اعتبار سے درختوں کا سجدہ اصلی معنی میں ہوا۔

اہل سیر نے لکھا ہے کہ درختوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سجدہ کیا تھا۔ ایک دفعہ آپؐ نے اشارہ فرمایا تو درخت اپنی جگہ سے نکل کر حاضر خدمت ہوئے۔ پھر واپسی کے حکم پر واپس ہوئے۔ علامہ بوصیریؒ فرماتے ہیں: ؎

جاءت لدعوته الاشجار ساجدة　　تمشی الیه علی ساق بلا قدم

کانما سطرت سطراً لما کتبت　　فروعها من بدیع الخط فی اللقم

۲۔ درخت جب بار آور ہوتے اور ثمرہ سے لد جاتے ہیں تو ان کی شاخیں زمین پر جھک پڑتی ہیں۔ درختوں کے سجدے کی یہ دوسری صورت ہے۔ سعدیؒ فرماتے ہیں: ع تہد شاخ پرمیوہ سر بر زمیں۔

۳۔ ابورزینؒ کی روایت جو اوپر گزری کہ ظلّھما سجودھما۔ درختوں کا سایہ جو زمین پر پڑتا ہے یہی اون کا سجدہ ہے۔" درختوں کے سجدے کی یہ تیسری صورت ہے۔

۴۔ نباتات کا بھی ایک نظام ہے جو اللہ سبحانہ نے قائم فرمایا ہے۔ نہ نظام بدلتا ہے اور نہ نباتات اوس سے سرمو تجاوز کرسکتے ہیں۔ اسی کے تحت ضعیف البنیان انسان عالم نباتات پر حکمرانی کرتا ہے اور بڑے بڑے تناور درختوں کو کاٹتا، چیرتا، اون کے ٹکڑے اڑا دیتا ہے۔ جلا کر خاکستر بنا دیتا ہے مگر نباتات ہیں کہ خداوند تعالیٰ کے امر تسخیر کے آگے سر بہ سجود ہیں۔

ان جملہ اعتبارات کا لحاظ کرتے اللہ سبحانہ کا ارشاد والنجم والشجر یسجدان بجائے خود ہے۔ اس کے سمجھنے میں کچھ بھی دشواری نہیں ہے۔ اس سے انسان کو یہ سبق لینا چاہئے کہ نباتات تک جب اللہ سبحانہ کے آگے سر بہ سجود ہیں تو انسان کو نباتات سے پیچھے تو کسی حال میں نہ رہنا چاہئے۔ ورنہ اشرف المخلوقات کے لئے ننگ و عار کی صورت ہوگی۔

وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ ۝ أَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ ۝ 55-7
وَأَقِيمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ ۝ اور آسمان کو 55-8
55-9

بلند کیا اور رکھی ترازو کہ بڑھا کر نہ لو تول میں، اور سیدھا رکھو تول کو انصاف سے

اور نہ گھٹا کر دو تول کو۔"

میزان کی تفسیر علویات کے سلسلے میں آسمان کا بیان ہوا کہ دیکھو کیسا بلند ہے (اور اس کے مقابل زمین کی پستی کا بیان آگے آرہا ہے) ان دونوں کے درمیان، میزان عدل قائم ہے۔ آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر۔ چنانچہ عام دستور یہی ہے کہ تولنے اور وزن کرنے کے موقع پر ترازو کو معلق رکھا جاتا ہے۔ ترازو کے دو پلڑے ہوتے ہیں۔ ایک میں تولنے کے باٹ رکھے رہتے ہیں اور دوسرے میں تولنے کی جنس رکھی جاتی ہے۔ یہ دونوں پلڑے ایک ڈنڈی کے دو کناروں سے بندھے ہوتے ہیں۔ ڈنڈی کے بیچوں بیچ "لسان المیزان" ہوتی ہے جس کو تولنے والا اپنے ہاتھ میں تھامے رہتا ہے اس کے بعد ترازو کو اُٹھا کر دیکھ لیا جاتا ہے، اگر ڈنڈی سیدھی رہے تو یہ علامت ہے کہ تول برابر ہے اور اگر کسی طرف جھکی ہوئی ہو تو فوراً کمی زیادتی معلوم ہو جاتی ہے۔

قیامِ عدل کی ضرورت اس طرح ترازو قائم کرنا، ناپ تول کا طریقہ سکھانا، اور اس کی کمی زیادتی کو اس طرح واضح کر دینا، اور ہر ایک کے حق کی

حفاظت کرتا۔ غور کرو کہ یہ اللہ سبحانہ کی کیسی گراں قدر نعمتیں ہیں۔ قتادہؒ کہتے ہیں:۔ اعدل یا ابن آدم کما تحب ان یعدل علیك واوف کما تحب ان یوفی لك فان العدل یصلح الناس۔ (ابن جریر ابن المنذر) ابن آدم! عدل کیا کر اور اوس پر قائم رہ جس طرح تجھے پسند ہے کہ تیرے مقابلے میں عدل کا برتاؤ ہو۔ اور پورا پورا تول کر دیا کر جیسا تجھے پسند ہے کہ تجھے بھی پورا پورا تول کر دیا جائے۔ کیوں کہ عدل ہی لوگوں کو ٹھیک حالت پر قائم رکھتا ہے۔"

اصلاح نیت سفیان بن عیینہؒ کہتے ہیں:۔ الاقامۃ بالید والقسط بالقلب۔ یعنی ارشاد باری تعالیٰ اقیموا الوزن بالقسط میں اقیموا سے مراد، ترازو کو ہاتھ میں سیدھی رکھنا ہے کہ اوس کی ڈنڈی اِدھر اُدھر نیچے اوپر نہ ہونے پائے اور بالقسط کا تعلق، قلب سے ہے یعنی دل میں بھی یہ خیال رہے کہ ناپ تول منصفانہ رکھیگا۔ کمی زیادتی نہ کریگا" کیوں کہ اصل انسان کا دل ہے۔ اگر دل کی اصلاح نہ ہو تو ہاتھ پاؤں کا عمل درست نہ ہوگا۔ نیز یہ کہ یہاں کی میزان، میزان آخرت کا پیش خیمہ ہے۔ یہاں عمل کی جو صورت ہوگی اوسی کی جزا آخرت میں ملیگی۔ مولانا رومیؒ فرماتے ہیں:۔

چوں ترازوئے تو کج بود و دغا راست چوں جوئی ترازوئے جزا

حدیث شریف ہے:۔ بالعدل قامت السمٰوات والارض۔ عدل ہی کی بدولت آسمان و زمین قائم ہیں۔" اگر زمین و آسمان کا توازن برخاست ہو جائے تو سارا انتظام کائنات درہم برہم ہو جائے۔ یہی سبب ہے کہ ان آیات کریمہ میں "وزن اور میزان" کے الفاظ بار بار لائے گئے ہیں تاکہ قیام عدل کی تاکید ہو۔ اور ہر مستحق کو اس کا حق پہنچانے کی اہمیت معلوم رہے۔

وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ۙ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ 55-10
الْاَكْمَامِ ۖ[1] وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ[2] وَالرَّيْحَانُ ۚ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ[3] 55-11
رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ اور زمین کو بچھایا مخلوق (جن و انس) کے لئے 55-1
55-1

لہ الکم مدخل الید و مخرجها من الثوب ج اکمام و کِمَمۃ والکِمّ وعاء الطلع والغلاف الذی ینشق عن الثمر و یحیط بہ سمّی کِمًّا لانہ یستر ما تحتہ ج اکِمَّۃ واکمام وکمام واکامیم (محیط المحیط) کپڑے میں جہاں سے ہاتھ ڈالتے اور نکالتے ہیں یعنی آستین، اس کو کُمّ کہتے ہیں اس کی جمع اکمام و کِمَمۃ آتی ہے۔

اوس میں میوہ ہے اور کھجوریں غلاف والی' اور اوس میں اناج ہے بھوسہ والا'

(بقیہ حاشیہ لہ صفحہ گذشتہ)

اور خوشہ کی تھیلی اور غلاف جس کو شق کرکے ثمرہ برآمد ہوتا ہے اوس کو کِمؓ کہتے ہیں جو ثمرے پر محیط رہتا ہے چونکہ یہ ثمرے کو چھپائے رکھتا ہے اس لئے اوس کو کِمؓ کہتے ہیں اس کی جمع اَکِمَّۃ' اَکْمام' کِمام' اکامیم' آتی ہے"

۲ہ ورق کل شیئ عصف یخرج منه الحبّ یبدوا وّلا ورقا ثم یکون سوقا ثم یحدث الله فیه اکماما ثمّ یحدث فی الاکمام الحبّ ۔ (محیط المحیط) ہر چیز کا پتہ' عصف کہلاتا ہے جس سے دانے نکلتے ہیں۔ (سلسلہ یوں ہے:۔) پہلے پتہ نکلتا ہے پھر ساق بنتی ہے پھر اللہ تعالیٰ اوس میں غلاف پیدا کرتا ہے پھر غلاف میں دانے پیدا ہوتے ہیں"

۳ہ الریحان نبات طیّب الرائحة او کلّ نبات کذلك او اطرافه او ورقه وقد غلب عند العامّة علی الاٰس ج ریاحین ۔ والریحان ایضا الولد والمعیشة والرزق (محیط المحیط) "ریحان" ایک خوشبودار پودا ہے جس کو سبزہ کہتے ہیں۔ نیز ہر خوشبودار نبات' یا اوس کے کناروں اور پتوں کو بھی "ریحان" کہتے ہیں عامۃ الناس سبزہ کو "ریحان" کہتے ہیں۔ اس کے معنی پھول کے بھی ہیں اور اولاد' معیشت اور رزق کو بھی ریحان کہتے ہیں" فقیر عرض کرتا ہے کہ یہاں ریحاں سے پھول ہی مراد ہیں۔ واللہ اعلم۔

اور خوشبودار پھول ہیں۔ پھر اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں تم دونوں جھٹلاؤ گے۔"

"انام" کی تفسیر میں حسب ذیل اقوال ہیں:۔

۱۔ انام سے تمام لوگ مراد ہیں۔" (فریابی، ابن ابی حاتم عن ابن عباسؓ)

۲۔ انام سے مخلوق مراد ہے۔" (ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم عنہ)۔

۳۔ کل شیئ فیہ روح (ابن جریر عنہ) ہر چیز جس میں جان ہے۔"

۴۔ کل شیئ یدبّ علی الارض (ابن المنذر عن الضحاک) ہر ایک چیز جو زمین پر چلتی ہے۔"

۵۔ الجنّ والانس۔ (ابن جریر ابن المنذر عن الحسنؒ) "انام سے جن انس مراد ہیں"

فقیر عرض کرتا ہے کہ ازروئے لغت انام کے وہ سب معانی ہیں جو حضرت ابن عباسؓ اور ضحاک کی روایات میں مذکور ہوئے اور ظاہر ہے کہ یہ سب زمین پر رہتے بستے اور اوس سے فائدہ اُٹھاتے ہیں مگر یہاں حسب روایت حسن بصریؒ جن وانس مراد ہیں۔ کیوں کہ اس سورت مبارکہ میں شروع سے آخر تک ان ہی دو گروہ سے خطاب ہو رہا ہے۔ دوسری مخلوقات ضمنی ہیں۔ واللہ اعلم۔

طلبۂ دینیات سے خطاب | اس روایت کی رو سے اضمار قبل الذکر کی

بحث بھی یہاں پیدا نہیں ہو سکتی جس کو بعض مفسرین نے یہاں چھیڑ کر اوس کے دفعیہ کی کوشش کی ہے۔ جب انام سے جن و انس مراد ہیں تو ان سے فبای آلاء ربکما تکذبان کا خطاب درست ہوا۔ اب کسی تاویل و توجیہ کی حاجت نہیں رہی۔

نظام سفلیات یہاں سے نظام سفلیات کا بیان ہو رہا ہے کہ اوسی رحمٰن نے زمین کا فرش بنایا جس پر عالم سفلی کی کائنات رہتی بستی، چلتی پھرتی، اپنے تمام کام کاج کرتی اور اپنی جملہ ضروریات کی تکمیل اپنی پیدائش سے لیکر وفات تک کرتی رہتی، اور بعد وفات بھی اوس میں آرام کرتی ہے اور حشر میں وہیں سے دوبارہ زندہ ہو کر برآمد ہو گی۔ اس کا نظام بھی ایسے مستحکم طریق پر ہے کہ خدا تعالیٰ کی رحمت ہی رحمت نظر آتی ہے۔

نباتات نباتات پر نظر ڈالو جو زمین سے اُگتے ہیں۔ قرآن کریم کا نزول چوں کہ ارض مقدس حجاز میں ہوا اس لئے وہاں کی سب سے بڑی نعمت کھجوروں کا بیان مقدم لایا گیا کہ کھجوریں پیدا ہوتی ہیں تو اون کی ٹوپی اور غلاف ہوتا ہے کیسی حفاظت کی گئی ہے کہ اس سے بہتر

اور کوئی طریقہ نہیں ہو سکتا۔ کھجوریں میوہ بھی ہیں اور انسانوں کی غذا بھی اون کی گٹھلیاں وہاں مخصوص جانوروں (اونٹوں) کی غذا ہیں۔ کھجوروں کے اتنے اقسام ہیں کہ عقل حیران ہوتی ہے۔ مشہور ہے کہ صرف مدینہ پاک میں ایک سو ایک قسم کی کھجوریں ہوتی ہیں۔ جو حجم' ذائقہ' نفاست' اور اپنے مخصوص افعال و خواص کے لحاظ سے ممتاز ہیں: ؎

نخل بستان مدینہ ز تو سر سبز مدام　　زاں شدہ شہرۂ آفاق بشیریں رطبی
مرحبا سید مکی مدنی العربی　　دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

مطعومات اناج اور غلے جو کھائے جاتے ہیں اس کا بھی ایک مستقل نظام ہے۔ ان پر بھس ہوتا ہے اور یہی بھوسہ جانوروں کی خوراک ہے۔ انسانی غذا اور جانوروں کی خوراک کا کیسا باقاعدہ انتظام ہے۔ پالتو جانور چوں کہ انسانوں کی خدمت میں رہتے ہیں اون کی خوراک کا اہتمام بھی انسانی غذا کے ساتھ کیا گیا کہ اوس کے لئے علیحدہ اہتمام کی حاجت نہیں۔ انسان اپنی غذا کے لئے کوشش کرے اوسی کے ضمن میں جانوروں کی خوراک بھی مہیا ہو جائے گی۔

مشمومات انسان اشرف المخلوقات ہے۔ اوسکی نفاست' پاکیزگی'

طہارت، ستھرائی مقتضی تھی کہ اوس کی حاجت خوراک ہی کی حد تک محدود نہ رہے۔ وہ دماغی کام کرتا ہے۔ غور و فکر میں حصہ لیتا ہے۔ حواس ظاہری سننے، دیکھنے، سونگھنے، چکھنے اور چھونے کے علاوہ، حواس باطنی، خیال، حس مشترک، فہم و ادراک، حافظہ اور عقل کے زیور سے بھی وہ آراستہ ہے، محسوسات سے معقولات کی دریافت کرتا ہے تو ضرورت تھی کہ قوائے باطنی کی نشو و نما، بالیدگی اور ترقی کے لئے ایسی خوشبودار چیزیں بھی ہوں جن کے استعمال سے اوس کے علم و فہم اور تجربہ کی ترقی ہوتی رہے اس لئے پھول، ریحان، مشک، عنبر، کافور، بخور، عطریات کا سامان کیا گیا جس کی بدولت انسان اپنے قیام و بقا کے ساتھ ہر جہتی ترقی میں لگا رہے۔ یہ تمام سامان مہیا کر کے سوال ہو رہا ہے:

تفسیر فبای آلاء ربکما تکذبان	فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ۔

(اے گروہ جن و انس! جب یہ نظام علوی و فضائی و سفلی جس میں یہ سب کچھ سامان تمہارے رہنے بسنے، کھانے پینے، امن و چین کا ہے یہاں تک کہ سونگھنے اور ہر طرح کے آرام و آسائش کا انتظام بھی رحمٰن نے اپنی رحمت کاملہ سے فرما دیا ہے) تو پھر اپنے پروردگار کی کن کن

نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

تکرار آیات اور مفسرین کی تصریحات قرآن کریم میں بعض آیات کا ایک ہی سورت میں کئی کئی دفعہ اعادہ ہوا ہے۔ مثلاً سورۂ قمر میں جو ابھی ابھی گزرا آیۂ کریمہ ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر چار دفعہ آئی ہے اور اس سے پیشتر سورۂ شعراء میں آیۂ کریمہ اِنّ فی ذلك لآیة وماکان اکثرھم مومنین وانّ ربّك لھو العزیز الرحیم۔ آٹھ دفعہ آچکی ہے۔ اور والمرسلات میں آیۂ کریمہ "ویل یومئذ للمکذبین"۔ دس دفعہ مذکور ہے۔ اور سورۃ الرحمٰن عروس القرآن میں" فبای آلاء ربکما تکذبان کا اعادہ و تکرار اکتیس (۳۱) دفعہ ہے۔ اس کی نسبت مفسرین کرام کے آراء حسب ذیل ہیں:۔

قاضی بیضاویؒ ۱۔ قاضی بیضاویؒ آیہ ولقد یسرنا القرآن کی نسبت فرماتے ہیں:۔ کہ ذلك فی کل قصّة اشعار بانّ تکذیب کلّ رسول مقتض لنزول العذاب واستماع کلّ قصّة مستدع للادّکار والاتّعاظ واستینا فا للتنبیه والاستیقاظ لئلّا یغلب علیھم السھو والغفلة وھکذا تکریر قوله فبایّ آلاء ربّکما تکذبان وویل

يومئذ للمكذّبين ونحوهما۔ ہر قصہ کے بعد اس آیہ کریمہ کی تکرار اس لئے ہے کہ ہر پیغمبر کی تکذیب نزول عذاب کی مقتضی ہے اور ہر واقعہ پر کان دھرنا اوس کو یاد رکھنے اور اوس سے نصیحت لینے کو چاہتا ہے اور جداگانہ تنبیہ کے ذریعہ بیدار کرنا مقصود ہے تاکہ سننے والوں پر سہو و غفلت کا غلبہ نہ ہونے پائے۔ یہی حال آیہ فبأی آلاء ربکما تکذبان اور ویل یومئذ للمکذبین وغیرہ کی تکرار کا ہے۔"

سلیمان الجملؒ ۲۔ علامہ سلیمان الجملؒ فرماتے ہیں:۔ ان تکریرہ فی کل جملۃ قبلھا من نعمۃ صریحۃ اوضمنیۃ فکرّر للتنبیہ والایقاظ — آیہ فبایّ آلاء کی تکرار اس بنا پر ہے کہ اوس سے پہلی آیت یا آیات میں کوئی نہ کوئی صریح یا ضمنی نعمت کا بیان ہے لہذا اوس پر تنبیہ کرنے اور سامع کے ذہن کو چونکانے کے لئے اس آیہ کا اعادہ ہوا ہے۔"

علم الہدیٰؒ ۳۔ علم الہدیٰؒ فرماتے ہیں:۔ التکریر فی سورۃ الرحمٰن انّما حسن لاجل التقریر بالنعم المختلفۃ المعدودۃ فکلما ذکر نعمۃ انعم بھا وبخ علی التکذیب بھا کما یقول الرجل لغیرہ الم احسن الیک بالاموال الم احسن الیک بکذا وکذا فیحسن التکریر

لاختلاف ما یقرر بہ ۔ سورۂ رحمٰن میں تکرار اس لئے مستحسن ہے کہ
مختلف نعمتوں کا شمار کرکے اون کو ثابت کیا گیا ہے پھر جہاں کسی نعمت کا
ذکر ہوا اوس کی تکذیب یا ناقدری کی بنا پر توبیخ کی گئی جیسے ایک شخص
دوسرے سے کہتا ہے کیا میں نے مال و متاع دیکر تجھ پر احسان نہیں کیا
کیا ایسا احسان تیرے ساتھ نہ کیا، کیا ایسا نہ کیا؟ لہذا ایک ایک تکریر
ایک ایک نعمت کی تقریر ہے ۔ یہ مستحسن امر ہے "

برہان القرآن ۴ ۔ برہان القرآن میں ہے :۔ تکررت الآیة
احدی و ثلاثین مرة ثمان منها ذکرها عقیب آیات فیها
تعداد عجائب خلق اللہ و بدائع صنعه و مبدء الخلق و معادہم
ثم سبع منها عقیب آیات فیها ذکر النار و شدائدها علی
عدد ابواب جهنم و حسن ذکر الآلاء عقیبها لان فی خوفها و دفعها
نعما توازی النعم المذکورة او لانها حلت بالاعداء و ذلك یعد
من اکبر النعماء و بعد هذہ السبع ثمان فی وصف الجنات و اهلها
علی عدد ابواب الجنة و ثمان اُخری بعدها للجنتین اللتین دونهما
فمن اعتقد الثمانی الاولی و عمل بموجبها استحق کلتا الثمانیتین

من اللہ ووفاہ اللہ السبع السابقۃ ۔ اہل علم فرماتے ہیں کہ آیہ کریمہ فبأی آلاء ربکما تکذبان کی تکرار (۳۱) دفعہ عمل میں آئی جن میں سے (۸) آٹھ دفعہ کی تکرار عجائب قدرت، اور مبدأ و معاد کے بعد ہوئی ہے پھر اون میں سے (۷) سات دفعہ دوزخ اور اوس کی ہولناکیوں کے بعد ہوئی ہے ۔ یہ تعداد ابواب دوزخ جو سات ہیں اوس کے مطابق ہے ۔ اس[عه] کے بعد (۸) آٹھ دفعہ جنت اور اہل جنت کے بیان کے بعد اوس کا اعادہ فرمایا گیا ہے اور یہ عدد ابواب جنت کی تعداد کے عین مطابق ہے ۔ اس کے بعد مزید (۸) دفعہ کی تکرار اون جنتوں کے بعد ہوئی ہے جو سابقہ جنتوں کے سوا ہیں ۔ لہٰذا جس نے سابقہ آٹھ ابواب جنت کا اعتقاد رکھا اور اس کے بموجب عمل کیا تو دوسرے آٹھ ابواب جنت سے داخل ہونے کا مستحق ٹھہرا ۔ اور دوزخ کے ساتوں ابواب سے محفوظ ہوا ۔" گویا ابواب دوزخ' تمام کے تمام اوس پر مسدود ہوئے ۔ اور کل ابواب جنت اوس پر مفتوح ہوئے ۔ اس کے علاوہ اور آٹھ ابواب جنت اوس کے ہاتھ آئے ۔ ذلک فضل اللہ ۔

آیہ فبای آلاء میں تکرار نہیں ہے	مفسرین کرام کی یہ تصریحات

عه ان آیات کے بعد بھی آلاء کا لفظ لایا جانا اسلئے مستحق قرار پایا کہ یہ تخویفات اور ڈراوں کا دفعیہ بھی نعمت ہے جو مذکورہ نعمتوں کا ہم پلہ ہے یا یوں سمجھو کہ وہ تخویفات دشمنوں کے لئے ہیں جو دوستوں کے حق میں نعمت سے کم نہیں ۔

بلا شبہہ قابل قدر ہیں کہ آیۂ کریمہ فبأیّ آلاء ربکما تکذبان کا اعادہ (۳۱) دفعہ ہونے کے باوجود بھی اس میں تکرار نہیں۔ ہر موقع کے لحاظ سے ایک جداگانہ مفہوم یہ آیۂ کریمہ پیش کر رہی ہے جس سے قاری تازہ بہ تازہ طریقہ اگر لطف قرأت حاصل کرتا ہے تو سامع کو بھی ہر اعادہ پر تازہ لطف سماعت حاصل ہوتا ہے۔ اور جن حضرات کی نظر معانی و مطالب پر ہے اون کا کیا پوچھنا کہ ہر ہر نوبت پر ایک جدید ربط و تعلق ماقبل و مابعد کی بدولت نئے انداز بیان اور نئے طرز غور و فکر کی دعوت دی جا رہی ہے۔ اور بحیثیت مجموعی ایسا موزوں دلچسپ سماں پیدا ہو رہا ہے جو قلب و دماغ کو منور کرتا حواس ظاہری اور مشاعر باطنی کو جلا دیتا اور روح انسانی پر علوم و عرفان کے دروازے کھولتا اور ہر کہ و مہ کو وجد میں لاتا ہے۔

جماعت جنّ کا جواب یہی سبب ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نے صحابۂ کرامؓ کی جماعت میں ایک دفعہ اس سورت کریمہ کی تلاوت کے بعد ارشاد فرمایا:۔ مالی اسمع الجن احسن جوابا لہا منکم قالوا وماذا یا رسول اللہ قال ما اتیت علی قول اللہ فبای آلاء ربکما تکذبان الا قالت الجن لا بشیٔ من نعمۃ

ربنا نکذب۔ (ابن جریر عن ابن عمرؓ) کیا بات ہے کہ قوم جنّ کو تمہارے مقابلے میں اپنے پروردگار تعالیٰ کا بہترین جواب دینے والی قوم پاتا ہوں۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ کیسے؟ آپؐ نے فرمایا کہ اس سورت کو پڑھتے پڑھتے جب کبھی میں ارشاد باری تعالیٰ فبای الاء ربکما تکذبان پر پہنچا جس میں یہ سوال ہو رہا ہے کہ اے جن و انس! تم اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کی تکذیب کروگے" تو تمام جنّ یک زبان ہوکر اس سوال کا ہر دفعہ یہ جواب دیتے تھے:- لا بشیٔ من نعمۃ ربنا نکذب۔ ہم اپنے پروردگار کی کسی نعمت کی تکذیب نہیں کرتے"۔ مطلب یہ کہ جس طرح اس سوال کا ہر دفعہ یہ جواب تمام جنّ دے رہے تھے ایسا ہی جواب، ہر سوال پر انسان بھی دینا چاہیئے۔ یہ نہیں کہ سوال تو سنتے جائیں اور جواب کی نوبت پر چپ چاپ خاموش رہیں۔

ابن عباسؓ کا عمل چنانچہ مجاہدؒ کہتے ہیں کہ:- ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما جب کبھی فبای آلاء ربکما تکذبان پڑھتے یا اس آیہ کریمہ کو کسی سے سنتے تو جواب میں یہ فرماتے:- لا باتیھا یا رب۔ اے ہمارے پروردگار ہم کسی بھی نعمت کی تکذیب نہیں کرتے۔ نہ کریں گے"۔

آیۂ فبای آلاء کو سُن کر جواب دینا مستحب ہے	علمائے کرام فرماتے ہیں کہ اس آیۂ کریمہ کو سننے کے موقع پر سامع کو لا بشیٔ من نعمۃ

ربنا نکذب یا لا بایھا یا رب کہنا مستحب ہے۔ بلکہ اس کے بعد فلک الحمد کا اضافہ بھی کرنا چاہئے جیسا کہ بعض روایات میں ہے۔ بات یہ ہے کہ اس طرح جواب دینے سے سامع بھی قاری کا شریک حال ہو جاتا ہے اور اس اشتراک عمل سے ایک خاص کیفیت سامع و قاری پر ہوتی ہے جو دوسروں کو بھی متاثر کئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ اور بار بار اس سوال و جواب کا تبادلہ عجب اثر آفریں ہوتا ہے جی چاہتا ہے کہ قاری بار بار یہ سوال کرتا جائے اور سامع کی طرف سے اوس کا یہ جواب ادا ہوتا رہے اور لطف سوال و جواب ترقی پاتے پاتے وہ محویت تامہ پیدا ہو کہ ماسوی اللہ کا خیال دل سے جاتا رہے۔ مولانا رومیؒ فرماتے ہیں :ـ

باز گو از نجد و از یاران نجد تا در و دیوار را آری بوجد

اگر اس کی قراءت خارج نماز ہو تو بالاتفاق تمام ائمہ کرام کے مسالک کی رو سے سامع کا جواب بالجہر دیا جانا بھی جائز ہوگا۔ اور اگر یہ قراءت نماز میں ہو تو حضرت امام اعظمؒ کے نزدیک بالسر یعنی آہستہ

دبی آواز سے جواب دینا چاہئے جیساکہ سورۂ فاتحہ کے ختم پر آمین کہنے کا حکم ہے ۔ واللہ اعلم ۔

عرض فقیر فقیر عرض کرتا ہے کہ قرآن کریم کا نزول ایسے عہد میں ہوا جب کہ عرب میں فصاحت و بلاغت کا دور دورہ تھا۔ بچہ بچہ پردہ نشین عورت، بلکہ باندی غلام تک، خطابت اور شعر گوئی میں کمال رکھتے تھے کسی مجمع اور میلہ میں سو سو شعر کا قصیدہ فی البدیہہ سنا دینا اون کے لئے معمولی بات تھی ۔ اس کے ساتھ ساتھ اون کے کلام میں گوناگوں محسّنات وصناعات بھی پائے جاتے تھے جس سے لطف کلام دوبالا ہوتا تھا۔ قرآن کریم نازل ہونے لگا تو فصاحت و بلاغت کے وہ نمونے پیش کئے جو اپنی آپ نظیر تھے اور شان اعجاز رکھتے تھے۔ جس کے آگے بڑے بڑے فصحاء و بلغاء کی گردنیں خم تھیں ۔ از آں جملہ کلام عرب میں ایک صنعت وہ تھی جس کو "ترجیع" کہتے ہیں۔ یعنی ایک ہی مصرعہ یا بیت کا کسی کلام میں بار بار اعادہ کرنا۔ اگر کسی بیت کا اعادہ ہو تو اصطلاح شعراء میں اوس کو "ترجیع بند" کہتے ہیں۔ یہ صنعت شعرائے عرب و عجم دونوں میں مروج و مقبول ہے ۔

ترجیع کی ایک مثال کلام عرب سے

چنانچہ کلام عرب سے اوس کا صرف ایک نمونہ بطور مثال پیش کیا جاتا ہے مزید مثالیں بخوف طوالت نظر انداز کی جاتی ہیں۔ یہ عربی شاعر مُہلہل نامی کا ایک مرثیہ ہے جو اپنے دوست کُلیب کی وفات پر لکھا تھا: ؎

علی ان لیس عدلا من کلیب　　اذا ما ضیّم جیران المجیر
علی ان لیس عدلا من کلیب　　اذا رجف العضاہ من الدبور
علی ان لیس عدلا من کلیب　　اذا خرجت مخبّاۃ الخدور
علی ان لیس عدلا من کلیب　　اذا ما اعلنت نجوی الامور
علی ان لیس عدلا من کلیب　　اذا خیف المخوف من الثغور
علی ان لیس عدلا من کلیب　　غداۃ تأثّل الامر الکبیر
علی ان لیس عدلا من کلیب　　اذا ما خار جاش المستجیر

ترجیع بند کلام عجم میں

شعرائے عجم میں بھی اس کی مثالیں آپ کے پیش نظر ہوں گی کہ کسی نے سعدیؒ کے قطعہ ذیل کا اعادہ کیا:—

بلغ العلےٰ بکمالہ　　کشف الدجیٰ بجمالہ
حسنت جمیع خصالہ　　صلوا علیہ وآلہ

اور کسی نے قدسیؒ کی اس بیت کو اپنے چند اشعار کے بعد بار بار پیش کیا:-

مرحبا سید مکی مدنی العربی دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

شعراء کے گلدستوں کا مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو سکتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ایسے اعادہ و تکرار سے کلام میں ایک لطف خاص پیدا ہوتا ہے۔ ایسے نمونے اور مثالیں قرآن حکیم میں بھی متعدد جگہ موجود ہیں جن کی نشان دہی ہم نے اس آیہ کریمہ کی تفسیر کے ابتدائی حصہ میں کی ہے لیکن اگر تتبع و تلاش کی جائے تو معلوم ہوگا کہ بڑے سے بڑے شاعر کے کلام میں بھی ایسا اعادہ دس بارہ دفعہ سے زیادہ نہیں پایا جاتا۔ بلکہ دس بارہ دفعہ کی تکرار ہی میں کلام پھیکا، بے رونق ہوتا دکھائی دیگا اور یہ محسوس ہوگا کہ مضمون کی آمد ختم ہو رہی ہے اور آورد سے کام لیا جا رہا ہے جو تکلف سے خالی نہیں۔

ترجیع کلام پاک کی دل کشی قربان اس کلام پاک کے کہ اس ترجیع و اعادہ سے دل کشی اور دل آویزی بڑھتی ہی جاتی ہے نیز شعراء کے کلام میں مقررہ چار چھ دس بیس مصرعوں کے اندر اوس کا اعادہ ہو تو وہ رکیک اور بے مزہ ہو جاتا ہے۔ لیکن یہاں ذوق و شوق اس درجہ

بڑھتا جارہا ہے کہ اس آیہ کریمہ کے اعادہ کا جو انداز' آغاز کلام میں تھا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مخاطب کے لئے اوس کی برقراری مشکل سے مشکل تر ہوتی جارہی تھی۔ اور سننے والوں کا صبر و شکیب اتنے انتظار کا متحمل نہیں ہوسکتا تھا۔ اس لئے اوس اعادہ کے فصل کو کم کرتے کرتے ایک آیت بلکہ ایک کلمہ تک پہنچا دیا گیا۔ پھر بھی تکرار و اعادہ کا وہی لطف برقرار بلکہ اوس میں اضافہ اور ترقی ہی کارفرما ہے۔ پھر اوس کو ایک خاص انداز کے ساتھ بڑھاتے ہوئے بے مثال نمونہ پر ختم کیا گیا ہے۔ با ایں ہمہ مزید لطف یہ ہے کہ اس میں تکرار و اعادہ نہیں کیوں کہ فبای الاء ربکما تکذبان کے معنی ہر موقع و محل کے لحاظ سے جداگانہ ہیں۔ جس کی کسی قدر توضیح آگے آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ شعراء کی ترجیع و اعادہ میں یہ بات نہیں۔

آلاء کے معنی آلاء کے معنی عام طور پر مفسرین کرام نے "نعمت" کے لکھے ہیں۔ ارباب لغت کی تصریحات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ نیز ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ کی روایات جو اوپر گزریں وہ بھی اسی کی مؤید ہیں۔ اور اس کی کچھ تحقیق آیہ کریمہ فبأی آلاء ربك تتماریٰ کی تفسیر کے ضمن میں "سورۂ والنجم" میں بھی گزر چکی ہے لیکن امام ابن جریر طبریؒ

اپنی سند متصل سے روایت کرتے ہیں :۔ قال ابن زید فی قوله فبای آلاء ربکما تکذبان قال الآلاء القدرة فبای الائه تکذب خلقکم کذا وکذا فبای قدرة الله تکذبان ایها الثقلان الجن والانس۔ حضرت ابن زیدؒ نے فبای آلاء ربکما تکذبان کی تفسیر میں فرمایا کہ آلاء سے "قدرت" مراد ہے۔ یوں ارشاد ہو رہا ہے کہ اے مخاطب! تو خدا کی کس کس قدرت کی تکذیب کریگا۔ تم کو اوس نے ایسا ایسا بنایا ایسا پیدا کیا۔ پھر اے گروہ جن وانس! تم اللہ کی کس کس قدرت کی تکذیب کروگے؟"

بہرحال الاء کے معنی نعمتوں کے بھی ہوسکتے ہیں اور قدرت بھی اوس کے معنی ہیں۔ اور ہر دو معنی بجائے خود صحیح و درست ہیں۔ اگر نعمت کے معنی مراد لئے جائیں تو نعمت بالذات یا بالواسطہ مراد ہوگی۔ اگر قدرت یا اوس کی نشانی و کرشمہ مراد ہو تو یہ معنی بھی بموجب روایت مذکورہ درست ہوں گے۔ اور یہ دونوں معنی سلف سے ماثور و منقول ہیں۔ واللہ اعلم۔

تقریر بالا کا ماحصل | ارشاد ہو رہا ہے کہ رحمٰن ہی کی ذات ہے

جس نے قرآن کی تعلیم دی، انسان کو پیدا کیا، اوس کو بات کرنا سکھایا،
سورج اور چاند کا حساب قائم کیا۔ تمام درخت تنہ والے اور بے تنہ
(بنائے جو) اوسی رحمٰن کے آگے سجدہ کرتے ہیں۔ آسمان کو بلند کیا اور
اوس کے نیچے ترازو قائم کی تاکہ ترازو کے تول میں سرکشی نہ کرو۔ وزن ٹھیک
رکھو اور ترازو ٹیڑھی نہ رکھو۔ اور زمین کو جن و انس اور تمام مخلوقات
کے لئے پست کیا۔ اوس میں ہر قسم کے میوے اور غلاف والی کھجوریں ہیں،
نیز غلّے بھُس والے، اور خوشبودار چیزیں ہیں۔ لہٰذا اے گروہ جن و انس!
مذکورہ نعمتوں اور نشان ہائے قدرت میں سے (جن میں دلائل عقلیہ بھی
ہیں اور دلائل نقلیہ بھی۔ دلائل آفاق بھی ہیں اور دلائل انفس بھی)
تم کن کن دلائل کا انکار کرو گے اور کن کن کو جھٹلاتے جاؤ گے؟"
اس کا جواب یہی ہوگا کہ اے بیحد مہربان اور بے نہایت رحم والے!
مذکورہ نعمتوں اور نشان ہائے قدرت میں سے ہم کسی نعمت و نشان
قدرت کا انکار نہیں کر سکتے اور نہ کسی چیز کی تکذیب کر سکتے ہیں آپ کی
ذات تعریف والی ہے اور مستحق شکر:۔

شکر نعمت ہائے تو چندانکہ نعمت ہائے تو عذر تقصیرات ما چندانکہ تقصیرات ما

۵۵ (الرحمٰن) آیت ۱۴-۱۶

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۝ وَخَلَقَ الْجَآنَّ 55-
مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ بنایا انسان کو 55- 55-

ؔ۱ صلصال فعلال من قولهم صلّ اللحم اذا انتن وتغيّرت ريحه كما قيل من صرّ الباب صرصر ومن كبّ كبكب (ابن جرير) صلصال بروزن فعلال عرب کے محاورہ صلّ اللحم سے ماخوذ ہے یہ اوس وقت کہتے ہیں جب گوشت میں بو پیدا ہو اور اوس میں تغیر آجائے۔ پھر صلّ کو صلصل بنا دیا گیا جیسا کہ صرّ الباب کو صرصر اور کبّ کو کبکب بنا دیا گیا"

ؔ۲ الفخار وهو الخزف شبّه بيانا لغاية يبس طينته والتركيب يدل عليه ومنه الفخور ولولا يبس دماغه لم يفخر ومنه الفرخ لانه تنشق البيضة عنه وكل يابس عرضة للتشقق ومنه الخزف لغاية يبوسة مزاجه۔ (نیشاپوری) فخّار سفال (ٹھیکرے) کو کہتے ہیں اس کی تشبیہ مٹی کے حد درجہ خشک ہونے کی بنا پر دی گئی ہے جس پر اس لفظ کی ترکیب دلالت کرتی ہے۔ فخور بھی اسی سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں فخر جتانے والا اترانے والا۔ اگر اوس کے دماغ میں خشکی نہ ہوتی تو وہ کبھی فخر نہ جتاتا۔ اسی طرح انڈے سے

مٹی سے جو پختہ سفال کی طرح کھنکھناتی ہے' اور بنایا جن کو آگ کے

رنگ برنگ شعلہ سے۔ لہٰذا اے گروہ انس وجن! تم اپنے پروردگار کی

کن کن نعمتوں اور قدرتوں کی تکذیب کروگے؟ یعنی کیا اس نعمت و

قدرت کو بھی جھٹلائے جاؤگے؟"

انسانی آفرینش کی نسبت تعبیرات قرآنیہ کی تطبیق	انسان کی آفرینش اور اوس کی تکوین سے متعلق قرآن کریم میں موقع اور

(بقیہ حاشیہ ۲ صفحہ گذشتہ)

چوزہ جو نکلتا ہے اوس کو فرخ کہتے ہیں (یعنی اس میں بھی وہی تین حرف ہیں ف۔ رخ اگرچہ اس کی ترتیب کچھ بدلی ہوئی ہے) کیونکہ انڈے کی اندرونی رطوبت خشک ہونے کے بعد اوس کا پوست شق ہوجاتا اور چوزہ اوس میں سے نکلتا ہے۔ اسی طرح ہر خشک چیز پارہ پارہ ہونیکے قابل ہوجاتی ہے۔ سفال کو بھی اوسکی خشکی کی بنا پر فخار کہتے ہیں"

۳ے المارج اللھب الصافی الذی لادخان فیہ من مرج اذا اضطرب و لعلھا المخلوطۃ بسواد النار من مرج الشئ اذا اختلط۔ (نیشاپوری)

صاف شعلہ جس میں دھواں نہ ہو اوس کو مارج کہتے ہیں جب کہ وہ حرکت کرتا ہو۔ نیز ہوسکتا ہے کہ آگ کی سیاہی میں مخلوط ہونے کی بنا پر اس کو مارج کہا گیا ہو کیونکہ کوئی چیز کسی میں مخلوط ہوجاتی ہے تو مرج الشئ کہتے ہیں "

محل کے لحاظ سے تعبیرات مختلف وارد ہوئی ہیں۔ من تراب، من صلصال، من طین، من طین لازب، من حمأ مسنون، من ماۤء مھین، من ماء دافق، من نطفۃ، من نطفۃ امشاج وغیرہ وغیرہ اس میں تضاد نہیں۔ ہر تعبیر ایک حقیقت اور واقعہ نفس الامری کا بیان ہے۔ ابتداءً خاک کا بورہ تھا۔ پانی میں بھیگنے کے بعد اوس کو ہوا دی گئی تو صلصال (کھنکھنانے والی مٹی) ہوئی۔ پھر اوس کو تر کیا گیا گوندھا گیا تو طین کہلائی۔ گوندھنے سے وہ لیس دار ہوئی تو لازب ہوئی۔ اوس کو آگ پر رکھا گیا تو حمأ مسنون گرم خمیر کی ہوئی بنی۔ یہ سلسلہ تخلیق ابوالبشر آدمؑ اور اون کی صورت گری کا تھا۔ آدمؑ سے اون کی ذریت پھیلی تو ماۤء و نطفہ کی صورت ہوئی۔ اب اوس پانی اور نطفہ کے تطورات اور ارتقائی مدارج ہیں۔ اس طرح انسان کی تخلیق کا بیان اوس کی جس حقیقت سے بھی شروع کیا جائے درست ہے۔

تخلیق جن اسی طرح دوسری مخلوق، یعنی جن کی آفرینش اور اونکی تکوین ہے کہ اون کی ابتداء آگ کے شعلہ سے ہوئی جس میں دھوا ں

نہ ہو۔ یہ شعلہ سرخ۔ سبز۔ زرد۔ نیلگوں۔ سیاہ۔ سفید اور ان کے درمیانی الوان لئے ہوئے رنگ برنگ کا ہوتا ہے۔ یہ تخلیق ابوالجان (ابلیس) کی تھی۔ اوس سے ذریت ابلیس کا توالد و تناسل ہے۔

تخلیق جن و انس میں دعوت غور وفکر

یہ سب انس و جن کی ابتدائی صورتیں تھیں یا ایسی بے جان چیزوں کو جان دار ہوش و حواس والا، چلنے، کھانے پینے، پھرنے، بولنے چالنے، سمجھنے بوجھنے والا غور وفکر والا بنایا گیا تو یہ کیسی نعمتیں ہیں کیا کیا سرفرازیاں ہیں؟ کوئی ذی ہوش اس کو فراموش کرسکتا ہے یا انکار کرسکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ مگر حیرت ہے کہ کافر دل و زبان دونوں سے اس کے منکر ہیں اور منافق زبان سے تو نہیں مگر دل سے منکر ہیں اس لئے سوال ہو رہا ہے فبأی آلاء ربکما تکذبان تم اپنے پروردگار کی ان نعمتوں اور بیشمار قدرتوں کا انکار تو نہ کروگے؟ جواب یہی ہے۔ لا بایّتھا یا ربّ۔ پروردگار! ان میں سے ہم کسی ایک نعمت کے بھی منکر نہیں۔ سب تعریف آپ ہی کے شایاں ہے۔

رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝ ۵۵ (۱۷) ۱۸ 55-1 55-1

(وہ رحمٰن) دونوں مشرقوں کا تربیت کرنے والا بھی ہے اور دونوں
مغربوں کا تربیت کنندہ بھی ہے پھر اے گروہ انس وجن! تم اپنے
تربیت کنندہ پروردگار کی کن کن نعمتوں کی تکذیب کرو گے؟"

رب المشرقین ورب المغربین کی تفسیر و توجیہ

ابن زیدؒ فرماتے ہیں:۔ اقصر مشرق فی السنۃ واطول مشرق فی السنۃ واقصر مغرب فی السنۃ واطول مغرب فی السنۃ (ابن جریر) سال تمام میں چھوٹے سے چھوٹے دن کے طلوع آفتاب کی جگہ اور بڑے سے بڑے دن میں طلوع آفتاب کی جگہ (یہ دو مشرق ہوئے اسی طرح) سال تمام میں سب سے چھوٹے دن کے غروب کی جگہ اور سب سے بڑے دن میں غروب کی جگہ (یہ دو مغرب ہوئے)۔

ابن ابزیؒ کہتے ہیں:۔ مشرقان تجری فیھما الشمس ستون وثلاثہ مائۃ فی ستین وثلاث مائۃ برج لکل برج مطلع لا تطلع یومین من مکان واحد وفی المغرب ستون وثلاث مائۃ برج لکل برج مغیب لا تغیب یومین فی برج۔ (ابن جریر)
دو مشرق (جاڑوں اور گرمیوں کے) جن میں آفتاب (کا طلوع اور

اس) کی نور پاشی تین سو ساٹھ (دن تک) تین سو ساٹھ برجوں سے جاری رہتی ہے، ایک برج سے دو دن کبھی طلوع نہیں ہوتا (ایسا ہی) مغرب میں بھی تین سو ساٹھ برج ہیں روزانہ ایک برج میں غروب ہوتا ہے ایک برج میں دو دن کبھی غروب نہیں ہوتا" اس اعتبار سے طلوع وغروب کا ابتدائی اور انتہائی ہر ایک نقطہ مل کر دو مشرق اور دو مغرب ہوئے۔ ان مشرقین اور مغربین کے درمیان جس قدر کائنات ہے اور ان سب کی تدبیر ایک مستقل نعمت ہوئی۔ پھر ان تمام چیزوں کی تسخیر جن وانس کے لئے یہ بھی ایک جداگانہ نعمت ہوئی اس لئے گویا یوں ارشاد ہو رہا ہے:۔ فبای نعم ربکما معشر الجن والانس من هذه النعم التی انعم بها علیکم من تسخیرہ الشمس لکم فی هذین المشرقین والمغربین تجری لکما دائبة بمرافقکما ومصالح دنیاکما ومعایشکما تکذبان (ابن جریر عن ابن زید) اے گروہ جن وانس! تمہارے پروردگار نے آفتاب کو تمہارا مسخر کرکے اوس کو ان مشرقین ومغربین میں ہمیشہ کے لئے رواں رکھ کے تمہارے منافع ومصالح اور معیشت کے جو

۵۵

سامان کئے ہیں اون میں سے کس کس کی تکذیب کروگے؟ بتاؤ کہ یہ
تمام انتظامات ہم نے کئے یا نہیں پھر ہم کو چھوڑ کر کہاں جاؤگے؟

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ ٥ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ ٥ فَبِاَيِّ 55-
اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ٥ ملادئے دو سمندر کہ ایک دوسرے سے 55-2 55-2
لگے ہوئے ہیں' اون دونوں کے درمیان ایک پردہ اور اوٹ ہے
جس کے باعث ایک دوسرے پر چڑھائی نہیں کرسکتے۔ پھر اپنے پروردگار کی
کن کن نعمتوں کو تم جھٹلائے جاؤگے؟

مرج البحرین کی تفسیر

دو سمندر سے بحر روم و بحر فارس مراد ہوں' جو زمین پر ہیں۔ یا زمین کا پانی اور آسمان کا پانی مراد ہو جو بجائے خود ہر ایک جداگانہ سمندر ہے۔ کیونکہ زمین سے بخارات چڑھ کر ابر کی شکل اختیار کرتے ہیں اور اوس میں پانی بھرا ہوتا ہے یا آسمان سے پانی برستا ہوا زمین پر گرتا ہے۔ اللہ سبحانہ نے ہر ایک کی ایک حد اور مقدار مقرر فرمادی ہے اوس کی بتائی ہوئی حد سے کوئی بھی سرمو تجاوز نہیں کرسکتا۔ زمین پر جو سمندر ہیں یہ بھی کئی جگہ ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ ان میں ایک شیریں ہوتا ہے دوسرا کھاری۔ لیکن اللہ سبحانہ کی قدرت ہے کہ

دو سمندر ملے ہوئے رہنے پر بھی مخلوط نہیں ہو جاتے۔ شیریں اپنی جگہ اور شور اپنی جگہ۔ قدرتی پردہ دونوں میں حائل ہے جو ایک دوسرے پر چڑھ آنے سے مانع ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر ایک کے جو مختصہ منافع ہیں وہ اپنی جگہ قائم ہیں۔ کیا کوئی اس کا بھی منکر ہو سکتا ہے؟ اور کیا کوئی مدعی بن سکتا ہے کہ یہ حائل ہونے والا پردہ' اللہ سبحانہ کا بنایا ہوا نہیں کسی اور کا ہے؟ ہر گز نہیں۔

يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا 55-22
تُكَذِّبَانِ ۝ نکلتے ہیں اون دونوں (سمندروں) سے موتی اور مونگے 55-23
لہٰذا تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

(۲۲، ۲۳) ۵۵

لؤلؤ اور مرجان کی تفسیر | "لؤلؤ" (موتی) کی نسبت حضرت ابن عباس کی روایت ہے:۔ اذا امطرت السماء فتحت الاصداف فی البحر افواھھا فما وقع فیھا من قطر السماء فھو اللؤلؤ۔ (ابن ابی الدنیا' ابن جریر' ابن المنذر' ابن ابی حاتم) جب آسمان سے پانی برستا ہے تو سمندر میں سیپیاں منہ کھولی رہتی ہیں۔ اون میں جو قطرے گرتے ہیں اون سے موتی بنتے ہیں۔" اس کی تائید میں اور بھی روایات ہیں۔

اور عام طور پر مشہور بھی یہی ہے۔ نیز یہ کہ موتی صرف ابر نیساں کے برسنے کے وقت بنتے ہیں۔ خریدۃ العجائب میں ہے :۔ اللؤلؤ یتکون فی بحر الھند و فارس۔ موتی بحر ہند میں (عدن کے پاس) اور بحر فارس میں پیدا ہوتے ہیں۔" اسی وجہ سے دُرِّ عدن مشہور ہے۔

"مرجان" کے متعلق روایات مختلف ہیں۔ کسی میں چھوٹے موتیوں کو "مرجان" بتلایا گیا ہے اور کسی میں بڑے موتیوں کو۔ لیکن خریدۃ العجائب میں ہے :۔ والمرجان ینبت فی البحر کالشجر واذا کلس المرجان عقد الزئبق فمنہ ابیض ومنہ احمر ومنہ اسود وھو یقوی البصر کحلا وینشف رطوبۃ العین۔ "مرجان" سمندر میں درخت کی طرح اُگتا ہے اور جب وہ گل جاتا ہے تو سیماب (پارہ) بنتا ہے۔ پارہ سفید ہوتا اور سرخ و سیاہ بھی۔ سیاہ کا سرمہ مقوی بصر ہے اور آنکھ کی رطوبت اس سے خشک ہو جاتی ہے۔" نیز مرجان کے متعلق لکھا ہے :۔ الخرز الاحمر المشھور سرخ رنگ کے منکے جو مشہور ہیں۔" یعنی جس کو "مُونگا" کہتے ہیں۔ عبداللہ بن مسعودؓ کی ایک روایت بھی اس کی مؤید ہے" ھو عروق حمر تطلع من البحر

کاصابع الکف (محیط المحیط) وہ سرخ کاڑیاں ہیں جو سمندر سے نکلتی ہیں ہاتھ کی انگلیوں کی مانند " اور یہی مشہور ہے ۔ واللہ اعلم۔

خُدا کی قدرت کہ ایک سمندر شیریں دوسرا کھاری مگر موتی مونگے دونوں سے نکلتے ہیں ۔ جیساکہ دونوں میں مچھلی پیدا ہوتی ہے اور عام طور پر اوس کا استعمال کیا جاتا ہے ۔ شیریں اور کھاری سمندر کی مچھلیوں کا گوشت، مساوی طور پر استعمال میں آتا ہے۔ دونوں کی قدر و قیمت یکساں ہے ۔ اون کے ذائقہ میں کچھ بھی فرق نہیں۔ مگر موتی کے متعلق بعض کی تحقیق یہ ہے کہ وہ صرف کھاری سمندر میں پیدا ہوتے ہیں شیریں میں پیدا نہیں ہوتے ۔ لیکن وہ ایسے ہی سمندر میں پیدا ہوتے ہیں جہاں دو سمندر ملتے ہیں جیسے مجمع البحرین۔ جس طرح نر و مادہ سے بچہ پیدا ہوتا ہے یہی حال موتیوں کا ہے ۔ اس اعتبار سے بھی یہ کہنا درست ہوا کہ جیسا بچہ ماں اور باپ دونوں سے پیدا ہوتا ہے اگرچہ اوس کی ولادت بطن مادر سے ہوتی ہے ۔ ٹھیک اسی طرح موتی بھی دو سمندروں سے نکلتا ہے اگرچہ اوس کی حقیقی طور پر برآمدی ایک سے عمل میں آتی ہو ۔ یہ بھی خداوند تعالیٰ شانہ کی قدرت ہے ۔

گویا دوسرا سمندر، نر کا حکم رکھتا ہے۔ سمندر میں بھی نر و مادہ کا امتیاز یہ بھی ایک نشان قدرت ہے۔ تو کیا جن و انس اس نشان و امتیاز کا بھی انکار کر سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔

پھر یہ موتی مونگا صرف زینت و خوبصورتی کے لئے نہیں بلکہ اپنے افعال و خواص کے لحاظ سے بہت کارآمد ہیں۔ اطباء نے اپنی کتابوں میں صراحت کی ہے کہ خفقان، گندہ دہنی، ضعف جگر، گردہ، پتھری، سوزش بول، سدد، یرقان، امراض قلب، زہر، وسوسہ، جنون، وحشت، کے لئے موتی کا پینا مفید ہے۔ اور جذام، برص، چھائیوں وغیرہ کے لئے اس کا ضماد (لیپ) فائدہ دیتا ہے اور مونگا مفرح ہے۔ فساد شہوت کے لئے اوس کو گلے میں لٹکانا فائدہ مند ہے۔ نفث الدم اور طحال کے لئے اوس کا پینا مفید ہے۔ اور امراض چشم کے لئے اوس کا سرمہ فائدہ دیتا ہے۔ نیز اس کے اور بھی فوائد ہیں غور کرو کہ ایک ایک میں کیا کیا فوائد مضمر ہیں۔ کیا اس کا انکار بھی کسی سے بن پڑتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

قوم سے خطاب غور کرو کہ منعم حقیقی نے سمندر بھی تمہاری منفعت کے لئے پیدا کیا اور اوس کو تمہارے لئے مسخر فرمایا۔ سمندر کی تہ میں موتی

اور مونگے پیدا کئے جس میں تمھاری زینت و خوبصورتی کا سامان کیا گیا ہے
نیز یہ تمھارے ادویہ و علاج کے کام آتے ہیں۔ جس سے اون کی قیمت و قدر
دوبالا ہو گئی ہے۔ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ۔ لہٰذا تم اپنے پروردگار کی
کن کن نعمتوں کی تکذیب کرتے رہو گے؟ کیا سمندر کی تکذیب کرو گے یا اوس میں
جو موتی مونگے پیدا ہوتے ہیں اوس کا انکار کرو گے یا موتی مونگے کے ذریعہ حاصل
ہونے والی زینت و خوبصورتی کے منکر ہو گے یا اون کے ادویہ و علاج کے
طریق پر اون کے استعمال کا؟ یا اون ایسی قدر و قیمت کا، یا ان سب چیزوں کے
تم کو تسلط و تسخیر دینے کا؟ جب کسی امر کے انکار و تکذیب کی کوئی گنجائش ہی نہیں تو
اپنے پروردگار پر کیوں ایمان نہیں لاتے اور اوس کے حکم کو کیوں نہیں مانتے؟

وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنشَآتُ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ ۚ فَبِأَيِّ آلَاءِ 55-
رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝ اور اُسی کے ہیں جہاز کھڑے ہوئے سمندر میں مانند 55-
پہاڑوں کے پھر اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاتے رہو گے۔

ولہ الجوار کی تفسیر سمندر میں جہازات اور کشتیاں جو چلتی ہیں
یہ بھی خداوند تعالیٰ کی قدرت اور بڑی نعمت ہے کہ ان کے ذریعہ
انسان ایک ساحل سے دوسرے ساحل تک سفر کرتا اور مایحتاج اشیاء کو

منقل کرتا رہتا ہے۔ اگر یہ جہاز اور کشتیاں نہ ہوتیں تو ایک براعظم سے دوسرے براعظم تک انسان کا جانا دشوار تھا اس سفر سے جو سہولتیں نصیب ہوئیں اون کا شمار میں لانا ممکن نہیں۔ اگرچہ یہ جہاز اور کشتیاں انسانی مصنوعات ہیں لیکن خود انسان جب اللہ سبحانہ تعالیٰ کا بنایا ہوا ہے تو انسان کی بنائی ہوئی تمام چیزیں بھی اوسی صانع حقیقی کی ایک صنعت ہوئی۔ نیز جہازات اور کشتیاں جن چیزوں سے بنتی ہیں اون میں سے ہر ہر چیز اللہ سبحانہ کی بنائی ہوئی ہے۔ لکڑی، لوہا، رسیاں، شیشے، چراغ، تیل، بتی، پردہ، رنگ، روغن، پانی، ہوا، کیا کیا چیزیں گنائی جائیں۔ یہ تو قدیم زمانہ کے جہازات کے اجزاء ہوئے۔ ترقی یافتہ عہد کے اشیاء کوئلہ، آگ، ربڑ، برق، بھانپ، دوربین، قطب نما، طوفان نما، پیٹرول اور طرح طرح کے آلات جو جہازوں میں استعمال کئے جاتے ہیں، اون کے اجزائے ترکیبی مثلاً مقناطیس وغیرہ یہ سب کس کی ایجاد ہیں۔ انسان نے صرف اپنے غور و فکر، عقل، دل، دماغ اور صلاحیتوں سے کام لیا ہے۔ مگر یہ دل و دماغ وغیرہ بھی کس کا عطیہ ہے؟ ان اعتبارات سے "وله الجوار" کہنا کچھ بھی مبالغہ نہیں کہ یہ تمام جہاز کشتیاں اوسی

خدائے واحد و قہار کی ہیں۔

بدرجۂ تنزل مان لیا کہ جہاز کسی شخص، یا جماعت یا سلطنت کا ہے لیکن سمندر کس کا اور اوس کے ہر دو ساحل ابتدائی اور انتہائی کس کے اور جہاز کی روانی، سلامتی، اور منزل مقصود تک رسائی کس کی حفاظت اور کس کی کفالت وضمانت پر موقوف ومنحصر؟ جواب ایک ہی اور صرف ایک کہ سب کچھ اوسی واحد و قہار کا۔ بالآخر کہنا پڑتا ہے۔ لهُ المُلُك فله الفُلُك۔ مُلک (سمندر) اللہ کا تو جہاز اور کشتی جو سمندر میں ڈال دی گئی وہ بھی اوسی کی۔ یہی سبب تھا کہ کافر بھی سمندر کا سفر کرتے اور جہاز میں سوار ہو جاتے تو اپنی تمام مشرکانہ باتیں بھول جاتے۔ "اذا ركبوا فی الفلك دعوا الله مخلصین له الدین۔ جہاز میں سوار ہوتے ہی مخلصانہ دعائیں مانگنے لگتے" فلما نجاهم الی البر اذا هم يشركون" پھر جب حق سبحانہ تعالیٰ اون کو خشکی پر پہنچا دیتا تو تب کہیں مشرکانہ طور طریق اختیار کرتے" ہائے انسان! کیسا احسان فراموش انسان؟ —

دوسری تفسیر	یہ تفسیر اس بنا پر ہے کہ لَهٗ کا لام، لام تملیک

قرار دیا جائے۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ لام تملیک کی جگہ، لام تعجب لیا جائے۔ جیسے عرب کا محاورہ ہے: للہ درہ ك یہ جملہ اوس وقت استعمال کیا جاتا ہے جب کہ کسی میں کوئی کمال یا خوبی دیکھی جاتی ہے تو بے اختیار بول اوٹھتے ہیں کہ تیری یہ خوبی، خدا کی شان ہے" اس اعتبار سے آیہ کریمہ کے معنی یہ ہوں گے کہ سمندر میں جہازوں کی روانی (اور سلامتی کے ساتھ منزل مقصود تک رسائی) اوسی کی شان عظیم ہے" جہاز بجائے خود ایک پہاڑ کے مانند ہے جس میں پانی، کوئلہ، لوہا، سامان جانور و غلہ، سب کچھ وافر مقدار میں رکھا ہونے کے باوجود سینکڑوں مسافر فوج در فوج سفر کر رہے ہیں۔ دور سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک کوہ عظیم پانی پر تیرتا ہوا فی گھنٹہ کئی میل کی مسافت طے کر رہا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ با ایں ہمہ سمندر کے مقابلہ میں پورا جہاز ایک تنکہ ہے۔

بحری نعمتیں غور کرو کہ سمندر کی تہ میں موتی، مونگے، درمیانی حصہ میں مچھلیاں، اور بحری مخلوق، اور سطح سمندر پر جہاز اور کشتیاں، خدا کی شان فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ، اے گروہ جن وانس! تم اپنے پروردگار کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے اور کن کن چیزوں کا انکار کرو گے؟ کیا ان

مذکورہ انعامات اور احسانات کے انکار کی بھی کچھ گنجایش ہے؟ کہو:
ولا بشیئ من نعمك نكذب ربنا فلك الحمد۔ پروردگار ہمارے!
ہم آپ کی کسی نعمت کی تکذیب کی بھی جرأت وجسارت نہیں کرسکتے۔ آپ ہی
کے لئے ساری تعریف ہے۔"

عناصر اربعہ اور موجودات عالم

پھر غور کرو کہ انسان کو مٹی سے بنایا، قوم جن کو آگ کے شعلہ سے پیدا کیا اور موتی مونگے پانی سے بنائے اور جہازوں کو ہوا کے زور سے چلایا۔ ان عناصر اربعہ سے کیسے کیسے عظیم الشان کام لئے۔ اگرچہ مذکورہ مصنوعات میں سے ہر ایک چیز عناصر اربعہ پر مشتمل ہے لیکن عنصر غالب انسان میں خاک، جن میں آگ، موتی میں پانی، اور جہاز میں ہوا ہے۔ پھر لطف خاص یہ ہے کہ خاک جو سب سے ادنیٰ ہے اوس سے بنے ہوئے انسان کو سب پر فضیلت دی اور ساری کائنات کو انسان کا مسخر اور تابع فرمان بنایا۔ تو خاکی انسان اور تکذیب آیات رحمان۔ العجب ثم العجب۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَّيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ 55-
وَالْإِكْرَامِ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝ جو کوئی ہے اوس 55- 55-

(زمین) پر فنا ہونے والا ہے۔ اور باقی رہیگا منہ تیرے پروردگار کا'

بزرگی اور عظمت والا' پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلائے جاؤ گے؟"

امام شعبیؒ کی رائے امام شعبیؒ فرماتے ہیں :۔ اذا قرأت کلّ من علیھا فان فلا تسکت حتّی تقرأ و یبقی وجہ ربّک ذو الجلال والاکرام (ابن ابی حاتم) جب آیہ کریمہ کل من علیھا فان پڑھو تو بس نہ کرو تا آں کہ اس کے بعد والی آیہ کریمہ و یبقی وجہ ربّک ذو الجلال و الاکرام بھی اوس کے ساتھ نہ پڑھ لو" یہ اس لئے کہ اگر بعد والی آیہ کریمہ نہ پڑھو گے اور پہلی آیت پر ہی قرأت ختم کردو گے تو معنی فاسد ہوں گے اور یہ مطلب ہوگا کہ زمین پر جو کوئی ہے وہ فنا ہونے والا ہے اس سے خداوند تعالیٰ شانہ کا فنا ہونا بھی سمجھ لیا جائے گا نعوذ باللہ منہ۔ بلکہ ساتھ ہی و یبقی وجہ ربك بھی پڑھ لینا چاہیئے یعنی سب فانی اور وہی باقی ہے۔ خواہ دونوں آیات کو ایک ہی سانس میں پڑھے یا دو سانس میں مگر دونوں کو ملا کر پڑھے پہلی آیت پر بس نہ کیجئے۔ یہی وجہ ہے کہ فان پر لا اور ج دونوں علامتیں مصاحف شریفہ میں مرقوم ہیں۔ یعنی اس کلمہ پر اگرچہ سانس توڑ کر وقف کرنا جائز ہے لیکن بغیر سانس لئے دونوں آیات کو ایک ساتھ پڑھنا ہی

اولیٰ و افضل ہے۔ واللہ اعلم۔

نعمت سے منعم کی معرفت یہاں سے دوسرے رکوع کا آغاز ہے پہلے رکوع میں جن جن نعمتوں کا بیان ہوا اگرچہ ان میں سے ہر نعمت بجائے خود عظیم الشان، کثیر المنفعۃ ہے لیکن یہ سب بلکہ جن و انس بھی جو مذکورہ نعمتوں سے منتفع ہونے والے ہیں تمام کے تمام فانی ہیں۔ باقی رہنے والی ذات اوسی حی و قیوم ذو الجلال والاکرام کی۔ لہذا اگر تمھاری دلچسپی فانی کے ساتھ ہوگی تو یہ دلچسپی بھی فنا ہوکر رہیگی۔ اور اگر باقی کے ساتھ دلبستگی ہوگی تو ایسی دلبستگی ہی باقی اور کارآمد ہوگی۔ پس ہر نعمت میں اللہ سبحانہ کی یاد قائم کیجئے اور اوس کے ظہور کو پیش نظر رکھ کر اوسی کا ذکر و شکر کیا کیجئے کہ تمام نعمتوں کا مرکز و منبع وہی ذات پاک ہے۔ نعمت صرف ایک واسطہ اور حجاب ہے۔ اس کو درمیان سے اٹھاؤ اور خالق النعم کا مشاہدہ کرو کہ یہ اعظم النعم ہے۔ ساری نعمتیں اوس کے آگے ہیچ ہیں۔ اگر جنت میں بھی دیدار الٰہی نہ ہو تو عارف کے نزدیک جنت کس کام کی؟

ذو الجلال والاکرام کی تفسیر کرمانی شارح بخاری لکھتے ہیں

انہ تعالیٰ لہ صفات عدمیۃ مثل لا شریک لہ وتسمی صفات الجلال

لما انها تؤدی بجلّ عن کذا اجلّ عن کذا و صفات وجودیّة کالحیاۃ والعلم وتسمّی صفات الاکرام خداوند تعالیٰ شانہ کے بعض صفات عدمیہ ہیں جیسے لا شریك له اوس کا کوئی شریک نہیں۔ ان کو صفاتِ جلالیہ کہتے ہیں کیوں کہ جب ان کا بیان ہوتا ہے تو کہتے ہیں کہ اللہ سبحانہٗ اس سے بالاتر ہے۔ اس سے بلند تر ہے۔ اور بعض صفات وجودیہ ہیں جیسے حیات اور علم۔ ان کا نام صفات اکرام ہے" گویا صفات عدمیہ اور وجودیہ دونوں کے اعتبار سے اللہ سبحانہ کی ذات' ماسوی اللہ سے ممتاز ہے۔

راغب اصبہانی لکھتے ہیں:۔ انّ هذا الوصف قد خصّ به عزّ وجلّ ولم يستعمل في غيره فهو من اجلّ اوصافه سبحانه یہ وصف خدائے عزوجل کے ساتھ مخصوص ہے۔ غیر اللہ کے لئے کہیں بھی اس کا استعمال نہیں کیا گیا۔ لہٰذا یہ حق سبحانہ کا وصف اعلیٰ ہے اس کی تائید اوس حدیث مرفوع سے بھی ہوتی ہے جس کو ترمذی نے حضرت انس رضؓ سے اور امام احمدؒ نے حضرت ربیعہ بن عامرؓ سے روایت کی ہے:۔ الظّوا بیاذا الجلال والاکرام۔ یعنی یا ذا الجلال والاکرام کو لازم جانو

اور اپنی دعاؤں میں اس کا ذکر کثرت سے کیا کرو"

حضرت انس رضؓ فرماتے ہیں :۔ انه كان مع رسول الله صلى الله عليه وسلم ورجل يصلي ثم دعا فقال اللهم انى اسألك بان لك الحمد لا اله الا انت المنان بديع السموات والارض ذو الجلال والاكرام يا حيّ يا قيّوم ۔ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا اور ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا اوس نے (نماز کے بعد) یہ دعا کی :۔ الٰہی ! میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ ساری تعریف تیری ذات کے لئے ہے ۔ تیرے سوا کوئی لائق عبادت نہیں تو بڑے احسان والا آسمانوں اور زمین کو بغیر کسی نمونہ کے بنانے والا ۔ بڑی بزرگی اور شان والا ہے ۔ اے ہمیشہ زندہ رہنے والے ! اے ہمیشہ قایم رہنے والے ! یہ سن کر آپؐ نے صحابہ سے فرمایا اتدرون بما دعا قالوا الله ورسوله اعلم قال والذى نفسى بيده لقد دعا الله باسمه الاعظم الذى اذا دعى به اجاب واذا سئل به اعطى ۔ تم کو معلوم بھی ہے کہ اس نے کیا دعا کی ؟ صحابہ رضؓ نے عرض کیا' اللہ اور اوس کا رسول بہتر جانتے ہیں ۔ فرمایا کہ اس نے اسم اعظم سے دعا کی ہے کہ اگر اوسکے ذریعہ

دعا کی جائے تو اللہ اوس کو قبول فرمائے گا اور اوس سے جو کچھ مانگا جائے تو ضرور دیگا"

اور ایک روایت یوں ہے کہ آپؐ نے اوس شخص سے فرمایا:۔

"استجیب لك الدعاء۔ تیری دعا قبول کر لی گئی"

حمید بن ہلال کہتے ہیں کہ ایک صحابیؓ نے فرمایا:۔ یرحم اللہ رجلا اتی علی ھذہ الآیۃ فسأل بذلك الوجہ الکافی الکریم (ابن المنذر، بیہقی) اللہ اوس پر رحم فرمائے جو اس آیہ کریمہ کی تلاوت کرے اور اوس کفایت کرنے والی ذات کریم کا واسطہ دیکر دعا کرے"

بیہقی کی روایت میں بذلك الوجہ الباقی الجمیل کے الفاظ ہیں۔

فقیر بھی اوس وجہ کریم 'کافی' باقی' جمیل کا واسطہ دیکر دعا کرتا ہے کہ اللہ سبحانہ ہماری اور تمام مسلمانوں کی بگڑی بنا دے اور امۃ مرحومہ پر اپنی رحمت خاصہ نازل کرے۔ آمین ثم آمین۔

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝ سو تم اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے؟"

زمین پر جس قدر مخلوق ہے اوس کی فنا' اور خدائے ذوالجلال والاکرام کی

بقا کو ایک ساتھ ملا کر بیان کرنے میں اشارہ اس امر کی طرف ہے کہ تمھاری حیات فانیہ ختم ہونے کے بعد حیات باقیہ آنے والی ہے جسکے بعد پھر کسی موت اور فنا سے سابقہ نہ پڑیگا۔ جب اس حیات فانیہ کے لئے اتنی ان گنت نعمتیں پیدا کی گئی ہیں تو اندازہ کرو کہ حیات باقیہ کے لئے کیا کچھ سامان نہیں کیا گیا ہوگا؟ اور وہ کیسی عالی شان نعمتیں ہونگی پھر ان سب سے بڑھکر خداوند تعالیٰ شانہ کا دیدار! اللہ اکبر۔ کوئی ہے جو اس کا انکار و تکذیب کرے؟ کوئی نہیں۔

55-2 يَسْأَلُهُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ[1] ۝

55-3 فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝ اوس سے مانگتے رہتے ہیں جو ہیں آسمانوں اور زمین میں، ہر روز اوس کا ایک کام ہے، پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے؟"

(۵۵) ۔ (۳) ۔ ۲۷ ۔ ۹ ۔ ۳۰

[1] الشأن الحال والامر الذی یتفق ویصلح ولا یقال الا فیما یعظم من الاحوال والامور۔ (مفردات) وہ حال یا امر جو شائستہ اور شایاں ہو۔ شأن کا اطلاق 'مہتم بالشان احوال' اور عظیم الشان امور پر ہی ہوتا ہے۔"

القضاء هو الحكم الكلي الواقع في الازل' والقدر هو

یسأله من فی السموات والارض کی تفسیر	ابو صالح کہتے ہیں:۔ یسأله من فی السموات الرحمة و یسأله من فی الارض

المغفرة والرزق۔ (عبد بن حمید ابن المنذر) آسمان والے رحمت کی درخواست کرتے رہتے ہیں اور زمین والے اللہ سبحانہ سے مغفرت اور رزق کی درخواست

(بقیہ حاشیہ لہ صفحہ گذشتہ)

صدور تلك الاحكام فی ازمنتها المقدرة فبالاعتبار الاول قال جف القلم بما هو کائن وبالاعتبار الثانی قال کل یوم هو فی شان وهذا بالنسبة الی المقضیات ولا تغیر فی ذاته ولا فی صفاته ولا فی افعاله وبالجملة هی شئون یبدیها لا شئون یبتدیها۔ (نیشاپوری)

"قضاء" وہ حکم کلی ہے جو ازل میں صادر ہو چکا ہے اور "قدر" اون احکام کی تکمیل اون کے مقررہ زمانہ میں ہونیکا نام ہے اعتبار اول کے لحاظ سے جف القلم بما هو کائن ارشاد ہوا کہ جو کچھ قیامت تک ہونیوالا ہے قلم نے اوسکو لکھدیا اور روشنائی خشک ہو چکی اس میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔ اور اعتبار دوم کے لحاظ سے کل یوم هو فی شأن ارشاد ہوا ہے یعنی اوسی حکم ازلی کے مطابق ہر چیز اپنے اپنے وقت پر ظہور پذیر ہو رہی ہے۔ باقی خداوند تعالے شانہ کی ذات صفات اور افعال میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہے۔ بہر حال ہر کام قدرت الٰہی سے ظہور ہو رہا ہے۔ یہ نہیں کہ اللہ سبحانہ روز ایک نیا کام کرتا ہے"

کرتے ہیں" یعنی زبان قال سے یا حال سے۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ یسأل عبادہ ایاہ الرزق والموت والحیات کل یوم ھو فی ذلک۔ (ابن جریر، ابن ابی حاتم) بندگانِ خدا (خواہ وہ ملائکہ سماء ہوں یا زمین پر رہنے والے جن و انس) اللہ سبحانہ تعالیٰ سے رزق، موت و حیات کی درخواست کرتے رہتے ہیں۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ روزانہ اون کے قضائے حاجات اور اس نوع کے تدابیر میں ہے" گویا رزق، موت و حیات کی تعیین و تخصیص نہیں ہے یہ چیزیں بطور مثال بیان ہوئی ہیں۔ تدبیرات الٰہیہ صبح سے شام اور شام سے صبح تک ہمیشہ جاری و ساری ہیں۔ ایک دم ان سے غافل نہیں۔ تو بندوں کا فریضہ بھی یہ ہوتا ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ کے ان انعامات و احسانات کا شکر ادا کریں اور اوس کے احکام کی تعمیل اور اپنے فرض کی ادائی میں مشغول رہیں کہ یہی اقتضائے عبودیت ہے

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند تا تو نانے بکف آری و بہ غفلت نخوری

ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرماں بردار شرط انصاف نباشد کہ تو فرماں نبری

نیز اپنی تمام حاجتیں اوس کے آگے پیش کریں۔ اور اون چیزوں کی درخواست کریں جو نہ صرف حیات دنیا میں کام آئیں بلکہ عالم آخرت کا امن و چین

نصیب ہو اور ابد الآباد کی راحت کا سامان حاصل ہو۔

کلّ یوم ھو فی شأن کی تفسیر

ابو الدرداءؓ فرماتے ہیں: عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی قولہ کل یوم ھو فی شأن قال من شأنہ ان یغفر ذنبا ویفرج کربا ویرفع قوما ویضع آخرین ویجیب داعیا۔

(حسن بن سفیان، بزار، ابن جریر، طبرانی، ابو الشیخ، ابن مردویہ، بیہقی، ابن عساکر) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کلّ یوم ھو فی شأن کی تفسیر میں فرمایا اوس کے شیون قدرت سے یہ بھی ہے کہ (گنہگاروں کے) گناہ بخشے اور (پریشان حال کی) پریشانی دفع کرے، کسی قوم کا رتبہ بلند کرے اور کسی کو پست کر دے اور دعاؤں کو قبول فرمائے۔"

ابو الجوزاءؒ فرماتے ہیں: ــ لا یشغلہ شأن عن شأن۔ (عبد بن حمید) شیونات الٰہیہ میں سے کوئی شان، اوس کو دوسری شان سے غافل نہیں کر سکتی۔" یعنی ایک حالت یا ایک کام، اوس کو دوسرے حال یا کام سے غافل نہیں کر سکتا۔ جس کام کا جو وقت، اللہ سبحانہ نے ازل میں مقرر فرما دیا ہے وہ اپنے مقررہ وقت پر ہو کر رہیگا۔ اگر ایک وقت میں مختلف النوع دس ہزار کام تکمیل پانے کا فیصلہ ہو چکا ہے تو وہ تمام کام اوس ایک وقت میں تکمیل پاکر

رہیں گے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ اون میں سے کوئی چھوٹ جائے یا ادھورا رہ جائے۔ خواہ اوس وقت دوسرے کیسے ہی عظیم الشان کام درپیش ہوں۔ اور خواہ کائنات کیسے ہی انقلاب سے گزر رہی ہو۔

دنیا میں کیسے کیسے عظیم انقلابات آتے ہیں کہ بڑے بڑے حکام اور ذی اقتدار اشخاص کو دم بھر کی فرصت نہیں رہتی۔ وہ اپنی بھوک پیاس راحت و آرام سب کچھ بھول جاتے ہیں۔ اون کو خود کی فکر نہیں رہتی ہے۔ لیکن اللہ سبحانہ کے احکام ایسے نازک دور میں بھی اوسی بے تکلفی اور سہولت کے ساتھ انجام پاتے رہتے ہیں جیسا کہ عام حالات میں انجام پاتے تھے۔ پیدا ہونے والے بچے پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ مرنے والے مرتے ہیں صلب پدر سے رحم مادر میں منتقل ہونے والے منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ آفتاب طلوع اور غروب ہوتا ہے اوسی رفتار کے ساتھ جو ابتدا سے ہے۔ نہ اوس میں سرعت پیدا ہوتی ہے نہ تاخیر کا نام ہے۔ دبستان قدرت کا درس ہے کہ بلا تعطیل جاری ہے۔ ع۔ روان است اسباق تعطیل نیست۔ کہیں اس کی مثال مل سکتی ہے؟ حاشا وکلا۔

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ۔ تدبیرات الٰہیہ جو اس طرح

(۵۵ رحمٰن ۳۱ تا ۳۲)

بلاتوقف جاری ہیں ان کا نظام کتنا زبردست ہے کوئی ہے جو اس کو توڑ سکے یا بگاڑ سکے۔ یا کم از کم اس کا رخ ایک طرف سے دوسری طرف پھیر سکے؟ پھر اے گروہ جن وانس! اپنے رب کی کن کن آیات کو جھٹلاؤ گے؟

سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ ۚ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ 55-31 55-32

اب ہم عنقریب تمہاری طرف فارغ ہونے والے ہیں اے دو بھاری گروہ! پھر تم ہماری کن کن آیات کو جھٹلاؤ گے؟۔

تمام زمانہ صرف دو دن کا ہے یعنی ہم اس سلسلہ کو ختم کرکے دوسرا دور شروع کرنے والے ہیں۔ جو حساب و کتاب، سوال وجواب، اور عذاب و ثواب کا ہوگا۔ موجودہ سلسلہ پیدا کرنے، جلانے، مارنے کا ختم ہو جائیگا جیسا کہ سفیان بن عیینہؒ فرماتے ہیں:۔ الدھر کلہ عند اللہ یومان احدھما مدۃ ایام الدنیا والاخرمدۃ الآخرۃ وشانہ فی یوم الدنیا الاختبار بالامر والنھی والاحیاء والاماتۃ والاعطاء والمنع وغیرذلک وشانہ فی یوم القیامۃ الجزاء والحساب والثواب والعقاب وغیرذلک۔ کل زمانہ اللہ سبحانہ تعالی کے پاس دو دن کا ہے۔ اس دنیا کی پوری مدت، ایک دن ہے۔ اور پوری آخرت کی مدت

ایک دن ۔ دنیا جو ایک دن کے برابر ہے اوس میں اللہ سبحانہ کا کام، اوامر ونواہی کے ذریعہ اپنے بندوں کو آزمانا، اون کو جلاتا اور مارنا، اونکو عطایا سے سرفراز کرنا یا اوس سے باز رکھنا وغیرہ۔ اور قیامت میں اوس کا کام جزا وحساب، ثواب وعقاب وغیرہ "

سنفرغ لکم کی تفسیر زجّاج کہتے ہیں:۔ الفراغ فی اللغۃ علی ضربین ۔ احدھما الفراغ من الشغل والآخر القصد للشیٔ والاقبال علیہ کما ھنا۔ "فراغ" کے معنی از روئے لغت دو طرح ہیں ۔ ایک یہ کہ کسی کام میں لگے ہوئے ہوں اوس سے فارغ ہونا۔ دوسرے یہ کہ کسی چیز کا ارادہ کرنا اور اوس کی طرف متوجہ ہونا۔ یہاں یہی معنی مراد ہیں " یعنی سنفرغ لکم کے معنی یہ نہیں کہ اللہ سبحانہ تعالی ایک کام میں لگے ہوئے رہنے کے بعد اب عنقریب فارغ ہوجائے گا۔ آئندہ کوئی کام نہ رہیگا ۔ بلکہ یہ معنی ہیں کہ اب ہم تمھارے حساب وکتاب، ثواب، عتاب کی طرف متوجہ ہوں گے ۔ امر ونہی، احیاء وا ماتۃ وغیرہ کا دور گزر ہی چکا اب اوس کے ثمرات ونتائج کا دور شروع ہوگا ۔ اور یہ نا متنا ہوگا ۔ سزا بھی نا متناہی ہوگی ۔ جزا بھی نا متناہی ۔ یہ اس لئے کہ کافر کی

نیت یہ تھی کہ وہ جب تک زندہ رہیگا۔ اپنے کفر پر اڑا رہیگا۔ کبھی اوس سے باز نہ آئیگا۔ اور مومن کی نیت یہ تھی کہ وہ جب تک زندہ رہیگا اللہ کا بندہ بنا رہیگا۔ کبھی اپنا عہد نہ توڑیگا۔ یہ اور بات ہے کہ کافر اور مومن دونوں کی زندگی محدود تھی مگر ان کی نیت اور ارادہ کی کوئی حد نہ تھی اور حدیث شریف ہے:۔ الاعمال بالنیات۔ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے" اس اعتبار سے مومن ہو یا کافر اوس کی جزا نامحدود مدت تک درست ہوئی۔

محاسبہ کی ضرورت | بہرحال جب حیات دنیا کا سلسلہ ختم ہوجائیگا تو جو جو نعمتیں یہاں دی گئی تھیں اون کا حساب کتاب ہوگا اور جب سب چھوڑکر اس جانب توجہ ہوگی تو غور کرو کہ یہ کیسا کٹھن دن ہوگا۔ کفار و منافقین و معاندین، دنیا میں تو اس دن کے منکر رہے لیکن عالم آخرت میں یہ دن سامنے آجائے گا تو فبأی آلاء ربکما تکذبان کیا یہاں کی طرح وہاں بھی تکذیب و انکار ہوسکیگا؟ اور جب یہ ممکن نہیں تو دانائی کی بات یہی ہے کہ ابھی سے تکذیب و انکار چھوڑدیں اور اپنا حساب درست کریں۔ حدیث شریف ہے:۔ حاسبوا قبل ان تحاسبوا۔ حساب

لیا جانے سے پیشتر ہی اپنا محاسبہ آپ کرو۔" اسی میں نجات ہے۔

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا 55-33

مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ اے گروہ جن وانس! اگر تم سے 55-34

ہوسکتا ہے کہ آسمانوں اور زمین کے کناروں سے پار ہوجاتا تو اون میں سے

گھس کر پار ہوجاؤ۔ (مگر یاد رکھو کہ) کسی طاقت کے بغیر تم پار نہیں

ہوسکتے۔ پھر اپنے پروردگار کی کن کن قدرتوں کی تکذیب کروگے؟

یٰمعشر الجن والانس کی تفسیر پروردگار عالم جب تمام جن و

انس کا حساب لینے پر مائل و متوجہ ہوگا تو اہل ایمان جو حکم خدا اور رسول پر

قائم رہے ان کو تو بڑی مسرت ہوگی اور خوشی کے مارے پھولوں نہ سمائیں گے

کہ اون کی جزائے خیر کا وقت آگیا اور جو وعدے اون کو دئے گئے تھے

اب اون کا ایفا ہوگا لیکن بہتیرے ان میں وہ ہوں گے جن کا حال برعکس

تھا۔ یہ خطاب اسی قسم کے افراد سے ہوگا کہ اے گروہ جن و انس! آج کی

ہولناکیوں سے بچنے کی خاطر اگر تم سے ہوسکتا ہے کہ تم اس وقت زمین پر

جہاں کھڑے ہوئے ہو وہاں سے گھس کر زمین کے دوسرے کنارہ سے

نکل آؤ تاکہ تمھیں کوئی گرفتار نہ کرسکے تو گھس جاؤ اور زمین میں سُرنگ لگاکر دوسری طرف نکل بھاگو۔ مگر یاد رہے کہ تم سے ایسا نہ ہوسکیگا۔ یا آسمان جو تمھاری آنکھوں کے سامنے ہے اوس پر چڑھکر، آسمان کے دوسرے کنارہ پر برآمد ہوجاؤ۔ مگر تم سے یہ بھی نہ ہوسکیگا۔

ضحاکؒ کہتے ہیں:۔ اذا کان یوم القیامۃ امر اللہ السماء الدنیا تنشقّ باھلھا فتکون الملائکۃ علی حافّاتھا حتی یامرھا الربّ فینزلون الی الارض فیحیطون بالارض ومن فیھا ثمّ یامر اللہ السماء التی تلیھا کذلک فینزلون فیکونون صفّا خلف ذلک الصفّ ثم السماء الثالثۃ ثم الرابعۃ الی السابعۃ فتنزل ملائکۃ الرفیع الاعلی فلا یأتون قطرا من اقطارھا الا وجد واصفوفا من الملائکۃ۔ (قرطبی) قیامت کے دن پہلے آسمان کو حکم الٰہی ہوگا تو وہ پھٹ جائیگا اور وہاں کے فرشتے حکم الٰہی سے زمین پر اتر کر پوری زمین کو گھیرے میں لے لیں گے۔ پھر دوسرے تیسرے آسمانوں کو اسی طرح سلسلہ بہ سلسلہ حکم ہوگا یہاں تک کہ ساتوں آسمان پھٹ جائیں گے اور ایک ایک آسمان کے فرشتے زمین کا احاطہ کرتے جائیں گے۔ اور ملائکہ کی سات

سات قطاریں ایک کے پیچھے ایک لگ جائینگی ؎

اب جو کوئی شخص، زمین کے کسی بھی حصہ سے نکل کر دوسری طرف بھاگ جانا چاہیگا تو اوس کو فرشتوں کے ان سات احاطوں سے سابقہ ہوگا۔ ممکن نہ ہوگا کہ کوئی اپنی جگہ سے نکل کر دوسری طرف بھاگ جائے۔ زمین اور اہل زمین کا یہ حال ہوگا تو آسمان تک رسائی کی کیا صورت؟ جب کہ آسمانوں کا وجود تک باقی نہ رہیگا۔ تمام آسمان شق ہوجائینگے۔

نکتہ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ فانفذوا کا جو حکم یہاں ہورہا ہے یہ "امر تعجیز" ہے۔ یعنی جن وانس کو عاجز کرنے کے لئے ہے۔ مطلب یہ کہ جن وانس نہ تو آسمانوں اور زمین میں سے نفوذ کرسکتے ہیں اور نہ یہ امر اون کے لئے ممکن ہے۔ نیز یہ کہ یہاں معشر الجن کو انس پر مقدم اسلئے لایا گیا ہے کہ اس طرح نکل بھاگنا ایک دقت طلب اور دشوار گزار امر ہے۔ چونکہ انسان کے مقابلہ میں جنّ ایسے امور شاقہ کے زیادہ عادی ہوتے ہیں اس لئے اس کی دعوت معشر الجن ہی کو سب سے پہلے دیگئی۔ تا یہ معلوم ہوسکے کہ تکالیف شاقہ برداشت کرنے والی قوم جب اس کی تکمیل سے قاصر اور عاجز ہے تو انسان ضعیف البنیان سے یہ کام کس طرح

ہوسکتا ہے۔

اس کے برخلاف آیہ کریمہ قل لئن اجتمعت الانس والجن علیٰ ان یأتوا بمثل ھذا القران میں قرآن کا جواب لانے کی فرمایش تھی۔ اس کام پر بہ نسبت قوم جن کے انسان ہی زیادہ تر قادر تھا۔ اس لئے یہاں "انس" کا لفظ مقدم لایا گیا۔ تا یہ واضح ہوجائے کہ "جواب لانا" ایسا امر ہے کہ اگر اس کو کوئی کرسکتا تو وہ انسان ہی ہوسکتا اور جب اوس سے یہ کام نہ ہوسکا تو قوم جنّ جو ایسے کاروبار میں انسان سے گھٹیا ہے وہ کیا کریگی؟

تفسیر ابن عباسؓ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ ان استطعتم ان تعلموا ما فی السموات والارض فاعلموہ ولم تعلموہ الا بسلطان ای بیّنۃ من اللہ تعالیٰ۔ (ابن جریر) یعنی اے گروہ جن وانس! آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اگر تم اوس کا علم حاصل کرنا چاہو اور تم سے یہ ہوسکے تو اپنی یہ آرزو بھی پوری کرلو مگر یاد رہے کہ تم اوس کو نہ جان سکو گے بجز اقتدار کے جو اللہ سبحانہ کی طرف سے دیا جائے۔"

دنیا کی معمولی سلطنتوں کا یہ انتظام ہے کہ ایک سلطنت کا باشندہ دوسری سلطنت میں جانا چاہے تو بغیر پروانہ راہ داری کے نہیں جاسکتا۔

اگر کسی حکومت کی غفلت سے فائدہ اٹھا کر کہیں کوئی پہنچ بھی گیا تو فوراً گرفتار کر لیا جاتا اور قید و بند میں پڑ جاتا ہے۔ خداوند تعالیٰ شانہ کا یہ حال ہے:۔ لہ الملک ولہ الحمد۔ سارا ملک اوسی کا اور ساری تعریف اوسی کے لئے" آسمان ہوں یا زمین۔ سب اوسی کی قلمرو ہے۔ اور ہر جگہ کا نظم و نسق، مختلف صورتوں میں سہی مگر ایک ہی نظام کے تحت ہے۔ اور نظام بھی ایسا مستحکم کہ سرمو اوس سے تجاوز ممکن نہیں۔ جس میں غفلت نام کو نہیں۔ نہ کسی کی سفارش کام دے سکتی اور نہ کہیں رشوت چل سکتی ہے تو اوس کی اجازت اور سند کے بغیر کوئی کہاں جا سکتا ہے اور کسی چیز کا علم کس طرح حاصل کر سکتا ہے؟ اللہ سبحانہ کے مقابلہ میں وہ کون ہے جو اپنا زور دکھا سکے اور اوس پر غالب آسکے؟

عرض فقیر فقیر عرض کرتا ہے کہ بعض مخلوقات سطح زمین پر رہنے کے لئے بنائی گئی ہیں وہ قعر زمین میں نہیں رہ سکتیں۔ اور جو زمین کی سوراخوں میں رہنے کے لئے بنائی گئی ہیں۔ سطح زمین پر اون کی خیر نہیں مچھلی پانی میں رہتی ہے اگر خشکی پر آجائے تو ماہی بے آب کی مثل مشہور ہے۔ انسان کا گزر ہر جگہ ہو سکتا ہے وہ سرنگیں بھی بناتا ہے۔ پانی اور

ہوا پر بھی سفر کرتا ہے مگر جب تک وہ سطح زمین پر نہ آجائے بے چین رہتا ہے

سیر مریخ فی زماننا مغربی اقوام میں ایک مہم زیر غور ہے کہ چاند یا مریخ تک رسائی حاصل کی جائے۔ چنانچہ فلاسفۂ جدید اس کے درپے ہیں۔ آئے دن مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں کہ کس نے کہاں تک کھوج لگائی اور کیا معلومات فراہم ہوئے۔ نیز اس میں کیا موانع درپیش ہیں اور اون کا حل کیا ہوگا یا وقتاً فوقتاً نتائج تحقیقات، عام معلومات کے لئے بتائے بھی جاتے ہیں۔ بالفرض وہاں تک رسائی بھی ہوجائے تو سوال یہ ہے کہ اوامر و نواہی جو حق تعالیٰ کی طرف سے دئے گئے ہیں اون سے بچنا تو ممکن نہ ہوگا۔ پھر سوال جواب اور ثواب و عقاب جو متعلق ہے اوس سے چھٹکارا کیوں کر ہوگا۔ ایمان وعمل صالح کے مباحث بہر حال متعلق ہی رہیں گے۔ مقصد آفرینش بھی حسب ارشاد خداوندی یہی ہے:۔ وما خلقت الجنّ والانس الا لیعبدونِ میں نے جن و انس کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے" پھر اس کی تعمیل و تکمیل کی فکر کیوں نہیں کی جاتی ؟

فبایّ آلاءِ ربّکما تکذّبان۔ ان تمام تفصیلات کو سمجھانا

اور جملہ نشیب و فراز پر متنبہ کرنا غور کرو کتنی بڑی نعمت ہے؟ کیا
پھر بھی اوس کی نعمتوں کو جھٹلاتے رہوگے؟

يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ[1] مِّنْ نَّارٍ ۙ وَّنُحَاسٌ[2] فَلَا 55-3
تَنْتَصِرَانِ ۚ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ چھوڑے جائینگے 55-3

[1] الشواظ اللهب الذى لادخان فيه ۔ (مفردات ومحيط المحيط) جس شعلہ میں دھواں نہ ہو وہ "شواظ" ہے۔

[2] النحاس مثلثة القطر اوهو معدن يقرب من الفضة ليس بينهما تباين الا بالحمرة واليبس وكثرة الوسخ تتخذ منه آنية للطعام والشراب وغيرها ۔ والنحاس ايضًا النار والدخان لا لهب فيه وما سقط من شرار الصفر والحديد اذا طرق ۔ (محيط المحيط) نحاس کے نون میں تینوں حرکات جائز ہیں ۔ گندھک کو کہتے ہیں یا وہ کان جو چاندی کے قریب قریب ہے ان دونوں میں فرق صرف سرخی اور یبوست اور میل کچیل کی کثرت کا ہے ۔ یعنی تانبا جس سے کھانے پینے کے برتن بنائے جاتے ہیں نیز نحاس اوس آگ کو کہتے ہیں جس میں دھواں ہو اور شعلہ نہ ہو ۔ نیز نحاس اون چنگاریوں کو کہتے ہیں جو لوہے وغیرہ کو پیٹتے وقت نکلتی ہیں۔

تم پر شعلے آگ کے صاف اور دھواں ملے ہوئے' پھر تم بدلہ نہیں لے سکتے

پھر تم اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں (اور آیات) کو جھٹلاؤ گے؟

شواظ من نار ونحاس کی تفسیر

مطلب یہ کہ اس نظام کے برخاست کیے جانے کے بعد' قیامت کا دوسرا نظام جو درپیش ہوگا اوس کے خلاف بھی کسی کی کوئی سعی کارآمد نہ ہوگی۔ کوئی اوس سے بچ کر نکل جانا چاہیگا تو یہ بھی اوس سے ممکن نہ ہوگا۔ ایسی سعی کرنے والوں پر آگ کے شعلے گرائے جائیں گے جن میں دھواں نہ ہوگا۔ ایسی آگ نہایت تیز ہوتی ہے۔ دوسری طرف دھوئیں کی چادریں چھوڑی جائیں گی اس دھویں سے چنگاریاں نکلتی ہوں گی اور بھاگ نکلنے والوں کو وہ چنگاریاں جلاتی ہوں گی۔ دھویں سے جدا دم گھٹتا ہوگا اس کی مدافعت کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوگی۔ نہ کوئی تدبیر بن پڑے گی۔

ان حالات کی اطلاع پیش از پیش اس لئے دی جارہی ہے کہ اوس سے بچاؤ کا سامان' اسی زندگی میں کر لیا جائے۔ کسی ناقابل مدافعت مہم کی اطلاع قبل از قبل دیجانا' یہ بھی بہت بڑی نعمت اور بڑا احسان ہے جس کی قدر کی جانی چاہیے۔ فبای آلاء ربکما تکذبان۔

تو کیا ان نعمتوں کی بھی تکذیب ہی کرو گے ؟ اگر یہاں تکذیب کرو گے تو وہاں ان مصائب سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اب اختیار ہے کہ جو صورت چاہو اختیار کرو۔ یہی نہیں بلکہ جو افتاد آئندہ درپیش ہوگی کچھ اور باقی ہے جو آگے بیان کی جا رہی ہے جس سے پوری صورتِ حال سامنے آتی ہے۔ ارشاد ہے :۔

فَإِذَا انشَقَّتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ۚ 55-37
فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ○ 55-38
پھر جب آسمان پھٹ جائے تو وہ گلابی (سرخ) ہو جائیگا تیل کی تلچھٹ کی طرح پھر تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں (اور آیات) کی تکذیب کرتے جاؤ گے ؟"

گرمی محشر نہ پوچھو کہ الامان والحفیظ۔ ادھر شعلے بھینکے جا رہے ہیں، ادھر دھوئیں کی چادریں ہیں اور ان میں سے چنگاریاں نکل رہی ہیں۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ آسمان پھٹ جائیں گے اور آگ سے تپ کر ایک طرف تو آسمان کا رنگ گلاب کی طرح سرخ ہو جائیگا۔ دوسری طرف آگ کی سوزش سے آسمان پگھلنے لگیگا جیسے تیل وغیرہ چکنی چیزیں گرمی سے پگھلنے لگتی ہیں۔

وجود افلاک پر بحث کہتے ہیں کہ آسمان کا اصلی رنگ سرخ ہی ہے
ہم کو جو نیلگوں نظر آتا ہے یہ صرف دوری کی بنا پر ہے۔ چونکہ ہمارے
اور اوس کے درمیان بہت ساری چیزیں علاوہ بُعد مسافت کے حائل
ہیں اس لئے اوس کا اصلی رنگ نظر نہیں آنے پاتا۔ فی زمانناجو لوگ
طیارہ کے ذریعہ سفر کرتے ہیں اون کا مشاہدہ ہے کہ طیارہ جب زمین سے
بہت بلند ہو جاتا ہے تو زمین اون کی نظروں سے چھپ جاتی ہے۔
نہ زمین نظر آتی اور نہ درخت، نہ مکانات اور نہ پہاڑ وغیرہ۔ بلکہ طیارے
کے نیچے بھی نیلگوں فضا ہی نظر آتی ہے۔ یہی حال آسمانوں کا بھی سمجھنا
چاہیئے کہ نیلا رنگ جو نظر آرہا ہے وہ آسمان کا نہیں۔ آسمان تو دوری
کی وجہ سے نظروں سے اوجھل ہی ہیں یہ نیلا رنگ فضا اور اوس کے
بُعد کے باعث دکھائی دے رہا ہے۔ اور یہی رنگ طیارے پرسے
زمین کی سمت بھی دکھائی دیتا ہے۔ لیکن جس طرح اس رنگ کے
باعث، زمین کے وجود کا انکار درست نہیں۔ افلاک کا انکار بھی درست
نہیں ہوسکتا۔ البتہ نیلگوں فضا کو افلاک قرار دینا یہ حقیقت نہیں بلکہ
مجاز ہے۔ واللہ اعلم ۔ یہ اور بات ہے کہ افلاک کا وجود محققین کے

نزدیک ابھی تک ثابت نہ ہوسکا لیکن اون کے نہ ہونے پر بھی اب تک کوئی دلیل قائم نہیں ہوئی۔ جب تک کوئی دلیل قائم نہ ہو انکار درست نہ ہوگا۔ اگر اون کا وجود محقق نہیں ہوا ہے تو آج نہیں کل متحقق ہوگا۔ قرآن کریم میں جب خبر دی گئی ہے تو اوس کا تحقق ایک نہ ایک دن ہوکر رہیگا۔

بہر حال آسمان جب سرخ ہوکر پگھلنے لگیں گے تو اہل محشر کا جو حال ہوگا اوس کا اندازہ کر لیا جائے۔ فبأیّ آلاء ربکما تکذبان۔ تو کیا اپنے رب کی ان نعمتوں (اور آیات) کی بھی تکذیب کروگے؟

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْأَلُ عَن ذَنبِهِ إِنسٌ وَلَا جَانٌّ ۝ 55-3

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝ يُعْرَفُ الْمُجْرِمُونَ بِسِيمَاهُمْ 55-4
55-4
فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِي وَالْأَقْدَامِ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝ 55-4

پھر اوس دن پوچھ نہ ہوگی اوس کے گناہ کی، کسی آدمی سے اور نہ جن سے پھر اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے؟ پہچانے جائیں گے گنہگار اونکی نشانی سے، پھر اون کو پکڑا جائے گا پیشانی اور پاؤں سے، پھر اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے؟"

لا یسئل عن ذنبہ کی تفسیر

مجاہدؒ کہتے ہیں:۔ لا تسأل الملائکۃ

عن المجرم يعرفونهم بسيماهم۔ (آدم، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر بیہقی) مجرم کے بارے میں ملائکہ کوئی سوال نہ کریں گے (کیونکہ) وہ اُنکو اون کی نشانی سے پہچانتے ہوں گے۔" یعنی مجرمین کی گرفتاری میں ملائکہ کو کسی قسم کی دشواری نہ ہوگی۔ صورت دیکھتے ہی وہ پہچانے جائینگے۔ ضحاک کہتے ہیں:۔ بسواد وجوهم وزرقة عيونهم۔ (ہناد، عبد بن حمید) اون کی روسیاہی اور اون کی آنکھوں کا نیلگوں ہونا" بس یہی کھلی نشانیاں ہونگی کہ ملائکہ کرام اون کو پہچان لیں گے۔ کسی سے دریافت کرنے کی کچھ حاجت نہ ہوگی۔ **فقیر** عرض کرتا ہے کہ یہ تفسیر اس بنا پر ہے جبکہ سائل یعنی سوال کرنے والے فرشتے ہوں۔

سوال و عدم سوال کی توجیہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ لا یسألهم هل عملتم كذا وكذا لانه اعلم بذلك منهم ولكن يقول لم عملتم كذا وكذا۔ (ابن ابی حاتم) اون (مجرمین) سے یہ سوال نہ ہوگا کہ تم نے کیا ایسے ایسے گناہ کئے؟ کیونکہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کو بہ نسبت مجرمین کے خوب معلوم ہے کہ اونھوں نے ایسے ایسے گناہ کئے ہیں۔ البتہ یہ سوال ہوگا کہ ایسے ایسے کام تم نے کیوں کئے؟" یعنی نفس گناہ کی نسبت سوال کی حاجت

نہ ہوگی بلکہ یہ سوال ہوگا کہ گناہ کا باعث کیا تھا گویا حضرت ابن عباسؓ نے جواب لینے والا اللہ سبحانہ کو قرار دیا ہے۔

اصل یہ ہے کہ یہاں ایک اشکال درپیش تھا۔ وہ یہ کہ آیہ کریمہ فیومئذ لا یسئل عن ذنبہ انس ولا جان میں سوال کی نفی ہو رہی ہے اور اس سے پیشتر سورہ حجر کے آخر میں ہے۔ فوربك لنسألنهم اجمعين۔ آپ کے رب کی قسم! ہم اون سب سے ضرور سوال کریں گے اور اُن سے جواب لیں گے۔" یہ نفی و اثبات، بظاہر عام افہام کے لئے موجب دشواری تھا۔ حضرت ابن عباسؓ نے اوس کو باسانی رفع فرما دیا کہ نفس گناہ کے باب میں کوئی سوال نہ ہوگا بلکہ باعث گناہ کیا تھا اور کس بنا پر ایسا جرم کیا اس کا سوال ہوگا۔ نفی ہے تو نفس گناہ کی بابتہ اور اثبات ہے تو باعث گناہ کے بارے میں۔ اب کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔

دوسری توجیہ عکرمہؒ اور قتادہؒ نے اس کو دوسرے طریق سے حل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ روز قیامت بہت بڑا دن ہوگا۔ جو دنیا کے پچاس ہزار برس کے برابر ہوگا۔ اوس دن اہل محشر کو کئی مواقف درپیش ہوں گے۔ متعدد جگہ اون کو ٹھہرایا جائے گا۔ قبروں سے نکلنا ایک موقف ہے۔

میدانِ حشر کا ایک موقف ہے۔ حساب کا ایک موقف ہے۔ صراط پر سے
گزرنے کا ایک موقف ہے۔ میزان عدل کا ایک موقف ہے جہاں اعمال
تولے جائیں گے۔ نامۂ اعمال دیا جانے کا ایک موقف ہے وقس علیٰ ھذا!
اب مذکورہ اِشکال خود بخود حل ہو جاتا ہے کہ سوال نہ ہوتا' یہ ایک موقف کا
بیان ہے۔ اور سوال ہوتا' دوسرے موقف کا حال ہے۔ سوال اور عدمِ
سوال' ایک ہی موقف اور محل میں تسلیم کیا جائے تو یہ ناقابل فہم بات ہوتی۔
جب ہر ایک کا محل جدا ہے تو کوئی اِشکال نہیں۔ بہرحال اس آیہ کریمہ میں
ارشاد ہو رہا ہے کہ مجرمین کی شناخت اور اون کی گرفتاری میں کچھ دشواری
نہ ہوگی۔ اون کی روسیاہی' اور نیلگوں آنکھوں سے صاف معلوم ہو جائیگا
کہ کون مجرم ہے؟

مجرمین کی بے بسی یہی نہیں بلکہ مجرمین کی بے بسی اور غم و اندوہ کا
جو عالم ہوگا اوس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ وہ واویلا مچانا چاہیں گے
اون کے منہ پر مہر لگادی جائے گی کہ دم نہ مار سکیں۔ اپنی مدد کے لئے
اِدھر اُدھر نظریں دوڑاتے ہوں گے۔ اون کی آنکھوں پر مہر لگا دی جائیگی
کہ کچھ دیکھ نہ سکیں۔ وہ کان لگائے رکھیں گے کہ اون کے لئے کوئی سفارش

کر رہا ہے یا کیا؟ اون کے کان بند کر دئے جائیں گے کہ کچھ سُن نہیں سکتے اب کیا سماں درپیش ہے کہ گونگے، اندھے، بہرے بن گئے ہیں کسی کی کچھ خبر نہیں سچ ہے دارالعمل دنیا میں بھی ان کا یہی حال تھا کہ قلب پر مہر تھی کوئی اچھی بات ان کے دل میں اُترتی نہ تھی سماعت پر بھی مہر تھی اور یہی حال بصارت کا بھی تھا کہ کوئی اچھی بات نظر نہ آتی تھی۔ ختم اللّٰہ علی قلوبھم وعلی سمعھم وعلی ابصارھم غشاوۃ ولھم عذاب عظیم۔ اون کے دلوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے اب کچھ سمجھ نہیں سکتے اون کے کان پر مہر لگا دی گئی ہے وہ سن نہیں سکتے۔ اون کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے وہ کچھ دیکھ نہیں سکتے صمّ بکم عمی فھم لا یعقلون۔ بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں۔ اب وہ کچھ بھی سمجھ نہیں سکتے" اللہ اکبر۔

یوخذ بالنواصی والاقدام کی تفسیر

فیوخذ بالنواصی والاقدام۔ اون کی پیشانی کے بال پکڑے جائیں گے۔ (اس طرح ان کو دوزخ کی طرف گھسیٹا جائے گا۔ اور کسی کی) ٹانگ پکڑ کر گھسیٹا جائے گا اس طرح ذلت وخواری کے ساتھ ہر مجرم دوزخ میں پہنچا دیا جائیگا۔ اور کسی کے ساتھ یہ دونوں عمل ہوں گے یعنی پیشانی کے بال اور اوس کی ٹانگوں کو

پیٹھ کی طرف سے ملاکر پکڑا جائے گا جس سے اوس کی ہڈیاں پسلیاں ٹوٹکر
چور چور ہوکر ایک حلقہ کی شکل پیدا ہوگی اور اوسی طرح اوس کو گھسیٹ کر
دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔ نہ کوئی فریاد سنی جائے گی اور نہ کوئی اوسکو
بچا سکیگا۔

فبأی آلاء ربکما تکذبان۔ پھر اپنے رب کی کن کن نعمتوں اور
کن کن آیات کی تکذیب کرتے رہوگے؟ ان پیش آئند باتوں سے
قبل از قبل آگاہ کر دینا' اللہ سبحانہ کی بڑی نعمت ہے۔ اگر قلب' انا
چشم بینا' گوش شنوا حاصل ہے تو ان عنایات و الطاف کی قدر کی جائے
اور وہ صورت اختیار کی جائے کہ ایسا روز بد دیکھنا نصیب نہ ہو۔

هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِیْ یُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ۘ یَطُوْفُوْنَ 55-43
بَیْنَهَا وَبَیْنَ حَمِیْمٍ اٰنٍ ۚ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۧ یہی 55-44
دوزخ ہے جس کو جھوٹ بتاتے تھے گنہ گار' چکریں کھاتے رہیں گے 55-45
درمیان اوس (دوزخ) کے اور کھولتے پانی کے' پھر کیا کیا نعمتیں اپنے
پروردگار کی جھٹلاتے جاؤ گے؟

لہ انی یأنی انیً فهو آنٍ كقضى یقضی فهو قاضٍ حان و ادرك و

کفار اس حیات دنیا میں مرکر زندہ ہونے، سوال کئے جانے حساب لیا جانے اور اوس پر سزا و جزا پانے کے قائل نہ تھے۔ اون کو دوزخ اور اوس کے عذاب سے ڈرایا جاتا تھا تو اون کو ان امور کا ایقان نہ تھا طرح طرح کا تمسخر اور استہزاء کرتے تھے۔ کتاب اللہ کو جھٹلاتے، انبیاء و رسل علیہم الصلاۃ والسلام کی تکذیب کرتے تھے۔ آج کفار بھی قبروں سے اوٹھائے گئے ہیں۔ فرشتے اون کو گرفتار کرکے دوزخ کی طرف گھسیٹ رہے ہیں

(بقیہ حاشیہ لہ صفحہ گذشتہ)

انی الجمر ای انتھی حرّہ۔ (مختار) اس کا ماضی مضارع قضی یقضی کے وزن پر باب ضرب سے آتا ہے اور آنٍ بروزن قاضٍ اسم فاعل ہے۔ جس کے معنی ہیں وقت آگیا۔ اور پختہ ہو گیا۔ اور انی الجمر محاورہ ہے یعنی چنگاری خوب سلگ گئی اور اوس کی سوزش انتہا کو پہنچ گئی۔" ارشاد باری تعالیٰ غیر ناظرین اناہ کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ اوس کے پکنے اور پختہ ہونے کا انتظار نہ کرو" یعنی دعوتوں میں وقت سے پہلے پہنچ کر کھانا پکنے کا انتظار کرتے نہ بیٹھو کہ اس سے میزبان کو تکلیف پہنچتی ہے۔ بہرحال انیٰ کے معنی پکنے اور پختہ ہونے کے ہیں۔

واللہ اعلم

اب ان کا یہ حال ہے کہ چہرے سیاہ پڑ گئے ہیں۔ آنکھیں نیلی ہو گئی ہیں۔ زبان بند ہے۔ ایسی ذلت و خواری دامنگیر ہے کہ اوس سے بچنے کی کوئی تدبیر نہیں۔ ملائکہ کہتے ہیں کہ یہی تو وہ دوزخ ہے جس کا تم کو مدۃ العمر انکار رہا۔ پیغمبروں کی زبانی جتنی خبریں پہنچائی گئی تھیں ایک ایک کرکے اون سب کی تصدیق ہو رہی ہے اور ہر چیز کا تم کو مشاہدہ کرایا جا رہا ہے۔ کیفیت یہ ہو رہی ہے کہ کبھی تو دوزخ کا عذاب اور سوزش و تپش، کبھی بھوک پیاس کا یہ عالم کہ جاں بلب ہیں۔ فریاد کرتے ہیں تو اون کو کھولتے ہوئے پانی کے پاس لایا جا رہا ہے جس کا یہ حال ہے کہ اگر اوس کا ایک قطرہ منہ میں گرے تو دماغ سے لیکر پاؤں تک جلنے لگے۔ چہرے کی تمام جلد اوس کی جانب سے گل کر پانی میں گر جائے۔ اور وہی پانی پینا پڑے۔

حمیمٍ آنٍ کی تفسیر کعب احبار کہتے ہیں: — آن وادمن اودیۃ جھنّم یجتمع فیہ صدید اھل النار فیغمسون باغلالھم فیہ حتی تنخلع اوصالھم ثم یخرجون منھا وقد احدث اللہ لھم خلقا جدیدا فیلقون فی النار فذلک قولہ تعالی یطوفون بینھا و بین حمیم آن۔ (قرطبی) جہنم کی ایک وادی کا نام "آنٍ" ہے

جس میں اہل دوزخ کی پیپ جمع ہوتی ہے۔ دوزخی اوس میں غوطے کھائینگے
جس سے اون کے تمام جوڑ بند ٹوٹ جائیں گے۔ پھر اون کو وہاں سے نکالا
جائے گا تو اللہ سبحانہ اون کو پھر سابقہ حالت میں بطور جدید لوٹا دیگا پھر
یہاں سے نکال کر اون کو دوزخ میں جھونک دیا جائے گا۔ (بس ان مجرمین کا
یہی حال رہیگا کہ کبھی دوزخ میں اور کبھی حمیم آن میں اور پھر وہاں سے
دوزخ میں۔) یطوفون بینہا وبین حمیم آن کی بس یہی تفسیر ہے“
فبأی آلاء ربکما تکذبان۔ پھر اپنے رب کی کن کن آیات و
اقتدار کی تکذیب کرتے رہوگے؟۔

55-46 وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۚ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا
55-47 تُکَذِّبٰنِ ۙ ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ[۱] ۚ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۝
55-48 اور اوس کے لئے جو ڈرتا ہوا اپنے رب کے آگے کھڑے ہونے سے دو جنتیں
55-49 (باغ) ہیں۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے؟ جن میں بہت سی
شاخیں ہیں۔ پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے؟“

(۱۹ ع ۲۷ (۳) ۵۵)

[۱] الفنن الغصن الغض الورق وجمعہ افنان ویقال ذلک للنوع

یہاں سے اون نعمتوں کا بیان شروع ہو رہا ہے جو عالم آخرت میں اہل ایمان کے لئے مہیا کی گئی ہیں۔ دنیوی نعمتوں کے بیان کے بعد اخروی نعمتوں کا بیان بہت دل آویز ہے جب دنیوی نعمتوں کا انکار نہیں ہو سکتا تو اخروی نعمتوں کا انکار بھی ایک بے معنی بات ہوگی۔

اوس عالم آخرت میں سب سے زیادہ کارآمد خوف خدا ہے اسی لئے اس کا بیان سب سے مقدم تر لایا گیا۔

خوف کے معنی | خوف کیا ہے؟ اس کے متعلق راغب اصبہانی لکھتے ہیں

(بقیہ حاشیہ لہ صفحہ گذشتہ)

من الشیٔ وجمعہ فنون وقولہ ذواتا افنان ای ذواتا غصون وقیل ذواتا الوان مختلفہ (مفردات) شاخ جس پر تازہ پتے ہوں اوس کو فَنَن کہتے ہیں اسکی جمع افنان آتی ہے۔ نیز یہ لفظ کسی چیز کے اقسام پر بھی بولا جاتا ہے اوسکی جمع فنون آتی ہے۔ ذواتا افنان جو ارشاد باری ہے اوس کے معنی شاخوں والے باغ۔ اور بعضوں نے کہا کہ رنگ برنگ کے باغ" **فقیر** عرض کرتا ہے کہ افنان جمع ہے فَنَن کی تو اوس کے معنی شاخ اور ڈالی کے ہونگے۔ نیز افنان جمع آتی ہے فَنٌّ کی اور فنون بھی جمع ہے فَنٌّ کی۔ گویا اس آیہ کریمہ میں دونوں احتمالات جاری ہو سکتے ہیں لیکن فَنَن کی جمع قرار دینا راجح ہے۔ واللہ اعلم۔

والخوف فی الاصل توقّع مکروہ عند امارۃ مظنونۃ او معلومۃ ویضادّہ الامن۔ خوف دراصل نام ہے کسی ناپسند چیز کا اندیشہ رکھنے کا جبکہ اوس کے قرینہ کے موجود ہونے کا گمان یا یقین ہو۔ "امن" اسکی ضد ہے۔

خوف خدا کے معنی والخوف من اللہ تعالی لا یراد بہ ما یخطر بالبال من الرعب کاستشعار الخوف من الاسد بل انما یراد بہ الکف عن المعاصی وتحرّی الطاعات ولذلک قیل لا یعدّ خائفا من لم یکن للذنوب تارکا۔ "خوف خدا سے" وہ رُعب مراد نہیں جو شیر کو دیکھنے کے بعد دل پر چھا جاتا ہے بلکہ انسان پر ایسی حالت طاری ہو کہ وہ گناہوں سے دور رہے اور طاعت کی تلاش میں لگا رہے یہی سبب ہے کہ جو شخص گناہوں کو نہ چھوڑتا ہو اوس کو خدا سے ڈرنیوالا نہیں کہا جاتا۔ اس کی تائید حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت سے ہوتی ہے:۔ من رکب طاعۃ اللہ وترک معصیتہ۔ (ابن جریر) خائف وہ ہے جس نے اللہ کی طاعت اختیار کی اور اوس کی نافرمانی چھوڑ دی۔" نیز مجاہدؒ سے مروی ہے:۔ ھو الرجل یرید الذنب فیذکر اللہ تعالی فیدع الذنب۔ خائف وہ شخص ہے جس نے کسی

گناہ کا ارادہ کیا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ کو یاد کر کے اوس ارادہ سے باز آیا"۔
کبھی ایسا ہوتا ہے کہ گناہ سرزد ہوجانے کے بعد اوس کو سزا کا اندیشہ پیدا
ہوتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہمیشہ کے لئے وہ اوس گناہ کو چھوڑ بیٹھتا
ہے۔ چنانچہ حضرت ابو الدرداءؓ فرماتے ہیں: ۔ ان النبی صلی اللہ علیہ
وسلم قرأ هذه الآية ولمن خاف مقام ربه جنتان
فقلت وان زنی وان سرق یا رسول اللہ فقال النبی علیہ
الصلاۃ والسلام الثانیۃ ولمن خاف مقام ربه جنتان
فقلت وان زنی وان سرق فقال الثالثة ولمن خاف مقام
ربه جنتان فقلت وان زنی وان سرق قال نعم وان رغم
انف ابی الدرداء۔ (امام احمد نسائی طبرانی حکیم ترمذی ابن ابی
شیبہ وغیرہم) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آیہ کریمہ ولمن خاف
مقام ربه جنتان کی تلاوت فرمائی تو میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ
کیا وہ زنا کرے چوری کرے (پھر خدا سے ڈرے) تو کیا اوس کے لئے
بھی دو جنتیں ہیں؟ اس پر حضرت نبی اکرمؐ نے پھر وہی آیہ کریمہ دوبارہ
تلاوت فرمائی اور میں نے بھی دوبارہ وہی سوال کیا۔ یہ سن کر آپ نے

تیسری مرتبہ بھی وہی آیہ کریمہ پڑھی اور میں نے تیسری دفعہ بھی وہی سوال کیا۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ ہاں ہاں اگرچہ ابودرداء کی ناک گھسی پڑے۔

خلیفہ عباسی کا ایک واقعہ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ایک رات میں گھر میں سو رہا تھا کہ خلیفۂ وقت کا چوبدار بلانے آیا وہاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ خلیفہ اور اون کی بی بی (زبیدہ خاتون) میں کچھ بحث آپڑی ہے۔ خلیفہ کہتا ہے کہ میں امام عادل ہوں جنت میں رہوں گا۔ بی بی کہتی ہے کہ تم خدا کے نافرمان ہو نافرمانوں کو جنت نہیں مل سکتی۔ اس پر امام محمدؒ نے دریافت کیا کہ امیرالمومنین! کبھی گناہ کے ساتھ آپ کو خوف خدا بھی آتا ہے؟ خلیفہ نے کہا کہ شدت کا خوف ہوتا ہے اس پر امام محمدؒ نے فرمایا ایسی حالت میں میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ کے لئے دو جنتیں ہیں۔ اور ساتھ ہی یہ آیت تلاوت کی جس سے یہ اختلاف دور ہو گیا۔ بعض اصحاب نے ایسا ہی واقعہ حضرت امام شافعیؒ کا بھی لکھا ہے۔ ممکن ہے آپ کو بھی ایسی صورت حال درپیش ہوئی ہو۔ بہرکیف خوف خدا کی بڑی اہمیت ہے۔ ؎

ظفر آدمی اوس کو نہ جانیے گا ۔۔۔ وہ ہو کیسا ہی صاحب فہم و ذکا

جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا

شانِ نزول عطاء بن یسار فرماتے ہیں :— ان ابا بکر الصدیق رضی اللہ تعالی عنہ ذکر ذات یوم وفکر فی القیامۃ والموازین والجنۃ والنار وصفوف الملائکۃ وطی السماوات ونسف الجبال وتکویر الشمس وانتشار الکواکب فقال وددت انی کنت خضرا من ھذہ الخضرۃ تاتی علیّ بھیمۃ فتأکلنی وانی لم اخلق فنزلت (ابن ابی حاتم ابو الشیخ) حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ نے ایک دن قیامت، میزان، جنت و دوزخ، فرشتوں کی صفوں، آسمانوں کے طے کر دیے جانے اور پہاڑوں کے اڑا دینے، آفتاب کے لپیٹ دئے جانے اور ستاروں کے جھڑ پڑنے کا حال یاد کر کے فرمایا مجھے تو یہ پسند تھا کہ میں گھاس کا تنکا ہوتا جس کو کوئی جانور کھا لیتا اور میں کاش (انسان بنا کر) پیدا نہ کیا جاتا۔ تو اس موقع پر یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی۔

اسی طرح کلمات خوف اکابرین سے مختلف اوقات میں صادر ہوئے ہیں۔ چنانچہ ایک موقع پر حضرت خلیفہ دوم سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے

فرمایا:۔ لیت امّی لم تلدنی۔ کاش! میں ماں کے پیٹ سے انسان بن کر پیدا نہ ہوتا۔ کاش میں بکری کا بچہ ہوتا جس کو کوئی بھیڑیا کھا لیتا اور اس طرح سارا قصہ ختم ہو جاتا۔ مولانا روم نے ان دونوں بزرگوں کے کلمات خوف کو اس طرح نظم فرمایا ہے:۔

کاشکے مادر نزادے مرمرا　　یا مرا گرگے بخوردے در چرا

مقام رب کی تفسیر

ابن زیدؒ فرماتے ہیں:۔ مقامه حین یقوم العباد یوم القیامة۔ (ابن جریر) "مقام رب" سے وہ موقف مراد ہے جہاں اہل محشر (اپنے اعمال کا حساب دینے کے لئے) کھڑے رہیں گے"۔ جسکی تعبیر دوسری جگہ اس طرح فرمائی گئی ہے:۔ یوم یقوم الناس لرب العٰلمین جس دن تمام لوگ رب العالمین کے حضور میں (حساب دینے کے لئے) کھڑے ہوں گے"۔ منتظر رہیں گے کہ پروردگار عالم کے دربار سے آج کیا فرمان صادر ہوتا ہے؟ کس کو کیا معلوم ہے کہ کیا ہوگا ان حالات میں جتنا اندیشہ بھی کیا جائے کم ہے۔ ارشاد باری یہ بھی ہے:۔ افمن ھو قائم علی کل نفس بما کسبت۔ بھلا اوس کا تصور کرو جو ہر شخص کی تاک میں کھڑا دیکھ رہا ہے کہ اوس نے کیا کیا کام کیے؟ فی الواقع یہ منظر

نہایت دہشتناک ہوگا۔ اگر اس سے امن مطلوب ہے تو اوس کی صورت یہی ہے کہ اوس دن کا اندیشہ آج یہیں سے کیا جائے اور یہیں سے طرز زندگی ایسا بنایا جائے کہ اوس دن پشیمانی نہ ہو۔

جنّتان کی تفسیر "جنّتان" کی تفسیر میں مفسرین کرام کی تصریحات حسب ذیل ہیں :—

(۱) ایک جنت خود اوس جنتی شخص کے رہنے اور اپنے دوست احباب سے ملنے کے لئے۔ اور دوسری اوس کے اہل خانہ اور خدم و حشم کے لئے۔ یعنی مردانہ منزل و زنانہ محل جدا جدا۔

(۲) دو باغ ہوں گے۔ ایک جنتی کے محل سے باہر اور ایک محل کے اندر یعنی خانہ باغ۔

(۳) دو مستقل قیام گاہیں۔ ایک وہ جہاں عموماً اقامت رہیگی یعنی دار المقامہ دوسرا تفریح گاہ جہاں بطور تفریح و سیر قیام ہوتا ہے۔

ع :— کبھی اس گھر میں رہتے ہیں کبھی اس گھر میں رہتے ہیں

اس کا مقابل مجرمین کی قیام گاہ سے کہ یطوفون بینها و بین حمیم آن کہ اون کی گردش دوزخ کی آگ اور وہاں کے کھولتے پانی کے

درمیان رہیگی۔

(۴) ایک روحانی اور دوسری جسمانی۔ رہی یہ بات کہ ایک ایک جنتی کو دو دو جنتیں کیوں اور کس بنا پر ملینگی؟ اوس کی تشریح یوں ہو سکتی ہے:

۱۔ ایک جنت حسن اعتقاد کا صلہ اور دوسری حسن عمل کا بدلہ۔

۲۔ ایک کارہائے خیر کرنے پر اور دوسری برائیوں سے دور رہنے پر۔

۳۔ ایک جزائے عمل کے طور پر دوسری محض فضل کی بنا پر۔

۴۔ ایک جنت خدا سے ڈرنے والے بنی آدم کے لئے، دوسری اسی صفت کے بنی جان کے لئے۔

کیا جن بھی جنت میں ہوں گے؟	کیا جن بھی جنت میں ہوں گے؟

اس میں بحث ہے۔ ظاہر سیاق سے جیساکہ اس سورۃ میں نیز دیگر مقامات میں جن وانس دونوں کو مخاطب کیا گیا ہے اور دونوں کو مکلف قرار دیا گیا ہے یہی معلوم ہوتا ہے کہ مومنین بنی آدم کی طرح، مومنین بنی جان بھی جنت میں جائیں گے۔ قرآن کریم میں ثواب وعقاب کا جس قدر بیان ہوا ہے وہ دونوں گروہ سے متعلق ہے مگر صاحب بحر العلوم نے یہ حدیث نقل کی ہے:۔ ان مؤمن الجن لھم ثواب وعلیھم عقاب ولیسوامن

اهل الجنة مع امة محمد هم على الاعراف حائط الجنة تجری فیه
الانهار و تنبت فیه الاشجار والثمار۔ قوم جن کے مومنین کو ثواب
ہوگا اور اون کے دوسرے گروہ کو عذاب بھی ہوگا۔ لیکن ثواب پانے والے
آنحضرت کی امتہ مرحومہ کے ساتھ جنت میں نہ ہوں گے اون کا مقام
اعراف پر ہوگا جو جنت کا احاطہ ہے۔ وہاں بھی نہریں بہتی ہوں گی اور
اوس میں شجر و ثمر سب کچھ ہوں گے" علامہ ابن حجرؒ نے اس حدیث کی
نسبت لکھا ہے۔ منکر جداً۔ حد درجہ منکر ہے اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بنی جان
ثواب و عقاب کا تعلق ضرور ہے مگر اوس کی کیفیت و نوعیت اور ہوگی یا اوس کا
محل بنی آدم کی جنت سے الگ ہوگا جیسا کہ دنیا میں بنی جان کی بود و باش بنی آدم سے ہٹ کر ہے واللہ اعلم
اس مسئلہ پر حضرت سید الشیوخ علیہ الرحمہ نے "سورۂ احقاف"
کی آیہ کریمہ یقومنا اجیبوا داعی اللہ کی تفسیر صفحہ ۱۹۴ میں محققانہ
بحث فرمائی ہے۔ شائقین مستفید ہو سکتے ہیں۔

جنتان کی وسعت عیاض بن غنم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک
حدیث مرفوع منقول ہے جس سے ہر جنت کی وسعت کا پتہ چلتا ہے جو
یہ ہے :۔ ان عرض کل واحدة منهما مسيرة مائة عام ان

دونوں میں سے ہر جنت کا عرض اتنا ہوگا جتنی کہ ایک سو سال کی مسافت"
جو جنت اس قدر عریض ہوگی اسی سے اوس کے طول کا اندازہ بھی کیا
جاسکتا ہے۔

جنتان کی تفسیر عارفین کے نزدیک

یہاں تک تفسیر ارباب شریعت کی تصریحات کے بموجب تھی۔ اہل عرفان سے بھی کچھ فیضان
حاصل کرنا سعادت سے خالی نہ ہوگا۔ استاذ قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے
ہیں:۔ جنّة معجّلة هي لذّة المناجات والتلذّذ بحقائق
المشاهدات ومايرد على قلوبهم من صدق الواردات و
جنّة مؤجّلة وهي الموعودة في الآخرة (اون دو جنتوں میں سے)
ایک جنت تو فوری ہے (جو خدا سے ڈرنے والے کو اسی عالم میں دیجاتی
ہے) وہ مناجات کی لذت ہے (جو دعا کرنے والے کو التجا کرتے وقت حاصل
ہوتی ہے) اور حقائق کے مشاہدات کی لذت' نیز خائفین پر جو واردات
قلبی گذرتے ہیں اوس کا لطف تو کچھ اون ہی کے دل سے پوچھنا چاہیے۔ ع

لطف این مے نہ شناسی بخدا تا نچشی

اور دوسری جنت وہ ہے جو کچھ دیر سے بعد کو حاصل ہوگی جس کا دار آخرت میں وعدہ
کیا گیا ہے"

خوفِ مخلوق و خالق میں فرق خوف مخلوق کا بھی ہوتا ہے اور خوف خالق کا بھی۔ مگر نتیجہ اور تاثیر ہر ایک کی جدا ہے مخلوق کے خوف کا لازمہ یہ ہے کہ خائف (ڈرنے والا) مخوف منہ (جس سے ڈرتا ہے اوس) سے بھاگتا ہے اور خوف خدا کا لازمہ یہ ہے کہ ڈرنے والا اپنا تعلق ماسوی سے توڑ کر رب الارباب سے جوڑتا ہے۔ اوس کو سبق ہی یہ پڑھایا گیا ہے فَفِرُّوا اِلَى اللهِ ۔ (اللہ سے ڈر کر اللہ ہی کی طرف دوڑ کر آؤ" ادھر ادھر نہ جاؤ۔ جس بندے کی یہ صفت ہے اوس کو دوہری نعمتیں کیوں نہ ملیں گی؟ اسی لئے ارشاد ہوا ولمن خاف مقام ربه جنّتٰن۔ جو اپنے رب کے آگے کھڑے کئے جانے سے ڈرتا ہو۔ (یعنی کھڑے کئے جانے سے پیشتر ہی باختیار خود حاضر دربار ہوتا رہا ہو) اوس کے لئے دو جنتیں ہیں"

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ۔ پھر اے گروہ جن وانس! تم اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کی تکذیب کرو گے؟ کیا ان جنتوں کا بھی انکار کرو گے جب کہ وہ تمھاری آنکھوں کے سامنے ہوں گی؟

ذواتا افنان کی تفسیر ذَوَاتَا أَفْنَانٍ۔ وہ دونوں باغ بہت سی

شاخوں والے ہوں گے" افنان جمع ہے فَنَن کی۔ جو پتلی پتلی نرم شاخ کو کہتے ہیں۔ ایسی شاخیں کسی ٹہنی سے پھوٹتی ہیں۔ ان ہی شاخوں پر پتے، پھول پھل لگتے ہیں۔ ایسی شاخیں جتنی زیادہ ہونگی اوس درخت کا برگ و بار اور سایہ بھی زیادہ ہوگا۔ یہاں بالاختصار کنایہ کے طور پر یہ بتانا منظور ہے کہ ان باغات کی نرم شاخیں بہ کثرت ہوں گی۔ جس سے پتوں، پھلوں، اور پھولوں کی کثرت لازمی ہوگی۔ پتوں سے رونق، اور سایہ، پھلوں اور میووں سے لطف ذائقہ، اور پھولوں سے خوشبو اور شامہ نوازی، یہ پورا بیان نہایت اختصار سے صرف ایک کلمہ ذواتا افنان میں جس خوبی کے ساتھ آیا ہے وہ ارباب ذوق سے پوشیدہ نہیں۔

ذواتا افنان کی دوسری تفسیر دوسری تفسیر حضرت ابن عباسؓ سے یوں مروی ہے کہ افنان جمع فنؓ کی ہے جس کے معنی یہ ہیں:۔ ذواتا انواع واشکال من الثمار۔ یعنی وہ دونوں باغ، مختلف اقسام اور مختلف اشکال کے میووں سے لدے ہوں گے"

فبأیّ آلاءِ ربّکما تکذّبان۔ پھر اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے؟ کیا ان باغات، اور اون کی شاخوں اور شاخوں پر پیدا ہونے والے پتوں،

پھلوں، پھولوں کا بھی انکار کرو گے؟

فِيهِمَا عَيْنَانِ تَجْرِيَانِ ۚ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝ 55-50

اون دونوں میں دو چشمے بہتے ہیں، پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے؟ 55-51

عیون جنت کا بیان | دو چشمے اون دو باغات میں جو بہتے ہوں گے

اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ ہر باغ میں ایک ایک چشمہ بہتا ہو۔ دوسری یہ کہ ہر باغ میں دو چشمے جاری ہوں۔ مفسرین کرام نے اس دوسری صورت ہی کو ترجیح دی ہے جیسا کہ ہر ایک خائف (ڈرنے والے) کے لئے دو دو باغ ہوں گے اسی طرح ہر ایک باغ میں دو دو چشمے جاری ہوں گے۔ نیز یہ کہ مجرمین کے بیان میں تھا۔ یرسل علیکما شواظ من نار ونحاس۔ تم دونو (جن وانس) پر چھوڑے جائیں گے شعلے آگ کے خالص اور دھواں ملے ہوئے" اس کا تقابل بھی یہی چاہتا ہے کہ یہاں بھی اوسی مناسبت سے ایک ایک باغ میں دو دو چشمے جاری کرنا مراد ہے۔ واللہ اعلم

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں:۔ ان میں سے ایک چشمہ کا نام "تسنیم" ہوگا اور دوسرے کا "سلسبیل"۔ جن کا پانی نہایت شیریں صاف، معطر ہوگا۔

عطیہ عوفیؒ کہتے ہیں:۔ عینان احدٰہما من ماءٍ غیر آسن

والاخری من خمر لذة للشاربین۔ دو چشمے ہوں گے جن میں سے ایک چشمہ تو پانی کا ہوگا جو کبھی سڑنے والا نہ ہوگا۔ دوسرا چشمہ شراب (طہور) کا ہوگا جس کے پینے والوں کو بے مثال لطف ملتا ہوگا"۔

یہ بھی لکھا ہے کہ دونوں چشمے پانی کے ہوں گے۔ لیکن اون کا بہاؤ اوس جنتی شخص کی مرضی کے تابع ہوگا۔ اگر یہ چاہے تو پانی مسک کے ٹیلوں سے اتر کر نیچے بہتا آئے۔ یا نیچے سے چڑھ کر اوپر کو پہنچے۔ جس طرح ٹاکی وغیرہ میں یہاں پانی کو اوپر چڑھا کر جمع کیا جاتا ہے۔

حضرت ابوبکر وراق فرماتے ہیں:۔ فیهما عینان تجریان لمن کانت عیناہ فی الدنیا تجریان من مخافة الله تعالی۔ اون دونوں باغوں ہیں "دو چشمے اون لوگوں کے لئے بہتے ہوں گے جن کی آنکھیں دنیا میں اللہ تعالیٰ کے خوف سے بہتی تھیں"۔ ؎

براں از دو سرچشمۂ دیدہ جوئے ورآلائشے داری از خود بشوئے
نریزد خدا آبروئے کسے کہ ریزد گناہ آب چشمش بسے

فبأی آلاء ربکما تکذبان۔ پھر اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ کیا ان چشموں کو بہتے ہوئے دیکھ کر بھی اون کی تکذیب کر سکو گے؟

۵۵(۵۲، ۵۳، ۵۴)

حاشا رکلا۔ آگے اوس پیدا وار کا بیان ہے جو اس پانی سے ہوگی۔

فِيْهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجٰنِ ۞ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا 55-5

تُكَذِّبٰنِ ۞ اون دونوں جنتوں میں ہر طرح کے میوے دو دو قسم کے 55-5

ہوں گے، پھر اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

من کلّ فاکھۃ زوجان کی تفسیر

ہر میوہ دو قسم کا اس طرح ہوگا کہ ایک قسم تو وہی جو اوس کی صورت، ذائقہ، خوشبو، خاصیت، دنیا میں معروف ومشہور تھی جس کو سبھی جانتے ہیں۔ دوسری قسم اوس سے جداگانہ بالکل نرالی۔ صورت دیکھنے سے تو معلوم ہوگا کہ یہ وہی معروف میوہ ہے جس کو ہم دنیا میں دیکھتے اور اوس سے لطف اندوز ہوتے تھے مگر جب اوس کو جنتی کھائیں گے تو پتہ چلیگا کہ یہ کوئی چیز ہی دوسری ہے جیساکہ حدیث شریف میں ہے:۔ مالا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر۔ جس کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کے کان اوس سے آشنا ہوئے اور نہ کسی کے دل میں کبھی خیال تک گزرا کہ یہ میوہ، اس ذائقہ اور اس خوشبو کا بھی ہوتا ہے جس کے خواص ایسے ہیں۔

یہ تفسیر بھی کی گئی ہے:۔ رطب ویابس ولا یتقصر یابسہ عن

رطبه فی الفضل والطیب۔ تر او رخشک (ہر میوے کے دو صنف ہونگے) وہاں کا خشک میوہ بھی وہاں کے تازہ میوے سے برتری اور خوشبو میں کسی طرح کم نہ ہوگا۔"

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ ما فی الدنیا ثمرۃ حلوۃ ولا مرۃ الا وھی فی الجنۃ حتی الحنظل (عبد بن حمید، ابن المنذر، ابن ابی حاتم) دنیا کا کوئی میوہ ایسا نہیں جو جنت میں نہ ہو خواہ وہ شیریں ہو یا تلخ، یہاں تک کہ اندرائن بھی ہوگا۔" مگر دوسری روایت میں اسقدر اضافہ ہے الا انہ حلو (بجز) مگر وہاں کا اندرائن بھی شیریں ہوگا۔" اصل یہ ہے کہ جنت کی جس قدر پیداوار ہے وہ حلاوت طاعات ہی کا ثمرہ ہے لہٰذا اس سے جو چیز بھی پیدا ہوگی وہ شیریں خوش ذائقہ ہوگی۔ ارشاد باری ہے:۔ وتلک الجنۃ التی اورثتموھا بما کنتم تعملون یہ وہی جنت ہے جس کے تم وارث بنائے گئے بدلہ ہے اون اعمال کا جو تم (دنیا میں) کرتے تھے۔"

فبأی آلاء ربکما تکذبان۔ پھر تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ کیا ان فواکہ اور اون کے اصناف کا بھی انکار کر سکو گے؟

اب ان ثمرات سے لطف اندوز ہونے والوں کا حال سن لیجئے۔

مُتَّكِئِينَ عَلَىٰ فُرُشٍ بَطَائِنُهَا مِنْ إِسْتَبْرَقٍ ۚ وَجَنَا 55-54

الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ ۞ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۞ (اہل جنت 55-55

ایسے عالی قدر) فرش پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے جس کا استر تک دبیز

ریشم کا ہوگا۔ اور دونوں باغات کے میوے اُن سے قریب (بلکہ

پاس ہی) ہوں گے۔ پھر اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

جو لوگ قیامت میں اللہ سبحانہ کے حضور میں کھڑے ہوکر حساب

دینے سے ڈرتے تھے اور اسی خوف کے پیش نظر، دنیا میں ہر کام خداوند

تعالیٰ شانہ کی مرضی کے مطابق انجام دیتے رہے اسی سعی پیہم میں اپنی

عمر ختم کی اور مدۃ العمر بندے بنے رہے۔ آج ان خائف بندوں کی

شان یہ ہے کہ مذکورہ باغات میں، ایسے اعلیٰ فرش پر شاہانہ انداز سے

تکیہ لگائے ہوئے خداوند تعالیٰ کی بے پایاں نعمتوں کا نظارہ کرتے ہونگے

اہل جنت کا فرش ان جنتیوں کے لئے اعلیٰ درجہ کے جو فرش انواع و

اقسام کے بچھائے جائیں گے۔ اور جنت کو ان کے لئے سجایا جائے گا۔

اس فرش کی ایک صفت یہ ہوگی کہ اس کا استر اعلیٰ سے اعلیٰ قسم کے

(۱) ۵۵ / ۵۵

دبیز ریشم کا ہوگا۔ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا:۔ اخبرتم بالبطائن فکیف بالظھائر (حاکم وغیرہ بروایت صحیحہ) تم کو صرف استر کی اطلاع دی گئی ہے اوس فرش کا ابرا کیسا ہوگا؟ ابن جبیرؒ نے کہا:۔ من نور جامد۔ جمے ہوئے نور کا ہوگا" اور ایک روایت یہ ہے:۔ من نور یتلألأ۔ چمکتے ہوئے نور کا ہوگا" حسن بصریؒ فرماتے ہیں:۔ البطائن ھی الظھائر۔ جو استر ہوگا ابرا بھی اوسی کا ہوگا" ابن عباسؓ نے فرمایا:۔ ذلك مما قال اللہ تعالی فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین۔ اس کا شمار اُن چیزوں میں ہے جس کی نسبت ارشادِ خداوندی ہے کہ اہل جنت کے لئے جو تحفظات دئے گئے ہیں اون کو کوئی نہیں جانتا"

عرض فقیر فقیر عرض کرتا ہے کہ فرشِ جنت کا یہ حال ہے کہ اوس کی تفصیل کسی کو معلوم نہیں تو اہل جنت کے استعمال کے پارچے اور خود جنتیوں کا لباس کیا ہوگا اور کیسا ہوگا؟ کوئی کیا بتا سکتا ہے بجز اس کے کہ جس حد تک منجانب اللہ علم کرایا گیا ہو۔

وجنا الجنتین دان کی تفسیر وَجَنَا الْجَنَّتَیْنِ دَانٍ۔ اُن

دونوں باغات کے میوے جنتیوں کے قریب ہی ہوں گے۔“ ابن عباسؓ
فرماتے ہیں :۔ تدنوا لشجرۃ حتی یجتنیہا ولی اللہ تعالیٰ ان شاء
قائما وان شاء قاعدا وان شاء مضطجعا۔ خود درخت جنتیوں سے
اتنے قریب ہوتے رہیں گے کہ اللہ کے محبوبین چاہیں تو کھڑے کھڑے
اون کا میوہ توڑلیں اور اگر چاہیں تو بیٹھے بیٹھے بلکہ لیٹے لیٹے۔“

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ۔ پھر اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو
جھٹلاؤ گے ؟“ کیا اہل جنت کے فرش کی تکذیب کروگے یا اوس کے استر کی
یا ابرے کی یا شاخہائے جنت کی یا اون کے میووں کی یا ہوا کے جھونکوں
کے ساتھ اون کے اس طرح قریب ہونے کی ؟

فِيهِنَّ قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنْسٌ قَبْلَهُمْ 55-56
وَلَا جَانٌّ ۚ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝ اُن میں نیچی نگاہ والیاں 55-57
ہیں جن سے ان اہل جنت سے پیشتر قربت نہ کی کسی انسان نے اور نہ
کسی جنّی نے“ پھر اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ؟“

طلبۂ علوم عربیہ سے خطاب | سابقہ آیات میں فیہما عینان اور
فیہما من کل فاکھۃ ضمیر تثنیہ لائی گئی تھی اوس کے برخلاف یہاں

(الرحمٰن ۵۵، آیت ۵۶، ۵۸)

فیھن کی ضمیر جمع مونث اس اعتبار سے ہے کہ ہر خائف کے لئے اللہ سبحانہ نے دو دو جنتیں مہیا فرمائی ہیں اور خائفین کا گروہ عظیم ہوگا لہٰذا جنتیں بھی بحیثیت مجموعی بکثرت ہوں گی نیز اوپر کی آیۃ کریمہ میں متکئین بصیغہ جمع ارشاد ہوا تھا جس میں خائفین کی کثرت کی طرف اشارہ تھا۔ ان ہر دو اعتبارات سے فیھما کی جگہ یہاں فیھن کہنا ہی مناسب تر ہے۔ واللہ اعلم

قاصرات الطرف کی تفسیر | قاصرات الطرف کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ قاصرات الطرف علی ازواجھن لا یرون غیرھم واللہ ماھن متبرجات ولا متطلعات (ابن جریر ابن المنذر ابن ابی حاتم بیہقی) اون عورتوں کی نظریں صرف اپنے ہی شوہروں کو دیکھتی ہوں گی الخ۔ مجاہدؒ اور حضرت سیدنا امام زین العابدینؒ سے بھی ایسی ہی تفسیر مروی ہے۔ یہ صفت اون کی طبعی ہونے کا ثبوت اس روایت سے بھی ملتا ہے کہ ہر ایک اپنے اپنے شوہر کو دیکھ کر یہ کہتی ہوگی:۔ وعزۃ ربی ما اری فی الجنۃ شیئا احسن منک فالحمد للہ الذی جعلک زوجی وجعلنی زوجک۔ میرے پروردگار کی عزت کی قسم کہ ساری جنت میں مجھے آپ سے بڑھ کر کوئی چیز حسین تر نظر نہیں آتی لہٰذا خدا کا

شکر ہے جس نے آپ کو میرا جوڑا اور مجھے آپ کا جوڑا بنایا۔" مطلب یہ کہ اہل جنت مرد ہوں یا عورتیں، اپنے اپنے حسن و جمال ذاتی میں گو ایک دوسرے سے بڑھے چڑھے ہوں کیوں کہ مدارج اعمال متفاوت ہیں مگر ہر شخص کو ایسا مناسب و موزوں جوڑا دیا گیا ہے کہ وہ دوسرے کے ساتھ وہ مناسبت و موزونیت نہیں رکھتا اب نظر دوسری طرف کیوں کر جا سکتی ہے۔

لم یطمثھن انس کی تفسیر لم یطمثھن انس قبلھم ولا جانّ۔ (اون عورتوں کی ایک صفت یہ بھی ہوگی کہ اون کو اس سے پیشتر نہ کسی انسان نے چھوا ہوگا اور نہ کسی جنّ نے"۔ گویا یہ قاصرات الطرف کی تفسیر یا صفت کاشفہ ہے کہ جب اون کو کسی نے دیکھا ہی نہیں اور نہ اونھوں نے کسی کو دیکھا تو اون کو چھونا، ہاتھ لگانا اور اُن سے قربت کرنا درکنار ہی رہا۔ انسان تو انسان بلکہ کسی جن کے لئے بھی اسکی نوبت نہ آسکی۔

نساء جنت سے مراد یہاں عورتوں سے مراد حورعین ہو تو لم یطمثھن انس قبلھم ولا جانّ اون پر پوری طرح صادق ہے کہ اون کو اب تک نہ کسی انسان نے چھوا اور نہ کسی جن نے، لیکن نساء دنیا

مرادلی جائیں تو اُن پر یہ ارشاد اس اعتبار سے صادق ہوگا کہ حیات دنیا کے بعد آخرت میں جو ان کی نشاتِ ثانیہ ہوگی اس نشاتِ ثانیہ میں اس سے پیشتر ان کو کوئی چھوا نہ ہوگا۔ گو حیات دنیا میں ایسا نہ ہوا ہو۔ کیوں کہ ظاہر ہے کہ دنیا میں بعض عورتوں کو نکاح ثانی کی بھی نوبت آئی تھی حقیقت یہ ہے کہ یہاں دونوں مراد ہیں۔ واللہ اعلم۔

ارشاد باری ہے :۔ انا انشأنٰھن انشاء فجعلناھن ابکارا عربا اترابا۔ ہم نے ان عورتوں کو (دوبارہ) بطور جدید اٹھایا ان سب کو باکرہ، شوہروں کی محبوبہ اور ہم سن بنانے کا فیصلہ کیا ہے۔ چنانچہ دنیا کی عورتیں جنت میں ان ہی اوصاف کی ہونگی۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۔ پھر اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ؟ کیا ان نعمتوں کا انکار بھی کرسکو گے ؟ ولا بشیٔ من نعمك نکذب ربنا فلك الحمد۔ پروردگار ہم آپ کی کسی بھی نعمت کے منکر نہیں ہوسکتے۔ ساری تعریفیں آپ ہی کی شایانِ شان ہیں۔"

کانھن الیاقوت والمرجان کی تفسیر

كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ ۔ (ان کا رنگ اتنا صاف اور نکھرا ہوا ہوگا کہ دیکھتے ہی 55-58

بادی النظر میں) گویا وہ لعل اور گلی ہیں یعنی سرخ و سپید صاف رنگ،
روشن رخ، ضیاپاش، نورانی کہ در و دیوار جنت اون کی تابناکی سے
جگمگاتے رہیں گے "

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۔ پھر اپنے پروردگار کی کن کن 55-59
نعمتوں کو جھٹلائے جاؤ گے؟ کیا ان نعمتوں کا بھی انکار کروگے؟

هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ج فَبِاَیِّ
اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۞ کیا بدلہ ہے نیکی کا سوا نیکی کے، پھر 55-60
اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ 55-61

احسان کے معنی "احسان" کے دو معنی ہیں۔ ایک حسن معاملہ خالق کے
ساتھ ہو یا مخلوق کے ساتھ۔ حسن بصریؒ فرماتے ہیں: الاحسان ان
یعم ولا یخص فیکون کالمطر والریح والشمس والقمر
(روح البیان) احسان یہ ہے کہ عام طور پر ہو اس میں کسی کی تخصیص نہ ہو۔
جیسے بارش اور ہوا، اور سورج اور چاند" کہ ان کا فیضان کسی جگہ اور
شخص کے ساتھ مختص نہیں ہر جگہ اور ہر شخص بلکہ ہر چیز کے لئے عام ہے۔
فیما بینہ و بین اللہ ہو۔ یا فیما بینہ و بین النفس۔ یا فیما بینہ

و بین الخلق ۔ ہر کسی کے ساتھ معاملہ اچھا ہو۔ کوئی انسان اس صفت کے ساتھ موصوف ہو تو اوس کو امید رکھنی چاہیئے کہ اوس کی جزا بھی دوسری طرف سے ایسی ہی ملیگی ۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ خود تو کسی کے ساتھ سلوک اچھا کرے اور وہ اوس کی جزا بری دے ۔ اگر کسی خبیث کی طرف سے بری جزا کبھی مل بھی جائے تو اللہ سبحانہ سے امید ہے کہ وہ اسکی بہترین جزا اپنے فضل و کرم سے مرحمت فرمائیگا ۔

مومن و کافر سب اس کے مخاطب ہیں

حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرماتے ہیں :۔ انزل اللہ علی ھذہ الآیۃ سجلۃ فی سورۃ الرحمٰن للکافر والمسلم ھل جزاء الاحسان الا الاحسان ۔ (ابن عدی، ابو الشیخ، ابن مردویہ، بیہقی، دیلمی، عن ابن عباسؓ) اللہ سبحانہ تعالیٰ نے سورہ رحمٰن کی اس آیہ کریمہ میں کافر ہو یا مسلم ہر ایک کے لئے ایک موثق سند یہ نازل فرمائی ہے کہ نیکی کا بدلہ نیکی کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا ۔"

حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا :۔ ھل جزاء من انعمت علیہ بالتوحید الا الجنۃ ۔ (ابن النجار عن علیؓ)

جس کسی کو ہماری طرف سے نعمت توحید نصیب ہوئی اوس کی جزا جنت سے
کم نہیں ہوسکتی "۔ اسی مضمون کی روایات، ابن ابی حاتم ابن مردویہ بیہقی
حکیم ترمذی، بغوی، دیلمی، عبد بن حمید، ابن المنذر وغیرہم نے ابن عمر،
جابر، انس، ابن عباس، عکرمہ، حسن بصری رضی اللہ عنہم سے نقل کی ہیں
اس کا مطلب یہ ہے کہ احسان کی بے شمار صورتیں ہوسکتی ہیں لیکن ان سب میں
اہم اور مقدم تر یقین توحید اور اوس کا اقرار ہے کہ انسان اللہ سبحانہٗ کی
وحدانیت کا یقین رکھے اور اس کا اقرار کرے شرک سے بیزار اوس سے
دور رہے۔ شرک جلی کو ترک کرے اور شرک خفی و اخفیٰ سے دور رہنے کی
امکان بھر کوشش کرتا رہے۔ یہ اعتقاد رکھے کہ ساری کائنات میں
لائق پرستش اسی وحدہٗ لاشریک لہٗ کی ذات واحد ہے اوس کے سوا
اور کوئی ہستی عبادت کے لائق نہیں۔ دنیا و آخرت میں اوسی کا حکم جاری
و ساری ہے۔ جب یہ خیال پختہ ہوجائے گا تو اوس کے تمام کام درست
ہوجائیں گے اور احسان کا دروازہ اوس پر کھل جائیگا۔ اب وہ جو
عمل بھی اس اعتقاد کے تحت کریگا وہ اسی دائرہ احسان میں ہوگا۔
ایسی حالت میں اس کے ساتھ بھی ہر طرف سے جو سلوک ہوگا احسان ہی کا

ہوگا۔ اور یہ سلسلۂ احسان اوس کو جنت میں پہنچائے بغیر نہ رہ سکیگا۔

قتادہ رح کہتے ہیں :۔ عملوا خیرا فجزوا خیرا۔ (ابن جریر)

ان لوگوں نے عمل خیر کیا تو ان کو جزا بھی خیر ہی کی دی گئی" یعنی دنیا میں انھوں نے جو کام کیا وہ خیر ہی خیر تھا تو آخرت میں اون کو جو جزا ملیگی وہ بھی خیر ہی خیر ہوگی۔ بہر حال یہ آیۂ کریمہ ایسی جامعیت رکھتی ہے اور ایسا ضابطہ حیات بتاتی ہے کہ عقل و نقل، تجربہ و عمل ہر طرح سے اس پر غور و فکر کرو تو اس کی حقانیت کا ہر پہلو روشن سے روشن تر ہی نظر آئیگا۔ مسلم اور غیر مسلم ہر ایک کے لئے صلائے عام ہے کہ اس پر غور کرے اور خوب غور کرلے اس کے بعد اس کی مرضی کہ وہ جس پہلو کو چاہے اختیار کرے۔

احسان کے دوسرے معنی

"احسان" کے دوسرے معنی وہ ہیں جو حدیث جبرئیل میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمائے :۔

ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک۔ (بخاری و مسلم عن عمر بن الخطاب رض) تم اللہ سبحانہ کی عبادت اس طرح کرتے رہو گویا کہ تم اوس کو دیکھ رہے ہو۔ اور اگر تم کو ایسی دید میسر نہیں تو (کم از کم یہ حقیقت تو کھلی ہوئی ہے کہ) وہ تم کو (ہر حال میں) دیکھ رہا ہے"

صوفیۂ کرام اس آیۂ کریمہ کے یہی معنی لیتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے اس خیال کو پختہ کرے کہ اللہ جل شانہ ہردم وہر آن اوس کے ساتھ ہے اور یہ اپنا ہر کام اوس کو دیکھتے ہوئے کر رہا ہے۔ اس حالت میں انسان کا جو کام بھی ہوگا ممکن نہیں کہ منشائے ربانی کے خلاف ہو۔ یہ جو بھی کرے گا اوس کی عین مرضی کے مطابق ہی کرے گا۔ یا کم ازکم یہ یقین کامل رکھے کہ اللہ سبحانہ کی نظر اوس پر لگی ہوئی ہے۔ وہ کسی وقت اس سے غافل نہیں ایسی حالت میں بھی انسان خواہ وہ کوئی ہو ممکن نہیں کہ کوئی عمل اوس کے خلاف منشا کر سکے۔ جب انسان اپنا ہر کام اس اعتقاد اور یقین کے ساتھ کیا کرے اور خدا تعالیٰ کو حاضر و ناظر جانتا رہے تو اللہ سبحانہ تعالیٰ بھی اوس پر ہمیشہ نظر کرم فرماتا رہیگا اور ہر عمل کی بہترین جزا سے بہرہ یاب فرمائے گا اور سب سے بہترین جزا رویت حق تعالیٰ سبحانہ ہوگی۔ کیونکہ مدۃ العمر وہ اسی طرح عبادت کرتے رہے گویا وہ اوس کو دیکھ رہے تھے تو یہاں اب حقیقی رویت سے سرفراز ہیں ذٰلک ھو الفوز المبین۔

فبأیّ آلاءِ ربکما تکذبان۔ تو (اے گروہ جن وانس!) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ کیا اس نعمت عظمیٰ کے انکار و تکذیب کی بھی

تمھارے لئے کوئی گنجائش ہے؟ ہرگز نہیں۔

5-62 وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ۚ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۙ

5-63 مُدْهَآمَّتٰنِ ۚ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۚ اور اُن دو کے سوا

5-64 اور دو باغ ہیں، پھر اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ گہرے سبز

5-65 سیاہی مائل، پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے؟"

ایک سوال کا جواب یہاں سوال ہوسکتا ہے کہ یہ دو باغ کن کے لئے ہیں؟ اس کا جواب دو طرح ہے۔ ایک یہ کہ اونھیں مقربین بارگاہ کیلئے جن کے لئے پہلے دو باغ تھے یعنی وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ۔ جو اپنے رب کے آگے کھڑے کئے جانے سے ڈرتے تھے اون کے لئے وہ دو باغ بھی تھے جن کا بیان گزر چکا۔ ان دو کے علاوہ ان کے لئے اور دو باغ ہیں جن کے اوصاف سابقہ دو سے مختلف ہیں۔ جس کا بیان آگے آرہا ہے۔ بہرحال خائفین میں سے ہر ایک کے لئے چار چار جنتیں ہوں گی جو جہات اربعہ شرق و غرب، شمال و جنوب میں پھیلی ہوئی ہوں گی۔ جس جہت میں چاہو رہو۔ اگرچہ وہاں یہ لیل و نہار، یہ چاند سورج، اور اون سے متعین ہونے والے جہات اربعہ نہ رہیں گے۔ وہ سماں ہی اور ہوگا مگر یہاں کی

موجودہ حالت سے نہایت ارفع واعلیٰ جس کی بہتری و برتری بیان میں نہیں آسکتی ۔

دوسرا جواب دوسرا جواب یہ ہے کہ سابقہ دو باغ تو خائفین کیلئے تھے جو مقربان بارگاہ ہیں ۔ اور یہ دو باغ اصحاب الیمین کے لئے ہوں گے جن کا بیان قرآن کریم میں متعدد جگہ آیا ہے ۔ نیز اس سورت کے بعد ہی سورۂ واقعہ میں اس کی توضیح فرمائی جا رہی ہے ۔ مقربین کے مقابلہ میں چونکہ اصحاب الیمین کا رتبہ کم ہے اس لئے ارشاد ہوا : ۔ ومن دونهما جنتان ۔ یعنی سابقہ جنتوں سے گھٹے ہوئے دو جنتیں اور ہیں "۔ اصل یہ ہے کہ لفظ دُون کے کئی معانی ہیں ۔ یہ لغات اضداد سے ہے ۔ اس کا اشتقاق دَنِیٌٔ اور دُنُوٌّ دونوں سے ہوسکتا ہے ۔ اگر اس کو دَنِیٌٔ سے لیا جائے تو کم درجہ اور گھٹیا کے معنی ہوں گے اور اگر دُنُوٌّ سے لیا جائے تو نزدیک اور قریب کے معنی ہوں گے ۔ اس کے علاوہ یہ غَیر یعنی سوا اور بجز کے معنی میں بھی آتا ہے ۔ ان اعتبارات سے لازمی طور پر تفسیر میں اختلاف ہوگا ۔ اسی وجہ سے مفسرین کرام نے مختلف معانی لکھے ہیں ۔ اور ہر ایک نے اپنی اختیار کی ہوئی شق کی توجیہ کی ہے جو بجائے خود

صحیح ہے جس کی صراحت آگے آئے گی۔

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ۔ پھر اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤگے؟ کیا ان دو جنتوں کا بھی انکار کروگے؟ اور یہ انکار کیا کام دے گا جب کہ اون میں رہنے والے اون کا مشاہدہ کرتے ہونگے۔

مدھامتان کی تفسیر مُدْهَامَّتَانِ۔ وہ دونوں باغات نہایت سرسبز مائل بہ سیاہی ہیں" ابن عباسؓ فرماتے ہیں:—

قد اسودّتا من الخضرة التی من الریّ من الماء۔ (ابن ابی حاتم) خوب سیراب ہوکر ایسے سرسبز ہیں کہ سیاہ دکھائی دے رہے ہیں" اسی قسم کی روایات عبداللہ بن زبیرؓ، ابوایوب انصاریؓ عطا بن ابی رباحؒ مجاہدؒ ابن جبیرؒ عکرمہ اور ضحاک رحمہم اللہ سے بھی مروی ہیں جن کے منجملہ ابوایوب انصاریؓ کی روایت حضور اکرمؐ سے ہے۔

کیا مدھامتن آیت ہے؟ مصنّف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ جابر بن زیدؒ نے نماز میں صرف مدھامّتان پڑھکر رکوع کر دیا" یہ اس بنا پر ہے کہ قرآن کریم کی کوئی سی آیت بھی نماز میں پڑھ لی جائے تو قراءت جو نماز کا رکن ہے بموجب ارشاد باری فاقرأوا ما تیسّر

من القرآن ادا ہو جائے گا۔ اور جابر بن زیدؒ مدھامتان کو آیت مانتے
تھے۔ قراء کے نزدیک یہ آیت ہے۔ اسی وجہ سے مصاحف شریفہ میں اس کے
بعد علامت آیت ۞ لکھی ہوئی ہے لیکن فقہاء کے نزدیک آیت قرار دینے
کے لئے اوس کا کم از کم دو کلموں پر مشتمل ہونا ضروری ہے جیسے قُمْ فَاَنْذِرْ ۞
وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۞ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۞ اگر ایک ہی کلمہ ہو جیسے مدھامتان
وہ آیت نہیں کہلائے گی۔ بہرحال قراء کے مسلک کے لحاظ سے اس صورت میں
نماز ہو جائے گی اور فقہا کے مسلک کے مطابق صرف مدھامتان پڑھ
دینے سے نماز نہ ہوگی۔ یہ ایک درمیانی بحث تھی جو افادہ عوام کے لئے
لکھ دی گئی۔ واللہ اعلم۔

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ۔ پھر اپنے رب کی کن کن نعمتوں کی
تکذیب کرو گے؟ کیا ان باغات کی ایسی سرسبزی کا بھی انکار کرو گے؟
نہیں نہیں ہرگز نہیں۔

فِيْهِمَا عَيْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ[1] ۞ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۞ 55-66 55-67
فِيْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ ۞ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۞ 55-68 55-69

[1] نضخہ، ینضحہ، وینضخہ، نضخا رشہ، وبلہ کنضحہ وقیل ھو ابلغ

۵۵ (الرحمٰن ۷۸)

اون میں دو چشمے ہیں اُبلتے ہوئے پھر اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاتے جاؤگے؟ اُن میں میوے ہیں اور کھجوریں اور اناڑ پھر اپنے رب کی کن کن

(بقیہ حاشیہ ۱ صفحہ گذشتہ)

من النضح وقیل دونه ونضخ الماء نضخا و نضخانا اشتد فورانه من ینبوعه او ما کان منه من سفل الی علو والنضاخ الکثیر الغزیر من الغیث یقال غیث نضّاخ ۔ عین نضّاخة ای فوّارة غزیرة وفی سورة الرحمٰن عینان نضّاختان قال ابوعبیدة ای فوّارتان (محیط المحیط) نضخ باب ضرب اور فتح سے چھڑکنے اور ترکرنے کے معنی میں آتا ہے نضح کے بھی یہی معنی ہیں ۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ نضح سے بڑھکر ہے بعض اوس سے کم بتلاتے ہیں ۔ نضخ الماء کے معنی چشمے سے اُبلنے کے ہیں ۔ اُبلتے چشمے کو عین نضّاخة کہتے ہیں نیز ایسے چشمہ کو جس کا پانی نیچے سے اوپر چڑھتا ہو ۔ جس میں پانی بکثرت ہو تو نضّاخ بصیغہ مبالغہ کہتے ہیں چنانچہ "عین نضّاخة" کے معنی ہیں پانی کی کثرت سے اچھلنے والا ۔ سورۃ الرحمٰن میں عینان نضّاختان جو وارد ہے ابوعبیدہ امام لغت نے اس کے معنی فوّارتان لکھے ہیں یعنی اُچھلنے والے "

نعمتوں کو جھٹلاتے رہو گے؟

عینٰن نضّاختٰن کی تفسیر

عینٰن نضّاختٰن کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ چھڑکاؤ کرنے والے چشمے جس سے زمین کی صرف بالائی سطح کسیقدر تر ہو جاتی ہے اس اعتبار سے یہ باغات اصحابُ الیمین کے ہوں گے جن کا درجہ مقربین سے کم ہے۔ یہ اگرچہ صرف ترشّح ہے مگر اس میں بھی ایک لطف خاص ہے جو زمین کے دُھلنے میں نہیں۔ کما قال الشاعر:

جشن شاہی میں عجب رنگ اُچھلتے دیکھا ساغر عیش کو بے پاؤں کے چلتے دیکھا

دوسرے معنی اُبلتے چشمے۔ ان کا لطف کیا پوچھنا؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حکم باری سے پتھر پر اپنی عصا سے ایک ضرب لگائی تھی تو بارہ چشمے پھوٹ نکلے تھے اس زور کے ساتھ کہ ہر چشمے کے جوش سے ایک نیا نغمہ سنائی دیتا تھا کہتے ہیں کہ ندا آئی:۔ موسیٰ قِ۔ اس کی حفاظت کرو"۔ یہی محفوظ نغمے آگے چل کر فن موسیقی کی اصل قرار پائے واللہ اعلم۔ اس لحاظ سے یہ باغات خائفین مقربین کے ہوں گے جن کی بدولت کہیں تو چمن کی آبیاری ہوتی ہوگی۔ کہیں فوّاروں کا نظارہ ہوگا کہیں دلکش نغموں کے ذریعہ سامعہ نوازی ہوتی ہوگی۔

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۔ پھر اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟
کیا ان نعمتوں کی تکذیب بھی کروگے؟ اگر تکذیب کروگے تو یاد رکھو محروم رہوگے۔
نعوذ باللہ منہ۔

نخل جنت کا بیان فیھما فاکھۃ ونخل ورمان' ان باغات میں
میوے اور کھجوریں اور انار ہوں گے" یہاں یہ خیال نہ کیا جائے کہ ایسے
باغات تو دنیا میں بہت ہیں۔ نہیں نہیں نخل جنت کی نسبت حضرت ابن
عباسؓ فرماتے ہیں :۔ نخل الجنۃ جذوعھا زمرد اخضر وکربھا ذھب
احمر وسعفھا کسوۃ لاھل الجنۃ منھا مقطعاتھم وحللھم وثمرھا
امثال القلال والدلاء اشد بیاضاً من اللبن واحلی من العسل
والین من الزبد لیس لہ عجم (ابن مبارک' ابن ابی شیبہ' ہناد' ابن ابی الدنیا'
ابن المنذر' ابن ابی حاتم' ابو الشیخ' حاکم بروایت صحیحہ' بیہقی) نخل جنت کی صفت
یہ ہے کہ اون کی تنہ' زمرد سبز کی ہوگی' اوس کی ٹہنیاں زر سرخ کی ہونگی اور
اوس کی شاخوں سے جنتیوں کا لباس تیار ہوگا۔ کتر بیونت کیا جانے والا
لباس ہو یا بغیر اوس کے استعمال کیا جاتا ہو اوس کے پھل بڑے بڑے مٹکوں
اور ڈول کے برابر' دودھ سے سفید تر' اور شہد سے شیریں تر اور مکہ سے

نرم تر ہوں گے اون میں گھٹلی نہ ہوگی ۔"

جنت کے انار اور فواکہ انار اور دوسرے فواکہ کو یہاں کے میووں کا صرف نام دیا گیا ہے اس اعتبار سے کہ اون کی صورت اس جیسی ہے ۔ مگر اونکی بالیدگی، شیرینی، لطافت، خوشبو، ذائقہ، اور خواص، ان میووں سے کہیں بالاتر ہوں گے ۔ حدیث شریف میں ہے :۔ من اکل رمانا انار اللہ قلبہ اربعین یوما ۔ جو ایک دفعہ انار کھا لیتا ہے تو اللہ سبحانہ چالیس دن تک اوس کے دل کو نورانی بنا دیتا ہے ۔"

نیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :۔ مامن رمانۃ من رمانکم ھذہ الا وھی تلقح وبحبۃ من رمان الجنۃ ۔ (ابن انس، عن ابن عباسؓ) تمہارے ان اناروں میں سے جو انار بھی ہے وہ جنت کے انار دانہ سے فیضان پاتا ہے ۔" اسی سے وہاں کے اناروں کا اندازہ کیا جا سکتا ہے ۔

جنت کے میووں کا حال عام طور پر یہ ہوگا :۔ کلما نزعت ثمرۃ عادت مکانھا اخریٰ وانھارھا تجری فی غیر اخدود ۔ (روح البیان) اون کا ایک پھل کبھی توڑ لیا جائے تو فوراً دوسرا اوس کی جگہ آموجود ہوگا

اوس کی نہریں بغیر نالیوں کے بہتی ہوں گی "

اگر یہ باغات اصحاب الیمین کے قرار دئے جائیں تو جنات المقربین کے مقابلہ میں یہ اس وجہ سے کم ہیں کہ جنات المقربین کا ہر میوہ دو طرح کا تھا۔ یہ وصف اصحاب الیمین کی جنتوں میں نہیں۔ نیز اس میں نخل و رمان کا ذکر ہے یعنی کھجوریں اور انار۔ کھجور خالص میوہ نہیں بلکہ اس میں غذائیت غالب ہے اور انار کا شمار دواؤں میں ہے جن کی ضرورت بھوکوں اور بیماروں کو ہوتی ہے۔ مقربین کو کسی غذا اور دوا کی حاجت نہیں۔ اونھوں نے اپنی خودی کو خوف خدا میں اس طرح فنا کر دیا ہے کہ اون کی عبودیت میں کوئی نقص باقی نہ رہا۔ یہ بارگاہ الٰہی میں قلب سلیم لیے ہوئے حاضر ہوئے ہیں۔ غذا او دوا کے محتاج نہ رہے۔ اس لئے اون کی ضیافت صرف فواکہ جنت سے کی جارہی ہے۔ اصحاب الیمین ان کے ہم رتبہ نہیں ہوسکتے اس لئے ان کی ضیافت فواکہ سے بھی ہورہی ہے اور غذا و دوا کی ساتھ ساتھ ہے۔

اگر یہ باغات بھی مقربین کے لئے تسلیم کئے جائیں تو معنی یوں ہوں گے کہ سابقہ دو جنتیں تو اون کے اعمال کی جزا کے طور پر تھے اور یہ دو جنتیں

فضل الٰہی سے مزید عطا ہوئی ہیں۔ واللہ ذو الفضل العظیم۔
فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ۔ پھر اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ کیا ان نعمتوں کو بھی جھٹلا سکو گے؟ حاشا وکلا۔

فِیْهِنَّ خَیْرٰتٌ حِسَانٌ ۚ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۚ 55-70
حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِی الْخِیَامِ ۚ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۚ 55-71
لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ۚ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا 55-72
تُکَذِّبٰنِ ۚ ان (جنتوں) میں اچھی عورتیں ہیں (نہایت) حسین۔ 55-73
پھر اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے؟ حوریں ہیں (سفید آنکھوں میں 55-74
نہایت سیاہ پتلیاں والی) ٹھہرائی ہوئی خیموں میں، پھر اپنے رب کی 55-75
کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے؟ نہیں چھوا اُن کو کسی آدمی نے اُن سے پہلے

(۵۵) سورۃ الرحمٰن (۷۸)

[1] خَیْرٰتٌ مخففۃ من خیّرات جمع خیّرۃ لان خیر الذی بمعنی اخیر لا یجمع فلا یقال فیہ خیرون ولا خیرات (روح البیان) خیرات بہ تخفیف یا خیّرات کا مخفف لفظ ہے۔ یہ خیّرۃ کی جمع مونث سالم ہے خیر بالتخفیف جو اَخْیَر صیغہ اسم تفضیل کا ہم معنی ہے اُس کی جمع سالم خیرون یا خیرات نہیں آتی۔ بلکہ اسکی جمع مکسر اَخْیَار اور خِیَار آتی ہے یعنی بہت اچھے اور نہایت ہی اچھے۔ واللہ اعلم۔

اور نہ کسی جن نے، پھر اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے؟

خیرات حسان کی تفسیر

ابو صالح کہتے ہیں: ــ عذاری الجنۃ ۔ (ابن ابی شیبہ، عبد بن حمید) جنت کی دوشیزہ عورتیں مراد ہیں۔"

قتادہؒ کہتے ہیں: ــ خیرات الاخلاق حسان الوجوہ۔ (عبدالرزاق، عبد بن حمید، ابن جریر) خوش خلق، خوب صورت۔"

امام اوزاعیؒ فقیہ شام فرماتے ہیں: ــ لسن بذیات اللسان ولا یغرن ولا یؤذین ۔ (ابن مبارک) وہ زبان دراز نہ ہوں گی۔ اون کو دوسری عورتوں سے جلاپا نہ ہوگا۔ نہ وہ اپنے شوہر کو ایذا پہنچائیں گی۔"

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں: ــ لا مراحات، ولا طماحات، ولا بخرات ولا ذفرات ۔ (ابن ابی شیبہ، ابن ابی الدنیا، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ) نہ غرور سے اکڑنے والیاں، نہ شوہر سے منہ پھیرنے والیاں، نہ گندہ دہن، نہ گندہ بغل۔" بعض روایات میں یہ اضافہ بھی ہے ولا متشوفات، ولا ذربات، ولا سلیطات، ولا طوافات فی الطرق ۔ نہ دوسروں کو دیکھنے والیاں، نہ چرب زبان، نہ زباں دراز، نہ راستوں میں پھرنے والیاں۔" بہرحال دُنیا کی

عورتوں میں جو عیوب پائے جاتے ہیں ان سب سے پاک اور مبرا۔ خلاصہ وہی ہوا جو قتادہ سے مروی ہے۔ خیرات الاخلاق حسان الوجوہ خوش خو اور خوب رو"

مسلمان بہنوں سے خطاب اوپر جن امور کا بیان ہوا ہے عموماً شوہر کو ناپسند ہوتے ہیں اگر وہ اغماض اور چشم پوشی سے کام لیتا ہے تو اوس پر دلیر نہ ہونا چاہیے۔ جو امور ترک کیے جا سکتے ہیں اون کو ترک کرنا چاہیے۔ اور اگر کوئی بات اپنے بس کی نہیں مثلاً گندہ دہنی وغیرہ جو فطری امر ہے تو اس کے مدنظر اپنی اکتسابی خوبی میں اضافہ کر دینا چاہیے مثلاً فوری اطاعت وغیرہ۔ خصوصاً راستوں میں پھرنا اور مردانہ مجالس میں، وہ بھی بن سنور کر آنا یہ شریعت محمدی میں کسی حال جائز نہیں۔ جنتی عورتوں کا یہ شیوہ نہیں ہے جیسا کہ روایت بالا سے معلوم ہوا۔ واللہ الموفق

فبای آلاء ربکما تکذبان۔ پھر اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے؟ کیا ان نعمتوں کا بھی انکار کرو گے؟

یہ تو وہ عورتیں تھیں جو نساء دنیا سے جنتیوں کے لیے مخصوص کی گئی ہیں ان کے علاوہ کیا کیا تیاریاں ہیں؟ ارشاد ہے:۔

حورٌ مقصوراتٌ فی الخیام۔ حوریں ہیں نہایت سیاہ پتلیاں والی جو خیموں میں ٹھہرائی گئی ہیں "۔ جنت میں آنے والے شوہر کا استقبال کرنے کے لئے انتظار کر رہی ہیں۔

حور مقصورات فی الخیام کی تفسیر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ لما اسری بی دخلت الجنۃ فاتیت علی نھر یسمی البیذخ علیہ خیام اللؤلؤ والزبرجد الاخضر والیاقوت الاحمر فنودیت السلام علیک یا رسول اللہ فقلت لجبرئیل ما ھذا النداء قال ھؤلاء المقصورات فی الخیام استاذن ربھن فی السلام علیک فاذن لھن فطفقن یقلن نحن الراضیات فلا نسخط ابدا ونحن المقیمات وفی لفظ الخالدات فلا نظعن ابدا۔ (ابن مردویہ بیہقی عن انسؓ) لیلۃ الاسراء میں جب مجھے سیر کرائی گئی تو میں جنت میں گیا ایک نہر پر پہنچا جس کا نام "بیذخ"[1] ہے۔ اوس کے کناروں پر سپید

[1] فارسی میں شراب کو "بادہ" کہتے ہیں۔ "بیذخ" اوسی کا معرب ہے۔ یعنی شراب کی نہر پر گذر ہوا۔ کما قال تعالیٰ وانھار من خمر لذۃ للشاربین۔ جنت میں شراب کی نہریں ہوں گی جس کے پینے والوں کو خوب لطف آئیگا۔"

موتیوں اور زمرد سبز اور لعل سرخ کے خیمے پڑے ہوئے ہیں ۔ وہاں سے مجھے آوازیں آنے لگیں ۔ السلام علیك یا رسول اللہ ۔ السلام علیك یا رسول اللہ ۔ اے اللہ کے پیارے رسول ! آپ پر ہمارا اسلام ہو۔ اور اے رسول کریم ! ہمارا اسلام لیجئے ۔ میں نے جبرئیلؑ سے دریافت کیا کہ یہ کیا آوازیں آرہی ہیں ؟ جبرئیلؑ نے کہا کہ یہ (صنف نازک کا) ایک گروہ ہے یہ ان ڈیروں میں ٹھہرائی گئی ہیں ۔ آج انھوں نے اپنے پروردگار تعالیٰ شانہٗ سے اجازت چاہی تھی کہ (یہاں آپ کی رونق افروزی ہوگی تو) یہ آپ کو سلام کریں گی ۔ اللہ جل شانہٗ نے ان کو اجازت مرحمت فرمائی (حضورؐ فرماتے ہیں) وہ متفق اللفظ یہ کہہ رہی تھیں کہ ہم اپنے اپنے شوہر سے خوش رہینگی کبھی ناراض نہ ہوں گی ۔ ہم ہمیشہ یہیں رہیں گی ۔ یہاں سے سفر نہیں کریں گی "۔ وہاں حوروں کا جو نغمہ ہوگا اوس کا ترجمہ یہ ہے :-

حورِ عین کا نغمہ ہم خوش و خرم رہنے والیاں ہیں ۔ ناراضی کیا ہے ہم کو معلوم نہیں ؟ ہم ہمیشہ اپنے شوہر کے ساتھ رہنے والیاں ہیں ۔ اوس کو چھوڑ کر چلی جانا ہم کو معلوم ہی نہیں ؟ ہم ہمیشہ زندہ رہنے والیاں ہیں ۔ موت کو ہم جانتی تک نہیں ۔ ہماری تازگی اور رونق دائمی ہے سن رسیدگی یا خشکی

بے رونقی سے ہم کو دور کا بھی واسطہ نہیں ۔ ہم خوش خو اور خوب رو ہیں
اور باعزت شوہر کی محبوب ہیں "

امام ترمذیؒ نے حضرت سیدنا علیؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اسی کے قریب قریب روایت نقل کی ہے ۔

مومنات اہل دنیا کا جواب حضرت ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا :۔ انّ الحور العین اذا قلن ھذہ المقالۃ اجابھنّ المؤمنات من نساء اھل الدنیا :۔

نحن المصلّیات وما صلّیتنّ، ونحن الصائمات وما
صمتنّ ونحن المتوضّأت وما توضّأتنّ، ونحن
المتصدّقات وما تصدّقتنّ،

قالت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا فغلبنھنّ واللہ (جمل علی الجلالین)
حورعین جب مذکورہ نغمہ سے فارغ ہوجائیں گی تو اہل ایمان خواتین ان کو یہ جواب دیں گی "

نساء مومنات کا نغمہ ہم وہ ہیں جو (مدۃ العمر شوہر کی خدمت کیا کرتی تھیں)
نمازیں (بھی) پڑھتی رہیں ۔ اور نماز کیا چیز ہے تم جانتی تک نہیں اور ہم

وہ ہیں جو روزہ رکھا کرتی تھیں اور تم کو روزے کی خبر تک نہیں۔ اور ہم باوضو رہا کرتی تھیں اور تم وضو کیا جانیں۔ اور ہم خیرات و صدقات میں حصہ لیتی رہیں۔ اور تم کیا جانو کہ خیرات کیا ہے۔" اس کے بعد حضرت ام المومنین رضی نے فرمایا بخدا! نساء مومنات حور عین پر غالب رہیں۔"

عرض فقیر فقیر عرض کرتا ہے کہ نساء مومنات کے اس نغمہ میں اُن آیات کریمہ کی طرف اشارہ ہے جن میں ایمان دار عورتوں کی فضیلت بتائی گئی ہے۔ مثلاً فالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِلْغَیْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰہُ۔ نیک بی بیاں اطاعت گزار ہوتی ہیں غائبانہ محافظ ہوتی ہیں اللہ سبحانہ کی حفاظت سے۔" مُسْلِمٰتٍ مُؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰئِحٰتٍ ثَیِّبٰتٍ وَّاَبْکَارًا۔ حکم بردار یقین رکھنے والیاں نماز میں کھڑی ہونیوالیاں توبہ کرنے والیاں بندگی بجالانے والیاں روزہ رکھنے والیاں بیاہیاں اور کنواریاں۔" انّ المسلمین والمسلمٰت والمؤمنین و المؤمنٰت والقٰنتین و القٰنتٰت و الصّٰدقین و الصّٰدقٰت و الصّٰبرین والصّٰبرٰت والخٰشعین والخٰشعٰت و المتصدّقین والمتصدّقٰت والصّآئمین و الصّٰئمٰت و الحٰفظین فروجھم والحٰفظٰت والذاکرین اللّٰہ

کثیرا والذّٰکرات اعدّ اللہ لھم مغفرۃ واجرا عظیما۔ یقیناً
مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، اور ایماندار مرد اور ایماندار عورتیں،
اور بندگی کرنے والے مرد اور بندگی کرنے والی عورتیں، اور سچے مرد اور
سچی عورتیں، اور محنت جھیلنے والے مرد اور محنت جھیلنے والی عورتیں اور
(امرِ الٰہی کے آگے) دبے رہنے والے مرد اور دبی رہنے والی عورتیں، اور
خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں، اور روزہ دار مرد اور
روزہ دار عورتیں، اور حفاظت کرنے والے مرد اپنی شہوت کی جگہ کو اور
حفاظت کرنے والی عورتیں، اور کثرت سے اللہ کی یاد کرنے والے مرد اور
یاد کرنے والی عورتیں، رکھی ہے اللہ نے اُن کے واسطے معافی اور ثواب بڑا۔

ایماندار عورتوں کی فضیلت حورعین پر

یہاں ایک بحث یہ ہے کہ
جنتی بی بیاں، اور حورعین، ان دونوں میں فضیلت کن کو حاصل ہے؟
روایات دونوں جانب ہیں لیکن انصاف کی بات یہ ہے کہ بہادر مردوں
کے ساتھ صنفِ نازک کی یہ ہمسری ان صفاتِ حسنہ اور اخلاقِ فاضلہ میں
یقیناً قابلِ داد ہے حورعین کے یہ نصیب کہاں۔ امیر المومنین فی الحدیث
حضرت عبداللہ بن مبارکؒ راوی ہیں:۔ ان نسآء اھل الدنیا

اذا دخلن الجنۃ فضّلن علی الحور العین باعمالھن فی الدنیا۔
(ہناد) دنیا والوں کی بی بیاں جب جنت میں جائیں گی تو اپنے اعمال صالحہ
کی بدولت جو دنیا میں کئے تھے حور عین پر بھی فضیلت و برتری پائینگی"
صنف نازک کو یہ فضیلت مبارک ہو آمین۔
فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ۔ پھر اپنے رب کی کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے
کیا ان نعم جلیلہ کا بھی انکار کرو گے؟
لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا
تُکَذِّبٰنِ۔ ان حوروں کو قبل ازیں نہ کسی انسان نے چھوا ہوگا اور نہ
کسی جنّی نے۔ پھر اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟" کیا کوئی اس کا
انکار بھی کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ لم یطمثھن کی تفسیر اسی رکوع میں
گزر چکی ہے۔

مُتَّکِئِیْنَ عَلٰی رَفْرَفٍ[1] خُضْرٍ وَّعَبْقَرِیٍّ[2] حِسَانٍ ۚ فَبِاَیِّ 55-76
اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۔ تکیہ لگائے ہوں گے سبز مسندوں پر اور قیمتی 55-77

[1] رفرف وسائد او نمارق جمع رفرفۃ وقیل الرفرف ضرب من البسط

55 (۱) سم ۲۷ ، ۲۷

نفیس بچھونے پر، پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے؟ -

(بقیہ حاشیہ لہ صفحہ گذشتہ)

او ذیل الخیمة وقد یقال لکل ثوب عریض - (محیط المحیط عن البیضاوی)

تکیے اور مسندوں کو رفرف کہتے ہیں یہ رفرقۃ کی جمع ہے۔ نیز رفرف ایک خاص نوع کے بچھونے کو بھی کہتے ہیں۔ خیمہ کی جھالر بھی رفرف ہے نیز ہر ایک کپڑا جس کا پنہا (عرض) زیادہ ہو۔" فقیر عرض کرتا ہے یہاں مسند مراد ہے جس میں نرم گدے، تکیے، قیمتی فرش، جھالر پھندنے سبھی کچھ لگے رہتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

لہ العبقر موضع تزعم العرب انہ من ارض الجن وعبقر ایضا قریۃ ثیابھا فی غایۃ الحسن - العبقری الکامل من کل شیٔ والسید والذی لیس فوقہ شیٔ والقوی والشدید وضرب من البسط فاخر فیہ اصباغ و نقوش (محیط المحیط) "عبقر" ایک جگہ کا نام ہے جس کی نسبت عرب کہتے ہیں کہ وہ مسکن جن ہے۔ نیز ایک مقام کا نام ہے جہاں نفیس کپڑے تیار ہوتے ہیں عبقری (اسی کی طرف منسوب ہے۔ نیز) ہر کامل شئ کو عبقری کہتے ہیں۔ اور سردار اور وہ جس سے بڑھ کر کوئی نہ ہو۔۔ زور آور، سخت، اور بہترین بچھونا رنگ برنگ کا جس میں نقوش اور جھالر چھپے ہوں۔" فقیر عرض کرتا ہے یہاں آخری معنی ہی مراد ہیں۔ واللہ اعلم

متکئین علی رفرف کی تفسیر یعنی اہل جنت جو نعم جنت سے مستفید ہوں گے اون کی شان یہ ہوگی کہ وہ فرش زمردیں پر جو رنگ برنگ کے نقوش اور اعلیٰ بیل بوٹوں سے مزین ہوگا مسند لگائے ہوئے ان تیاریوں کا نظارہ کرتے ہوئے اللہ سبحانہ کی مہیا فرمائی ہوئی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے رہینگے۔

اگر یہ دونوں جنتیں ابرار و اصحاب الیمین کی قرار دی جائیں تو گو بجائے خود یہ باغات اور یہ سامان تفریح ایک خاص شان کا حامل ہے لیکن مقربین کی جنتیں کچھ اور ہی شان خاص رکھتی ہوں گی۔ اگر یہ فرش و فروش، رنگ و نقوش کا مظاہرہ کرتا ہوگا تو مقربین کی مسندیں جن ثیاب فاخرہ سے تیار ہوں گی اپنی نوع وجنس کے اعتبار سے ایسی نفیس ہوں گی کہ اون کا استر تک دبیز ریشم کا ہوگا ابرا کیا ہوگا اوس کو استر پر قیاس کرلیا جائے۔ رنگ اور نقش اعراض میں شامل ہے اور استر و ابرا جواہر ہیں عرض عرض ہے اور جوہر جوہر۔ اور اگر یہ جنتیں بھی مقربین ہی کی ہیں تو بمصداق کل جدید لذیذ ہر نئی چیز بالذت ہوتی ہے اون کا لطف دوبالا ہوگا۔

نوشیروان کے ایوانِ خاص کا فرش لکھا ہے کہ نوشیروان کا فرش جو اوسکے

ایوانِ خاص میں بچھایا جاتا تھا۔ ساٹھ مربع گز کا تھا۔ موسم بہار میں رنگ برنگ کے پھول جو کھلتے ہیں اون کے ہمرنگ جواہرات اور موتی اوس میں پروئے جاتے۔ اور بہار ختم ہو جانے کے بعد اوس کو ایوان خاص میں بچھایا جاتا تھا۔"

یہ تکلفات ایک حصۂ زمین کے دو روزہ بادشاہ کے تھے تو احکم الحاکمین کی مہمان نوازی اپنے مقربین و محبوبین کیلئے کیا کچھ شاندار ہو گی؟

فَبِأَیِّ آلَاۗءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبَانِ۔ پھر اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے؟

قوم سے خطاب یاد رکھو کہ دنیوی نعمتوں کے انکار کی گنجایش نہیں جن کا بیان اس سورت مبارکہ کے پہلے رکوع میں گزر چکا۔ اور نہ اُن سزاؤں اور تعزیرات کا انکار کیا جا سکتا ہے جو خلاف ورزی کرنے والوں کے لئے مقرر ہیں جن کا بیان دوسرے رکوع میں ہوا۔ کیوں کہ ہر سلطنت' اپنے قانون کی خلاف ورزی پر قانونی سزا سے نہیں چوکتی۔ لہٰذا احکم الحاکمین کا قانون الٰہی بھی ہے کہ اپنے نافرمان' خطاکار' افراد اور جماعتوں کو اون کے کیفر کردار کو پہنچائے اور دستور الٰہی میں بتائی ہوئی سزائیں اون کے حق میں نافذ کرے کہ یہی تقاضائے عدل ہے۔ معمولی عقل و فہم والا بھی اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ رہی اخروی نعمتیں جن کا بیان تیسرے رکوع میں ہوا ہے اونکو بھی

تسلیم کرنا ہی پڑے گا۔ اگر انکار کروگے تو نتیجہ محرومی اور صرف محرومی ہوگا۔ غور کرو
اور خوب غور کرو کہ یہ سارا نقصان محض حکومت الٰہیہ کے تسلیم نہ کرنے کا ہے۔ اگر اس پر آئندہ بھی
اڑے رہوگے تو خود اپنا نقصان کروگے اور جو تیاریاں تمہارے لئے کی گئی ہیں
وہ صرف تمہارے انکار کے باعث خدائے بے نیاز کے احکام ماننے والے دیگر
اصحاب کو دیدی جائینگی۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ جنتیں جملہ بنی آدم کی
تعداد کے مطابق بنائی گئی ہیں۔ مستحقین کو اون کا حق بہر حال ملیگا۔ اور جو غیر مستحق
قرار پائینگے اون کا حصہ بھی اُن ہی مستحقین کو دیدیا جائیگا۔ ذٰلک فضل اللّٰہ۔
لہذا خیر اسی میں ہے کہ طریق انکار چھوڑ دیں اور اقرار و تسلیم کی راہ اختیار کریں۔

رحمٰن ۵۵ ع ۳ ۲۳ ۱۳

تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِی الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۝ بڑی برکت 55-7
والا ہے نام آپؐ کے رب کا جو بڑائی والا اور عظمت والا ہے۔"

اسم اعظم سے دعا قبول ہوتی ہے

حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں: سمع النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم رجلا یقول یاذا الجلال والاکرام قال قد استجیب لك فسل۔ (ادب للبخاری، ترمذی، ابن مردویہ، بیہقی) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص سے یہ کلمہ دعائیہ سماعت فرمایا: یاذا الجلال والاکرام اے بڑائی والے اور عظمت والے خدا!

آپؐ نے فرمایا۔ تیری یہ دعا قبول کرلی گئی اب مانگ لے۔ (جو مانگنا چاہتا ہے)"۔

ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ۔ کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اذا انصرف من صلاتہ استغفر ثلاثا ثم قال اللھم انت السلام ومنك السلام تبارکت یا ذا الجلال والاکرام۔ (مسلم' ابوداود' ترمذی' نسائی' ابن ماجہ' بیہقی) حضرت رسول اللہؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اپنی نماز سے فارغ ہوتے تو تین دفعہ استغفار فرماتے پھر یہ دعا پڑھتے: ۔ (ترجمہ) اے اللہ! تو ہی سلامتی والا ہے اور تجھی سے رب کی سلامتی ہے اے بڑائی والے اور عظمت والے خدا! تو کیا ہی برکت والا ہے"۔

بہرحال "ذوالجلال والاکرام" **اسم اعظم** ہے جس پر یہ سورۃ عظیمہ ختم ہورہی ہے۔

تبارك اسم ربك کی تفسیر | تبارك اسم ربك ذی الجلال والاکرام

میں یہ ارشاد ہورہا ہے کہ اس سورۃ عظیمہ کے پہلے رکوع میں جن دنیوی نعمتوں کا بیان ہوا اور دوسرے رکوع میں جس دستور عدل کا ذکر کیا گیا اور تیسرے رکوع میں جن اخروی نعمتوں کی تفصیلات سنائی گئیں یہ سب کچھ اسی ذوالجلال والاکرام کے نام کی برکت ہے۔ اور اس دنیائے دنی میں اللہ سبحانہ کے نام کے سوا اور کونسی چیز ہے

جو مومن کی دلچسپی اور اوس کے سکون قلب کی موجب ہو۔

اللہ کے نام کی برکت | شرط ایمان ہے:۔ لآ الٰہ الا اللّٰہ۔ کسی کام کا آغاز ہے۔ بسم اللہ۔ نماز کا آغاز ہے تو ارشاد ہوا:۔ وذکر اسم ربہٖ فصلّٰی۔ اللہ کا نام لیا اور نماز پڑھی" اسی سے ماخوذ ہے:۔ سبحانک اللھم وبحمدک وتبارک اسمک:۔ اے اللہ تو ہر ناموزوں وصف سے پاک ہے اور تیری ہی تعریف ہے۔ اور تیرا نام بھی کیا بابرکت ہے" نماز میں حکم ہے:۔ فسبّح باسم ربّک العظیم۔ سبّح اسم ربّک الاعلیٰ۔ اپنے باعظمت رب کے نام کی پاکی بیان کیجئے۔ اپنے رب کے نام کی پاکی بیان کیجئے جو سب سے بلند تر ہے" اسی سے تسبیحات رکوع وسجود سبحان ربی العظیم اور سبحان ربی الاعلیٰ ماخوذ ہیں۔ سوتے جاگتے ہمیں ادب یوں سکھایا گیا ہے کہ باسمک اموت وباسمک احیا کہیں۔ پروردگار! میں تیرا ہی نام لے کر سوتا ہوں اور تیرا ہی نام لیکر اٹھتا ہوں" کسی اہم کام میں ہاتھ ڈالتے ہیں تو یوں کہنا چاہئے بسم اللّٰہ الذی لا یضرّ مع اسمہ شیءٌ فی الارض ولا فی السماء۔ اللہ کے نام سے آغاز کرتا ہوں جس کا نام لے لینے کے بعد نہ کوئی چیز زمین میں ضرر پہنچا سکتی ہے اور نہ آسمان میں" جانور ذبح کرتے ہیں تو یہ کہنے کا

حکم ہے۔ بسم اللّٰہ واللّٰہ اکبر۔ اللہ کے نام پر ذبح کرتا ہوں اور اللہ ہی سب سے بڑا ہے۔"
جہاز پر سوار ہو کر نوح علیہ السلام نے یہ پڑھا۔ بسم اللّٰہ مجریھا و مرسٰھا۔ اسکی روانی اور
ٹھہراؤ دونوں کام اللہ کے نام سے ہیں۔" اسلئے ہر سواری پر جاتے ہوئے یہ دعا پڑھی جاتی ہے۔
الغرض جو کام بھی ہو خواہ دنیا کا خواہ عقبیٰ کا۔ اللہ کے نام سے کیا جاتا ہے۔ اسی نام پاک
کی برکت ہے۔ اس حیات دنیا میں مومن کی نظر اللہ سبحانہ کے نام پر ہے۔ اسی نام پر وہ
ہر کام کرتا ہے۔ اس لحاظ سے مومن کو یہاں جو کچھ ملتا ہے یا ملا ہے اور آخرت میں جو کچھ ملیگا
وہ اللہ سبحانہ کے نام پاک ہی کی برکت ٹھہری۔ اسلئے ارشاد ہو رہا ہے۔ تبارک اسم
ربك ذی الجلال والاکرام کیا ہی با برکت نام ہے آپ کے پروردگار کا
جو ہر طرح کی بڑائی والا اور کمال درجہ کی عظمت والا ہے۔"

اسم کی برکت سے مسمٰی کی برکت اب غور کرنا چاہیئے کہ رب العزۃ کے نام
پاک کے یہ برکات ہیں تو اس کی ذات بے چون وبے چگون کی کیا شان ہو گی؟
اہل جنت اس نعمت مشاہدۂ الٰہی سے سرفراز ہونگے۔ اسم ایسا ہے تو مسمٰی کیسا ہو گا؟
سبحانہ ما اعظم شانہ۔ جل جلالہ و عم نوالہ۔

الحمد للہ کہ عرس القرآن سورۃ الرحمٰن کی تفسیر ختم ہوئی۔ دعا ہے کہ
اللہ سبحانہ تعالیٰ حسن قبول عطا فرمائے آمین ثم آمین۔

(۱۰ ذیقعدۃ الحرام ۱۳۷۴ھ روز جمعہ)

56 Waaqia'h Makky Aayaath 96 (۵۶)

سُورَۃُ الوَاقِعَہ

یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اور اسکی چھیانوے آیتیں ہیں عہ

ابن عباس و ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے صراحت کی ہے کہ یہ سورت مکیہ ہے (ابن الضریس، نحاس، ابن مردویہ، بیہقی) مگر بعض مفسرین نے ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ کو اس میں سے مستثنیٰ کیا ہے کہ یہ آیات مکی نہیں ہیں۔ نیز فلآ اقسم بمواقع النجوم سے تکذبون تک سات آیات کو بھی مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ اور ان سات میں سے آخری دو آیات کا مستثنیٰ ہونا ابن عباس و قتادہ سے بھی مروی ہے واللہ اعلم۔

سورۃ سابقہ سے مناسبت سورۃ الرحمٰن کے ساتھ اس سورۃ عظیمہ کی مناسبت یہ ہے کہ انسان کی تین قسمیں ہونا دونوں میں مذکور ہے۔

عہ یہ تعداد قراء کوفہ کے مصاحف کے لحاظ سے ہے لیکن قراء حجاز و شام کے نزدیک (۹۹) اور قراء بصرہ کے پاس اس میں (۹۷) آیات ہیں۔ (روح المعانی)

مجرمین (کفار) کی سزا اور عام مومنین اور مقربین کی نعمتوں کا بیان دونوں میں ہے چاند سورج، نباتات، انس وجن کی آفرینش، قیامت جنت، دوزخ کا ذکر بھی دونوں میں ہے البتہ ان کی ترتیب بلحاظ موزونیت ہر دو میں جداگانہ ہے۔ بہر حال دونوں سورتیں ایک ہی سلسلہ کی دو کڑیاں ہیں۔

سورۂ واقعہ کی فضیلت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ من قرأ سورۃ الواقعۃ کلّ لیلۃ لم تصبہ فاقۃ ابداً۔ (ابن الضریس، ابو عبید، حرث بن ابی اسامہ، ابو یعلیٰ، ابن مردویہ، بیہقی، ابن عساکر، عن ابن مسعودؓ وابن عباسؓ) جو شخص سورۂ واقعہ کو ہر رات میں پڑھ لیا کرے تو کبھی وہ فاقہ میں مبتلا نہ ہوگا۔"

یہ بھی ارشاد فرمایا:۔ سورۃ الواقعۃ سورۃ الغنی فاقرؤھا وعلموھا اولادکم۔ (ابن مردویہ عن انسؓ) سورۂ واقعہ سورۂ تونگری ہے لہٰذا تم اس کو پڑھتے رہو اور اپنی اولاد کو اس کی تعلیم دیا کرو۔"

یہ بھی ارشاد ہوا:۔ علموا نسآء کم سورۃ الواقعۃ فانھا سورۃ الغنی (دیلمی عن انسؓ) اپنی عورتوں کو سورۂ واقعہ کی تعلیم دیا کرو

کیوں کہ وہ تونگری کا سورہ ہے۔"

فی زمانا ہمارے مسلمان بھائی عام طور پر فقر و فاقہ میں مبتلا اور کھانے کپڑے اور اشیائے مایحتاج کی وجہ سے پریشان ہیں۔ ان ارشادات نبویہ کے تحت روزانہ رات کو ایک دفعہ سورۂ واقعہ کا پڑھ لینا یا اوس کے معنی و مفہوم کو سمجھ کر اوس پر عمل کرنے کی سعی کرنا کچھ مشکل امر نہیں ہے۔ جو پڑھنا نہ جانتے ہوں وہ پڑھنے اور جاننے والوں سے سُن سکتے ہیں۔ اور غنیٰ و تونگری جس کا وعدہ دیا گیا ہے اوس سے مستفید ہو سکتے ہیں۔ واللہ الموفق۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع ہے اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔"

اِذَا وَقَعَتِ الۡوَاقِعَۃُ ۙ لَیۡسَ لِوَقۡعَتِہَا کَاذِبَۃٌ ۘ 56-1

56-2

جب آن پڑے آن پڑنے والی، نہیں اوس کے آن پڑنے میں کچھ بھی جھوٹ۔"

قیامت کو واقعہ کیوں کہا گیا | "واقعہ" قیامت کا نام ہے جیسے

قیامت کے اور نام بھی ہیں ۔ مثلاً صاخۃ ، طامۃ ، آزفۃ وغیرہ یہاں قیامت کو "واقعہ" کے نام سے یاد کرنے میں اس امر کی جانب اشارہ مقصود ہے کہ قیامت کوئی اعتباری یا فرضی نہیں بلکہ نفس الامری اور واقعی ہے ۔ منکرین لاکھ انکار کریں اور مکذبین کتنا ہی جھٹلاتے رہیں لیکن وہ آنے والی ہے اور اپنے معین وقت پر (جس کا علم اللہ سبحانہ کے سوا کسی کو حاصل نہیں) آکر رہیگی ۔ یہاں اس وقت کوئی انکار کرے یا جھٹلاے لیکن جب وہ آکر رہیگی تو کوئی متنفس اوس کا منکر یا مکذب (جھٹلانیوالا) نہ ہوگا ۔ کفار و مشرکین ، منافقین و ملحدین ، زنادقہ اور دہریہ یہ سب ہی اوس کو مان لیں گے ۔ یہ اور بات ہے کہ یہاں انکاری رہ کر اوس عالم مابعد الموت میں ماننا اور تسلیم کرنا اون کے حق میں مفید نہ ہوگا ۔ یہ سب نفخۂ ثانیہ کے بعد ہوگا ۔

طلبۂ علوم عربیہ سے خطاب اذا وقعت الواقعۃ جملۂ شرطیہ ہے اس کی جزا محذوف ہے یعنی کان کیت وکیت ۔ معنی یوں ہوئے :۔

"جب واقع ہونے والی چیز وقوع پائے گی تو ایسا ہوگا اور ایسا ہوگا "

یعنی بہت بڑے اور اہم معاملات درپیش ہوں گے ۔ تفصیل نہ پوچھو کہ

کیا پیش رفت ہوگی؟ — بیان سے کلیجہ منہ تک آتا ہوگا۔ اور سننے سے عیش تلخ ہو جائے گا۔ دل و دماغ کانپ اوٹھیں گے۔ جب کہنے سننے کا یہ اثر ہے تو اندازہ کرو کہ اوس کے وقوع کی کیا تاثیر ہوگی؟

مختصر یہ کہ دنیا میں تو منکرین قیامت کی کمی نہیں لیکن جب وہ وقوع میں آجائے گی تو ایک متنفس بھی انکاری نہ رہیگا۔

خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ۝ اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا ۝ 56-3
56-4
وَّ بُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ۝ فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا ۝ وَّ كُنْتُمْ 56-5
56-6
اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ۝ پست کرنے والی، بلند کرنے والی، جب لرزے 56-7

لہ الرج تحریك الشيء وازعاجه يقال رجه فارتج قال تعالىٰ اذا رجت الارض رجا نحو اذا زلزلت الارض زلزالها والرجرجة الاضطراب۔ (مفردات) کسی شئے کو ہلا دینے اور اوس کو اپنی جگہ سے ہٹا دینے کو "رج" کہتے ہیں۔ محاورہ ہے "رجہ فارتج" اوس کو ہلا دیا تو وہ ہل گیا۔" ارشاد باری ہے: — اذا رجت الارض رجا۔ جب زمین خوب ہلا دی جائے" یہ آیۂ کریمہ اذا زلزلت الارض زلزالها کے ہم معنی ہے۔"

زمین کانپ کر اور چور چور ہو جائیں پہاڑ ٹوٹ پھوٹ کر پھر ہو جائیں
غبار اُڑتا ہوا اور تم ہو جاؤ تین قسم پر"

قیامت بے پناہ انقلاب ہے انقلابات آتے ہیں تو ایسا ہی ہوتا ہے
کہ ذی عزت طبقے ذلیل ہوتے اور جو ذلیل و خوار تھے بام عروج پر جاتے ہیں

(بقیہ حاشیہ لہ صفحہ گذشتہ)

رج الشیئ یرجہ رجاحرکہ وھزہ فرج ھوای تحرك واھتز لازم متعد (محیط المحیط) حرکت دینے اور ہلا دینے کو "رج" کہتے ہیں۔ یہ باب نصر سے لازم متعدی دونوں طرح آتا ہے

لہ بس السویق اذ التہ وبس الابل اذا ساقھا وفی سورۃ الواقعۃ وبست الجبال بسا قیل المعنی فتتت حتی صارت کالسویق الملتوت۔ (محیط المحیط) ستو میں پانی یا گھی ملاتے ہیں تو محاورہ عرب میں کہتے ہیں: بس السویق! اور اونٹوں کو ہانکتے ہیں تو کہتے ہیں: بس الابل یعنی ستو کو کھانے کے قابل بنایا اور اونٹوں کو چلایا" اسی سورۂ واقعہ کی آیہ کریمہ وبست الجبال بسا ہے کہ پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کرکے اڑا دیا جائے" یعنی اون کو ستو کی طرح باریک پیا ہوا بنا دیا جائے" جسکے بعد ہوا کے جھونکوں سے اون کا اڑ جانا ایک معمولی سی بات ہے۔ قیامت میں ایسا ہی ہوگا **فقیر** عرض کرتا ہے جب ایسے بلند اور عظیم الشان پہاڑوں کا یہ حال ہوگا تو انسان ضعیف البنیان کس شمار و قطار میں! اور کہاں اوسکے یہ بلند آہنگ دعوے جو وہ دنیا کی دو روزہ زندگی میں کر رہا ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

یہ انقلاب دنیا میں اوس کے کسی ایک حصہ اور طبقہ کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے۔ قیامت کا واقعہ سارے عالم و عالمیان کا ہے۔ اوس کی عظمت و برتری کے لحاظ سے اس دن جو واقعات ظہور پذیر ہوں گے وہ ایک دہ، دس بیس کی تعداد میں محصور نہیں بے شمار حوادث عظیمہ رونما ہوں گے۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ اوس وقت جو اپنی برتری جتاتے ہوں گے وہ ذلیل و خوار، در بدر پھرتے ہوں گے کوئی اون کا پرساں نہیں۔ اور جن کی صفت، تواضع و ملنساری تھی حکم الٰہی کے آگے وہ جھکے ہوئے تھے۔ حدیث شریف میں ہے:۔ من تواضع للّٰہ رفعہ اللّٰہ۔ جو اللہ کے آگے جھکتا ہے تو اللہ سبحانہ اوس کا مرتبہ بلند فرماتا ہے۔"

خافضۃ رافعۃ کی تفسیر ابن عباسؓ فرماتے ہیں: تخفض ناساً و ترفع آخرین (ابن ابی شیبہ، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ) قیامت کچھ لوگوں کو پست اور باقی ماندگان کو بلند کرے گی۔" حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:۔ الساعۃ خفضت اعداء اللّٰہ الی النار و رفعت اولیاء اللّٰہ الی الجنۃ۔ (ابن جریر، ابن ابی حاتم) قیامت اعداء اللہ کو دوزخ کی طرف جھکا دے گی اور اولیاء اللہ کو جنت کی

طرف بلند کریگی"۔ زید بن اسلمؓ فرماتے ہیں: ۔ من انخفض یومئذ لم یرتفع ابدا ومن ارتفع یومئذ لم ینخفض ابدا۔ (ابن ابی شیبہ) جو اس دن پست ہو گیا پھر کبھی سر بلند نہ ہو سکیگا اور جو اوس دن سر بلند ہوا پھر کبھی پست نہ ہو گا"۔ یہ صفت دنیا کے انقلابات سے قیامت کو ممتاز کرتی ہے۔

یہ اوس وقت ہو گا جب ساری زمین کپکپا جائے گی۔ اور تمام پہاڑ ٹوٹ پھوٹ کر پاش پاش اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ یہی نہیں بلکہ باریک پیس کر غبار ہو کر ہوا میں اڑ جائیں گے۔

ھباء کی تفسیر ابن عباسؓ فرماتے ہیں: ۔ الھباء الذی یطیر من النار اذا اضطرمت یطیر منھا الشرر فاذا وقع لم یکن شیئا (ابن جریر، ابن ابی حاتم) جب آگ خوب دہکنے لگتی ہے تو اوس سے چنگاریاں اڑتی نظر آتی ہیں۔ ان چنگاریوں کو ھباء کہتے ہیں جب یہ واقعہ وقوع آئے گا تو کوئی چیز بھی دنیا میں نہ رہے گی"۔ ابو مالک کہتے ہیں: ۔۔۔۔

الغبار الذی یخرج من الکوۃ مع شعاع الشمس۔ (عبد بن حمید) آفتاب کی شعاعوں کے ساتھ چھت کے روزن سے جو غبار نکلتا ہے اوس کو

"هباءً" کہتے ہیں۔" فقیر عرض کرتا ہے کہ باریک باریک ذرات مراد ہیں خواہ وہ غبار کے ہوں یا آگ کے یا اور کسی شئے کے۔

وکنتم ازواجا ثلٰثۃ کی تفسیر اوس وقت روئے زمین کے تمام انسان، خواہ وہ اولین سے ہوں یا آخرین سے تین گروہوں میں بٹ جائینگے اگرچہ دنیا میں اون کے گروہ کتنے ہی تھے۔ عالم آخرت میں سب کے سب تین گروہ ہوجائیں گے۔ جن میں سے دو گروہ جنت میں جائیں گے اور ایک دوزخ کا ایندھن بنے گا۔

لفظ "ازواج" کی تفسیر ان تینوں گروہ کو یہاں "ازواج" اس بنا پر فرمایا گیا ہے کہ یہ تینوں گروہ بوقت واحد وجود میں آئے تھے۔ یا اس اعتبار سے کہ تینوں کا بیان، ایک ساتھ آرہا ہے۔ اس لحاظ سے ہر گروہ دوسرے کا "زوج" یعنی اوس کی جوڑ' اور اوس کا ساتھی قرار پار رہا ہے کہ بیک وقت دونوں کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ یہاں اس سے بحث نہیں کہ وہ ایک ہے یا دو۔ ہر ایک گروہ "زوج" ہے اس طرح قیامت میں تمام انسان، تین گروہ میں بانٹ دئے جائیں گے۔ جن کا بیان آگے آرہا ہے:۔

56-8 56-9 فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۙ۵ مَآ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۵ وَاَصْحٰبُ
6-10 6-11 الْمَشْئَمَةِ ۙ۵ مَآ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۵ وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ۵ اُولٰٓئِكَ
الْمُقَرَّبُوْنَ ۵ پھر داہنے والے، کیا خوش حال ہیں داہنے والے اور بائیں
والے، کیا بدحال ہیں بائیں والے اور سبقت کرنے والے تو سبقت لے جانے
والے ہی ہیں، وہی ہیں مقرب۔"

اصحاب المیمنہ مذکورہ بالا تین گروہ یہی ہیں اصحاب المیمنہ
ایک داہنے والا گروہ یعنی جہاں اون کو ٹھہرایا گیا ہے وہ اوسکی داہنی
سمت میں ہے۔ یا یہ کہ نامہ اعمال اون کے داہنے ہاتھ میں دیا گیا ہے
یہیں سے اون کی کامیابی اور فوز و فلاح کے آثار نمایاں ہوچکے ہیں۔
اون کی خوش حالی سننا چاہتے ہو اور اوس کا تفصیلی حال معلوم کرنا چاہتے
ہو تو ذرا صبر کرو۔ اسی مجلس میں اوس کا بیان ہوگا۔ اون کی یہ خوشحالی
کیا ہے اور کس بنا پر ہے ہم ابھی معلوم کرائے دیتے ہیں۔

اصحاب المشأمہ دوسرا گروہ اصحاب المشأمۃ بائیں والا گروہ،
یعنی جہاں ان کو ٹھہرایا گیا ہے یہ اوس کی بائیں جانب ہیں۔ یا یہ کہ
ہر ایک کا نامۂ اعمال ان کے بائیں ہاتھ میں دیا گیا ہے یہیں سے اون کی

ناکامی، شکست خوردگی، تباہی اور بربادی دکھائی دے رہی ہے۔ ان کی
بدحالی دریافت کرتے ہو اور داستان سنتے ہو تو ذرا ٹھہر جاؤ۔ اوس کو بھی ہم
بیان کئے دیتے ہیں کہ اوس کی کیا تفصیل ہے اور اسکی بنیاد کس امر پر ہے؟

کلام پاک کی بلاغت سبحان اللہ! کیا طرز بیان ہے اور کس
دلچسپ اور دل نشین انداز میں پیش ہو رہا ہے داہنے والے ہیں کہ اونکا
جذبۂ اشتیاق بڑھ رہا ہے اور آتش شوق آناً فاناً تیز سے تیز تر ہو رہی
ہے اور بے تابانہ محو انتظار ہیں کہ کب بیان ہوگا اور کب یہ دیرینہ آرزو
پوری ہوگی۔

ادھر بائیں والے بھی ہیں کہ اون پر بدحالی اور اداسی چھائی ہوئی
ہے۔ داستان غم کے نام ہی سے سہمے جا رہے ہیں۔ تمنا یہ ہے کہ اس میں
جتنی بھی تاخیر ہو بس یہی غنیمت ہے۔ ع

الٰہی! قاصد ابھی نہ آئے کہ کچھ تو امید بن رہی ہے

نمی دانم حدیث نامہ چون است   ہمی بینم کہ عنوانش بخون است

یہ سب کچھ ما اصحاب المیمنۃ اور ما اصحاب المشأمۃ میں
کلمۂ ما کا لطف استفہام ہے کہ سوال کیا جا رہا ہے اور جواب کو آئندہ کیلئے

اوبھار رکھ کر کلام کا رُخ اور طرف پھیر دیا گیا ہے۔

سابقین تیسرا گروہ سابقین کا ہے جو صدور حکم کے منتظر رہتے اور حکم صادر ہوتے ہی اوس کی تعمیل میں دیوانہ وار اوروں پر سبقت لے جاتے تھے۔ ان کا کیا پوچھنا کہ جزائے اعمال کے موقع پر بھی یہی سبقت پا رہے ہیں۔ ہر چند کہ ان کو تیسرا گروہ قرار دیا گیا تھا لیکن ان کے نتائج سب سے پہلے شائع ہو رہے ہیں۔ نتیجہ بھی کیا کہ اصحاب الیمین گو داہنی سمت میں اعزاز کے ساتھ ٹھہرائے گئے ہیں اور بہترین جزا کے امیدوار بنے ہوئے ہیں جن کو گوناگوں نعمتوں سے سرفرازی بخشی جانے والی ہے مگر سابقین سابقین ہیں۔ اصحاب الیمین ان کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔ وہ انواع واقسام کی نعمتوں سے مالامال رہیں مگر سابقین کے متعلق مژدہ سنایا جا رہا ہے اولٰٓئک المقربون مقربان بارگاہ تو یہی ہیں" سچ ہے من لہ المولٰی فلہ الکل۔ مولٰی تعالٰی جس کا ہو بس سب کچھ اوسی کا" ع جب تو میرا ہے تو ساقی سارا میخانہ میرا۔

ایک بہترین مثال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فتح مکہ اور غزوۂ حنین سے فارغ ہوئے تو جملہ مال غنیمت مہاجرین اور قریش میں تقسیم فرما دیا۔ ایک ایک قریشی کو سو سو اونٹ ملے۔ انصار کو کچھ نہ ملا۔ اس پر

بعض نوعمر انصار کچھ منقبض معلوم ہوئے تو آپؐ نے انصار کو جمع کرکے فرمایا
انّ قریشا حدیث عہد بجاھلیّۃ ومصیبۃ وانّی اردت ان
اجیزھم واتألّفھم اما ترضون ان ترجع الناس بالدنیا و
ترجعون برسول اللہ الی بیوتکم قالوا بلیٰ۔ (بخاری عن انسؓ) بات
یہ ہے کہ قریش، اب تک جاہلیت اور مصیبت میں تھے۔ ہم نے چاہا کہ اونکو
(قبول اسلام پر) انعام دیں اور اون کی دل جوئی کریں۔ کیا تم اس سے
خوش نہیں کہ اور لوگ تو (اپنے گھر) دنیا لے جائیں اور تم "رسول اللہ"
کو اپنے گھر لے جاؤ؟ یہ سنتے ہی سبھوں نے متفق اللفظ عرض کیا۔ کیوں راضی
نہیں" (یارسول اللہ) ہم اسی پر خوش ہیں کہ ہم ساری دنیا کو چھوڑدیں
اور اپنے محبوب حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے گھر
لے جائیں۔ یہی مثال قیامت میں مقربین کی ہوگی۔

سابقین کون ہیں؟ حضور اکرمؐ نے فرمایا:۔ السابقون یوم
القیامۃ اربعۃ فانا سابق العرب، وسلمان سابق فارس،
وبلال سابق الحبشۃ، وصھیب سابق الروم۔ (عبد بن حمید)
قیامت کے دن سابقین میں چار کا شمار ہوگا۔ میں تمام عرب میں سب سے

سابق ہوں، اور سلمان رضی اہل فارس میں سب سے سابق ہیں ۔ اور بلال اہل حبشہ میں سب سے سابق رہیں گے اور صہیب اہل روم میں سب سے سابق رہیں گے۔" کسی نے کیا خوب کہا : ؎

حسن ز بصرہ، بلال از حبش، صہیب از روم
ز خاک مکہ ابوجہل این چہ بوالعجبی ست

سابقین میں سب سے افضل کون ہے ؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں : ـ نزلت فی حزقیل مومن آل فرعون، وحبیب النجار الذی ذکر فی یٰس، وعلیؓ بن ابی طالب و کل رجل منہم سابق امتہ و علیؓ افضلہم سبقا ۔ (ابن مردویہ)

یہ آیت حزقیل کے باب میں نازل ہوئی جو مومن آل فرعون ہیں، نیز حبیب نجار کے بارے میں جن کا ذکر سورۂ یٰس میں ہے، نیز (سیدنا) علی بن ابی طالب رضی کی شان میں، نیز ہر شخص کے بیان میں جو اپنی قوم میں سب سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوا ہو ۔ بہر حال سیدنا علی المرتضیٰ رضی ان سب سے افضل تر ہیں کیوں کہ امۃ مرحومہ کو ساری امتوں پر فضیلت حاصل ہے ۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا) ۔

سابقین کی تفسیر کلام پاک سے | بہترین تفسیر جس کی صحت میں کچھ کلام

نہیں وہ ہے جو تفسیر القرآن بالقرآن کے اصول پر ہو۔ اس اعتبار سے قرآن کریم کی یہ آیہ کریمہ ہے جو سورہ توبہ میں ہے:۔ السابقون الاوّلون من المهاجرین والانصار والذین اتّبعوهم باحسان رضی الله عنهم ورضوا عنه واعدّ لهم جنّات تجری من تحتها الانهار خالدین فیها ابدا ذلك الفوز العظیم۔ سابقین وہ ہیں جو مہاجرین و انصار ہیں سب سے اول آئے، نیز جنھوں نے بھلائی میں اون کا اتباع کیا، اللہ اون سے راضی اور وہ اللہ سے خوشنود، اون کے لئے تیار کر رکھی ہے جنت، جس کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ وہ اوس میں ہمیشہ رہیں گے اور یہی بڑی کامیابی ہے۔

اس اعتبار سے سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے چالیس صحابہ کرام مراد ہوں گے جن میں چالیسویں حضرت سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ نیز وہ اصحاب جن کے اسماء گرامی روایات بالا میں مذکور ہیں۔ نیز اصحاب بدر و احد سے لیکر بیعت رضوان والوں تک، پھر عام صحابہ و تابعین محسنین جو قیامت تک آتے رہیں گے۔ ہر خاندان و قبیلہ و ملک سے

جو ہر زمانہ میں خیر کی طرف سبقت کرتے رہے ہوں۔ ان میں اولیائے کرام ابدال، اوتاد، اقطاب، غوث، علمائے ربانیین، عرفائے کاملین، صلحائے امت سبھی شامل ہوں گے۔ جعلنا اللہ تواب اقد اھم آمین۔

تفسیر ابن کثیرؒ علامہ ابن کثیرؒ نے اس سے بھی زیادہ تعمیم فرمائی ہے۔ لکھتے ہیں:۔ ھم الانبیآء والرسل والصدّیقون والشھدآء یکونون بین ایدی ربھم عزّوجلّ۔ یعنی اس امتہ مرحومہ کی تخصیص نہیں بلکہ امم سابقہ اور قرون سالفہ میں بھی جس قدر انبیاء و رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام، صدیقین، شہدا، وغیرہم ہوئے ہیں وہ سب خدائے عزوجل کے حضور میں پیش پیش ہوں گے۔"

فقیر عرض کرتا ہے کہ اللہ سبحانہ کی رحمت وسیع اور اوس کا لطف وفضل عام ہے۔ جب کہ آدم ومن دونہ تحت لوآئی حضور اکرم کا ارشاد ہوا ہے کہ آدم اور اون کے مابعد سب کے سب قیامت میں زیر لوائے احمدی علی صاحبہا الف الف سلام وتحیہ ہوں گے" تو علامہ ابن کثیرؒ کی تعمیم سے بھی اتفاق ہے۔ نیز اس کی تائید آیات مابعد سے بھی ہوتی ہے جس کا بیان آگے آرہا ہے۔

طلبۂ علوم عربیہ سے خطاب السابقون السابقون جملہ اسمیہ خبریہ ہے پہلا السابقون مبتدا اور دوسرا السابقون اوس کی خبر ہے مبتدا و خبر میں عموماً مغائرت ہوتی ہے جبھی تو خبر کے ذریعہ کسی امر جدید کا علم و استفادہ ہوتا ہے ۔ اگر مبتدا و خبر دونوں ایک ہی کلمہ ہوں مثلاً زیدٌ زیدٌ کہا جائے تو اس سے کوئی امر جدید مستفاد نہیں ہوتا اس لئے ایسے مقامات میں کم از کم اعتباری مغائرت مان لی جاتی ہے ۔ اسی بنا پر بعض مفسرین کرام نے پہلے السابقون سے سبقت الی العمل اور دوسرے السابقون سے سبقت الی الجزاء مراد لی ہے ۔ تفسیر یوں ہوئی کہ جو لوگ عمل خیر میں سبقت کرتے ہیں اوس کی جزا میں بھی وہ سبقت پائیں گے ۔" لیکن علمائے معانی و بلاغت فرماتے ہیں کہ اگر مبتدا ایسا کلمہ ہو جو اپنے وصف کی وجہ سے قبول عام اور شہرت تمام رکھتا ہو تو اوس کی خبر میں اوسی کلمہ کا اعادہ کیا جاتا ہے جس سے یہ بتانا منظور ہوتا ہے کہ مبتدا ایسا مقبول و معروف ہے کہ اوس کو کسی دوسرے وصف کے ساتھ ظاہر کرنے کی حاجت نہیں ۔ مبتدا کا اصلی وصف ہی اوس کی فضیلت و برتری کی کافی ضمانت ہے :-

آفتاب آمد دلیل آفتاب گر دلیلت باید از وے سر متاب

ایک عربی شاعر کہتا ہے :۔ ع انا ابوالنجم و شعری شعری

میں ابوالنجم ہوں اور میرے اشعار کو کیا پوچھتے ہو وہ میرے اشعار ہیں"

یعنی جن کی فصاحت و بلاغت کا آوازہ ساری دنیائے شاعری میں گونج رہا ہے

اب السابقون السابقون کی تفسیر یوں ہوگی کہ سابقین کا کیا

کہنا وہ تو سابقین ہی ٹھہرے " اس میں جو لطف بلاغت ہے وہ مخفی نہیں۔

6-12
6-13 ارشاد ہے :۔ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ۝ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ ۝
6-14
6-15 وَقَلِیْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ ۝ عَلٰی سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ۝ مُّتَّكِـِٕیْنَ
6-16 عَلَیْهَا مُتَقٰبِلِیْنَ ۝ نعمت والے باغوں میں (ہوں گے) ان میں سے

لہ الثُّلَّۃ جماعۃ من الناس یقال فلان لا یفرق بین الثَّلَّۃ والثُّلَّۃ

ای بین جماعۃ الغنم وجماعۃ الناس (محیط المحیط) لوگوں کی جماعت کو

ثُلَّہ کہتے ہیں۔ محاورہ عرب ہے کہ فلان لا یفرق بین الثَّلَّۃ والثُّلَّہ۔

فلاں شخص ثَلَّہ اور ثُلَّہ کا فرق تک نہیں جانتا۔ ثَلَّہ بالفتح کہتے ہیں

بکریوں کے ریوڑ کو اور ثُلَّہ بالضم کہتے ہیں انسانوں کی جماعت کو"

پہلوں میں سے، اور تھوڑے ہیں پچھلوں میں سے" (بیٹھے ہوئے) جڑاؤ تختوں پر، تکیہ لگائے اُن پر، ایک دوسرے کے سامنے۔"

جنّت النعیم کی تفسیر سبھی کہتے ہیں نعمت نعمت لیکن اوس کے معنی کیا ہیں؟ علامہ سید شریف جرجانی رحؒ فرماتے ہیں:۔ النعمة هي ما قصد به الاحسان والنفع لا لغرض ولا لعوض (تعریفات) "نعمت" وہ ہے جس سے صرف احسان اور نفع رسانی مقصود ہو۔ اسمیں مُنعِم کی کوئی غرض شامل نہ ہو اور نہ اوس کو مُنعَم علیہ سے کوئی معاوضہ مطلوب ہو۔" خداوند تعالیٰ شانہ کی نعمتوں کا یہی حال ہے یہ اور بات ہے کہ مُنعَم علیہ اس انعام پر اپنے مُنعِم کا شکر ادا کرے۔ یہ مُنعَم علیہ کی شرافت نفس ہے

(بقیہ حاشیہ ۲ صفحہ گذشتہ)

۲ه الوضن نسج الدرع ویستعار لکل نسج محکم قال علی سرر موضونة۔ (مفردات) زرہ کی بُنوٹ کو وَضَن کہتے ہیں اور استعارہ کے طور پر ہر مضبوط بُنوٹ کو وَضَن کہا جاتا ہے۔ علی سرر موضونة میں بھی یہی مراد ہے۔" مضبوط بافت یا مضبوط ساخت والے تختوں پلنگوں پر۔ جن کے ڈھیلے پڑجانے یا ٹوٹنے کا اندیشہ نہیں ہوسکتا۔

اوس کے دل میں جذبہ سپاس گزاری پیدا ہوتا ہے اور وہ اوس کا شکر ادا کرتا ہے مگر منعم کے مقصد کو اس میں کچھ بھی دخل نہیں۔ اب اون جنتوں کا اندازہ کیجئے جہاں نعمتیں ہی نعمتیں ہوں اور کثرت نعم کی بدولت اون کا نام ہی جنّٰت النعیم قرار دیا گیا ہو۔ یہ جنتیں مقربان بارگاہ کی ہوں گی جن کا بیان اوپر گزرا۔

ثُلَّۃٌ من الاولین کی تفسیر یہ مقربین اگلوں میں بہت اور پچھلوں میں تھوڑے ہوں گے۔ یہ اگلے اور پچھلے اگر امت مرحومہ ہی کے مراد لئے جائیں تو معنی ظاہر ہیں کہ امت مرحومہ کے اگلے طبقات، حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے فیض صحبت اور قرب عہد کی برکت سے بکثرت دولت تقرب سے سرفراز ہوں گے۔ پچھلوں میں بھی مقربین بارگاہ ہوں گے لیکن اوس کثرت سے نہیں جو قرون اولی کو نصیب ہوئی۔ حضور انور ؐ نے فرمایا: خیر القرون قرنی ثمّ الذین یلونھم ثمّ الذین یلونھم۔ بہترین عہد میرا عہد ہے پھر اُن کا جو ان سے متصل ہوں، پھر اُن کا جو ان سے متصل ہوں" یعنی اسی طرح ہر قرن کے لوگ، سلسلہ بہ سلسلہ تا قیام قیامت۔

تناسب تقرب اور تناسب تعداد اس تناسب تقرب کے لحاظ سے یہ

لازم نہیں کہ تناسب تعداد کے لحاظ سے بھی پچھلے لوگ' اگلوں سے کم ہوں۔ اس کا مفہوم یوں سمجھا جائے کہ اگلوں میں مثلاً صد فی صد مقربین ہوتے تھے تو زمانہ مابعد میں (۷۵) پھر اوس کے مابعد زمانہ میں (۵۰) وغیرہ' مگر زمانہ ترقی کر رہا ہے' نسل انسانی بڑھتی جا رہی ہے۔ زمان برکت نشان نبوت میں مسلم آبادی مثلاً پانچ لاکھ تھی۔ اور آپؐ کے فیضان یافتہ اصحاب صد فی صد مقربین تھے تو عہد صدیقی میں' آبادی مثلاً پچاس لاکھ ہوگئی کیونکہ مسلمانوں کی اولاد بھی بڑھی۔ اور ممالک بھی فتح ہوئے۔ گو تناسب تقرب (۷۵) فی صد رہے مگر تناسب آبادی کے لحاظ سے بعد والوں کی تعداد مقربین' (۳۷،۵۰،۰۰۰) سینتیس لاکھ' پچاس ہزار ہوگی۔ علیٰ ہذا القیاس۔

دوسری تفسیر اگر علامہ ابن کثیرؒ کی تفسیر کے لحاظ سے ہر نبی کے فیضان یافتہ اور اون کے بعد والوں کو بھی اس آیہ کریمہ کا مخاطب سمجھا جائے تو اون کا حال بھی اسی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ راست فیضان حاصل کرنیوالوں کا تناسب فی صدی' بعد والوں کے نظر کرتے زیادہ ہوگا۔ اسی لئے ارشاد ہوا:
ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ وَقَلِيلٌ مِّنَ الْآخِرِينَ ۔ (مقربین) اگلے لوگوں میں انبوہ ہے اور پچھلوں میں تھوڑے ہیں" یہ مقربین کا بیان تھا۔

اہل جنت میں امۃ مرحومہ کا تناسب اہل جنت کی نسبت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی لارجوان تکونوا ربع اهل الجنّة ثلث اهل الجنة بل انتم نصف اهل الجنّة او شطر اهل الجنّة وتقاسمونهم فی الشطر الثانی۔ (امام احمدؒ، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ) حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ "مجھے امید ہے کہ تم کُل اہل جنت کے چوتھائی ہوں گے۔ (پھر فرمایا) تم اہل جنت میں ایک تہائی ہوں گے۔ (پھر ارشاد ہوا) بلکہ تم اہل جنت میں نصف ہوں گے۔ اور ما بقی نصف میں دوسروں کے ساتھ شامل ہوکر اس کو بانٹ لوگے۔"

کہتے ہیں کہ آیہ کریمہ قلیلٌ من الاٰخرین نازل ہوئی تو صحابہ کرامؓ آزردہ خاطر ہوگئے اس خیال سے کہ اولین کا تو گروہ کثیر، اور آخرین سے تھوڑے۔ اگرچہ یہ آیہ کریمہ مقربین کے باب میں تھی اور اصحاب الیمین کے باب میں آیات کریمہ ثلّۃ من الاولین و ثلۃ من الاٰخرین آگے آرہی ہیں مگر اُس وقت تک یہ آیات کریمہ نازل نہیں ہوئی تھیں۔ اس لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ صراحت فرمادی کہ تم ربع اہل جنت، بلکہ ثلث،

بلکہ نصف ہوں گے۔ یہ نصف تو بلا نزاع تمھارا ہوگا۔ رہا دوسرا نصف
اوس میں بھی تم امم سابقہ کے شریک وسہیم رہو گے اور اوس کی تقسیم تم میں اور
امم سابقہ میں ہوگی۔ اسی وجہ سے دیگر روایات میں آیا ہے کہ امۃ مرحومہ
کل اہل جنت میں دو ثلث ہوں گے۔ واللہ اعلم۔

اولین وآخرین کا فرق اسی طرح اولین وآخرین کا فرق بھی سمجھ لینے کے
قابل ہے۔ ایک دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔
اے کاش! میں اپنے بھائیوں سے ملا ہوتا۔ صحابہؓ نے عرض کیا: حضور! کیا
ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں؟ ارشاد ہوا تم تو میرے اصحاب ہو (تم سے تو ملاقات
کر چکا) میں اپنے اخوان (بھائیوں) کو یاد کر رہا ہوں (جن سے میں اب تک نہ مل سکا۔ صحابہ نے)
عرض کیا:۔ اون میں اور ہم میں کیا فرق ہے؟ ارشاد ہوا کہ تم نے مجھ سے معجزہ
طلب کیا۔ جدال وقتال کیا۔ جب ہر طرح مغلوب ہوئے تو ایمان لائے وہ
نہ معجزہ طلب کریں گے۔ نہ بحث کریں گے نہ لڑیں گے۔ بلکہ میری دعوت پر
لبیک کہیں گے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ فرض کرو عمل کے دس حصے ہیں۔
تم نے نو حصے عمل کیا۔ اور ایک حصہ ضائع کیا تو تم سے اس کی نسبت سوال
ہوگا۔ اون کا یہ حال ہوگا کہ اگر وہ نو حصے عمل کے چھوڑ کر ایک حصہ پر بھی

عمل کریں گے تو ان کی نجات ہو گی ۔ ا ہ واخنا لہ الفداء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

شانِ مقربین مقربین کی شان یہ ہو گی :۔ عَلٰی سُرُرٍ مَّوۡضُوۡنَۃٍ مُّتَّکِـِٕیۡنَ عَلَیۡہَا مُتَقٰبِلِیۡنَ ۔ جڑاؤ زرنگار تختوں پر ہوں گے تکیہ لگائے ہوئے آمنے سامنے ۔ یعنی نشستیں ایسی ہوں گی کہ ایک کی طرف دوسروں کی پیٹھ نہ ہو یہ علامت اعراض کی ہے بلکہ باہم مواجہہ ہو گا کہ ہمکلامی کا موقع ملے ۔ یہ جڑاؤ زرنگار تخت پتہ دے رہے ہیں کہ وہ ایسے عالی شان ہوں گے تو ان پر جو فرش کیا جائے گا اور مسندیں لگائی جائیں گی وہ کیسی بلند پایہ ہوں گی ۔ اور انہی لوازم سے مقربین کی رفعت شان ظاہر ہو رہی ہے کہ وہ خود کیسے عالی مرتبت ہوں گے ۔ نیز ان کو جو صحبتیں نصیب ہوں گی ۔ کبھی تو اپنے ہم نشینوں کے ساتھ کبھی ملائکہ کرام روحانیین قدوسیین، کروبیین کبھی حضرات انبیاء ورسل علی نبینا وعلیہم الصلاۃ والسلام اور کبھی قرب باری عز اسمہٗ ۔ یہ مقربین کے مجالس اور جلوات ہیں ۔ سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّنَا وَرَبُّ الْمَلَائِکَۃِ وَالرُّوحِ ۔ کیا ہی پاک اور مقدس ہے ہمارا پروردگار جو تمام فرشتوں اور روحانیین کا بھی رب ہے ۔ اس قرب و وصال کا لطف تو وہی جانیں

جو لذتِ قرب سے آشنا ہوں۔

آگے ارشاد ہے:۔ يَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُونَ ۝ 56-17
بِأَكْوَابٍ وَأَبَارِيقَ ۝ وَكَأْسٍ مِّن مَّعِينٍ ۝ لَّا يُصَدَّعُونَ 56-18 56-19
عَنْهَا وَلَا يُنزِفُونَ ۝ وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُونَ ۝ وَلَحْمِ 56-20 56-21
طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُونَ ۝ لئے پھرتے ہیں اون کے پاس لڑکے ہمیشہ
رہتے والے، آبخورے اور کوزے اور پیالہ نتھری شراب کا، جس سے
نہ سر دکھے اور نہ بکواس لگے، اور میوہ جونسا پسند کریں، اور گوشت
پرندوں کا جس قسم کو جی چاہے۔"

ظروفِ جنّت ظروف جنت کا سلیقہ سبحان اللہ۔ پانی پینے کے جدا، کہ اون کو دستہ اور ٹوٹی کی ضرورت نہیں، رسیلے مرکب شربتوں کے جدا کہ ان میں جو ظروف بڑے ہیں جن میں شربت بھر بھر کر لایا جاتا ہے اون کے دستے بھی لگے ہوتے ہیں اور ٹوٹیاں بھی۔ اور جو چھوٹے ہیں جن میں شربت کا استعمال کیا جاتا ہے اون کو صرف دستے لگائے گئے ہیں ٹوٹی کی حاجت نہیں اس کے علاوہ شراب کے جام، ساغر، صراحی، خم جدا ہیں۔ کأس وہ پیالہ جس میں شراب بھری ہو۔ اگر خالی ہو تو اوس کو قدح کہا جائے گا۔ یہاں

بتانا منظور ہے کہ کأس (بھرا پیالہ) پیش کیا جائے گا۔ یہ نہیں کہ قدح (خالی پیالہ) سامنے لاکراوس کو پُر کیا جائے۔ انتظار کی اتنی زحمت بھی نہ ہوگی۔ فقیر عرض کرتا ہے کہ یہاں اکواب و اباریق بصیغہ جمع اور کأس بصیغۂ مفرد لانے میں غالباً اس جانب اشارہ مقصود ہے کہ وہ شراب ایسی اعلیٰ والطف ہوگی کہ اوس کا صرف ایک پیالہ بلکہ ایک جُرعہ ہی کافی ہوگا۔ واللہ اعلم۔

شراب فجور و شراب طہور دنیا میں بھی شراب تھی یعنی شراب فجور، جس کی نسبت حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:- فی الخمر اربع خصال السکر والصداع والقیٔ والبول ولیست فی خمر الجنۃ بل ھی لذۃ بلا اذی۔ شراب میں چار قباحتیں ہیں۔ نشہ، درد سر، قے اور پیشاب، شراب جنت میں ان میں سے ایک بھی نہیں۔ بلکہ اوس میں لذت ہی لذت ہے۔ تکلیف نام کو نہیں، کیوں نہ ہو یہ شراب طہور ہے "لَا یُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا" کی یہ تفسیر ہوئی۔ اس کے علاوہ شراب دنیا کا یہ حال ہے کہ انسان اوس کو پی لینے کے بعد کم از کم بکواس کرنے لگتا ہے وہ گالی گلوچ (فحش گوئی) لڑائی جھگڑا، فحش کاری اور قتل سے بھی نہیں چوکتا۔

اکثر جرائم اسی ام الخبائث کے نتائج ہوتے ہیں جو دنیا ہی میں انسان کو سزایاب اور بے آبرو ومفلس کرکے رہتے ہیں۔ شراب خوار آخر کار اپنی عمر طبیعی کو پہنچنے تک نہیں پاتا کہ وہ خرابی جگر وغیرہ مہلک امراض میں مبتلا ہوکر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرجاتا ہے۔ مگر شراب جنت کی صفت ہے وَلَا يُنْزِفُوْنَ۔ یعنی اوس کے پینے والے بکواس تک نہیں کرنے پاتے چہ جائیکہ یہ شراب کسی اور طرف لے جائے۔

شراب طہور کے لوازم	ایک طرف وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ

رنگ برنگ کے، قسم قسم کے، طرح طرح کے خوشبودار نفیس تازہ اور رسیلے میوے پیش ہیں۔ جتنے چاہیئے کھائیے اور جس کا چاہے انتخاب کیجئے۔ دوسری طرف وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ پرندوں کا گوشت ہے اقسام کے پرندوں کا ظاہر ہے کہ گوشت کے اقسام میں پرندوں کا گوشت ہی زیادہ لذیذ اور خوشگوار ہوتا ہے دنیادار اہل تنعم تلیر سے لے کر شتر مرغ تک اقسام وانواع کے پرندے، استعمال کرتے تھے آج اہل جنت کی صرف تفریح طبع کا انتظام ہے لحم طیر ایک طرف اور فاکھہ خیر ایک طرف مہیا ہے۔ اہل تنعم تک کے لئے جو بات

نصیب نہ تھی آج ارباب قرب و وصال اون سے مالامال ہیں وہ
پرندے ایسے کہ مالا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر
علی قلب بشر۔ جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کے کان اون کے
نام سے آشنا ہوئے نہ کبھی اون کا خیال تک دل میں گزرا۔" دنیا کے
پرندے تھے کہ کسی کی صورت اچھی تو کسی کی آواز بھلی، کسی کا گوشت
خوش ذائقہ، کسی کی پرواز قابل دید۔ مگر طیور جنت ہیں کہ سارے
صفات ان میں جمع ہیں۔

ولدانٌ مخلّدون کی تفسیر ولدان جمع ہے ولید کی۔ اس سے
نابالغ بچے مراد ہیں۔ جن کی چال ڈھال اچھل کود مشہور بات ہے۔
مشروبات و فواکہ اور لحم طیر کے طبق کی ان کے ذریعہ تقسیم اس لیے ہے کہ
نابالغ بچے ایسے کام میں بہت چست و چالاک ہوتے ہیں اور نہایت پھرتی
کے ساتھ اپنا کام انجام دیتے ہیں خصوصاً جب کہ وہ حسین و جمیل، پاکیزہ
لباس پہنے ہوئے خوشی خوشی کھانے پینے کی چیزیں علی الخصوص میوہ مٹھائی
تقسیم کر رہے ہوں تو ان چیزوں کا لطف دوبالا ہو جاتا ہے۔ ان کی صفائی
پاکیزگی، خوبصورتی کا بیان کسی اور جگہ آئے گا۔ یہاں چونکہ تقسیم شدنی

تحائف کا بیان ہے اس لئے ولدان کی صفات کا یہاں بیان نہیں
کیا گیا تاکہ تقسیم شدنی نعمتوں کی طرف سے توجہ دوسری جانب مائل نہ ہو۔
البتہ ولدان کی ایک صفت بیان فرمائی گئی مخلّدون۔ اس میں
یہ تبلاتا ہے کہ ان کی حالت، ولدانِ دنیا سے مغائر ہے۔ دنیا بھر کے
نابالغ، آج کے بچے، کل کے بڑے ہوتے ہیں لیکن ولدان جنت کی
صفت یہ ہے کہ وہ ہمیشہ ولدان ہی رہیں گے۔ ان نعمتوں کے بعد
حورعین کا ذکر آرہا ہے۔

وَحُوۡرٌ عِیۡنٌ ۙ كَاَمۡثَالِ اللُّؤۡلُؤِ الۡمَكۡنُوۡنِ ۚ جَزَآءً 56-22 56-23 56-24
بِمَا كَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ۝ اور عورتیں، گوری، بڑی آنکھوں والیاں
جیسے موتی کے دانے اپنے غلاف کے اندر، بدلہ اُن کاموں کا جو
کرتے تھے۔"

حورُ عینُ کی تفسیر میووں اور شربتوں کے بعد، مقربین بارگاہ
کے لئے "حورعین" کا سامان کیا گیا ہے جن کی صفت عروس القرآن
سورۃ الرحمٰن میں بیان ہوئی۔ یہاں صرف اون کی سیاہ پتلی والی آنکھوں کا
ذکر فرمایا گیا ہے۔ گوری خوبصورت عورت کی آنکھیں اگر بڑی بڑی اور

سیاہ پتلیوں والی ہوں اون کی وضعداری اور بانکپن کا اندازہ کرلیا جائے
آنکھوں کی سپیدی غلاف دار موتی کی طرح صاف وشفاف ہو تو ان آنکھوں
کا بھی کیا پوچھنا ؛ پھر جن کی نظر اغیار پر نہ پڑی ہو تو اہل جنت میں سے
جس کے لئے ایسی پاکیزہ سیرت خوب صورت عورتیں مہیا ہوں یہ اون کی
کمال خوش نصیبی ہے۔ یہ سب کچھ اون اعمال صالحہ کی جزا ہے جو وہ دنیا
میں کرتے تھے۔ جزآءً بما کانوا یعملون۔ سابقین الی الخیرات تھے
کہ ہر کام میں اون کی نظر اللہ سبحانہ کی رضا وخوشنودی پر تھی۔ آج اللہ
سبحانہ کی طرف سے ان کی رضا جوئی اور خوشنودی کا اہتمام ہو رہا ہے۔

نساء جنت کے اوصاف یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں: اخطب
زوجۃ لا تسلبھا منك المنایا واعرس بھا فی دار لا یخربھا
دوران البلایا واسلك لھا حجلۃ لا یحرقھا نیران الرزایا۔
ایسی زوجہ کو پیام دیجئے جس کو موت کا پنجہ تم سے چھین نہ سکے۔ اور
ایسے مکان میں اوس عروس نوبہار کو لاؤ جس کو گردش بلایا ویران نہ کرسکے
اور اوس کے لئے ایسا خلوت خانہ تجویز کرو جس کو تکلیف دہ آگ خاکستر
نہ کرسکے" مطلب یہ کہ پیام دنیا کی عورتوں کو بھی دیا جاتا ہے مگر موت

دلہا دلھن دونوں کے سر پر کھڑی ہے نہ معلوم کس وقت آن پہنچی ہے
دنیا میں عالیشان قصر اور محلات تعمیر کئے جاتے ہیں۔ اگر بستیاں
اُجڑنے کا وقت آچکا ہے تو چشم زدن میں وہ مسمار ہو کر رہیں گے۔ شب
عروسی جس آرائشی مقام میں گزاری جاتی ہے اوس کی سلامتی کی بھی
یہاں کوئی ضمانت نہیں۔ پھر ایسی فانی دنیا میں عیش ہی کیا؟
اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔
اللّٰھم لا عیش الا عیش الآخرۃ۔ الٰہی! عیش تو بس آخرت ہی کا
عیش ہے"۔ مبارک ہیں وہ ہستیاں جنھوں نے دنیا اور اوس کے
عیش کو حاصل زندگی نہ قرار دیا۔ دنیا کی ہر چیز پر آخرت کو ترجیح دی۔
اور ہر کام میں رضائے حق کے متلاشی رہے۔

56-25 **سلٰماً سلٰماً کی تفسیر** | لا یسمعون فیھا لغوا ولا تاثیما الا
56-26 قیلاً سلٰماً سلٰماً۔ وہاں پر لغویت کا نام تک نہیں اب کوئی سنے تو
کہاں سے سنے۔ اور نہ کوئی ایسا کلام سن سکیگا جس میں گناہ کا کوئی شائبہ
ہو، نہ جھوٹ، نہ غیبت، نہ بہتان تراشی، نہ سوء کلامی، وغیرہ وغیرہ۔
ہاں اگر کوئی نغمہ سنائی دیگا تو ہر طرف سے سلاموں اور سلامیوں کا نغمہ

سنائی دیتا ہوگا۔ سلامٌ قولاً من ربٍ رحیم، سلامٌ علی نوح فی العالمین، سلامٌ علی ابراھیم، سلامٌ علی موسیٰ وھارون، سلامٌ علی آل یاسین، سلامٌ علی المرسلین، سلامٌ علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔ انّ اللہ وملائکتہٗ یصلّون علی النبی، ھوالذی یصلّی علیکم وملائکتہٗ یہ ہے سابقین کا اعزاز جو مقربانِ بارگاہ بے نیاز ہیں۔ اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ یہاں سلامتی ہی سلامتی ہے۔ نہ دکھ درد ہے، نہ ضعفِ پیری، نہ حوادثِ زمانہ اور نہ فنا و موت۔

سبقت کے اسباب یہاں یہ معلوم کرنا بھی ضروری ہے کہ حیاتِ دنیا میں کن امور کی طرف سبقت کرنے کی ضرورت ہے جس کی بدولت یہ قرب و وصال نصیب ہو۔ اس کی نسبت حسب ذیل اقوال ہیں:۔

سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ فرماتے ہیں:۔ السابقون الی الصلوات الخمس، وہ پنجگانہ نمازوں میں سبقت کرنے والے ہیں" یعنی اول وقت آنے والے۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ اوّل من یھجر الی المسجد

وآخرمن یخرج منه ۔ (ابونعیم دیلمی بروایت مرفوعہ) مسجد کو اول وقت آنے والے اور آخر میں وہاں سے جانے والے "

عبادہ بن ابی سودہؒ کہتے ہیں :۔ بلغنا انھم السابقون الی المساجد والخروج فی سبیل اللہ عزوجل ۔ (عبد بن حمید ابن المنذر) ہم کو یہ روایت پہنچی ہے کہ وہ مسجدوں کو آنے میں سبقت کرنے والے اور راہ خدا میں جلد نکلنے والے ہیں " یہاں "فی سبیل اللہ" بظاہر عام ہے خواہ جہاد ہو یا طلب علم دین' یا اور کوئی کار خیر' اگرچہ جہاد فی سبیل اللہ پر اس کا اطلاق عموماً ہوتا ہے ۔

ضحاکؒ کہتے ہیں :۔ ھم السابقون الی الجھاد ۔ جہاد میں پیش پیش رہنے والے ہی مراد ہیں "

ابن جبیرؒ فرماتے ہیں :۔ ھم السابقون الی التوبة واعمال البر ۔ وہ توبہ اور کارہائے خیر میں سبقت کرنے والے ہیں "

کعبؒ کہتے ہیں :۔ ھم اھل القرآن ۔ سابقین سے "اہل قرآن" مراد ہیں یعنی اوس کو پڑھنے' پڑھانے والے ۔

حدیث شریف میں ہے :۔ سئل عن السابقین فقال ھم الذین

اذا اعطوا الحق قبلوہ واذا اسئلوہ بذلوہ وحکموا للناس کحکمھم لانفسھم ۔ (بحر) سابقین کے باب میں آپؐ سے دریافت کیا گیا تو ارشاد فرمایا:۔ سابقین وہ ہیں جن کو حق دیا جائے تو وہ اوس کو مان لیتے اور قبول کر لیتے ہیں ۔ اور جب اون سے حق طلب کیا جائے تو وہ اوس کو دیدیتے ہیں ۔ اور لوگوں کے لئے وہی فیصلہ کرتے ہیں جیسا کہ اپنی ذات کے لئے حکم کرتے ہوں ۔"

ایک قول یہ ہے :۔ الناس ثلاثۃ فرجل ابتکر الخیر فی حداثۃ سنہ ثم دام علیہ حتی خرج من الدنیا فھذا ھو السابق ورجل ابتکر عمرہ بالذنب وطول الغفلۃ ثم تراجع بتوبتہ فھذا صاحب الیمین ورجل ابتکر الشر فی حداثۃ سنہ ثم لم یزل علیہ حتی خرج من الدنیا فھذا اصحاب الشمال ۔ (روح المعانی) لوگ تین طرح کے ہیں ۔ ایک شخص وہ ہے جو اوائل عمر ہی سے اچھے کام میں لگا رہا اور دنیا سے رخصت ہونے تک اوسی حال پر قائم رہا ۔ یہ سبقت کرنے والا ہے ۔ دوسرا وہ جس کی اوائل عمری گناہوں اور غفلت میں گزری، پھر توبہ کرکے خیر کی طرف لوٹ آیا ۔ یہ اصحاب الیمین سے ہے

تیسرا وہ جو شروع سے ہی برائی کرتا گیا تا آنکہ وہ دنیا سے رخصت ہو گیا
یہ اصحاب الشمال سے ہے ۔"

ابن کیسانؒ فرماتے ہیں :۔ انھم المسارعون الی کل ما دعا اللہ تعالی الیہ ۔ سابقین ' وہ ہیں جو اللہ سبحانہ تعالی کی ہر دعوت پر فوراً لبیک کہتے ہیں ۔" بعض اصحاب نے علی العموم اسی قول اخیر کو ترجیح دی ہے ۔ واللہ اعلم

بہرحال یہ چند اقوال اور روایات ہیں ۔ ان کو یہاں اس لئے ایک جگہ جمع کر دیا گیا تا کہ ہم میں سے ہر شخص اپنی اپنی ہمت کے مطابق ' ان تمام اقوال و روایات پر عامل ہو یا ان میں سے بعض پر یا کم از کم کسی ایک وصف پر قائم رہ کر اپنی عاقبت درست کر لیں ۔ واللہ الموفق ۔

آگے اصحاب الیمین کا بیان آ رہا ہے ۔ ارشاد ہے :۔ وَاَصْحٰبُ 56-27
الْيَمِيْنِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۝ فِيْ سِدْرٍ[1] مَّخْضُوْدٍ ۙ وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ۙ 56-28
56-29
وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ۙ وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ۙ وَّفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ۙ لَّا 56-30
56-31
مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ ۙ وَّفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ۝ اور داہنے والے 55-32
55-33
55-34

[1] "سدر" کی تحقیق سورۂ والنجم کی تفسیر میں "سدرۃ المنتہی" کے تحت گزر چکی ۔

کیا کہتے داہنے والوں کے، (رہتے ہیں) بیر بن میں جہاں کانٹا نہیں

(بقیہ حاشیہ ۲ صفحہ گزشتہ)

۲ خضد العود رطباً او یابساً یخضِدہ خضداً کسرہ ولم یبن او ثناہ من غیر کسر والبعیرُ عنق آخر ثناہ والشیءَ قطعَ والشجرَ قطع شوکہ ۔ (محیط المحیط) خضد فعل متعدی باب ضرب سے آتا ہے ۔ اس کا مفعول عود (لکڑی) ہو خشک یا تر تو اوس کو توڑ دینے یا اوس کو جھکا دینے کے معنی ہوں گے۔ مگر شرط یہ ہے کہ ٹکڑے جدا نہ ہونے پائیں ۔ اور بل دینے یا مروڑنے میں ٹوٹنے نہ پائے۔ اگر اس کا مفعول بعیر (اونٹ) ہو معنی ہوں گے کہ اوس کی گردن مروڑ دی ۔ اور اگر شیئ (چیز) اوس کا مفعول ہو تو اوس کو کاٹ دینے کے معنی ہوں گے۔ اور اگر شجر (درخت) اوس کا مفعول ہو تو اوس کے کانٹے کاٹ دینے کے معنی ہوں گے ۔" **فقیر** عرض کرتا ہے کہ یہاں معنی آخر ہی مراد ہیں۔

۳ الطلح مصدر، وشجر عظام من شجر العضاہ ترعاھا الابل والطلع والموز ۔ (محیط المحیط) طلح مصدر ہے (باب فتح سے تھکا دینے کے معنی میں آتا ہے) اور بڑے بڑے درختوں کو بھی کہتے ہیں ۔ جو کانٹے دار ہوں جس کو اونٹ کھاتے ہیں ۔ کھجور کے پھول کو بھی کہتے ہیں اور موز کو بھی۔" **فقیر** عرض کرتا ہے کہ یہاں

اور کیلے (موز) تہہ پر تہہ' اور سایہ دراز' اور پانی بہتا' اور میوہ بہت' نہ ٹوٹا ہوا اور نہ کوئی رکاوٹ' اور بچھونے اونچے"

طلبۂ علوم عربیہ سے خطاب

سابقہ آیات کریمہ میں اصحاب المیمنۃ ما اصحاب المیمنۃ جو اجمالاً ارشاد ہوا تھا اب اوسی کی تفصیل بیان ہو رہی ہے۔ اس میں بلاغت کلام پاک یہ ہے کہ تعبیر دوسرے نہج پر فرمائی گئی ارشاد ہو رہا ہے: — واصحٰبُ الیمین ما اصحٰبُ الیمین۔ اس سے ایک فائدہ تفنّنِ کلام کا ہوا کہ متکلم فصیح وبلیغ جب ایک مضمون کو دوبارہ بیان کرتا ہے تو اسلوب بیان کو بدل دیتا ہے تاکہ سننے والا زیادہ شوق

(بقیہ حاشیہ ۳ے صفحہ گذشتہ)

معنی آخری مراد ہیں۔

۴ے نضد المتاع ینضدہ نضداً جعل بعضہ فوق بعض والمتاع منضود ونضیل۔ (محیط المحیط) نضد المتاع محاورہ عرب اوس وقت استعمال کیا جاتا ہے جبکہ ایک کو ایک پر جمایا جائے" اسم مفعول منضود اور نضید آتا ہے"

۵ے السکب المشدید الجری۔ (محیط المحیط) خوب بہنے کو سکب کہتے ہیں" مسکوب اسی سے صیغہ اسم مفعول ہے۔

کیساتھ متوجہ ہو۔ دوسرا فائدہ اس میں یہ ہے کہ میمنہ صیغہ اسم
ظرف تھا یعنی وہ جگہ جو داہنی جانب واقع ہے۔ اس میں یہ اشارہ مقصود
تھا کہ قیامت میں لوگوں کے جو تین گروہ بنائے گئے تھے اون کا امتیاز
بادی النظر میں ہرایک کے ٹھہرائے جانے کے مقام ہی سے ظاہر ہوجائے گا۔
اوراب جب کہ تفصیل بیان ہورہی ہے اصحاب الیمین فرمایا گیا یمین
صیغہ اسم ظرف نہیں اس کے معنی صرف "داہنے" کے ہیں۔ یہاں یہ اشارہ
مقصود ہے کہ ان کا امتیاز دوسرے گروہوں سے صرف باعتبار مکان و
مقام نہیں بلکہ باعتبار اوس سلوک کے بھی ہے جو اون کے ساتھ کیا جائیگا۔
اسی طرح اصحٰب المشئمۃ اور اصحاب الشمال کا فرق سمجھ لیا جائے۔
(تفسیر کبیر)۔

سدر مخضود کی تفسیر ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے
ہیں کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو انتظار رہتا تھا کہ
اللہ سبحانہ تعالیٰ کسی اعرابی کو بھیجدے تاکہ وہ آپؐ سے کچھ دریافت
کرے اور آپؐ اوس کی تشفی فرمائیں تو ہمارے معلومات میں اضافہ ہو۔
(ہم کو آپؐ سے پوچھنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی) چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ

ایک اعرابی نے آپؐ سے عرض کیا:۔ یا رسول اللہ! لقد ذکر اللہ تعالیٰ فی القرآن شجرۃ موذیۃ وما کنت اری ان فی الجنۃ شجرۃ توذی صاحبھا۔ یا رسول اللہ! اللہ سبحانہ تعالیٰ نے قرآن میں ایک ایذا رساں درخت کا ذکر فرمایا ہے۔ اور میرا خیال تک نہ تھا کہ جنت میں کوئی ایسا درخت بھی ہوگا جو وہاں کے رہنے والوں کی ایذا کا باعث ہو" حضورؐ نے دریافت فرمایا:۔ وماھی وہ کونسا درخت ہے؟ اعرابی نے کہا:۔ السدر فانّ لہ شوکا۔ وہ بیری کا درخت ہے جس کے کانٹے ہوتے ہیں"۔ اس پر ارشاد مبارک ہوا:۔ الیس اللہ یقول فی سدر مخضود خضد اللہ شوکہ فجعل مکان کلّ شوکۃ ثمرۃ وانّ الثمرۃ من ثمرہ تفتق عن اثنین وسبعین لونا من الطعام ما فیھا لون یشبہ الآخر۔ (حاکم بروایت صحیحہ بیہقی) کیا اللہ نے فی سدر مخضود نہیں فرمایا کہ اللہ سبحانہ نے اوس کے تمام کانٹے دور کردئے ہیں اور ہر کانٹے کی جگہ ثمرہ پیدا کیا ہے اوس کے ایک ایک پھل میں (۷۲) ذائقے ہیں جو ایک دوسرے سے نہیں ملتا ہے"۔

طلح منضود کی تفسیر | مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ جنت میں موز کے درخت

رہوں گے جن کا ثمرہ تہ بتہ نیچے سے اوپر تک اس طرح ہوگا کہ درخت کی تنہ نظر تک نہ آئے گی۔ پورا درخت صرف میوہ سے ڈھکا ہوگا طلح سے "موز" مراد ہونا حضرت سیدنا علیؓ ابن عباس، ابوہریرہ، ابوسعید خدری، حسن بصری، مجاہد، قتادہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ حسن بصریؒ سے ایک روایت اور ہے جس میں آپ فرماتے ہیں: ۔ لیس بالموز ولکنہ شجر لہ ظل بارد رطب۔ وہ موز نہیں بلکہ ایسا درخت ہے جس کا سایہ ٹھنڈا اور مرطوب ہوگا" سدیؒ کہتے ہیں: ۔ شجر یشبہ طلح الدنیا لکن لہ ثمرا حلی من العسل ۔ وہ ایسا درخت ہے جو دنیا کے موز کا ہم شکل ہے۔ مگر اس کا ثمرہ شہد سے بھی شیریں تر ہوگا"

عرض فقیر فقیر عرض کرتا ہے کہ طلح کے معنی لغت میں موز اور ببول دونوں آئے ہیں۔ اس کی تعیین کہ یہاں کیا مراد ہے؟ اس بارے میں کوئی حدیث مرفوع وارد نہیں ہوئی۔ اور عرب کا ریگستان، اور وہاں کی گرمی مشہور ہے اس لئے بعض مفسرین نے طلح منضود سے ببول کے درخت مراد لئے ہیں کہ جنت میں گھنا، ٹھنا سایہ ہوگا۔ اور جملہ میدان پھولوں کی خوشبو سے مہک جائیگا۔ دنیا میں عربستان کے سفر کی جو تکالیف شاقہ برداشت کی گئی تھیں اس طرح سے اس کی تلافی ہو جائے گی۔ رہا ثمرات اور میووں کا بیان، وہ فاکھۃ کثیرۃ

ذریعہ آگے آرہا ہے۔ لیکن دوسرے گروہ نے جن میں اکابر صحابہؓ اہل لسان شامل ہیں اس کو موز کا درخت قرار دیا کہ جنت نعمتوں اور فواکہ کی جگہ ہے۔ گویا یہ تبلانا منظور ہے کہ جنت میں بیری اور موز سے لیکر ہمہ قسم کے میوے بکثرت ہوں گے۔ رہا سایہ کا بیان، وہ مستقل طور پر ظل ممدود کے ذریعہ آگے آرہا ہے نیز طلح کی تفسیر موز سے کی جائے تو ضمناً سایہ کی طرف بھی اشارہ ہوگا کیونکہ ثمرہ دار درخت سے پھول، پھل اور سایہ سبھی کچھ حاصل ہوتا ہے۔ اور اس امر کا اظہار بھی مقصود ہوگا کہ جنت میں بیری کے درخت سے لیکر جس کے پتے چھوٹے ہوتے ہیں، موز کے درخت تک ہوں گے جن کے پتے بڑے بڑے ہوتے ہیں سبھی موجود ہوں گے۔ بہر حال ہر تفسیر بجائے خود درست ہے اور موز کے ساتھ تفسیر کو ترجیح حاصل ہے۔ واللہ اعلم۔

ظل ممدود کی تفسیر ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا:—

فی الجنۃ شجرۃ یسیر الراکب فی ظلھا مائۃ عام لا یقطعھا اقرأوا ان شئتم وظل ممدود۔ (عبدالرزاق، ابن ابی شیبہ، ہناد، عبد بن حمید، بخاری، مسلم، ترمذی، ابن جریر، ابن منذر، ابن مردویہ) جنت میں ایک

درخت ایسا ہے کہ (گھوڑا) سوار اگر اوس کے زیر سایہ (۱۰۰) سال تک (تیز رفتاری سے) چلتا رہے تو بھی اوس کو طے نہ کر سکیگا۔ اگر (اس کی تصدیق کتاب اللہ سے) چاہتے ہو تو وظل ممدود پڑھ لو۔" اسی مضمون کی روایات حضرت انسؓ ابو سعید خدریؓ ابن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہیں۔ بعض مفسرین نے ظلّ سے درختوں کے سایہ کی جگہ **ظلّ عنایت** وحمایت مراد لیا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:۔ السلطان العادل ظل اللہ فی الارض یأوی الیہ کلّ ضعیف ومظلوم۔ عدل گستر بادشاہ' اللہ سبحانہ کا سایہ ہے جو زمین پر پھیلا ہوا ہے ہر ناتوان اور مظلوم اوس کے تحت پناہ لیتا ہے۔" نیز بزرگوں اور اہل علم کی نسبت کہا جاتا ہے:۔ مد ظلہ' اللہ اون کا سایہ عاطفت مدت مدید تک دائم وقائم رکھے۔" یہ تفسیر بھی بجائے خود درست ہے مگر جب کہ صحیح حدیث کی رو سے معنی حقیقی دریافت ہو چکے تو کسی تاویل یا مجاز کو اختیار کرنے کی حاجت نہیں۔

ماءِ مسکوب کی تفسیر سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں:۔ جار من غیر اخادید۔ اصحاب الیمین کے لئے آب پاشی کا جو انتظام جنت میں ہوگا اوس کے لئے نالیاں تیار کرنے کی ضرورت نہ ہوگی پانی اس کے بغیر بھی

سلیقہ کے ساتھ بہتا ہوگا۔ جدھر جتنا چاہو بہتا رہیگا۔"

شان نزول | ضحاکؒ فرماتے ہیں:۔ نظر المسلمون الی وَجّ فاعجبھم سدرہ وقالوا یالیت لنا مثل ھذا فنزلت ھذہ الآیۃ۔

مسلمانوں نے مقام وَجّ کو دیکھا (جو طائف شریف کے پاس ایک سرسبز وشاداب مقام ہے جہاں سایہ دار درخت' بیریاں وغیرہ بکثرت ہیں) اون کو وہاں کی بیریاں وغیرہ پسند آئیں اور کہنے لگے اے کاش! ہمیں بھی ایسی سرزمین میسر ہوتی۔ اس موقع پر یہ آیات کریمہ نازل ہوئیں۔"

ایک قول یہ ہے:۔ سابقین کے اخروی حالات کو مدنی زندگی بسر کرنے والوں اور اصحاب الیمین کو اہل بادیہ کے احوال کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور ہر ایک کے مناسب حال بہترین انتظامات کا وعدہ دیا گیا ہے۔ جو اون کے تصور میں تک نہیں آسکتے۔ بایں ہمہ اون کے باہمی فرق کو پوری طرح ملحوظ رکھا گیا ہے۔

وفاکھۃ کثیرۃ کی تفسیر | اصحاب الیمین کے لئے بیریوں اور موز پر ہی منحصر نہیں ان میووں سے لیکر اور انواع واجناس کے میوے بکثرت مہیا ہوں گے" جن کی طرف اون کا میلان طبع ہوگا وہ بھی اور جن سے وہ

عہ فقیر عرض کرتا ہے ممکن ہے کہ یہاں جنت کا راستہ مراد ہو یعنی اہل جنت میدان حشر سے نکل کر جنت کی طرف روانہ ہونگے تو راستہ میں بیریوں اور موز وغیرہ کے درخت ملیں اور دورتا سے

آشنا نہ تھے وہ بھی۔ آب پاشی کا انتظام ہی خود اس طرف رہنمائی کر رہا تھا کہ جہاں پانی کی یہ بہتات ہو اور ایسی سہولتیں حاصل ہوں کہ موٹھ کشی، یا ڈول سے نکالنے کی حاجت نہ ہو جیسا کہ دنیا میں اہل بادیہ خصوصاً ریگستان عرب کے باشندوں کے لئے ضرورت تھی تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ پیداوار بھی اسی کثرت کے ساتھ ہوگی۔ غلہ اور اجناس خوردنی کا کیا ذکر، فواکہات کی بھی کچھ کمی نہ ہوگی۔ کلوا واشربوا بما اسلفتم فی الایام الخالیۃ دنیا میں جو تکالیف تم نے اس باب میں برداشت کیں آج اون کی تلافی اس طرح کی جا رہی ہے اب ابدالآباد کے لئے نہایت عیش و تنعم کے ساتھ ... کھاتے پیتے رہو۔"

لا مقطوعۃ ولا ممنوعۃ کی تفسیر

میوے اور فواکہات دنیا میں بھی تھے مگر اون میں فقرا و مساکین کا حصہ درجۂ صفر کے قریب تھا۔ اہل ثروت اغنیاء ہی اون سے مستفید ہوتے تھے۔ جن کی بڑی بڑی جاگیرات، معاشیں اراضی، باغات سبھی کچھ تھے۔ اون کے اس عیش و تنعم کو دیکھ کر فقرا و مساکین کے منہ میں پانی آتا تھا۔ جب تک میووں کی فصل رہتی۔ اغنیاء اون پر پہرے چوکیاں بٹھاتے۔ اب کیا مجال کہ کسی فقیر و مسکین کا وہاں تک گزر بھی

ہو سکے۔ بہار ختم ہوئی تو پھر بے چو کیاں برخاست ہوئیں۔ اب اگر کوئی وہاں پہنچ بھی جائے تو یہاں کیا دھرا ہے؟ بہر حال بہار دنیا مقطوعہ ممنوعہ تھی۔ یہ قطع و منع تو فقرا و مساکین کی حد تک ہوا۔

اغنیا و اہل ثروت بھی اس قطع و منع سے محفوظ نہ تھے۔ باوصفیکہ وہ کثیر اراضی اور متعدد باغات کے مالک تھے لیکن ارض دنیا اپنی نوعیت خاص اور محدود صلاحیت کے لحاظ سے صرف اون ہی درختوں کو اگاتی جس کی صلاحیت اوس زمین میں ہوتی۔ کشمیر جنت نشان کیوں نہ فرض کر لیجیے وہاں سیب اور انار وغیرہ ہی پیدا ہوتے ہیں۔ آم اور شریفہ وغیرہ کا وجود نہیں۔ پھر ان فواکہ کا حال بھی یہ ہے کہ وہ صرف اپنے موسم پر آتے ہیں ادھر موسم ختم ہوا میوے بھی رخصت ہوئے بہار کے ساتھ خزاں لگی ہوئی تھی۔ امیر و غریب یکساں ہیں۔ غریب تو ناداری کے باعث ہاتھ پر ہاتھ دھرا بیٹھا ہے تو اغنیاء و اہل ثروت کا دسترخوان بھی بہار ختم ہوتے ہی ان فواکہات سے یکسر خالی ہے۔ یہ بھی اپنا سا منہ لئے ہوئے ہیں۔

اصحاب الیمین کے لئے جو وعدہ دیا گیا ہے وہ ایسے فواکہ کثیرہ کا جن کی صفت ہے لا مقطوعۃ ولا ممنوعۃ۔ یہاں ہر نوع اور ہر جنس کا

میوہ ہے بہار اور موسم کی قید سے آزاد۔ اس کی کثرت اور فراوانی پوچھو نہیں۔ پھر لطف یہ ہے کہ کوئی روک ٹوک نہیں۔ آپ خیال کرتے ہوں گے کہ آج فقرا و مساکین کی بن آئی۔ نہیں نہیں اغنیا و اہل ثروت کی بھی عید ہوئی بلکہ عیدالاعیاد۔ کیوں کہ زمین، دولت، خدم و حشم کے ہوتے ہوئے بھی، محرومی و ناکامی کے یہاں بہت سارے اسباب موجود تھے۔ وہ غنی کہلاتے تھے مگر حقیقت میں تھے فقیر۔ سچ ہے:۔ اللّٰہ الغنی و انتم الفقرآء غنی صرف اللہ جل شانہ کی ذات ہے اور تم سب فقرا ہو۔" آج افضال و عنایات الٰہی سے غنی نما فقرا، بھی جو اصحاب الیمین سے ہیں عید منا رہے ہیں۔ نیز ان میں ایسے افراد بھی تھے جن کی صورت اغنیا کی سی تھی مگر سیرت اور دل فقیروں کا تھا۔ فقرا و مساکین کا درد رکھتے تھے۔ اپنے لطف و خوشی میں اون کو شریک حال بنا لیتے تھے۔ آج اس کا صلہ بھی مل رہا ہے و للّٰہ الحمد۔

وَفُرُشٍ مَّرْفُوعَةٍ کی تفسیر | فُرُشٌ۔ جمع ہے فِرَاشٌ کی جس کے معنی ہیں بچھونے اور بستر کے۔ اصحاب الیمین جب تک دنیا میں تھے کیا تھا؟ بقول حضرت سعدی علیہ الرحمۃ ع درویش ہر کجا کہ شب آمد سرائے اوست

جہاں بھی فقیر کی شام ہوئی وہی جگہ اوس کی کارواں سرائے تھی۔ ع :-
زمین کا فرش تھا چھت آسمان کی ۔جہاں شام ہوئی بیچارہ وہیں دراز
ہوا اور اپنے ہاتھ کا تکیہ بنا کر سو رہا۔ اہل تنعم اپنے عالیشان، قصور و
محلات میں اونچی اونچی مسہریوں اور پلنگ اور تختوں پر گوناگوں فرش
فروش کر کے خواب راحت کے مزے لیتے تھے۔ سیر و سیاحت کیلئے
نکلتے بھی تو سامان عیش و عشرت ساتھ ہوتا۔ حضرت سعدیؒ نے کیا خوب
فرمایا :-

منعم بکوہ و دشت و بیابان غریب نیست ہر جا کہ رفت خیمہ زد و خوابگاہ ساخت

آج اصحاب الیمین کے لئے جو سامان ہے وہ ارباب تنعم کو بھی کبھی نصیب نہ تھا۔
حضرت ابو سعید خدریؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے
ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا:- ارتفاعها كما بين السماء والارض مسيرة
ما بينهما خمسمائة عام ۔(امام احمد، ترمذی، نسائی، ابن ابی الدنیا، ابن حبان،
ابن جریر، ابن ابی حاتم، رویانی، ابن مردویہ، ابو الشیخ، بیہقی) اصحاب الیمین کے
محلات کی بلندی، ایسی ہوگی جیسی آسمان کی زمین کے مقابلہ میں، کہ
پانسو سال کی راہ کا تفاوت ہے۔"

یہ ارتفاع مکانی ہوا۔ بلندی قدر و قیمت' منزلت و مرتبت کے لحاظ سے بھی ہو سکتی ہے۔ اس سے اون کے عالیشان و عالی قدر خوابگاہوں کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ بلندی بھی اون کے محلات' پلنگوں' مسہریوں' تختوں اور اون پر بچھائے ہوئے فرش و فروش کی ہوئی۔

دوسری تفسیر | فِراش کہہ کر حرم محترم سے بھی مراد لی جاتی ہے۔ جیسے لباس کہہ کر ازواج مراد لی گئی ہے کما قال تعالیٰ ھنّ لباس لکم وانتم لباس لھنّ۔ وہ عورتیں' تمہارا لباس ہیں اور تم اون کا لباس' یعنی وہ تمھاری رازدار ہیں اور تم اون کے رازدار۔" اس اعتبار سے فرش مرفوعة کے معنی کچھ اور ہی ہوں گے۔

6-35 آگے ارشاد ہے :۔ اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ۙ
6-36 فَجَعَلْنٰهُنَّ
6-37 اَبْكَارًا ۙ عُرُبًا[۱] اَتْرَابًا ۙ
6-38 لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ۟ؑ ہم نے پیدا کیا (۳۶ تا ۳۸) (ع ۲) ۵۶

[۱] عُرُبًا۔ امرأة عروبة معربة بحالها عن عفتها ومحبة زوجها وجمعها عُرُب قال عُرُبًا اَتْرَابًا۔ (مفردات) امرأة عروبة ایسی عورت کو کہتے ہیں جو عفت و پاکیزگی کی مجسمہ اور شوہر کی محبت کا پیکر ہو۔"

اور ان عورتوں کو ایک اچھی پیدائش پر کیا اُن کو کنواریاں، پیار دلانے والیاں، ہم عمر، داہنے والوں کے واسطے۔"

طلبۂ علوم عربیہ سے خطاب آیات کریمہ انّآ انشانٰھن انشاءً فجعلنٰھنّ ابکاراً میں ھُنّ کی ضمیر کا مرجع فُرُش مرفوعۃ ہے اگر فرشٌ، فراش کی جمع قرار دیا جائے اور اس سے عورتیں مراد لی جائیں تو معنی بالکل واضح ہیں کہ ان بلند پایہ، رفیع المرتبت عورتوں کو ہم نے

(بقیہ حاشیہ لے صفحہ گزشتہ)

عروبۃ کی جمع عُرُبٌ آتی ہے۔ ارشاد باری عُرُباً اترابا میں عُرُبٌ سے یہی معنی مراد ہیں۔"

لے اترابا۔ وقوله ابکارا عربا اترابا ای لدات تنشأن معا تشبیها فی التساوی والتماثل بالترائب التی ھی ضلوع الصدر اولوقوعھن معا علی الارض وقیل لانھن فی حال الصبا یلعبن بالتراب معا (مفردات) اترابا (جمع ہے تَرِبَۃٌ کی) یعنی ایک ساتھ پیدا ہونے والیاں، جو ایک ہی وقت میں وجود میں آئی ہوں۔ ایک دوسری کے مساوی اور مماثل جیسے سینہ کی پسلیاں، یا یہ کہ زمین پر ایک ساتھ ہی پیدا ہوئی ہیں۔ یا یہ کہ جو بچپن میں مل کر مٹی میں کھیلتی تھیں۔"

از سرِ نو پیدا کیا تو اون کو کنواری دوشیزہ بنا کر پیدا کیا۔" اور اگر فراش بمعنی فرش و فروش لیا جائے تو یوں سمجھنا چاہیئے کہ فرش بغیر فراش یعنی عورت کے مکمل نہیں ہو سکتا گویا یہاں ظرف کا ذکر کر کے مظروف مراد لیا گیا ہے معنی یہ ہوئے کہ وہاں بیش قیمت اور بلند قدر بچھونے ہوں گے (جن پر رفیع المرتبت عورتیں ہونگی) جن کو ہم نے نشأۃ جدیدہ دی (اس نشأۃ جدیدہ میں) اون کو کنواری دوشیزہ بنایا۔"

انشأناھنّ کی تفسیر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آیہ کریمہ کی تفسیر یوں فرمائی :۔ انّ المنشأت اللاتی کنّ فی الدنیا عجائز شُمطاً عُمشاً رُمصاً۔ (ابن جریر، عبد بن حمید، ترمذی وغیرہم عن انس رض) وہاں جن کی نشأت ثانیہ ایسی ہو گی اون میں وہ عورتیں بھی ہوں گی جو دنیا میں پیرانِ سال بال پکے ہوئے، آنکھیں بہتی ہوئی، میل آلود تھیں۔" یعنی ان سب کو کنواری، دوشیزہ، خوب صورت بنا کر اٹھایا جائے گا۔

ایک لطیفہ حسن بصریؒ فرماتے ہیں :۔ اتت عجوز فقالت یا رسول اللہ ادع اللہ ان یدخلنی الجنّۃ فقال یا امّ فلان انّ الجنّۃ لا تدخلھا عجوز فولّت تبکی قال اخبروھا انّھا لا تدخلھا وھی عجوز انّ اللہ

یقول انا انشأنٰھن انشاءً فجعلنٰھن ابکارا۔ (عبد بن حمید، ترمذی، ابن المنذر، بیہقی) ایک بڑھیا نے حاضر ہوکر عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ اللہ سے دعا فرمائیں کہ مجھے جنت میں داخل فرمائے۔ اس پر آپ نے فرمایا اے فلاں کی والدہ! یقین رکھ کہ جنت میں کوئی بڑھیا داخل نہ ہوگی۔ یہ سن کر وہ روتی ہوئی واپس ہونے لگی۔ ارشاد مبارک ہوا:۔ اوس کو سنا دو کہ وہ بڑھاپے کے ساتھ اوس میں داخل نہ ہوگی۔ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہو رہا ہے کہ ہم نے اُن عورتوں کو دوبارہ پیدا کیا تو اون کو کنواری دوشیزہ بنا کر پیدا کیا ہے" یعنی اوس کو دوشیزہ بنا کر جنت میں داخل کیا جائے گا۔

فقیر عرض کرتا ہے۔ یہ روایت مرسل ہے کیوں کہ حسن بصریؒ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا نہیں۔ کسی صحابیؓ سے سنا ہے اور بوقت روایت اون کا نام نہ لے سکے۔

اَبْکَارًا کی تفسیر ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ انّ اھل الجنّۃ اذا جامعوا النساء عدن ابکارا۔ (طبرانی) اہل جنت (جب کبھی) جنسی میلان سے فارغ ہونگے تو عورتیں پھر سے باکرہ بنا دی جائیں گی" جیسا کہ تمام جنت کا حال ہے کہ

وہاں کی ہر چیز اپنی صفت اولی پر رہیگی۔ غلمان ہمیشہ غلمان ہی رہینگے
جوان نہ ہوں گے۔ جوان، جوان ہی رہیں گے بوڑھے نہ ہوں گے جس
حالت میں داخل ہوں گے ہمیشہ اوسی پر قائم رہیں گے۔

عُرُباً کی تفسیر ابن عباسؓ سے حسب ذیل تفسیر مروی ہے:۔
عُرُبٌ ای عواشق لازواجھنّ وازواجھنّ لھنّ عاشقون
(ابن ابی حاتم) اون کو عشق، اپنے شوہروں سے اور شوہروں کو عشق اپنی
بی بیوں سے "۔ اَلمتحببات المتوددات الی ازواجھنّ (ابن جریر)
محبوبات و مرغوبات اپنے شوہروں کی "۔ تمیم بن حدلمؓ فرماتے ہیں:۔
الحسنۃ التبعّل۔ (سعید بن منصور، عبد بن حمید، ابن جریر) شوہری حقوق
بہتر طریقہ پر ادا کرنے والیاں "۔ اسحاق بن عبداللہ نے فرمایا:۔
الخفوۃ المبتذلۃ لزوجھا۔ (وکیع، ابن عساکر) حیادار، شوہر کی
اطاعت گزار "۔ زید بن اسلمؓ فرماتے ہیں:۔ الحسنۃ الکلام (ابن
جریر، ابن ابی حاتم) خوش کلام "۔ حضرت سیدنا امام باقرؓ کی روایت میں
ہے:۔ کلامھنّ عربیّ۔ (ابن ابی حاتم) اون کی بول چال عربی ہوگی"۔
جیسا کہ دوسری حدیث شریف ہے:۔ لسان اھل الجنّۃ عربی۔

جنتیوں کی زبان عربی ہوگی "

اترابا کی تفسیر مستویات (ابن جریر، ابن المنذر، بیہقی) ایک دوسرے سے شباہت رکھنے والیاں " امثالاً (سفیان بن عیینہ، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر) باہم مماثلت رکھنے والیاں " اقرانا (عبد بن حمید) ہم زمانہ یعنی ایک ساتھ پیدا ہونے والیاں جو سب مل کر مٹی میں کھیلتی تھیں۔ فقیر عرض کرتا ہے کہ یہ اختلاف روایات نہیں ہے بلکہ ہر روایت میں ایک ایک وصف بیان ہوا ہے۔ یوں سمجھنا چاہئے کہ نساء اہل جنت ان تمام صفات کی جامع ہوں گی۔

لِاَصْحٰبِ الْیَمِیْنِ کی تفسیر یہ تمام تیاریاں اصحاب الیمین کیلئے ہیں جو میدان حشر میں داہنی جانب ٹھہرائے جائیں گے یا نامہ اعمال جن کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا یا جن کی صفت دنیا میں راستی اور صداقت پر مبنی تھی۔ یہاں لام جار کا تعلق کس کلمہ سے ہے؟ اس باب میں تین اقوال ہیں۔ ایک یہ کہ انشأنٰھن سے متعلق ہے۔ معنی یوں ہوں گے کہ ہم نے ان کو اصحاب الیمین کے لئے پیدا کیا ہے " دوسرا یہ کہ جعلنٰھن ابکارا سے متعلق ہے۔ اس اعتبار سے معنی یہ ہوئے کہ ہم نے ان کو باکرہ جو بنایا

مخصوص طور پر اصحاب الیمین کے لئے "۔ تیسرا یہ کہ اترابًا سے متعلق ہے جو صیغہ صفت مشبہہ ہے معنی یوں ہوئے کہ یہ ہم سن عورتیں اصحاب الیمین کے لئے ہیں "۔ ہر سہ اقوال اپنی اپنی جگہ درست ہیں ۔ مآل اور نتیجہ کے طور پر زیادہ فرق نہیں پڑتا ۔ آگے ارشاد ہے :۔

56-39 56-40 ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ۝

انبوہ کثیر اگلوں سے اور انبوہ کثیر پچھلوں سے ۔

سابقین اور اصحاب الیمین کا فرق اصحاب الیمین کا حال سابقین سے قدرے مختلف ہے ۔ سابقین کا گروہ اگلے لوگوں میں بڑھا ہوا تھا پچھلوں کا تناسب فی صد اگلوں کے مقابلہ میں کم تھا ۔ یہ اور بات ہے کہ تناسب فی صد کی کمی کے باوجود ان کی تعداد سابقین سے زیادہ تھی ۔ اس وجہ سے کہ پچھلوں کی تعداد اگلوں کی تعداد سے بہت بڑھی چڑھی تھی جس کی تفصیل السابقون کی تفسیر میں گزر چکی ۔ مگر اصحاب الیمین اگلوں میں بھی بہت تھے اور پچھلوں میں بھی بہت زیادہ ہوں گے ۔ یعنی تناسب فی صد دونوں کا یکساں اور پچھلوں کی تعداد اگلوں سے بہت زیادہ رہیگی ۔

یہ اولین و آخرین کون ہیں خواہ یہ اگلے اور پچھلے دونوں اسی امۃ مرحومہ کے مراد لئے جائیں۔ جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت میں ہے:۔ الثلتان جمیعا من ھذہ الامۃ۔ (عبدالرزاق، ابن المنذر، ابن مردویہ) یہ دونوں گروہ عظیمہ اسی امت کے ہیں" اور ابوبکرہؓ کی روایت میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ ھما جمیعا من ھذہ الامۃ۔ (مسدد، ابن المنذر، ابن عدی، ابن مردویہ) وہ دونوں اسی امت سے ہیں" یا

اولین سے امم سابقہ کے اصحاب الیمین حضرت آدم سے حضرت مسیح علی نبینا وعلیہما الصلاۃ والسلام تک، اور آخرین سے مراد، امت محمدیہ علی صاحبہا الف الف سلام وتحیہ ہو جس کی صراحت السابقون کی تفسیر میں کی گئی۔ ہر دو صورتوں میں اوّلین وآخرین میں اصحاب الیمین کی کثرت ہی ہوگی۔ مطلب یہ کہ تمام کلمہ گو مسلمان، اصحاب الیمین میں شامل ہوں گے اور بالآخر سب کی نجات ہوگی۔ دائمی سزا سے محفوظ ہوں گے یہ اون کے نور ایمان کی برکت ہے گو عمل کے اعتبار سے اصحاب الیمین کو سابقین کیساتھ کوئی نسبت نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سابقین کی نسبت ارشاد ہوا تھا۔

جزآءً بما کانوا یعملون۔ سابقین کی یہ رفعت شان، اور اون کا یہ
اعزاز، بدلہ ہے اُن اعمال خیر کا جو وہ دنیا میں کرتے تھے"۔ اصحاب الیمین کو
یہ کامیابی کس بنا پر نصیب ہوئی اوس کا ذکر کچھ بھی نہیں فرمایا گیا۔ اگر یہ
کامیابی اون کے کسی حسن عمل کی جزا ہوتی تو اوس کا ذکر کیا جاتا۔ اس سے
معلوم ہوا کہ اصحاب الیمین کی نجات، محض فضل الٰہی اور اوس کا فیض لامتناہی
ہے۔ کما لا یخفی۔

حضورؐ کا مشاہدہ امم سابقہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:-

غدونا علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال عرضت علیّ
الانبیآء باتباعھن من اممھا فاذا النبی معہ الثلۃ من امتہ
واذا النبی لیس معہ احد وقد انباء کم اللہ عن قوم لوط فقال
الیس منکم رجل رشید حتی مر موسی علیہ السلام ومن معہ
من بنی اسرائیل۔ ہم حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت
مبارک میں سویرے حاضر ہوئے تو فرمایا کہ مجھ پر انبیاء اپنی امتوں سمیت پیش
ہوئے۔ کچھ تو ایسے تھے جن کے ساتھ اون کی امت کا ایک انبوہ تھا اور
کچھ وہ تھے جن کے ساتھ کوئی نہ تھا۔ جیسا کہ اللہ سبحانہ نے قوم لوط کی خبر دی

فرمایا کہ کیا تم میں ایک بھی ایسا نہیں جو راہ راست پر ہو۔ تا آں کہ موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے ساتھ گزرے "

امۃ مرحومہ کا مشاہدہ قلت یا رب فاین امتی قال انظر عن یمینك فاذا الظراب ظراب مكة قد سد من وجوہ الرجال قال ارضیت یا محمد قلت رضیت یا رب قال انظر عن یسارك فاذا الافق قد سد من وجوہ الرجال قال ارضیت یا محمد قلت رضیت رب قال فان مع ھؤلاء سبعین الفا یدخلون الجنة بغیر حساب۔ (بنی اسرائیل کو دیکھ کر) میں نے عرض کیا کہ میرے پالنے والے! میری امت پھر کہاں ہے؟ ارشاد ہوا اپنی داہنی جانب نظر ڈالئے۔ (حضورؐ فرماتے ہیں) میں کیا دیکھتا ہوں کہ مکہ کے تمام میدان، پہاڑ پر سے لوگوں کے صرف چہرے (نظر آرہے ہیں) جو بھرے پڑے ہیں۔ ارشاد ہوا۔ محمد! اب تو خوش ہوگئے؟ عرض کیا۔ پروردگار! خوش ہوگیا۔ ارشاد ہوا۔ اپنی بائیں جانب دیکھئے۔ ادھر بھی آسمانوں کے کناروں تک صرف لوگوں کے منہ ہی دکھائی دے رہے ہیں اور سارا افق ان ہی سے بھرا پڑا ہے۔ ارشاد ہوا۔ محمد! اب راضی ہوگئے؟ عرض کیا۔ پروردگار! راضی ہوگیا۔ ارشاد ہوا ان کے

علاوہ ستر ہزار اور ہوں گے جو بلا حساب جنت میں داخل ہوں گے"۔

عکاشہؓ سابقین میں فاتی عکاشۃ بن محصن الاسدی رضی اللہ عنہ فقال یا رسول اللہ ! ادع اللہ ان یجعلنی منہم فقال اللّٰھم اجعلہ منہم ثم قام رجل آخر فقال یا رسول اللہ ادع اللہ ان یجعلنی منہم فقال سبقک بہا عکاشۃ ۔ اتنے میں عکاشہ بن محصن اسدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے اور عرض کیا ۔ یا رسول اللہ! آپ اللہ کے ہاں دعا فرمایئے کہ مجھے بھی اُن میں سے کر دے ۔ آپ نے فوراً فرمایا الٰہی! اس کا شمار بھی اُن (ستر ہزار) میں فرما دے ۔ پھر اور ایک شخص اوٹھا اوس نے بھی درخواست کی کہ یا رسول اللہ! اللہ سے دعا کیجئے کہ میرا شمار بھی اُن میں کر دے ۔ ارشاد ہوا کہ اس باب میں عکاشہ تم پر سبقت لیگیا چلے فقیر عرض کرتا ہے کہ سبقت الی الخیر جس کا بیان اوپر گزرا یہ اوس کی بہترین مثال ہے ۔ یہی معنی سبقت کے ہیں اور یہ صفت سابقین کی ہے ۔

ہدایت نبویہ ثم قال لھم النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان استطعتم بابی انتم وامی ان تکونوا من السبعین فکونوا فان عجزتم وقصرتم فکونوا من اصحاب الظراب فان عجزتم و

قصر تم فکونوا من اصحاب الافق فانی رأیت الناس یتھاوشون
کثیرا ثم قال انی لارجوا ان تکونوا شطر اھل الجنۃ فکبرا القوم
ثم تلا ھذہ الآیۃ ثلۃ من الاولین و ثلۃ من الآخرین
پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن سے فرمایا۔ میرے ماں باپ کے
پیارو! اگر تم سے ہوسکے کہ اُن ستر ہزار میں جا شامل ہو تو اُن میں جا
شامل ہو۔ اور اگر تم خود کو اس سے عاجز اور قاصر پاؤ تو میدانوں اور
پہاڑوں پر سے جو دکھائی دے رہے تھے اُن میں شامل ہو جاؤ۔ اور اگر
اپنے کو اس سے بھی عاجز اور قاصر پاؤ تو کم از کم اصحاب افق میں ضرور
شامل ہو جانا۔ کیونکہ میں نے لوگوں کو دیکھا کہ کثرت کے باعث ادھر اور
ادھر خلط ملط ہو رہے تھے۔ (ایسے اژدہام کے موقع پر کامیاب
وہی رہتے ہیں جو سب کو چھوڑ کر اپنی جماعت میں منسلک ہو جائیں)
پھر فرمایا مجھے امید ہے کہ تم نصف جنت کے حق دار ثابت ہوں گے۔
اس پر قوم نے نعرہ تکبیر لگایا۔ پھر آپ نے یہ آیات کریمہ پڑھیں:
ثلۃ من الاولین و ثلۃ من الآخرین۔ ایک بھاری گروہ تمام
اولین کا تو ایک بڑا بھاری گروہ آخرین کا بھی" (جنت میں ہوگا)

بلاحساب جنت میں جانے والوں کی نشانی فتذاکروا من ھٰؤلآء السبعون الفاً فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ھم الذین لا یسترقون ولا یتطیّرون وعلٰی ربّھم یتوکّلون

(طبرانی) پھر صحابۂ کرام آپس میں مذاکرہ کرتے رہے کہ یہ ستر ہزار کن صفات کے حامل ہوں گے؟ اس پر حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا یہ وہی ہیں جو نہ منتر پڑھتے پڑھاتے اور نہ فال کھولتے کھلاتے' بلکہ اپنے پروردگار پر یقین محکم رکھتے ہیں کہ سارا اقتدار اسی کو حاصل ہے" یعنی اعتقاداً بھی اسی کو مانتے اور قولاً بھی اسی کا ذکر کرتے اور عملاً بھی اسی پر ثابت قدم رہتے ہیں۔ تذبذب و تزلزل کی یہاں گنجایش ہی نہیں۔

اہل بدر کی ایمانی صفت حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں:۔

رأیت سبعین بدریاً کانوا فیما احلّ اللہ لھم ازھد منکم فیما حرّم اللہ علیکم وکانوا بالبلآء اشدّ منکم فرحاً بالرخآء لو رأیتمو ھم قلتم مجانین ولو رأوا اخیارکم قالوا ما لھٰؤلآء من خلاق ولو رأوا اشرارکم حکموا بانھم لا یومنون بیوم الحساب ان عرض علیھم الحلال من المال ترکوہ من خوف فساد قلوبھم (روح البیان)

بیں نے ستر اصحاب بدر کو دیکھا کہ اللہ نے جس چیز کو اون کے لئے حلال قرار دیا تھا اوس کو چھوڑ دیتے تھے اس سے کہیں زیادہ جو تم پر اللہ نے حرام گردانا ہے اور اوس کو تم چھوڑتے ہو۔ اور تم خوشحالی فارغ البالی سے جس درجہ خوش ہوتے ہو اس سے کہیں زیادہ وہ آزمائشوں اور امتحانات سے خوش ہوتے تھے۔ اگر تم اُن کو دیکھتے تو کہتے کہ یہ دیوانے ہیں۔ اور اگر وہ تمھارے نیک لوگوں کو دیکھ لیتے تو کہتے کہ ان کا آخرت میں کچھ بھی حصہ نہیں۔ اور اگر وہ تمھارے شریروں کو دیکھتے تو حکم لگاتے کہ حساب کے دن پر ان کو ایمان ہی نہیں۔ اگر اُن پر مال حلال پیش کیا جائے تو اس اندیشہ سے کہ اون کی قلبی حالت بگڑ نہ جائے چھوڑ دیتے۔" رضی اللہ عنھم وارضاھم عنا۔ آمین۔

یہ بیان، سابقین اور اصحاب الیمین کا ہوا۔ اب اصحاب الشمال کا حال ملاحظہ ہو:—

6-41 وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۙ۬ مَآ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۝ فِیْ سَمُوْمٍ[۱]

6-42 6-43 وَّحَمِیْمٍ ۝ وَّظِلٍّ مِّنْ یَّحْمُوْمٍ ۙ لَّا بَارِدٍ وَّلَا كَرِیْمٍ ۝ اور

6-44

۱؎ السَّمُّ والسُّمُّ كل ثقب ضيق كخرق الابرة وثقب الانف والاذن

بائیں والے کیسے (بدحال ہیں) بائیں والے تیز بھانپ میں اور جلتے پانی میں

اور سایہ میں دھوئیں کے، نہ ٹھنڈا نہ عزت کا۔

(بقیہ حاشیہ ۱ے صفحہ گذشتہ)

وجمعه سموم والسم القاتل وهو مصدر في معنى الفاعل فانه بلطف

تأثيره يدخل بواطن البدن والسموم الريح الحارة التي تؤثر تاثير

السم (مفردات)۔ تنگ سوراخ کو سم اور سم کہتے ہیں۔ جیسا سوئی چبھنے سے سوراخ پیدا

ہو۔ یا ناک اور کان کا سوراخ۔ اس کی جمع سموم آتی ہے۔ اور ہلاک کرنے والا زہر۔ یہ

دراصل مصدر ہے بمعنی اسم فاعل کیونکہ وہ بھی اپنی لطیف تاثیر کے باعث جسم کے اندرونی

حصوں میں گھس جاتا ہے۔ سموم کے معنی گرم ہوا جو زہر کا اثر رکھتی ہے۔ فقیر عرض کرتا ہے

گویا سموم کا لفظ سم یا سم بمعنی زہر قاتل سے بنا ہے۔ واللہ اعلم۔

۲ے۔ يحموم يفعول۔ قيل اصله الدخان الشديد السواد وتسميته

اما لما فيه من فرط الحرارة كما فسره في قوله لا بارد ولا كريم

او لما تصور فيه من الحممة فقد قيل للاسود يحموم وهو من

لفظ الحممة واليه اشير بقوله لهم من فوقهم ظلل من النار

ومن تحتهم ظلل۔ (مفردات) يحموم بروزن يفعول ہے۔ کہتے ہیں کہ

اصحٰب الشمال کی تفسیر | جو لوگ میدان قیامت کی بائیں جانب کھڑے کئے گئے تھے یا نامۂ اعمال جن کے بائیں ہاتھ میں دیا گیا تھا اون کی بدحالی نہ پوچھو کہ وہ کس فضا میں سانس لیتے ہوں گے اور اون پر کیا گزرتی ہوگی جب تک وہاں ایستادہ تھے یاس و حسرت اور سراسیمگی سے دوچار رہے۔ نتیجہ دیکھ لینے اور فیصلہ سن لینے کے بعد وہ دوزخ کی طرف ہانکے جائینگے دوزخ اور اوس کی آگ، نیز اوس میں جو سخت عذاب ہے وہ تو ابھی آگے ہے۔

(بقیہ حاشیہ ۲ صفحہ گذشتہ)

دراصل یہ نہایت سیاہ دھواں ہے یہ نام اس لئے رکھا گیا کہ اوس میں حد درجہ حرارت ہوتی ہے چنانچہ اوس کی تفسیر دوسری آیہ کریمہ میں لا بارد و لا کریم کی گئی ہے کہ نہ وہ کچھ بھی ٹھنڈا ہوگا اور نہ باعزت یا یہ کہ وہ کوئلہ کی طرح سیاہ ہے۔ چنانچہ کالی چیز کو یحموم کہتے ہیں وہ حُمَمَة بمعنی کوئلہ سے مشتق ہے۔ لھم من فوقھم ظلل من النار و من تحتھم ظلل جو ارشاد خداوندی ہے اوس میں اسی معنی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ یعنی دوزخیوں کے لئے اوپر سے بھی آگ کا سیاہ دھواں ہوگا اور نیچے سے بھی۔" فقیر عرض کرتا ہے گویا یہ دونوں سیاہیاں جمع ہو کر کوئلہ کا پہاڑ دکھائی دیتا ہوگا۔ واللہ اعلم۔

فِیۡ سَمُوۡمٍ کی تفسیر دوزخ کا رُخ کرتے ہی، اوس کی ہوا استقبال کریگی۔ ان کی ہوا خوری، دنیا میں بھی ہوا کرتی تھی۔جس سے طبیعت ہشاش بشاش ہوتی، دل کو سرور اور آنکھوں میں نور پیدا ہوتا تھا۔تازہ ہوا سے ایک ایک رونگٹا لطف اندوز ہوتا تھا۔مگر اصحاب الشمال کے لئے جو ہوا یہ رہی ہے وہ دوزخ کی سمت سے آ رہی ہے اور اوس کی کیفیات سے متکیف ہو کر آ رہی ہے اوس کی معمولی کیفیت یہ ہوگی کہ یا دسموم کا رنگ لی ہوئی ہے۔ سَمُوۡم کیا ہے؟ سمیت لی ہوئی اور ایک ایک مسام میں گھستی ہوئی گرم زہریلی ہوا۔گرم ایسی کہ بدن جلتا ہوا اوس سے آبلے آتے ہوئے۔اور زہریلی اس بلا کی کہ تمام جسم پاش پاش ہوا جارہا ہے۔عفونت اس غضب کی کہ ناک نہ ٹھہر سکے۔مشاعر خمسہ یعنی حواس ظاہری پر اس کا کیا اثر ہوگا اور اس آغاز کا انجام کیا ہوگا اوس کا اندازہ کر لیجیے۔

حَمِیۡمٍ کی تفسیر قدرتاً اس عالم تپش میں انسان پانی کی طرف مائل ہوتا ہے، اصحاب الشمال بھی پانی پانی کہنا شروع کریں گے۔مقام غور ہے کہ جہاں کی فضا ایسی گرم، متعفن، زہریلی ہوا سے متاثر ہو وہاں کا پانی کس نوعیت کا ہوگا۔ضرور ہے کہ ہوا کے اوصاف، پانی کے ہر ہر جز میں سرایت

کئے ہوئے ہوں گے۔ ارشاد ہو رہا ہے :۔ فِی سَمُومٍ وَّحَمِیمٍ ۔ پانی کھولتا ہوا متعفن، زہریلا ہوگا، وہی ان کو دیا جائے گا۔ جس کو منہ کے قریب کرتے ہی چہرہ کی جلد گل کر اوس میں گر پڑیگی۔ منہ میں ڈالتے ہی سر سے قدم تک آگ سی لگ جائے گی۔ وہ پانی زیر حلق ہوگا تو آنتیں کٹ کٹ کر گرینگی۔ العیاذ باللہ۔

وَظِلٍّ مِّن يَحْمُومٍ کی تفسیر اس کے بعد اون کو سایہ کی تلاش ہوگی جیسے کوئی مسافر کو دھوپ کی تکلیف ہوتی ہے تو سایہ ڈھونڈتا ہے۔ ایسی زہرناک فضا میں کوئی درخت کس طرح زندہ رہ سکتا ہے؟ لہذا کوئی سایہ تو دکھائی نہ دیگا۔ البتہ ایک سیاہی بلند ہوکر پھیل جائے گی تو سایہ کی سی صورت پیدا ہوگی۔ اس طرح سیاہی کی چادریں اون کے سروں پر منڈلاتی ہونگی۔ جو انسان کی نظر، اور آسمان کے درمیان حائل ہوں گی۔ بس اسی کے نیچے اون کو گزرنا ہوگا اور اسی کو وہ غنیمت سمجھتے ہوں گے۔ اسی کا بیان ہو رہا ہے :۔ وَظِلٍّ مِّن يَحْمُومٍ ۔ اور سایہ میں دھوئیں کے"

مجاہدؒ کہتے ہیں :۔ من دخان جھنم۔ (ہناد، عبد بن حمید) جہنم کا دھواں، (دوزخیوں کے سروں پر سایہ کی طرح چھایا ہوا ہوگا)"۔

ضحاکؒ کہتے ہیں :۔ النار سوداء واھلھا سود وکل شیئ فیھا اسود ۔ (عبد بن حمید) دوزخ کی آگ سیاہ رنگ کی ہوگی ۔ اوس میں رہنے والے بھی سب سیاہ ہوجائیں گے اور اوس میں کی ہر چیز کالی ہوگی ۔" اس اعتبار سے دھواں بھی نہایت سیاہ ہوگا۔

ابن کیسانؒ کہتے ہیں :۔ ھو من اسماء جھنّم فانّھا سوداء و کذا کلّ ما فیھا اسود بھیم ۔ (روح المعانی) "یحموم" دوزخ کا نام ہے وہ سیاہ ہوگی ۔ اسیطرح اوس میں کی ہر چیز حد درجہ سیاہ ہوگی ۔"

ابن عباسؓ فرماتے ہیں :۔ انّہ سرادق النار المحیط باھلھا یرتفع من کلّ ناحیۃ حتی یظلّھم ۔ (روح المعانی) "یحموم دوزخ کے سراپردے ہیں ۔ جو اوس کو ہر سمت سے گھیرے ہوئے ہیں ۔ وہ ہر طرف سے اتنے بلند ہوں گے کہ اون کا سایہ دوزخیوں پر پڑتا ہوگا ۔"

گویا دوزخیوں سے کہا جائے گا کہ تم کو سایہ کی تلاش تھی ۔ لو یہ سایہ موجود ہے ۔ اوس کی صفت کیا ہوگی اوس کا بیان آگے آرہا ہے ۔

لَا بَارِدٍ وَّلَا كَرِيْمٍ کی تفسیر "نہ تو وہ ٹھنڈا ہے اور نہ باعزت ۔"

سایہ میں دو صفات ہوتے ہیں اور اسی کی خاطر اوس کی تلاش کیجاتی ہے۔

ایک یہ کہ اوس سے خنکی حاصل ہو تاکہ دھوپ کی تپش سے جو تکلیف ہو رہی ہے
اوس سے نجات ملے۔ دوم یہ کہ دوسروں سے امتیاز رہے کہ اوروں کو
جو چیز (سایہ) میسر نہیں وہ اِس کو حاصل ہے۔ لیکن دھویں کے اس سایہ میں
ان میں سے ایک وصف بھی نہیں بلکہ تپش دفع ہونے کے بجائے اوس میں
اضافہ ہی ہوگا، ایسا معلوم ہوگا کہ اس کے سر پر آنے سے گویا اور ایک
آفت بڑھ گئی ہے۔ جب ذلت و خواری بڑھتی جا رہی ہے تو عزت و
امتیاز کا کیا ذکر؟ ؎

ایک آفت سے تو مر مر کے ہوا تھا جینا پڑ گئی اور یہ کیسی مرے اللہ نئی

قتادہؒ کہتے ہیں:۔ لا بارد المنزل ولا کریم المنظر۔ (عبدالرزاق
ابن المنذر، ابن ابی حاتم) "نہ جگہ ٹھنڈی اور نہ پسندیدہ منظر"۔ یہ صورت کیوں
در پیش ہوئی اوس کی نسبت ارشاد ہے:۔

6-45 6-46 اِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِينَ[1] ۝ وَكَانُوا يُصِرُّونَ

[1] الترفہ التوسع فی نعمۃ والمترفون ہم الموصوفون بقولہ سبحانہ
فاما الانسان اذا ما ابتلاہ ربہ فاکرمہ ونعمہ۔ (مفردات) نعمتوں کی

6-47 عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِيْمِ ۝ وَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ اَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا
6-48 تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۝ اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ۝

وہ لوگ تھے اس سے پہلے خوش حال اور ضد کرتے تھے ایک بڑے گناہ پر اور کہا کرتے تھے کیا جب ہم مرگئے اور ہوچکے مٹی اور (رگیں) ہڈیاں کیا ہم پھر واقعی اٹھائے جائیں گے، اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی "

دوزخیوں کی سزا عین عدل ہے	دوزخیوں کے لئے مذکورہ بالا سزا ئیں

(بقیہ حاشیہ لہ صفحہ گذشتہ)

وسعت کو ترفہ کہتے ہیں۔ مُترفین وہ لوگ جن کی نسبت اللہ سبحانہ نے فرمایا کہ انسان کو جب اس کے رب نے عزت دی اور نعمتوں سے سرفراز کیا تو کہنے لگا کہ میرے رب نے مجھے عزت دی۔"

۲؎ الحنث الذنب المؤثم وسمى اليمين الغموس حنثا لذلك وقيل حنث في يمينه اذا لم يف بها (مفردات) گناہ میں ڈالنے والی معصیت کو حِنث کہتے ہیں۔ جھوٹی قسم کو بھی اسی معنی میں حِنث کہتے ہیں۔ حَنَثَ فِی یمینہ کا محاورہ اوس وقت استعمال کیا جاتا ہے جب کہ قسم کھا کر اوس کو پورا نہ کیا جائے۔" **فقیر** عرض کرتا ہے یہاں الحنث العظیم سے شرک مراد ہے جس کی نسبت وارد ہے:۔ ان الشرك لظلم عظیم۔ واللہ اعلم۔

کیوں تجویز ہوئیں اوس کا سبب بیان ہو رہا ہے تا معلوم ہو کہ ایسی رنج دہ اہانت آمیز سزا، بے وجہ، ظلماً صادر نہیں کی گئی بلکہ یہ تجویز نہایت منصفانہ عادلانہ ہے۔ کیونکہ یہ لوگ وہ ہیں کہ جب تک دنیا میں تھے اللہ سبحانہ کی گوناگوں، بے شمار نعمتوں سے مستفید ہو رہے تھے۔ پیدا ہونے کے پیشتر سے لے کر مرنے کے بعد تک خوب ہی استفادہ کیا۔ اسی طرح جیسا کہ اللہ کے شکر گزار بندے مستفید ہوتے تھے بلکہ بعض صورتوں میں ان کا استفادہ شکر گزار بندوں کے مقابلہ میں زیادہ اور بہت زیادہ تھا مگر کبھی بھول کر بھی اللہ سبحانہ کی یاد اون کے دل میں نہ آئی۔ اللہ سبحانہ نے اپنے پیغمبروں کو بھیجکر شکر گزاری کا طریقہ بتلایا تو ان شریروں نے اون کا مذاق اڑایا اون کے ساتھ استہزا کرتے رہے۔ اور ایسی ڈھٹائی سے ناشکری اور باطل پر جمے رہے کہ گویا اون کے پاس کوئی آیا ہی نہیں۔ اللہ پاک نے صحیفے اور کتابیں نازل فرمائیں مگر انھوں نے نہ کبھی اون کو تسلیم کیا اور نہ اون کو پڑھا۔ اگر کبھی کچھ حصہ اون کو پڑھکر سنایا گیا تو کان میں انگلیاں رکھ لیں۔ منہ پر پردہ ڈال لیا۔ اور اکڑتے ہوئے اوس مجلس سے اوٹھ کر چلے گئے۔ جعلوا اصابعهم فی آذانهم و استغشوا ثیابهم

واصروا واستکبروا استکبارا۔ اور اون کا یہی طرز مدۃ العمر قائم رہا۔جس سے یاس وناامیدی ہوگئی کہ اگر یہ ہزار سال بھی زندہ رہیں گے تو ان کا یہ طرز کبھی نہیں بدلے گا۔ ان حالات میں اگر آج اونکو سزا دی جارہی ہے تو ایسا عمل نہایت منصفانہ عادلانہ ہوگا۔آج تک جو مہلت دی گئی یہ بھی اللہ سبحانہ کا کرم ہے۔ ورنہ ان کی روش تو ایسی تھی کہ فوری سزا دی جاتی۔ اون کے کام دنیا میں کیا تھے جن کی بنا پر یہ سزا دی جارہی ہے تو ارشاد ہو رہا ہے :۔

مترفین کی تفسیر | اِنَّھُمۡ کَانُوۡا قَبۡلَ ذٰلِکَ مُتۡرَفِیۡنَ ۔ یقیناً وہ تھے اس سے پہلے آسودہ حال ؏ یعنی بعض کا حال یہ تھا کہ عمدہ لذیذ کھانوں، خوشگوار شربتوں بلکہ شراب وکباب، عالی شان مکانات، ہوادار مقامات میں گزارتے، صبح سے شام اور شام سے صبح تک خواہشات نفس کی اتباع میں تھے اور اسی دھن میں ساری عمر عزیز ضائع کرتے تھے۔کبھی اونکے دل میں مقصد آفرینش پر غور وفکر کرنے کی توفیق نہ ہوتی تھی۔اللہ سبحانہ نے انبیاؑ ورسل کو مبعوث کیا اور کتابیں نازل فرمائیں مگر ان کے دماغوں پر نفسانی خواہشات کا غلبہ اس درجہ تھا وہ کب ان احکام ہدایات کو سننے اور اوس پر عمل کرنیکی کوشش کرتے

محاورۂ عرب اترفتہ النعمۃ ای اطغتہ کے مطابق مذکورہ نعمتوں کے باعث وہ طاغی ہوچکے تھے اور انسانیت کے حدود سے باہر ہوکر خدا و رسُول کی بغاوت پر علانیہ کمربستہ نظر آتے تھے یہ تو اون کے منعمین مترفین کا حال تھا۔ جن کو دنیا کی ثروت و دولت خوب ہی میسر تھی۔

مترفین کی دوسری قسم ان میں اکثر ایسے بھی تھے جن کو نعمتوں کی یہ فراوانی تو نصیب نہ تھی۔ درماندہ واز کار رفتہ ہونے کے باوجود احکام خدا و رسول سے اسی طرح سرکشی اور بغاوت کرتے تھے جیسا کہ مترفین کا حال تھا۔ یہ اگرچہ دانے دانے کو ترستے اور تن کی پوشاک اور سر چھپانے کا سہارا ڈھونڈتے رہتے تھے۔ لیکن کیا مجال کہ خدا طلبی کا خیال، بھول کر بھی کبھی اون کو آسکتا۔ اصلاح حال سے کوسوں دور اور فکرِ فردا سے طبعاً نفور تھے۔ قدرت نے آنکھ، کان، دل، دماغ، ہاتھ، پاؤں اور ساری صلاحیتیں ودیعت فرمائیں اور کافی موقع دیا۔ ٹھیک اوسی طرح جیسا کہ منعمین مترفین، یا صادقین کاملین کو سرفراز فرمایا تھا۔ ما تری فی خلق الرحمٰن من تفاوت۔ "تم رحمٰن کی آفرینش میں کوئی تفاوت اور کچھ بھی کمی بیشی نہ پاؤگے"۔ مگر ان اعضا وجوارح، قویٰ اور صلاحیتوں سے کام لینا بھی شیوۂ انسانیت ہے جس سے

یہ یکسر عاری تھے۔ بہرکیف اتباع ہواء (پیروی خواہشات نفس) میں ان کا حال منعمان مترفین سے کچھ بھی کم نہ تھا۔ یہ بھی اپنے پندار میں مست تھے۔

حنث عظیم کی تفسیر

چنانچہ ارشاد ہو رہا ہے:۔ وَکَانُوْا یُصِرُّوْنَ عَلَی الْحِنْثِ الْعَظِیْمِ۔ اور وہ جمے ہوئے تھے بڑے بھاری گناہ پر۔ یعنی ذنب عظیم پر جو شرک ہے۔ جس کی صراحت دوسری جگہ یوں فرمائی گئی ہے:۔ ان الشرك لظلم عظیم۔ خداوند تعالیٰ شانہ کا کسی کو شریک ٹھہرانا یقیناً بہت بڑا ظلم اور بڑی اندھیر ہے۔" بعض مفسرین کرام نے حنث عظیم سے کذب (جھوٹ) اور یمین کاذبہ (جھوٹی قسم) مراد لی ہے۔ یعنی جھوٹے دعوے کرتے اور اوس پر جھوٹی قسمیں کھایا کرتے تھے۔ کانوا یحلفون باللہ مع شرکھم لا یبعث اللہ من یموت۔ شرک میں منہمک رہتے ہوئے اللہ کا نام لے کر قسمیں کھاتے کہ جو یہاں مر گئے اون کو اللہ دوبارہ زندہ کر کے نہیں اٹھائے گا۔" ان نادانوں کی سمجھ میں آتی بات نہ آسکی کہ اگر دوبارہ زندگی برحق نہ ہو تو ظالم جو عمر بھر ظلم کرتا رہا اور مظلوم جو مدۃ العمر ظلم سہتا رہا آخر اوس کا انصاف کب ہو اور کہاں ہو؟ دنیا میں تو انصاف نہ ہو سکا۔ اگر کسی دوسرے عالم میں بھی نہ ہو تو معاذ اللہ قدرت نے کچھ بھی انتظام

نہ فرمایا۔ حاشا وکلا۔

کافروں کا قیامت سے انکار و استبعاد

وَكَانُوا يَقُولُونَ أَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا أَئِنَّا لَمَبْعُوثُونَ أَوَآبَاؤُنَا الْأَوَّلُونَ۔ وہ کہتے تھے کیا جب ہم مرجائیں اور مٹی ہو جائیں اور ہڈیاں (رہ جائیں) تو کیا واقعی ہم اٹھائے جائیں گے؟ اور کیا ہمارے باپ دادا بھی جو (ہم سے) بہت پہلے گذرے وہ بھی (اٹھائے جائیں گے)؟ یعنی یہ مٹی اور یہ گلی سڑی بوسیدہ ہڈیاں دوبارہ زندہ ہوں گی اور اس سے زیادہ تعجب کی بات یہ کہ ہمارے ماں باپ' دادا' پردادا' جن کو گزرے ہوئے سالہا سال ہوچکے وہ بھی زندہ کئے جائیں گے؟ جن کی ہڈیاں بھی باقی نہ ہونگی۔

ان کو ایسا استبعاد کیوں ہے؟ انسان کی ابتدائے آفرینش جب مٹی سے ہوئی ہے اور آفرینش کی نسبت تو کسی قسم کا کوئی شک وشبہ نہیں۔ فلاسفہ بھی قائل ہیں کہ کائنات ارضی' زمین ہی سے عالم وجود میں آئی ہے تو دوبارہ اس سے پیدا ہونا کونسی مشکل بات ہے اور اس میں کونسا محال لازم آتا ہے؟ جس خدا نے ایک دفعہ ایسی تخلیق فرمائی تو اوسی کئے ہوئے کام کا اعادہ کیوں دشوار ہوگا؟ اس کا جواب ارشاد ہو رہا ہے:۔۔۔

۵۶ (آیت ۴۹، ۵۰)

56-49 **منکرین قیامت کا جواب** | قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ ۝ۙ

56-50 لَمَجْمُوْعُوْنَ ۝ۙ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۝ (اے نبی کریم!)

آپ فرما دیجئے کہ یقیناً اگلے اور پچھلے سب جمع کئے جائیں گے مقرر وقت پر ایک معلوم دن کے "۔ یعنی اوس کی تعیین علم الٰہی میں ہے۔ اور اس کا علم اللہ کی کتابوں کے ذریعہ تم کو بھی کرا دیا گیا ہے کہ وہ دن ضرور آنے والا ہے۔ اور رسولوں کے ذریعہ اوس کی نشانیاں (علامتیں) بتا دی گئی ہیں۔ جب وہ دن آن پہنچے گا اور اوس دن کی وہ ساعت یعنی مقررہ گھڑی آجائے گی تو نہ صرف تم اور تمہارے آباؤ اجداد بلکہ از آدمؑ تا ایں دم جتنے نفوس بھی دنیا میں آئے اور رہے بسے۔ اگلے اور پچھلے سب اکٹھا کر کے اٹھائے جائیں گے اور تمام ایک جگہ جمع کر دئے جائیں گے۔

قیامت کی ایک کھلی نشانی | سب سے کھلا نشان نبیؐ آخر الزماں کی بعثت ہے جن کی آمد آمد کی بشارت انبیائے سابقین صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین سناتے رہے۔ جن کے بعد پھر کوئی نبوت و رسالت نہ ہوگی جن کی کتاب کے بعد اور کوئی کتاب نازل نہ ہوگی، جن کی شریعت کے بعد

پھر کوئی شریعت جاری نہ ہوگی ۔ جو رحمۃً للعالمین بن کر دنیا میں تشریف
لائے ۔ اور نبوت کے (۲۳) سال اور خلافت راشدہ کے (۳۰) سال
جملہ نصف صدی میں عالم انسانیت کی تکمیل اور اوس کی نجات کا وہ
محیر العقول سامان فراہم فرمادیا کہ تاریخ میں اوس کی نظیر نہیں اور سارے
عقلاء و حکماء و فلاسفہ آپ کی اس کامیابی پر انگشت بدنداں اور اقوام عالم کی
گردنیں آپ کے بار احسان سے خم ہیں ۔ اب نجات کا بس ایک ہی راستہ
ہے :۔ ان الدین عند اللہ الاسلام ۔ دین جو درحقیقت دین
کہلانے کا مستحق ہے اللہ سبحانہ کے نزدیک یہی دین اسلام ہے " ومن
یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ وھو فی الاخرۃ من الخاسرین
اور جو کوئی اسلام کو چھوڑ کر کوئی دوسرا دین ڈھونڈے (خواہ وہ یہودیت ہو
یا نصرانیت ' بدھ مت ہو یا ہندو مت ' یا اور کوئی) ہرگز قبول نہ کیا
جائے گا اور ایسا شخص آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں شمار ہوگا"
آگے ارشاد ہے :۔

دوزخیوں پر بھوک کا غلبہ	ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ 56-51
اور اون کی غذا	الْمُكَذِّبُوْنَ ۙ لَاٰكِلُوْنَ مِنْ 56-52

(۵۶ الواقعہ ۵۱، ۵۲)

6-53

شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ ۙ فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ۚ پھر تم اے بہکے ہوئے

جھٹلانے والو! ضرور کھاؤ گے ایک درخت سے سینڈ کے، پھر بھروگے اوس سے

پیٹ "

قیامت کا انکار اور دوبارہ زندہ ہونے کی تکذیب کرنے والے کافروں کو قبروں سے اٹھانے کے بعد کیا ہوگا اوس کا بیان فرمایا جارہا ہے کہ اٹھتے ہی اون کو حساب و کتاب کے لئے ایک مقام پر جمع کیا جائے گا۔ اُس سے فارغ ہونے کے بعد حق حق فیصلہ سنا دیا جائے گا تو وہ دوزخ کی طرف ہانکے جائیں گے۔ راستہ میں جو صورت حال درپیش ہوگی اوس کا بیان ہوچکا جب وہ دوزخ میں پہنچیں گے تو بھوک اور پیاس سے جاں بلب ہو جائینگے بھوک کا غلبہ اس درجہ ہوگا کہ جو چیز بھی مل جائے بے سوچے سمجھے اوس پر ٹوٹ پڑتے ہوں گے۔ لیکن وہاں کچھ نہ ہوگا۔ صرف سینڈ کے درخت نظر آئیں گے۔ یہ اوسی پر ٹوٹ پڑیں گے۔ اس کے پھول پتے بھی ہوتے ہیں اور پھل بھی۔ نیز اس کا دودھ بھی ہوتا ہے۔ اس کو برسوں پانی نہ ملے تب بھی وہ ہرا بھرا، تازہ توانا رہتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس کے متعدد اقسام ہیں پھول اور پتوں کا کیا ذکر کیوں کہ کوئی اون کو ہاتھ تک نہیں لگاتا پھل کا

یہ حال ہے کہ کانٹوں سے بھرا ہوا۔ اور کانٹے بھی زہریلے۔ اوس کے دودھ کا یہ حال کہ جسم کو جہاں لگ گیا اوس سے آبلے آگئے۔ اور اوس قدر حصۂ جسم گل گیا۔ یہ صفت دنیا کے سینڈ کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اوس کو اونٹ کے سوا دوسرے جانور تک نہیں کھاتے مگر دوزخی اس پر ٹوٹ پڑیں گے اور اسی سے اپنے پیٹ بھر لیں گے تو اس سے ان کی بھوک کی شدت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ نیز اوس کو خوب پیٹ بھر کر کھا لینے کے جو نتائج ہوں گے اوس کو بھی خوب سمجھ لیجئے۔ یہ بیان دوزخیوں کی بھوک اور اون کی غذا کا ہوا۔ پیاس کا کیا عالم ہوگا اور پینے کو کیا ملے گا اوس کو بھی سن لیجئے۔

6-54 فَشَارِبُونَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيمِ ۚ فَشَارِبُونَ شُرْبَ الْهِيمِ ۝
6-55 6-56 هَٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّينِ ۝ نَحْنُ خَلَقْنَاكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُونَ ۝
6-57 "پھر پیو گے اس پر کھولتا پانی، جیسے پیتے ہیں پیاسے اونٹ، یہ ان کی مہمانی
ہے انصاف کے دن، ہم نے تم کو بنایا پھر کیوں نہیں سچ مانتے۔"

مطلب یہ کہ دوزخیوں پر یا تو بھوک کا وہ عالم ہوگا کہ بیتاب ہو کر سینڈ جیسی ضرر رساں چیز کی پرواہ نہ کر سکیں گے اس پر ٹوٹ پڑیں گے۔ یا پیاس اور تشنگی کا یہ حال ہوگا کہ پانی سے ترسا ہوا اونٹ جس طرح پریشان ہو کر

پینے کی چیز پر گرتا ہے یہ بھی کھولتے ہوئے بدبودار پانی پر گریں گے۔ اور پیتے جائیں گے۔

ھیم کی تفسیر حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ الابل یأخذها داء یقال لها الهیم فلا تروی من الماء فشبہ اللہ تعالی شرب اهل النار من الحمیم بمنزلة الابل الهیم۔ (طشتی) اونٹوں کو ایک بیماری ہوتی ہے جس کو "ھیم" کہتے ہیں اوس میں پیاس دفع نہیں ہوتی یہاں اللہ سبحانہ تعالیٰ نے دوزخیوں کے گرم پانی پینے کو ان بیمار اونٹوں سے تشبیہ دی ہے" ضحاک، قتادہ، عکرمہ وغیرہم سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

فقیر عرض کرتا ہے کہ یہ بیماری استسقاء کی سی ہے کہ اس میں بھی انسان کی تشنگی بجھتی نہیں بلکہ وہ پانی جیسا جیسا پیتا جاتا ہے اوس کی تشنگی میں اضافہ ہی ہوتا جاتا ہے۔ سعدیؒ فرماتے ہیں:۔

دیدہ از دیدنش نہ گشتے سیر ہم چناں کز فرات مُستقی

دوزخیوں کی پہلی خوراک هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّيْنِ۔ یہ ان کی مہمانی ہے انصاف کے دن" نُزُلْ کہتے ہیں اوس پیشکش کو جو کسی تازہ وارد

کے لئے اول الامر پیش کیا جاتا ہے۔ یعنی دوزخی جب میدان حشر سے راستہ طے کرتے ہوئے، جہنم داخل ہوں گے تو صعوبت سفر اور بھوک اور پیاس کے مارے بے چین ہو کر کھانے پانی کی خواہش کریں گے تا کہ تکان دفع ہو اوس وقت اون کی ضیافت زقوم اور حمیم سے ہو گی عالم اضطراب میں وہ ان ہی چیزوں پر ٹوٹ پڑیں گے۔ اور خوب کھائیں گے اور پئیں گے مگر جیسا جیسا کھاتے پیتے جائیں گے بھوک پیاس جو پیشتر سے ہے وہ تو دفع نہ ہو گی بلکہ اوس میں اضافہ ہی ہوتا جائے گا۔ کیوں کہ سینڈ ایک آتش گیر مادہ بھی ہے اس سے باروت بنائی جاتی ہے۔ کیا عجب ہے کہ پیٹ میں جانے کے بعد وہ بھڑک اوٹھے اور بیرونی تکالیف کے علاوہ اس اندرونی سوزش سے بھی دوچار ہوں۔ مقام غور ہے کہ جہنم کی ابتدائی منزل کا یہ دردناک منظر ہے تو آیندہ کیا کیا مراحل درپیش ہوں گے۔ اون کی صراحت دوزخ کے تفصیلی بیان میں ہو گی۔ یہاں اسی اشارہ پر اکتفا کی گئی ہے۔ والعاقل تکفیہ الاشارۃ۔

نصیحت بہ ضمن واقعہ قیامت آخر پر ارشاد ہو رہا ہے: ـــ نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ۔ ہم ہی نے تم کو پیدا کیا ہے پھر مانتے

کیوں نہیں؟ یعنی وہ منزل اور وہ مرحلہ ابھی دور ہے۔ اقتضائے دانشمندی یہ ہے کہ اگر اُس کے درپیش ہونے سے پہلے ہی آگاہ کیا جا رہا ہے تو اُس سے متنبہ ہو جائیں انکار اور ضد سے کام نہ لیں۔ خود پیدا کرنے والا اور بنانے والا آگاہ فرما رہا ہے تو اوس کے ماننے اور قبول کر لینے میں پس وپیش کیوں ہے ایک بار پیدا کرنے والے کے لئے دوبارہ پیدا کرنا کچھ دشوار امر نہیں۔ کیا ہوا کام ہے۔ دوبارہ بھی کر سکتا ہے۔ جب دوبارہ اٹھایا جائے گا تو منکرین ومعاندین کے ساتھ یہ سلوک ضرور ہوگا اور وہ عقلاً ونقلاً وعرفاً ایسے سلوک کے مستحق ومستوجب ہوں گے۔ پھر کوئی بچا نہ سکے گا۔ بہتر ہے کہ اب بھی مان لیں۔

اس کے بعد نہایت حکیمانہ اور مشفقانہ انداز میں چند مثالیں پیشِ نظر لائی جا رہی ہیں۔ ارشاد ہے:—

6-58 أَفَرَءَيْتُم مَّا تُمْنُونَ ۝ ءَأَنتُمْ تَخْلُقُونَهُۥٓ أَمْ نَحْنُ
6-59 6-60 ٱلْخَٰلِقُونَ ۝ نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ ٱلْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ ۝
6-61 عَلَىٰٓ أَن نُّبَدِّلَ أَمْثَٰلَكُمْ وَنُنشِئَكُمْ فِى مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝ وَلَقَدْ
6-62 عَلِمْتُمُ ٱلنَّشْأَةَ ٱلْأُولَىٰ فَلَوْلَا تَذَكَّرُونَ ۝ بھلا دیکھو تو، جو پانی

تم ٹپکاتے ہو، کیا تم اُس کو بناتے ہو یا ہم ہیں بنانے والے، ہم ٹھہرا چکے
تم میں مرنا، اور ہم عاجز نہیں اس بات سے کہ بدلے میں لے آئیں تمھاری
طرح کے لوگ، اور اٹھا کھڑا کریں تم کو وہاں، جہاں تم نہیں جانتے، اور
تم جان چکے ہو پہلی اُٹھان، پھر کیوں نہیں یاد کرتے "

پہلی مثال مادّہ تولید مادہ تولید جس سے انسان کی آفرینش ہے اوس کی حقیقت قطرہ آب سے زیادہ نہیں۔ یہ کس طرح بنتا ہے اور رحم میں آنے کے بعد اوس کے جو اطوار بدلتے ہیں اور وہ نئی نئی صورت اختیار کرتا ہے کبھی وہ نطفہ تھا، پھر خون بنا، پھر بستہ خون ہوا، پھر گوشت بنا، پھر اس پر نقشہ کھنچ گیا۔ پھر اوس میں روح پھونکی گئی۔ اب وہ حرکت کرنے لگا۔ پھر خوب صورت بچہ پیدا ہوا۔ یہ جملہ تغیرات پانی کے قطرہ میں کس طرح آئے۔ ءانتم تخلقونہ۔ کیا یہ تمام تغیرات تمھارے لائے ہوئے ہیں؟ تمھارا دخل اس عرض مدت میں اگر کچھ تھا تو صرف اسی حد تک کہ اوس کو ٹپکا دیا اور بس۔ پھر اوس کے جو جو اطوار بدلے اون سے تم کو دور کا تعلق بھی نہ تھا اس وجہ سے کہ وہ جہاں جاگیر ہوا وہاں تک تم کو دسترس حاصل نہ تھی۔ لہذا یہ خیال دل سے نکال دینا ہوگا کہ

تم نے اوس سے کچھ بنایا۔ جب یہ ثابت ہو گیا تو لامحالہ اقرار کرنا ہو گا کہ اوس کو
کسی بنانے والے نے بنایا۔ وہ بنانے والا تم اور تمھارے ابنائے جنس کو
چھوڑ کر کوئی دوسرا ہی ہو گا۔ کیونکہ تمھارے ابنائے جنس بھی تمھاری طرح
ایسی تبدیل و تغیر سے عاجز اور قاصر ہیں۔ نتیجہ یہی نکلا کہ کسی باکمال حکیم و
قدیر، سمیع و بصیر، متکلم و مرید، علیم و خبیر، حی و قیوم نے بنایا چنانچہ یہی
سوال ہو رہا ہے :۔ اَمْ نَحْنُ الْخَالِقُوْنَ ۔ یا اوس کے بنانے والے ہم ہیں؟
اقرار کرنا پڑتا ہے کہ بنانے والے ہم نہیں بے شک آپ ہیں۔

تقدیر موت اور اس کی حکمت جب یہ مان لیا گیا تو ارشاد ہو رہا ہے
کہ جس طرح ہم نے بنایا ہے نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ ۔ ہم نے تمھارے
درمیان موت کو بھی چھپا رکھا ہے یعنی دنیا میں جس قدر افراد انسانی موجود
ہیں ایک دن یہ پیدا ہوئے ہیں تو ایک دن مرنے والے بھی ہیں جس طرح
آفرینش کا ایک وقت مقرر کیا تھا اور اوس کا علم کسی کو نہیں دیا گیا
حقیقی علم تو اوسی وقت ہوا جب کہ بچہ اس عالم شہادت میں آیا۔ اس سے
پیشتر بیسیوں علامات اور قرائن کے موجود ہوتے ہوئے بھی کسی کو معلوم نہ تھا
کہ کیا ہونے والا ہے ؟ ٹھیک اسی طرح انسان کی موت بھی مقدر رہی یعنی

لکھدیا گیا ہے کہ کب اور کہاں اور کس طرح ہوگی مگر اس کو کوئی نہیں جانتا۔

بعض چیزوں کا علم نہ ہونا بھی رحمت ہے

موت کا علم نہ ہونا بھی بڑی رحمت و عنایت ہے کہ وقت آخر تک انسان چلتا پھرتا، کھاتا پیتا، ہنستا بولتا، اطمینان کے ساتھ گزارتا ہے۔ اگر اوس کو معلوم ہوجاتا کہ فلاں وقت مقرر ہے تو اوس کا تصور کر کے نہ معلوم کتنے دن پیشتر سے اوس کا خواب وخور عیش وتنعم برخاست ہوجاتا۔ یا دوسروں کے حق میں وبال جان بن جاتا۔ جیساکہ اون عہدہ داروں کا حال ہے جو ایک مدت معینہ کے لئے کسی خدمت پر مامور ہوتے ہیں۔ جب اون کی علٰحدگی کا زمانہ قریب آتا ہے تو ٹھنڈی سانسیں بھرتے رہتے ہیں یا لوٹ کھسوٹ پر اتر آتے ہیں۔

حیات وموت دونوں کے مالک جب ہم اور صرف ہم ٹھہرے تو ہماری توحید کا اقرار کیوں نہیں کرتے، ہماری کتاب کیوں نہیں پڑھتے اور ہمارے رسُول کا اتباع کیوں نہیں کرتے جو تمھارے لئے بہترین مثال اور مجسم نمونہ بن کر تمھارے ہاں آئے ہیں۔ اور ہماری باتوں کا یقین کیوں نہیں کرتے کہ ایک دن انصاف کا آنے والا ہے اوس میں حساب کتاب ہوگا۔

سوال وجواب ہوگا۔ عذاب وثواب ملے گا۔ ایسا ہونا عقل ونقل تجربہ ومشاہدہ کے عین مطابق ہے پھر اس کے ماننے میں کیوں لیت ولعل شک شبہہ اور پس وپیش ہے۔ یہی تعلیم ہر آسمانی کتاب کے ذریعے دی گئی۔ اور یہی پیام جملہ انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام نے پہنچایا۔

وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۔ اور ہم اس امر سے عاجز نہیں ہیں کہ بدلے میں لے آئیں تم جیسے لوگ، اور اُٹھا کھڑا کریں تم کو وہاں جس کو تم نہیں جانتے۔"

مطلب یہ کہ جب دوسروں کی طرح تمہاری موت کا بھی ایک وقت مقرر ہے تو وہ اپنے وقت پر آکر رہے گی۔ اور یہاں سے تم اپنی جگہ خالی کردو گے۔ پھر ہم اس خلاء کو تم جیسے دوسرے انسانوں سے پُر کریں گے۔ چنانچہ یہی سنت اللہ سیدنا آدم سے تا ایں دم چلی آرہی ہے تم کو اور ہر ایک کو دارِ آخرت کے لئے جو کچھ زادراہ لینا ہے اسی عرصہ میں حاصل کرلینا چاہئے۔ تمہارے یہاں سے رخصت ہونے کے بعد پھر کوئی موقع زادراہ حاصل کرنے کا نہیں رہے گا۔ البتہ جو لوگ تمہاری جگہ آنے والے ہیں

اب اُن کی باری آئے گی۔ انسان ہونے کے اعتبار سے وہ بھی تم جیسے ہوں گے زادِ راہ حاصل کرنے کے مواقع پوری طرح اون کو بھی حاصل رہیں گے لیکن اوس کے حاصل کرنے یا نہ کرنے میں اوس جماعت کا تم جیسا ہونا ضرور نہیں۔ ممکن ہے کہ وہ تم سے بہتر ثابت ہوں۔ یا وہ بھی تم جیسے ہی ہوں یا تم سے بھی بدتر۔ یہ حال تو آنے والوں کا ہوا۔ مگر جو یہاں سے جاتے ہیں اُن کا حال یہ ہوتا ہے کہ ہم اُن کو ایسی جگہ لے جاتے ہیں جہاں کے احوال سے تم محض ناواقف ہو۔ جس کی صراحت دیگر مقامات میں آ گئی کہ عالم برزخ، حشر و نشر، موقف، سوال و جواب، حساب و کتاب، عذاب و ثواب وغیرہ جو بھی ہو۔

فیما لا تعلمون کی دوسری تفسیر

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں:۔ من کونکم قردۃ وخنازیر۔ (روح المعانی) یعنی ارشادِ خداوندی یوں ہے کہ ہم اس سے بھی عاجز نہیں ہیں کہ تم کو بندر اور خنزیر بنا دیں۔" یہ اس بنا پر ہے کہ آیاتِ اللہ کا اقتضاء یہ ہے کہ انسان اون کا مطالعہ کرے۔ بار بار تلاوت کرتا رہے اور اون کے معانی و مطالب پر غور و فکر کرے۔ تدبّر و تفکر سے جو مضامین اوس کے

ذہن پر القا ہوں اُن سے متاثر ہو۔ جو قوم یہ کام چھوڑ دے تو اللہ سبحانہ کے
نزدیک اس کی حیثیت اوس کے ان صفات کے لحاظ سے بندر اور خنزیر
کی سی ہوئی کہ بندر کی صورت اور اعضا انسان کے سے ہیں مگر اوس میں
تدبّر و تعقّل نہیں یا خنزیر کی سی ہوئی کہ لطیف اور پاکیزہ چیزوں کو
چھوڑ کر کثیف اور نجس کا رُخ کرتا ہے۔ ایسا انسان صفتاً تو بندر و
خنزیر ہو چکا۔ اگر مزید ناراضی خداوند تعالیٰ شانہ کی اوس سے ہو جائے تو
کیا عجب ہے کہ نعوذ باللہ اوس کی صورت ظاہری بھی اوسی جنس میں تبدیل
فرمادے۔ بہرحال ڈرنے کا مقام ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔
یہ حضور رحمۃ للعالمینؐ کا صدقہ ہے کہ آپ کی امت خواہ وہ امت
اجابت ہو یا امت دعوت، صورتوں کے مسخ کیے جانے سے اوس کی
حفاظت فرمائی گئی ہے تو اس کے شکریہ میں تمام بنی نوع انسان مسلم و
غیر مسلم سب کا فرض ہے کہ وہ اپنے قلوب کو بھی ایسے ذلیل ورذیل
اوصاف سے پاک وصاف رکھیں۔ اور بنی اسرائیل کی طرح نہ ہوں
جن کی صورتوں کو مذکورہ خبیث صورتوں میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔ اور
اسی طرح ایڑیاں گھس گھس کر ہلاک و برباد ہوئے۔ بہرحال اس میں

ایک سبق اور بہت بڑی عبرت ہے۔

نشاۃ اولیٰ پر نشاۃ ثانیہ کا قیاس | وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْأَةَ الْاُولٰى

فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ۔ پہلی اُٹھان کا حال تو تم جان چکے ہو پھر (دوسری اُٹھان کو اسی سے) کیوں نہیں یاد کر لیتے؟

مطلب یہ کہ اس کائنات کی نشاۃ اولیٰ یعنی ابتداء جب ہوئی تھی تو مادہ یعنی عناصر اربعہ کا وجود نہ تھا۔ اللہ سبحانہ نے اپنی قدرت کاملہ سے مادہ کو پیدا کیا پھر اوس سے ساری کائنات مادّی بنائی۔ اُس وقت ایسا بنانا اللہ سبحانہ کے لئے کچھ مشکل امر نہ تھا تو کائنات کے درہم برہم کردئے جانے کے بعد دوبارہ اوس کو ایجاد کرنا جب کہ ہر چیز کا مواد موجود ہو گیا مشکل ہے؟ عقل اور مشاہدہ کی رو سے امر اول مشکل تھا وہ تو بآسانی طے ہو چکا۔ اب امر ثانی جو عقلاً و مشاہدۃً سہل ہے وہ کیوں دشوار ہوگا؟ اتنی بات عقل و دانش رکھنے والا انسان کیوں نہیں سمجھ لیتا؟

قوم سے خطاب | وفی الخبر عجباً کل العجب للمکذب بالنشأۃ الآخرۃ وھو یری النشأۃ الاولیٰ وعجباً للمصدق بالنشأۃ الآخرۃ وھو یسعیٰ لدار الغرور۔ (روح البیان) بعض حدیثوں میں ہے۔ کیا ہی تعجب ہے

نشأۃ آخرت کو جھٹلانے والے پر کہ وہ نشأۃ اولیٰ کو دیکھ رہا ہے (پھر اس کو دیکھتا ہوا نشأۃ آخرۃ کی تکذیب کیا جا رہا ہے) اور جو نشأت آخرت کی تصدیق کرتا (اور اوس کو مانتا) ہے اوس پر بھی تعجب ہے کہ (نشأت آخرت کو صحیح تسلیم کرتے ہوئے بھی) دار غرور (یعنی دنیا، جو درحقیقت ایک دھوکہ کی ٹٹی ہے) بس اسی کو سنوارنے کی دھن میں لگا ہوا ہے اور اپنی تمام تر کوشش دنیا ہی کے لئے کیا جا رہا ہے (اور نشأۃ آخرت سے غافل ہے)۔

آں کہ ما را ز خلوت نابود   می کشد تا بہ جلوہ گاہ وجود
بار دیگر کہ از سموم ہلاک   روئے پوشیم زیر پردۂ خاک
ہم تواند بہ امرِ کُن فَیکُوں   کار داز گوشۂ لحد بیروں

اگر اب تک غفلت میں گزری تو کیا ضرور ہے کہ آئندہ بھی غفلت کا شکار بنے رہو۔ کیوں چونکتے نہیں؟ حضرت ابراہیم ادھم، فضیل بن عیاضؒ، مالک بن دینار قدس اللہ اسرارہم کے احوال پڑھ لیجئے دیکھئے کہ ابتدا کیا تھی۔ مگر جب وہ چونک گئے تو کیا مستعدی دکھائی اور کیسا کمال حاصل کیا جس کے باعث آج اون کا نام کس عزت سے لیا جاتا ہے۔ اور اسی طرح تا قیامت لیا جاتا رہے گا۔ اللہ سبحانہ ہم سب کو توفیق دے۔ آمین۔

قیاس بھی اصل شرعی ہے اس آیہ کریمہ میں "قیاس" سے کام لینے کا مطالبہ فرمایا جارہا ہے کہ فلولا تذکرون۔ کیوں نہیں یاد کرتے اور نصیحت لیتے اور کیوں نہیں قیاس کرتے؟ اس سے "قیاس" کا اصل شرعی ہونا ثابت ہوتا ہے اور جو لوگ منکرین قیاس ہیں مثلاً ظاہریہ اور غیر مقلدین، ان کا رد ہوتا ہے۔ احکام شرعیہ جس طرح کتاب[۱] اللہ، سنت[۲] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اور اجماع[۳] امت سے ثابت ہوتے ہیں اسی طرح قیاس[۴] سے بھی ثابت ہوتے ہیں۔ اور ان اصول اربعہ سے جملہ مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ مسائل نامتناہی ہیں ہر مسئلہ کے لئے نصوص صریحہ کہاں تک ملیں گے۔ لامحالہ قیاس سے کام لینا ہوگا کسی مسئلہ خاص میں نص موجود نہ ہو اور قیاس سے کام نہ لیا جائے تو مسئلہ مجہول ہی رہے گا جہل رفع نہ ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ترک قیاس جہل ہے جب ترک قیاس جہل ہے تو قیاس علم ہوا۔ وہو المطلوب۔

قیاس مجتہد کی صحت البتہ یہ جاننا ضروری ہے کہ "قیاس" سے ہماری مراد مجرد قیاس اور ہر کس وناکس کا قیاس نہیں ہے بلکہ قیاس مجتہد جو نص پر مبنی ہو۔ نص کے خلاف نہ ہو۔ کما قال المولی الرومی قدس سرہ:-

مجتہد ہر گہ کہ باشد نص شناس   اندراں صورت نیندیشد قیاس

چوں نیابد نص اندر صورتے از قیاس آنجا نماید عبرتے

ایں قیاسات و تحرّی روز ابر تا بشب مر قبلہ را کردست جبر

لیک با خورشید و کعبہ پیش رو ایں قیاس و ایں تحرّی را مجو

سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ صلاۃ اللیل ادا فرما رہے تھے اس آیہ کریمہ پہنچے :۔ أفرأیتم ما تمنون ءأنتم تخلقونه ام نحن الخالقون۔ بھلا دیکھو تو جو تم پانی ٹپکاتے ہو اوس پانی سے بچہ کیا تم بناتے ہو یا ہم ہیں بنانے والے؟ تو تین تین دفعہ یوں عرض کرنے لگے بل انت یا رب بلکہ اے پروردگار! آپ ہی نے۔'' پھر دوسری آیۃ کریمہ ءأنتم تزرعونه پڑھی کیا تم دانے کو کھیتی بنا دیتے ہو تو عرض کیا بل انت یا رب تین دفعہ فرمایا۔ آپ ہی اوس کو کھیتی بنا دیتے ہیں۔'' پھر تیسری آیہ کریمہ ءأنتم انزلتموه پڑھی یعنی کیا ابر سے پانی تم برساتے ہو۔ تین دفعہ فرمایا بل انت یا رب نہیں بلکہ یارب آپ ہی نے۔'' پھر چوتھی آیہ کریمہ ءأنتم انشأتم شجرتھا۔ کیا تم نے اوس کے درخت کو اٹھا کھڑا کیا۔ جواب میں تین دفعہ فرمایا بل انت یا رب۔ نہیں بلکہ یارب! آپ ہی نے '' (عبد الرزاق، ابن المنذر، حاکم، بیہقی عن حجر المرادیؒ)

اسی بنا پر بعض علمائے کرام فرماتے ہیں کہ تلاوت کے وقت ان مواقع پر

6-63 مستحب یہ ہے کہ مذکورہ ہر آیت کے بعد بل انت یا ربّ کہنے جائیں۔ واللہ اعلم

6-64 6-65 أَفَرَءَيْتُم مَّا تَحْرُثُونَ ۝ ءَأَنتُمْ تَزْرَعُونَهُۥٓ أَمْ

6-66 6-67 نَحْنُ ٱلزَّٰرِعُونَ ۝ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَٰهُ حُطَٰمًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُونَ ۝

إِنَّا لَمُغْرَمُونَ ۝ بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ۝ بھلا دیکھو تو جو تم بوتے ہو

کیا تم کرتے ہو اس کو کھیتی، یا ہم ہیں کھیتی کر دینے والے، اگر ہم چاہیں تو

کر ڈالیں اس کو روندا ہوا گھانس، پھر تم رہ جاؤ دن تمام باتیں بناتے

کہ ہم تو قرضدار رہ گئے، بلکہ ہم بے نصیب ہو گئے۔"

غلّہ کی پیداوار پر ایک نظر

اناج، غلہ جس کو تمام دنیا کھاتی ہے اور اسی پر زندگی ہے۔ اس پر بھی کبھی غور کیا کہ اس کے حاصل کرنے اور اس کی پیداوار تک کتنے مراحل درکار ہیں۔ دانہ بویا گیا جو زمین میں چھُپ جانے کے بعد شق ہوا اور جو مُولکا بن کر زمین سے برآمد ہوا، پھر پرورش پا کر پودے کی شکل اختیار کی۔ بارآور ہوا، پھر پختہ ہونے کے بعد کاٹ لیا گیا۔ یہ جملہ مراحل ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں۔ معمولی عقل و فہم والے کسان سے لے کر بڑے بڑے عقلاء و فلاسفہ سبھی کا مشاہدہ اور روزمرّہ کی بات ہے۔ غور طلب یہ ہے کہ دانہ جو کھیتی کی شکل اختیار کرتا ہے اس دوران میں

بیج کو جو مراحل درپیش ہوتے ہیں اون میں انسانی فعل کو کہاں تک دخل ہے؟
بس اسی حد تک کہ دانہ زمین میں ڈال دیا۔ اب آگے جو مراحل ہیں وہ انسانی
طاقت سے باہر ہیں۔ ہر مرحلہ پر آفات سے بچانا اور محفوظ رکھکر اوس کو
آگے بڑھانا اور ترقی دینا' بالکلیہ دست قدرت میں ہے۔

کھیتیوں کے آفات ٹڈیوں کا زراعت کو پامال کرنا' لہلہاتی
کھیتی کا باد سموم کے ایک جھونکے سے سیاہ پڑجانا' برف باری ژالہ باری سے
تباہ ہوجانا' پانی کی کمی سے خشک ہوجانا' یا پانی کی زیادتی کے باعث
سڑجانا' غرقاب ہونا وغیرہ آفات پر انسان کا اقتدار کس حد تک ہے
مقام غور ہے۔ اگر ان تمام آفات ارضی وسماوی سے زراعت کو
محفوظ رکھکر غلہ انسان کے ہاتھ آیا تو کتنے شکر کا مقام ہے۔ کوئی اسکو
سوچے اور سمجھے۔ اسی لئے ارشاد ہورہا ہے:۔ لو نشآء لجعلنہ
حطاما فظلتم تفکّھون انا لمغرمون بل نحن محرومون۔
اگر ہم چاہیں تو اوس کو ریزہ ریزہ کردیں۔ اوس وقت تم کہنے لگو کہ
ہم پر ڈنڈ پڑگیا ہم محروم وبے نصیب رہ گئے" یعنی زمین صاف کی'
بیج ڈالا' حفاظت کی' پانی دیا' محنت کی' جانوروں سے خدمت لی'

راتوں رات جاگ کر نگرانی رکھی، سب کچھ اکارت گیا۔ اس کے علاوہ اوس پر جو روپیہ قرض لے کر خرچ کیا۔ محصول ادا کیا اس کا بوجھ دوش پر رہ گیا۔ ہائے ہائے کرتا ہے، واویلا مچاتا ہے دنیا میں کوئی ہے جو تم کو ان آفات سے بچا سکے؟ جب کوئی نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے تو اللہ سبحانہ پر ایمان کیوں نہیں لاتے اور اپنا اعتقاد کیوں درست نہیں کرتے کہ جو خدا ایک دانے سے سات بھٹے، اور ہر ایک میں سو سو دانے پیدا کرتا ہے بلکہ جس کو چاہے اس سے بھی زیادہ اضعافاً مضاعفہ برکت دیتا ہے کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ مرے ہوئے انسان کو دوبارہ اٹھائے۔ ضرور قادر ہے۔ آمنا وصدقنا۔

آداب زراعت حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔

لایقولنّ احد کم زرعتُ ولکن لیقل حرثت۔ (بزار، ابن جریر، ابن مردویہ، ابو نعیم، بیہقی عن ابی ہریرۃ رضی) تم میں سے کوئی یوں نہ کہے کہ میں نے بیا کھیتی کی۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ میں نے بیج ڈالا۔ راوی حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے بعد فرماتے ہیں:۔ الم تسمعوا اللہ یقول افرأیتم ما تحرثون ءانتم تزرعونه ام نحن الزارعون

کیا تم نے اللہ جل شانہ کا یہ ارشاد نہیں سنا جس میں فرمایا بھلا دیکھو تو جس کا
بیج تم ڈالتے ہو کیا اوس کو تم اُگاتے ہو یا ہم ہیں اُگانے والے؟ کیا پیارا
استدلال ہے سبحان اللہ۔

کسان کیلئے توکل ضروری ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔ مر رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم بارض الانصار فقال ما یمنعکم من الحرث
قالوا الجدوبۃ قال افلا تفعلون فان اللہ تعالی یقول انا الزارع
ان شئت زرعت بالماء وان شئت زرعت بالریح وان شئت
زرعت بالبذر ثم تلا رسول اللہ علیہ الصلاۃ والسلام
افرأیتم ما تحرثون۔ (روح البیان) حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم کا گزر انصار کی زمین پر ہوا تو فرمایا۔ بیج ڈالتے ہیں تمھیں کون امر
مانع ہے؟ عرض کیا خشک سالی۔ آپ نے فرمایا۔ تم اپنا کام کیوں نہیں کرتے
باری تعالی کا ارشاد ہے کہ اگانے والا میں ہوں۔ چاہوں تو پانی سے اگاؤں
اور چاہوں تو ہوا سے اگاؤں اور اگر چاہوں تو بیج ہی سے اگاؤں۔ پھر آپ نے
آیہ کریمہ افرأیتم ما تحرثون کی تلاوت فرمائی۔ مطلب یہ کہ اللہ والے
اللہ سبحانہ کی ذات پر بھروسہ رکھتے ہیں اور وادی کے بھروسہ پر اپنا کام کرتے نہیں

اللہ اون کا کام بنا دیتا ہے سارا اقتدار اُسی کے ہاتھ ہے۔

کھیتی کیلئے ایک مجرب دُعا علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں:۔ کسان کے لئے مستحب یہ ہے کہ تعوّذ کے بعد مذکورہ آیات کریمہ کی تلاوت کرے اور یوں کہے:۔

اللہ تعالی الزارع والمنبت والمبلّغ اللھم صل علی محمد وارزقنا ثمرہ وجنّبنا ضررہ واجعلنا لا نعمك من الشاکرین۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہی اگانے والا اوس کو حدِ کمال پر پہنچانے والا ہے۔ الٰہی! اپنی رحمتیں حضرت (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل فرما اور اس کا ثمرہ ہم کو کھلا اور اوس کے ضرر سے بچا۔ اور ہم کو آپ کی نعمتوں کا شکر گزار بنا۔ یہ کہنے کے بعد انشاء اللہ کھیتی کو کوئی ضرر نہ پہنچے گا۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ مجرب دعا ہے۔

طغیانی اور خشک سالی کا راز حدیثوں میں یہ بھی ہے:۔ ما سنۃ بامطر من اخری ولکن اذا عمل قوم بالمعاصی حوّل اللہ ذلك الی غیرھم فاذا عصوا جمیعا صرف اللہ ذلك الی الفیافی والبحار۔ (روح البیان) برسات کے اعتبار سے ایک سال کو دوسرے سال پر کچھ فضیلت نہیں سب برابر ہیں۔ اصل یہ ہے کہ کوئی قوم گناہوں میں مبتلا ہوتی ہے تو

اللہ سبحانہ پانی کو دوسری قوم کی طرف پھیر دیتا ہے۔ اور جب سبھی نافرمان بن جاتے ہیں تو اوس کو صحراؤں اور سمندروں کی جانب پھیر دیا جاتا ہے۔"

طہارت موجب برکت ہے ایک حدیث شریف یہ ہے:
دم علی الطھارۃ یوسع علیك الرزق۔ طہارت کے پابند رہو تمہارے رزق میں وسعت دی جائے گی۔" **فقیر** عرض کرتا ہے۔ یہاں طہارت ظاہری و باطنی دونوں مراد ہیں۔

ایک شبہہ کا ازالہ یہاں یہ خیال نہ کیا جائے کہ اللہ والے ہمیشہ باطہارت رہتے ہیں پھران پر تنگی کیوں رہتی ہے۔ جواب یہ ہے کہ ادن کی شان الذی ھو یطعمنی و یسقینی ہے۔ تو اللہ سبحانہ ادن کے کھانے پینے اور تمام حاجات کا کفیل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ہر حال میں خوش ہیں شکوہ و شکایت سے دور۔ اگرچہ یہ حضرت ابراہیمؑ کا قول ہے لیکن حضورؐ اکرم بھی فرماتے تھے:۔ ابیت عند ربی وھو یطعمنی و یسقینی۔ میں اپنے پروردگار کے ہاں شب گزارتا ہوں وہی مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔" اللہ سبحانہ نے حضرت مریمؑ کی نسبت خبر دی:۔ کلما دخل علیھا زکریا المحراب وجد عندھا رزقا۔ جب کبھی حضرت زکریا علیہ السلام حضرت مریمؑ کے ہاں تشریف

لانے تو ان کے پاس رزق رکھا پاتے "۔ ایسی بیسیوں مثالیں ہیں۔ بہر حال رزق
کس کا اُگایا ہوا ہے۔ بے شک اے ہمارے پروردگار! آپ ہی نے اُگایا"۔

شکر نعمت ہائے تو چنداں کہ نعمت ہائے تو
عذر تقصیرات ما چنداں کہ تقصیرات ما

تیسری مثال آب خوردنی | آگے ارشاد ہے: ۔ اَفَرَءَیتُمُ المَآءَ 6-68
الَّذِی تَشرَبُونَ ○ ءَاَنتُم اَنزَلتُمُوہُ مِنَ المُزنِ اَم نَحنُ 6-69 6-70
المُنزِلُونَ ○ لَو نَشَآءُ جَعَلنٰہُ اُجَاجًا فَلَولَا تَشکُرُونَ ○

بھلا دیکھو تو پانی کو، جو تم پیتے ہو، کیا تم نے اُتارا اُس کو بادل سے یا ہم ہیں اُتارنے والے، اگر ہم چاہیں کر دیں اُس کو کھاری، پھر کیوں نہیں احسان مانتے؟"

قیامت کا ثبوت پانی سے | پانی خود ایک نعمت ہے جو بے شمار نعمتوں کے حصول کا سبب بنتا ہے۔ ارشاد باری ہے: ۔ وجعلنا من الماءِ کل شیئٍ حیّ۔ پانی ہی سے ہم نے ہر زندہ رہنے والی چیز کو بنایا"۔ گویا یہ جوہر حیات ہے۔ پانی کے رنگ، بو، ذائقہ، اوصاف و خواص کے اعتبار سے اقسام ہیں۔ پھر اگر وہ پینے کا پانی ہو تو اس کا کیا پوچھنا؟ ایک وصف

اور زائد ہوا۔ یہ دوسری نعمت ہوئی۔ بہر حال ہم اس کو روزانہ پیتے ہیں لیکن کبھی غور کیا کہ اس کا اتارنے والا کون ہے؟ سمندر بھرے پڑے ہیں مگر پینے کے قابل نہیں۔ زمین کو کھودنے سے بھی پانی نکلتا ہے مگر بہتیرے مقامات میں پانی کھاری برآمد ہوتا ہے۔ بعض مقامات میں یہ وصف اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ تلخ (کڑوا) معلوم ہوتا ہے۔ با ایں ہمہ ابر سے جو پانی آتا ہے وہ شیریں ہوتا ہے درحالیکہ ابر بھی سمندر کے بخارات سے بنتا ہے۔ یہ تبدیلی کس طرح ہوئی اور کس کے حکم سے؟ یہ سب کچھ اذنِ الٰہی سے ہے۔ پھر اللہ سبحانہ پر ایمان کیوں نہیں لاتے۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ بار بار پانی برسا کر تمھاری حیات نو کا سامان فرماتا ہے تو مرنے کے بعد تم کو دوبارہ اُٹھانا کیا مشکل ہے؟

پانی کا شکر لو نشآء جعلنٰہ اُجاجاً فلولا تشکرون "اگر ہم چاہیں تو اُس کو کھاری بنا دیں پھر ہمارا احسان کیوں نہیں مانتے" عن النبی صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم انّہ کان اذا شرب الماء قال الحمد للّٰہ الذی سقانا عذبا فراتا برحمتہ و لم یجعلہ ملحا اجاجا بذنوبنا (ابن ابی حاتم عن ابی جعفرؒ) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب پانی نوش

فرماتے تو یوں شکر ادا فرماتے کہ ساری تعریف اللہ کے لئے سزاوار ہے جس نے ہم کو اپنی رحمت سے خوشگوار شیریں (پانی) پلایا اور اس کو ہمارے گناہوں کے باعث نمکین کھاری نہیں بنایا۔" اس دعا سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پانی کے شیریں بنانے میں ہمارے کسی عمل کا دخل نہیں ہے وہ خالص رحمت الٰہی کا نتیجہ ہے۔ لیکن شیریں پانی کا کھاری ہوجانا وہ ہمارے گناہوں کی شامت ہے۔

برسات کا استقبال حدیث شریف میں ہے: کان علیہ الصلاۃ والسلام یکشف رأسہ عند نزول المطر ویقول حدیث عہد بربہ۔ (روح البیان) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت شریف تھی کہ بارش ہو تو سر برہنہ ہو کر اوس کی ابتدائی چھینٹیں سر پر لیتے اور فرماتے کہ یہ پانی اپنے پروردگار کے پاس سے تازہ بتازہ آرہا ہے۔" برسات بھی خداوند تعالیٰ شانہ کی ربانی تجلی ہے جو اوپر سے آرہی ہے لہذا اوس کا استقبال اس طرح کرنا چاہیے کہ اوس کو سر پر جگہ دی جائے جو اشرف اعضا ہے اس میں یہ حکمت ہے تاکہ وہ پانی موجب رحمت ثابت ہو۔ زحمت اور تکلیف کا موجب نہ ہے۔ نیز اس موقع پر پانی کا بیان اس لئے فرمایا گیا تا

معلوم ہوسکے کہ جو خدا خشک سالی کو پانی برسا کر دفع فرما سکتا ہے اور ساری کائنات میں ہر سال تازہ روح پھونکتا رہتا ہے اوس کے لئے مردوں کو دوبارہ زندہ کرنا کیا مشکل ہے؟

6-71 اَفَرَءَیْتُمُ النَّارَ الَّتِیْ تُوْرُوْنَ ۟ؕ ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ
6-72 شَجَرَتَهَاۤ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِـُٔوْنَ ۝ نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّ مَتَاعًا
6-73 لِّلْمُقْوِیْنَ ۟ۚ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِیْمِ ۟ؒ بھلا دیکھو تو آگ کو جسے ع ۲ ۳۶ ۱۵
6-74

لہ وری الزند خرجت نارہ واورہ غیرہ اذا استخرج نارہ والزند الواری الذی تظہر نارہ سریعا وفی حدیث علی کرم اللہ وجہہ حتی اوری قبسا لقابس ای اظہر نورا من الحق لطالب الہدی (لسان العرب)

چقماق سے آگ جھڑتی ہے تو کہتے ہیں وری الزند۔ اور کوئی اوس کو چقماق سے نکالتا ہے تو کہتے ہیں اوری۔ اور جس چقماق سے آگ جلد نکلتی ہے تو اوس کو الزند الواری کہتے ہیں۔ حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی حدیث میں اوری قبسا جو آیا ہے اوس کے معنی یہ ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طالبانِ ہدایت کے لئے نورِ حق کو ظاہر فرمایا۔

لہ ارض قواء قفرۃ لا احد فیہا وقال الفراء فی قولہ عزوجل

سلگاتے ہو، کیا تم نے پیدا کیا ہے اس کا درخت یا ہم ہیں پیدا کرنیوالے

ہم ہی نے اوس کو بنایا یاد دہانی اور جنگل والوں کے نفع اُٹھانے کا سبب

لہذا اپنے پروردگار کے نام کی پاکی بیان کرتے رہو جو رب سے بڑا ہے"

پتھر سے آگ نکلنا | مطلب یہ کہ چقماق سے جو آگ نکلتی ہے اوس کو کبھی

(بقیہ حاشیہ ۲ صفحہ گذشتہ)

نحن جعلنٰھا تذکرۃ ومتاعا للمقوین یقول نحن جعلنا النار تذکرۃ لجھنّم ومنفعۃ للمسافرین اذا نزلوا بالأرض القِیّ وھی القفر وقال ابو عبید المقوی الذی لا زاد معہ یقال اقوی الرجل اذا انفد زادہ (لسان العرب) خالی زمین جہاں کوئی نہ ہو اوس کو ارض قَوَاء کہتے ہیں۔ ارشاد باری نحن جعلنٰھا تذکرۃ ومتاعا للمقوین کے معنی امام لغت فراء نے یہ بتلائے کہ ہم نے دنیا کی آگ کو جہنم کی آگ یاد دلانے والی بنایا ہے اور مسافرین کی منفعت کا سبب گردانا ہے جب کہ وہ ارض قِیّ یعنی خالی زمین میں اُترتے ہیں۔ (اور توشہ وغیرہ نہیں رہتا تو اسی آگ کے ذریعہ اپنا کھانا پکا لیتے ہیں) ابو عبید نے کہا کہ مُقوی وہ جس کے ساتھ توشہ نہ ہو۔ نیز کسی کا توشہ ختم ہو جاتا ہے تو اوس کی نسبت کہتے ہیں اقوی الرجل یعنی اوس کا توشہ ختم ہو گیا"

دیکھا ہوگا۔ اس کے نکالنے کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ گار جو ایک سفید پتھر
ہوتا ہے اوس پر سینڈ کے کوئلے میں بسی ہوئی روئی رکھی جاتی ہے اور فولاد کا
ایک ٹکڑا لے کر اوس سے پتھر پر ضرب لگائی جاتی ہے۔ اس عمل سے پتھر میں
آگ کی چنگاریاں جو چھپی رہتی ہیں نکل کر روئی کو سلگا دیتی ہیں پھر اوس
آگ سے جو چاہیں کام لے سکتے ہیں۔

سرسبز درخت سے آگ پیدا ہونا عرب میں دوسرا طریقہ ہے۔ وہاں
"مرخ" اور "عفار" نامی درخت ہوتے ہیں اون کی شاخیں لیکر ایک
دوسرے کو رگڑنے سے بھی آگ پیدا ہوتی ہے اگرچہ وہ شاخیں سرسبز ہوں
لیکن ہرے بھرے درخت سے آگ نکلنا قدرت کا عجیب کرشمہ ہے۔
جیسا کہ ہمارے یہاں بانس کی رگڑ سے آگ نکلتی ہے۔ اور ممکن ہے کہ دیگر
مقامات میں اس طرح آگ پیدا کرنے کے دوسرے طریقے ہوں جس طرح
دیا سلائی سے آگ پیدا ہوتی ہے۔

نارِ دنیا سے نارِ دوزخ کا قیاس ارشاد ہو رہا ہے کہ چقماق سے
پیدا ہونے والی آگ پر غور کرو۔ دیکھو کہ آگ جس درخت سے نکلتی ہے
اُس کو کس نے پیدا کیا۔ یہ ایجاد تمھاری ہے یا ہماری؟۔

خداوند تعالیٰ شانہ کے مقابلہ میں کون دعویٰ کرسکتا ہے۔ اور اگر کوئی نادان ایسا جھوٹا دعویٰ کرنا بھی چاہے تو کون عقل منداس کو باور کرے گا؟ اسی لئے ارشاد ہوا کہ ہم نے ہی اس کو پیدا کیا۔ اور نہ صرف یہی بلکہ اس میں یہ حکمت بھی ودیعت ہے کہ تم اس آگ کو دیکھ کر نارِ دوزخ کو یاد کرو کہ جس خدا نے لق و دق بیابان میں تازہ درخت سے آگ پیدا کرکے مسافروں کے کھانے پینے اور اُس سے تاپ کر سردی دفع کرنے اور آس پاس کے درندوں کو دور بھگا دینے اور تاریک رات کو روشنی سے مبدل کرنے کا سامان فرمایا جس سے بے یار و مددگار مسافر کو ایسی بیش بہا سہولتیں نصیب ہو رہی ہیں تو حق پسندی اور عبودیت کا اقتضا یہی ہے کہ انسان ایسے منعم حقیقی کا یقین کرے اور اُس پر ایمان لائے اوس کے آگے جھک جائے اور بے ساختہ بول اٹھے:۔ سبحان ربی العظیم "میرے آقا! اور سب آقاؤں سے بڑے آقا!! آپ کی ذات منزّہ ہے۔ اور کیا ہی پاک ہے"

تذکرہ اور مقوین کی تفسیر

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔

نحن جعلناها تذكرة قال تذكرة للنار الكبرىٰ ومتاعا للمقوين قال للمسافرين۔ (عبد بن حميدؒ ابن جريرؒ ابن المنذرؒ ابن ابی حاتمؒ

ابن مردویہ) یعنی ہم نے اس آگ کو (دوزخ کی) بڑی آگ کی یاد دہی کرنیوالی اور مسافروں کی منفعت کا ذریعہ بنایا ہے" قتادہؓ کی روایت میں اس کے اتنا اضافہ اور ہے :۔ کم من قوم قد سافروا ثم اوملوا فاججوا نارا فاستد فأوا بها وانتفعوا بها۔ (عبدالرزاق' ابن جریر) ایسی کتنی قومیں ہیں جو سفر پر روانہ ہوئیں پھر اون کا زادِ راہ ختم ہو گیا تو آگ روشن کی پھر اُس سے سردی دفع کی اور اس سے نفع اُٹھایا"

پانی، گھانس اور آگ سے نہ روکو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت ہے :۔ لا تمنعوا عباد اللّٰہ فضل الماء ولا کلاءً ولا نارا فانّ اللّٰہ تعالیٰ جعلها متاعا للمقوین وقوّۃً للمستضعفین (طبرانی' ابن مردویہ' ابن عساکر' عن واثلۃ بن الاسقعؓ) اللہ کے بندوں کو بچے ہوئے پانی سے، نیز گھانس سے' اور آگ سے منع نہ کرنا' کیونکہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو مسافروں کی منفعت' اور کم زور لوگوں کی قوت کا ذریعہ بنایا ہے"

چقماق کی آگ سے قیامت کا ثبوت بہرحال جو خدا سرسبز درخت سے آگ پیدا کرسکتا ہے اوس کے لئے مُردوں کو زندہ کرنا کیا مشکل ہے؟ خشک لکڑی سے آگ کا پیدا ہونا بھی اللہ سبحانہ کی قدرت ہے اگرچہ بادی النظر میں

چنداں تعجب کی بات نہیں اس لئے کہ خشک لکڑی اور کوئلہ وغیرہ سے تو ہمیشہ ایندھن کا کام لیا ہی جاتا ہے لیکن سرسبز درخت کو آگ سے کوئی مناسبت نہیں اوس میں سے پانی کے عوض آگ کا برآمد ہونا تعجب خیز ہے اور یہ جب اللہ سبحانہ کے نزدیک مشکل نہیں تو مرے ہوئے انسان کو زندہ کر دینا کونسی بڑی بات ہوگی ؟ غور کرو اور خوب سوچو سمجھو تاکہ آخرت کی آگ سے نجات ملے۔

عناصر اربعہ سے قیامت کا ثبوت خلاصہ یہ ہوا کہ قطرۂ آب سے انسان کا بننا اور پیدا ہونا' زمین میں بیج بونے سے اوس کا درخت بننا اور بار آور ہونا' کھاری سمندر کے بخارات سے ابر بننا اور اُس سے شیریں خوشگوار پانی برسنا' سرسبز درخت میں آگ پیدا ہونا اور انسان کے کام آنا اُن میں سے ایک بھی انسان کے بس کی بات نہیں۔ جیسا کہ روزمرہ کا مشاہدہ ہے یہ سب کے سب حشر اجساد کے کھلے نشان ہیں جن سے بدیہی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ ایک معمولی مادہ سے دوسری مادی چیز بنتی اور پیدا ہوتی ہے تو انسان کے مرنے اور فنا ہونے کے بعد اوس کا دوبارہ قبر سے زندہ ہو کر برآمد ہونا کیوں کر صحیح اور مطابق عقل نہ ہوگا ؟ اور حشر اجساد کے ماننے میں کیوں استبعاد ہے ؟

عجب الذنب سے دوبارہ آفرینش حدیث شریف میں ہے کہ حضور اکرم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ لیس من الانسان شیئ الا یبلی الا عظم واحد وھو عجب الذنب ومنہ یرکب الخلق یوم القیامۃ (بخاری، مسلم، ابن ماجہ، عن ابی ہریرۃؓ) انسان کی کوئی چیز گلنے کے بغیر نہیں رہتی بجز ایک ہڈی کے جس کو "عجب الذنب" کہتے ہیں۔ قیامت کے دن اسی سے مخلوق کی ہیئت ترکیبی ہوگی" دوسرے موقع پر فرمایا:۔ یاکل التراب کل شیئ من الانسان الا عجب ذنبہ مثل حبۃ خردل منہ تدنبتون (احمد، عبدالرزاق، ابن حبان، حاکم، عن ابی سعید الخدریؓ) مٹی انسان کے ہر عضو کو کھالیتی ہے بجز اوس کے عجب الذنب کے جو رائی کے دانہ برابر (ایک ہڈی) ہوتی ہے تم سب اوسی سے بنینگے" گویا یہی ہڈی انسان کا تخم ہے کہ اور وہ باقی رہتا ہے تو اس سے انسان کا پیدا ہونا بالکل اسی طرح ہوا جیسا بیج سے درخت پیدا ہوتا ہے تو حشر اجساد کی صحت اور اوس کے مطابق واقع ہونے میں کوئی استبعاد نہ رہا۔ یہ بھی شان الٰہی ہے آمنّا باللہ وعلی قدرتہ الکاملہ۔

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ۔ بس اپنے باعظمت پروردگار کے نام کی پاکی بیان کیجیے" اس کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔

فصلّ لربّك ۔ (ابن ابی حاتم) اپنے رب کی نماز ادا کیجئے " مطلب یہ کہ "تسبیح" سے یہاں "نماز" مراد ہے ۔ چونکہ نماز میں تسبیح بھی کی جاتی ہے اس لئے تسبیح جزو نماز ہوئی ۔ گویا جزو کہہ کر کل مراد لیا گیا ہے ۔

تسبیح رکوع کا ماخذ عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: لما نزلت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فسبّح باسم ربّك العظیم قال اجعلوھا فی رکوعکم ۔ (سعید بن منصور، امام احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ، ابن حبان، حاکم بروایت صحیحہ، ابن مردویہ، بیہقی) جب آیہ کریمہ فسبّح باسم ربّك العظیم نازل ہوئی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو اپنے رکوع میں شامل کرو " یعنی رکوع میں سبحان ربّی العظیم پڑھا کرو ۔ یہاں یہ مراد ہے کہ قیامت کا کھلا ثبوت، عناصر اربعہ کے ذریعہ مل جانے کے بعد انسان کے لئے کوئی چارہ کار نہیں ہے بجز اس کے کہ اللہ سبحانہ کے آگے جھک جائیں اور سر تسلیم خم کرتے ہوئے اس کے باعظمت تام کی پاکی بیان کریں ۔ فسبحان ربّی العظیم ۔

-75 -76 فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ۝ وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ

-77 -78 عَظِيْمٌ ۝ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ۝ فِىْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ۝ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا

-79 -80 الْمُطَهَّرُوْنَ ۝ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ سو میں قسم کھاتا ہوں

تاروں کے ڈوبنے کی، اور یہ قسم ہے سمجھو تو بڑی، بے شک یہ قرآن ہے عزت والا
لکھا ہوا ہے ایک پوشیدہ کتاب میں، اُس کو وہی چھوتے ہیں جو پاک بنائے
گئے ہیں، اُتارا ہوا ہے تمام عالمین کے پروردگار کی طرف سے "

مواقع النجوم کی تفسیر فلا اقسم بمواقع النجوم کی تفسیر میں قتادہ کہتے ہیں :۔ منازل النجوم (عبدالرزاق، ابن جریر) میں قسم کھاتا ہوں تاروں کے نیچے اترنے کی جگہ (یا وقت ؏) کی" دوسرے وقت پر یوں فرمایا :۔۔۔ بمساقطها۔ (عبد بن حمید، ابن جریر) اون کے ساقط ہونے، گر جانے کے مقامات یا اوقات کی قسم" حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں :۔ بمغائبها (عبد بن حمید) اون کے غائب، اور نظروں سے پوشیدہ ہو جانے کے مقامات یا اوقات کی قسم" اس سے ستاروں کے غروب ہونے کے مقامات و اوقات مراد ہیں کہ ہر ستارہ اپنے مقام اور وقت پر غروب ہوتا ہے۔ مجال نہیں کہ وہ اپنی مقررہ جگہ سے ہٹ سکے یا اوس کے اوقات مقررہ میں تقدیم و تاخیر کی گنجایش نکل سکے۔ اسی سے معلوم ہوا کہ اللہ سبحانہ کا اقتدار ان

؏۔ کیونکہ " مواقع " جمع ہے " موقع " کی۔ یہ صیغہ اسم ظرف ہے۔ جو ظرف مکان و زمان دونوں کے لئے آتا ہے۔

اجرام سماویہ پر ہے اور اوسی کے حکم سے یہ نظام شمسی قائم ہے۔ دنیا کے کاروبار اسی نظام کے تحت چلتے ہیں۔ اللہ والے چونکہ وقت شناس اور اوس کے قدر داں ہوتے ہیں وہ بھی اپنے اوقات کے پابند رہتے ہیں۔

مواقع النجوم مواقع سحر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تہجد کے لئے نیند سے بیدار ہوتے تو فرماتے: ۔ نامتِ العیون وغارتِ النجوم وبقی الحی القیوم۔ آنکھیں سو گئیں اور ستارے ڈوبنے لگے اور صرف حق سبحانہٗ تعالیٰ کی ذات جو حی قیوم ہے باقی ہے" جو ہمیشہ باقی رہے گی"۔ بے شبہ یہ ایک سہانا موقع ہے کہ تمام کائنات سنسان ہے۔ درخت حیوانات انسان سب پر سکوت وصموت طاری ہے۔ تخلیہ چاہنے والے ایسے ہی مواقع کے متلاشی رہتے ہیں کہ کب وہ موقع ملے گا جس میں راز و نیاز، سرگوشی ومناجات، عرض ومعروض کیا جا سکے۔ غافل سو رہتا ہے مگر عاقل کو نیند کہاں، وہ کروٹیں بدلتا ہوا اختر شماری کرتا ہوا وقت ادرجل کا منتظر رہتا ہے۔ جوں ہی وہ موقع آیا اور ادھر سے پکار شروع ہوئی۔ ھل من سائل فاعطیہ' ھل من تائب فاتوب علیہ' ھل من مستغفر فاغفرلہ۔ کوئی ہے مانگنے والا کہ میں اوس کو اپنے عطایا سے سرفراز کروں' کیا کوئی ہے توبہ کرنے والا کہ اوس کی

تو یہ قبول کروں، اور کوئی ہے بخشش مانگنے والا کہ میں اوس کو بخش دوں "۔
اِدھر یہ بندۂ خدا جو منتظر پڑا ہوا ہے فوراً اُٹھ بیٹھتا ہے لبیّك ربّی وسعدیك
والخیر کلّه بیدیك لا ملجأ ولا منجأ منك الّا الیك" حاضر ہوں میرے
پروردگار، آپ کے فضل کا امیدوار، ساری بھلائیاں آپ کے تحت اقتدار،
آپ کے بدوں نہ کوئی پناہ اور نہ آپ بن کوئی قرار : ؎

یہ نازاں جاں نثاری پر، وہ نازاں دل نوازی پر
اِدھر شوق اطاعت ہے اُدھر شوق عنایت ہے

مواقع النجوم کی قسم باعظمت ہے

الغرض اسی سوال وجواب و راز و نیاز
میں مبارک صبح ہو رہی ہے سبحان اللہ کیسا ہے یہ عبد اور اس کا معبود صاحب الفضل والجود۔
بڑا ہی بدنصیب ہوگا وہ غافل جو ان اوقات خاص سے بیخبر اور اپنے پالنے
والے کے انعام واکرام سے محروم رہے۔ دُعا ہے کہ اللہ سبحانہ اپنے کرم سے
ہمارا پردۂ غفلت اُٹھا دے اور اپنے فضل عمیم سے سرفراز فرمائے۔ آمین۔
گویا اسی لئے ارشاد ہو رہا ہے :۔ فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ وَاِنَّهٗ
لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ۔ میں قسم کھاتا ہوں اور گواہ ٹھہراتا ہوں تاروں کے
ڈوبنے کے مقامات اور اوقات کی، اور یقیناً یہ قسم اے کاش! تم جانتے ہوتے

بڑی باعظمت ہے"۔ غور کیجئے یہاں قسم بنجوم یعنی تاروں کی نہیں کھائی جارہی ہے بلکہ مواقع النجوم یعنی تاروں کے ڈوبنے کے مقامات اور ان کے اوقات کی قسم کھائی جارہی ہے۔ اور اس کو باعظمت قسم قرار دیا جارہا ہے۔ غروب ہوتا تارہ کا ایک وصف ہے۔ تو موصوف جس میں اس وصف خاص کے علاوہ اور اوصاف بھی ہیں تو اس موصوف کی عظمت کیسی ہوگی۔ پھر ایسے اوصاف والے تاروں کو پیدا کرنے والے کی عظمت کا اس سے اندازہ کرلیجئے۔ سبحان ربی العظیم۔

مواقع النجوم منازل قرآن حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:—

انزل القرآن فی لیلۃ القدر من السماء العلیا الی السماء الدنیا جملۃ واحدۃ ثم فرق فی السنین و فی لفظ ثم نزل من السماء الدنیا الی الارض نجوما ثم قرأ فلا اقسم بمواقع النجوم۔

(نسائی، ابن جریر، محمد بن نصر، حاکم بروایت صحیحہ ابن مردویہ، بیہقی) قرآن کریم لیلۃ القدر میں سب سے اوپر والے آسمان سے سب سے نچلے آسمان پر یک دم اوتارا گیا۔ پھر وہاں سے متفرق طور پر کئی سال تک زمین پر تھوڑا تھوڑا اترتا گیا، پھر آپ نے آیہ کریمہ فلا اقسم بمواقع النجوم

پڑھی"۔ اس سے معلوم ہوا کہ "مواقع النجوم" سے آپ کی مراد آسمان اول اور زمین کے وہ بقعات ہیں جہاں جہاں سفر و حضر میں حضور انور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر قرآن کریم نازل ہوتا رہا۔ یا اوس کے اوقات نزول۔

اس کی مزید تشریح آپ کی دوسری روایت سے ہوتی ہے:۔

مواقع النجوم مستقر الکتاب اوّله وآخره (ابن جریر) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مواقع النجوم قرآن کریم کی جائے قرار ہے اوس کا پہلا مستقر نیز آخری مستقر"۔ نیز کیفیت و کمیّت نزول کے باب میں فرمایا:۔ ثم انزل الى الارض نجوما ثلاث آيات وخمس آيات واقلّ واكثر (ابن المنذر، ابن الانباری، ابن مردویہ) پھر زمین کی طرف قسطاً قسطاً نازل ہوتا رہا۔ تین آیات، پانچ آیات اور اس سے کم یا زیادہ"۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔ بمواقع النجوم قال بمحکم القرآن فکان ینزل على النبی صلی الله علیه وسلم نجوما۔ (فریابی بروایت صحیحہ) مواقع النجوم سے قرآن کریم کی غیر منسوخ آیات مراد ہیں جن کے احکام جاری ہیں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر نجماً نجماً اتری تھیں۔ مجاہد رحمہ اللہ سے بھی اسی طرح منقول ہے۔ اس کی تائید آیات ما بعد سے بھی ہوتی ہے

یعنی انہ لقرآن کریم الخ۔ مطلب یہ کہ جس کی قسم کھائی جا رہی ہے اور جس کو بطور گواہ پیش کیا جا رہا ہے یقیناً وہ قرآن کریم ہے جس کی صفات ایسی ایسی ہیں

حاملین قرآن کریم کے مزارات مقدسہ کی اہمیت

فقیر عرض کرتا ہے کہ "نجوم" سے صحابہ کرام اہل بیت ذوی الاحترام اور اون کے ما بعد تابعین عظام و علمائے اعلام بھی مراد ہو سکتے ہیں جس کی تفصیل سورۂ والنجم کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔ اور حدیث شریف اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم سے اس کی تائید ہوتی ہے جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ میرے اصحاب ستاروں کی طرح ہیں۔ تم ان میں سے جس کسی کی بھی اقتداء کرو گے راہ راست پر رہو گے" اس اعتبار سے "مواقع النجوم" اون کے نورانی قلوب اور صدور صافیہ ہوں گے جو قرآن کریم کا مستقر بنے ہوئے تھے نیز اون کے مزارات متبرکہ اور مشاہد مقدسہ جہاں یہ برگزیدہ ہستیاں فیض بخش و فیض رساں جلوہ فرما ہیں۔ روح البیان میں ہے:۔ وقیل النجوم الصحابۃ والعلماء الھادون بعدھم ومواقعھم القبور۔ یعنی ایک قول یہ ہے کہ "نجوم" صحابہ ہیں اور وہ علماء جو اُن کے بعد ہدایت کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ اور "مواقع النجوم"

یعنی ان ستاروں کے غروب ہونے کے مقامات اون کے قبور متبرکہ ہونگے۔

حاملینِ قرآنِ حکیم کے اوقاتِ وصال کی اہمیت

نیز فقیر یہ بھی عرض کرتا ہے کہ مَوَاقِعُ جمع ہے موقعٌ کی اور یہ اسم ظرف ہے جو ظرف مکاں اور ظرف زماں دونوں کے معنی دیتا ہے اور یہاں امکنہ وازمنہ دونوں مراد لئے گئے ہیں جیسا کہ اوپر گزرا۔ اگر ظرف مکاں مراد ہو تو تفسیر روح البیان کی محولہ تصریح کے مطابق مواقع النجوم سے قلوب وصدور اور مزارات اور مشاہد مراد ہوں گے اور اگر ظرف زماں مراد ہو تو انکے اوقات عبادت وقرآن خوانی تہجد وغیرہ نیز اون کے اوقات وصال اور ساعات ارتحال پر مواقع النجوم کا اطلاق ہوگا یعنی جن اوقات وساعات میں اون کا پیمانۂ عمر لبریز ہوا اور وہ عبدیت کی تکمیل کرکے اپنے رفیق اعلیٰ سے جاملے ۔بے شبہ یہ اوقات بھی ایک فضلیت اور منقبت اپنے اندر رکھتے ہیں نیز اس سے بزرگان دین کے اعراس کی اہمیت پر روشنی پڑتی ہے ۔ یہ اس بنا پر ہے کہ یہ مقدس ہستیاں قرآن کریم کی حامل ، اُس پر عامل ، اور اُس کی مبلّغ تھیں ان کی زندگی اپنی اپنی حد تک قرآن کریم کی عملی تفسیر تھی رضی اللہ تعالیٰ عنھم وارضاھم عنا آمین ۔ اس میں

اوقات تلاوت، تعلیم، تبلیغ و تذکیر، و نشر و اشاعت سب داخل ہونگے۔
واللہ اعلم۔

قرآن کریم کی تفسیر بہرحال مواقع النجوم کی قسم کھانے، اور اس کے قسم عظیم ہونے کی تصریح کے بعد ارشاد ہو رہا ہے:۔ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ۔ بے شک یہ "قرآن" ہے۔ قرارت کے قابل، اس کو پڑھتے ہی رہنا چاہیے۔ اس میں کشش اور جاذبیت کچھ اس درجہ ہے کہ اس کے پڑھنے سے شوق بڑھتا جاتا ہے نہ صرف پڑھنے والے کا بلکہ سننے والے اور دیکھنے والے کا بھی۔ نماز تراویح اس کا زندہ ثبوت ہے۔ کَرِیْمٌ بڑے کرم والا نہایت ہی باعزت" علوم مہمّہ کا معدن، اصلاح معاش و معاد کا سرچشمہ، امراض نفسانی و روحانی کا مانع، اخلاق فاضلہ اور تمام خوبیوں کا جامع، فقہا اس سے مسائل و احکام اخذ کرتے ہیں۔ اصولیین اس سے قوانین بناتے ہیں۔ متکلمین اس سے عقائد اور خیالات درست کرتے ہیں۔ واعظین اس سے دوسروں کی اصلاح کرتے ہیں۔ ادیب اس کی بندشوں سے اپنے کلام کو موثر بناتے ہیں۔ ارباب سیاست اس کے بتائے ہوئے طریقوں سے فتنہ و فساد دور کرتے اور امن و امان قائم کرتے ہیں۔ حکام اور صاحبانِ عدل

باہمی مناقشات اور نزاعات کا تصفیہ کرتے اور مستحقین کو ان کے حقوق دلاتے ہیں۔ عارفین اس کے ذریعہ اپنے نفوس و قلوب کا تزکیہ کرکے قرب الٰہی اور نور عرفان حاصل کرتے ہیں۔ مناظرہ و بحث کرنے والے اس کے ذریعہ باطل کو توڑتے اور حق کو ثابت کرتے ہیں۔ حفاظ اس کو اپنے سینہ میں جگہ دیتے اور اس کی تلاوت کو اپنا مشغلۂ زندگی بناتے ہیں۔ قراء خوش الحان اس کو پڑھ پڑھ کر سامعہ نوازی کرتے اور مشام عالم کو اس سے معطر کرتے ہیں۔ مجاہدین اپنے جان و مال کی بازی لگا کر مذکورہ علوم و فنون کی اشاعت کیلئے راستہ ہموار کرتے ہیں۔ مختصر یہ کہ قرآن پاک خود بھی کریم' اس کا مقام بھی کریم' اس کے پہنچانے والے کِرَامٍ بَرَرَةٍ یعنی باعزت نیک فرشتے' خدائے کریم کا کلام اور جن پر اتارا گیا وہ ذات گرامی رسول کریم اور واحتافدا پھر آپ سے اس کا استفادہ کرنے والے اہل بیت اطہار' امہات المومنین' صحابۂ کرامؓ' و ہمچنیں مُسَلسل۔ قرآن کریم بھی ایسا کہ بے مانگے دینے والا۔ اور بلا لحاظ استحقاق دینے والا۔ اور بے حساب دینے والا' کوئی چھوٹا ہو یا بڑا' غنی ہو یا مفلس' امیر ہو یا فقیر' شاہ ہو یا گدا۔ مسافر ہو یا مقیم' آزاد ہو یا اسیر' عورت ہو یا مرد' بچہ ہو یا جوان و بوڑھا' عالم ہو یا جاہل' ذکی ہو یا بلید

ہر ایک اس کا حفظ کر سکتا ہے اور ہر شخص اور ہر گروہ اس سے استفادہ کرتا اور اپنے نصیب کے مطابق حصہ لے سکتا ہے۔ یہ ہے قرآن کریم اور اوس کا مائدہ کرم کہ سب کے لئے بچھا ہوا ہے اور صلائے عام دے رہا ہے۔

کتاب مکنون کی تفسیر فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ۔ یہ ایک چھپی ہوئی محفوظ کتاب میں لکھا ہوا ہے " نہ اس میں کوئی تغیر ہو سکتا ہے اور نہ تبدل۔ نہ اس میں کمی ہو سکتی ہے اور نہ زیادتی۔ نہ اس کے لئے فنا ہے اور نہ زوال۔ لوح محفوظ میں منقوش ہے۔ اور صحیفوں میں مکتوب ہے، سینوں میں محفوظ ہے اور زبانوں پر اوس کا ورد جاری ہے۔ روزانہ پڑھا جاتا اور اوسکی تلاوت کی جاتی ہے۔ نہ صرف عالم انسانیت میں اس کا ذکر ہے بلکہ عالم جن اور عالم ملک و ملکوت میں بھی اس کا چرچا ہے۔ تا آنکہ خود رب العزت جل جلالہ وعم نوالہ نے اس کی حفاظت کا پورا پورا ذمہ لیا ہے۔ ارشاد ہے:—
اِنَّا نحن نزّلنا الذکر و انّا لہ لحافظون۔ اس یادگار کلام کو ہم نے ہی تھوڑا تھوڑا کرکے اُتارا ہے اور ہم خود اس کے محافظ و نگہبان ہیں "

کتاب مکنون کی تفسیر میں اقوال حضرت انسؓ فرماتے ہیں :—

الکتاب المکنون ھو اللوح المحفوظ۔ (عبد بن حمید ابن المنذر) کتاب مکنون سے

مراد لوح محفوظ ہے" یعنی زمین پر اتارے جانے سے پیشتر وہ لوح محفوظ پر لکھا ہوا تھا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں :۔ الکتاب المنزّل فی السماء (آدم، عبد بن حمید، ابن المنذر، ابن جریر، بیہقی) یہی کتاب جو اتاری گئی ہو آسمان پر تھی" یعنی لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر آئی پھر یہاں پہنچی۔ قتادہ اور سعید بن جبیرؒ بھی یہی فرماتے ہیں۔ (عبد بن حمید، ابن ابی داؤد، ابن المنذر، ابن جریر)

عکرمہ کہتے ہیں :۔ کتاب مکنون التوراۃ والانجیل۔ (عبد بن حمید، ابن جریر) کتاب مکنون سے توریت و انجیل مراد ہیں" یعنی قرآن کریم کے نبی آخر الزمانؐ پر اتارے جانے کی پیشین گوئی توریت و انجیل میں لکھا ہے۔ اسی طرح بعض روایات میں توریت و انجیل کی جگہ صحف مطہرۃ اور عند رب العالمین ہے۔ یعنی یہ قرآن کریم پاک صحیفوں میں اور رب العالمین کے ہاں لکھا ہونا بھی آیا ہے۔ ہر روایت اپنی اپنی جگہ درست ہے۔ ان میں تضاد نہیں۔

آیۂ لا یمسّہ کی تفسیر | لَا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ۔ اس کو وہی چھوتے ہیں جو پاک بنائے گئے ہیں" حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں :۔ الکتاب المنزّل فی السماء لا یمسّہ الا الملائکۃ (آدم، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر،

بیہقی) وہ کتاب جو (لوح محفوظ سے) آسمان (اول) پر اتاری گئی اس کو ملائکہ کرام ہی چھو سکتے ہیں۔ اور اوس کے معانی و مطالب پر وہی اطلاع پا سکتے ہیں جو پاک بنائے گئے ہیں" مطلب یہ کہ جن و شیاطین کی رسائی یہاں تک نہیں ہو سکتی۔ جب وہ اس کے قریب نہیں ہو سکتے تو اس میں کسی آمیزش کا احتمال تک نہیں ہو سکتا۔ یعنی ایسی حفاظت تامہ کے ساتھ قرآن کریم حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اتارا گیا ہے۔ قرآن کریم کی یہ صفت قدیمہ ہے جس کا تحفظ ضروری ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کی اس تفسیر کی تائید میں حضرت انس، سلمان فارسی، قتادہ، عکرمہ، سعید بن جبیر، ابو العالیہ، ربیع بن انس، مجاہد رضی اللہ عنہم اجمعین کی روایات بھی ہیں۔ جو کتب مذکورہ اور دیگر کتب احادیث شریفہ میں موجود ہیں۔

مسِ مصحف کیلئے طہارت شرط ہے جب قرآن کریم نازل ہوا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس صفت کی حفاظت کا اہتمام اس حکم اقدس کے ذریعہ فرمایا:۔ لا یمس القرآن الا طاہر۔ (طبرانی، ابن مردویہ عن ابن عمرؓ) قرآن کو وہی چھو سکتا ہے جو با طہارت ہو" حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاذ بن جبلؓ کو جب یمن کا حاکم بنا کر روانہ فرمایا تو کتب لہ فی عھدہ لا

ان لایمس القرآن الا طاھر۔ (ابن مردویہ) اون کے فرمان تقرر میں یہ بھی لکھا تھا کہ قرآن کو وہی چھو سکتا ہے جو طہارت کیا ہوا ہو۔" اسی طرح عمرو بن حزم انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اہل نجران کو قرآن کریم اور احکام دین کی تعلیم دینے اور اُن سے زکاۃ وغیرہ وصول کرنے کے لئے روانہ فرمایا تو اون کے منشور تقرر میں بھی یہ صراحت موجود تھی:۔ لا تمس القرآن الا علی طہور۔ قرآن کو با طہارت ہی چھوا کریں۔" یہ ہدایت اگرچہ عمرو بن حزمؓ کے لئے تھی لیکن اس کا حکم عام ہے۔ کوئی اس سے مستثنیٰ نہیں ہو سکتا۔ غالباً یہ اس بنا پر تھا کہ عمرو بن حزمؓ کم سن تھے۔ پندرہ سال کی عمر میں غزوہ خندق میں شریک ہوئے اور سترہ سال کی عمر میں یہ خدمت ان کے تفویض ہوئی اور نجران روانہ کئے گئے۔ یہ ۱۰ھ کا واقعہ ہے۔

مضمون بالا کی تائید مس مصحف کا یہ حکم خود آیۂ کریمہ لا یمسہ الا المطھرون سے مستنبط ہوتا ہے کہ کلمۂ لا یہاں "نہی" کے لئے قرار دیا جائے۔ جیسا کہ مفسرین کرام نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ اس اعتبار سے آیۂ کریمہ کے معنی یہ ہوں گے کہ قرآن کریم کو کوئی مس نہ کرے مگر وہی جو باطہارت ہو۔" جس کی تفسیر و تائید احادیث بالا سے ہوتی ہے۔

طہارت ظاہری و باطنی بہرحال قرآن کریم کی ایک خاص شان ہے اور طہارت کو اوس کے ساتھ خاص لگاؤ ہے۔ غسل کی حاجت ہو تو نہ اوس کا پڑھنا جائز ہے اور نہ چھونا۔ وضو نہ ہو تو صرف چھونا درست نہیں۔ زبانی پڑھ سکتے ہیں۔ یہ تو ظاہری طہارت ہوئی جس سے ظاہر قرآن یعنی مصحف شریف اور اوس کی جلد تک رسائی ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر قرآن کریم کے باطن یعنی اوس کے معانی و مطالب اور اوس کی حکمتوں اور اسرار تک رسائی حاصل کرنا ہے تو ضرورت ہے کہ انسان اپنے اعتقاد و اخلاق، اعمال و افعال کا جائزہ لے۔ اور توبہ و استغفار کے ذریعہ اپنے باطن کی اصلاح کرے۔ اس طہارت ظاہری و باطنی کی بدولت اوس پر قرآن کریم کے معارف و اسرار کھلیں گے اور اوس کے برکات و انوار ظاہر ہوں گے جن کی کچھ توضیح و تشریح علماء و عرفاء نے فرمائی ہے۔ جنھوں نے اپنے نفوس کا تزکیہ اور قلوب کا تصفیہ کیا اور قرآن کریم ہی اون کا حاصل زندگی رہا۔

مطہّرون کی تفسیر رہا وہ مقدس گروہ جن کو اللہ سبحانہ نے طاہر و مطہر بنایا۔ ملأ اعلیٰ میں ملائکہ کرام اور عالم ارضی میں حضرات انبیاء و رسل علی نبینا و

علیہم الصلاۃ والسلام خصوصاً حضور انور کے ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن اور آپ کے اہل بیت اطہار علیہم السلام اور ان کی اولاد امجاد رضی اللہ عنہم جن کی طہارت کی شہادت خود قرآن کریم دے رہا ہے :- لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا۔ اس اعتبار سے آیہ کریمہ لا یمسہ کا منشا یہ ہوتا ہے کہ رموز قرآن حقائق قرآن اور اسرار قرآن کے فہم کامل کا اس مقدس گروہ کو حصہ وافر ملا ہے۔ مثل مشہور ہے :- صاحب البیت ادری بما فیہ۔ کہ گھر میں جو کچھ ہے اس کو گھر کے لوگ ہی خوب جانتے ہیں "۔ امام الصوفیہ حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ فتوحات مکیہ کے باب (۱) میں فرماتے ہیں :- ھم المطھرون بل ھم عین الطھارۃ۔ مطہرون سے اہل بیت مراد ہیں جو عین طہارت ہیں"۔ کچھ آگے چل کر فرماتے ہیں :- ھذہ الآیۃ تدل علی ان اللہ تعالی قد شرک اھل البیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی قولہ تعالی لیغفرلک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تأخر۔ یعنی یہ آیہ کریمہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ حق تعالیٰ نے اس فضیلت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ آپ کے اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم کو شریک فرما دیا ہے۔

آیت تطہیر کی شان نزول | رہا یہ سوال کہ آیت تطہیر کن کی شان میں

نازل ہوئی اس کی نسبت مشہور صحابی رسول اکرمؐ ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ حضور انورؐ نے فرمایا:۔ "انزلت ھذہ الآیۃ فیّ و فی علی وحسن وحسین وفاطمۃ"۔ یہ آیت تطہیر پانچ کی شان میں نازل ہوئی۔ میرے لئے اور علیؑ وحسنؑ وحسینؑ وفاطمہؑ کی شان میں"۔ یہی وجہ ہے کہ ان پانچ مقدس ہستیوں کو "پنجتن پاک" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام الی یوم الدین اسی مضمون کو جدامجد حافظ آیات کلام مبین سیدنا وسندنا حضرت سید محمد بادشاہ حسینی قادری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک شعر میں یوں ادا فرمایا ہے: ؎

کون ہے ہوئے جو ہمسر حضرت شبیرؑ کا
آیۂ تطہیر نازل آلؑ پیغمبرؐ میں ہے
(منقولہ از مثنوی گلزار محبت)

تنزیل الآیۃ کی تفسیر | تَنۡزِیۡلٌ مِّنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۔ یہ کلام (قرآن کریم) تھوڑا تھوڑا کر کے آپ پر اتارا گیا ہے"۔

یہاں یہ امر توجہ طلب ہے کہ یہ عظیم الشان کتاب' قرآن کریم جس کے صفات وہ ہیں جو اوپر گزرے کہ کریم ہے یعنی علوم و معارف' بے مانگے دینے والی' اور بلا لحاظ استحقاق دینے والی' اور بے حد وحساب دینے والی ہے یا شفاعت کر کے اللہ سبحانہ سے اس کا اجر دلانے والی ہے جو لوح محفوظ پر

لکھی تھی۔ جہاں پاک بنائے ہوئے ہی رسائی حاصل کرتے تھے۔ زمین پر نازل
ہوئی تو حکم ہوا کہ اس کو کوئی بے طہارت نہ چھوئے یا ایسی صفت کے ساتھ
آئی کہ طاہرین و مطہرین ہی اوس کے حقائق و معارف تک رسائی حاصل
کر سکتے ہیں۔ اور خاص طور پر رب العالمین کے پاس سے آئی ہوئی ہے تو وہ
کس احترام و اہتمام کی مستحق ہے کہ ہر شخص اوس کو سیکھے پڑھے پڑھائے۔
لوگ اس کو اپنے سینے میں محفوظ رکھیں اور دوسروں تک اوس کو پہنچاتے رہیں۔
جنھوں نے اس کے بموجب عمل کیا وہ کیا سے کیا ہو گئے اور کہاں سے کہاں تک
پہنچ گئے خدا ہی گواہ ہے اور تاریخ شاہد ہے مگر کفار مکہ نے کس طرح اوس کا
خیر مقدم کیا۔ اوس کا بیان آگے آرہا ہے :-

-81 أَفَبِهَٰذَا الْحَدِيثِ أَنتُم مُّدْهِنُونَ[۱] ۝ وَتَجْعَلُونَ رِزْقَكُمْ
-82 أَنَّكُمْ تُكَذِّبُونَ ۝ اب کیا اس بات میں تم سستی کرتے ہو اور اپنا حصہ تم
یہی لیتے ہو کہ اس کو جھٹلاتے ہو" یعنی کیا اس جلیل الشان کلام جس میں

(۸۱ - ۸۲ ع ۳)

---

[۱] دھن فلانا یدھنہ دھنا نافقہ وخدعہ وختلہ ولاینہ ودا ھنہ
(محیط المحیط)
مداھنۃ غشہ وصانعہ واظہر لہ خلاف مایضمر وادھنہ بمعنی داھنہ۔

عقائد حقہ، اعمال صالحہ، اخلاق فاضلہ اور زندگی بسر کرنے کے طرق نافعہ بتائے گئے اور خیالات باطلہ، اعمال سیئہ، اخلاق ردیہ اور طرق ضارہ سے اچھی طرح واقف کرا دیا گیا ہے۔ ایسے پُرمنفعت کلام کو منجانب اللہ ماننے اور اس کا خیر مقدم کر کے اوس پر ایمان لانے میں تم سستی کرتے ہو درحالیکہ تم کو یقین ہو چکا ہے کہ ایسا کلام لانا طاقت بشری سے باہر ہے۔ کوئی اس جیسا کلام تو کیا ایسی ایک سورت بھی بنا کر نہیں لا سکتا تو ایمان لانے میں دیر کیا ہے؟ ایسی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

دھن فلانا اُسی وقت کہتے ہیں جبکہ کسی نے کسی کے ساتھ منافقت کی۔ اوس کو دھوکہ دیا جا لیا اور سختی کی جگہ نرمی اور کمزوری دکھائی۔ اور داھنہ کہتے ہیں اُس وقت جبکہ آمیزش کی اور بناوٹ سے کام لیا۔ نیز جو دل میں چھپی بات ہے اس کے خلاف بات ظاہر کی۔ اور ادھنہ بھی داھنہ کا ہم معنی ہے۔"

فقیر عرض کرتا ہے داھن کا مصدر مداھنۃ ہے اور مداہنت کے معنی یہ ہیں کہ کسی قابل انکار بات یا کام کو دیکھیں اور انکار پر قدرت رکھنے کے باوجود اُسکو نہ روکا جائے یا تو مرتکب کے پاس خاطر سے یا کسی اور کی خاطر سے یا دین سے بے پرواہی کے باعث۔ علماء اور حکام کے لئے مداہنت بُرا عیب ہے۔ اللہ محفوظ رکھے۔ آمین۔

کتاب بے مانگے مل جانے پر تم کو شکر گزار ہونا چاہیے تھا اور مدۃ العمر اس احسان عظیم پر ممنون کرم رہنا چاہیے تھا۔ بجائے شکر کے تم نے اپنا کھانا پینا اور روزمرہ کا مشغلہ یہ بنا رکھا ہے کہ اوس کی تکذیب کرتے ہو اور رات دن اوس کے جھٹلانے کے در پے ہو۔ کیا اس احسان عظیم کی شکر گزاری کی یہی صورت ہوسکتی ہے؟

تکذیب کی ایک مثال زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الصبح بالحدیبیۃ فی اثر سماء کانت من اللیل فلما سلم اقبل فقال هل تدرون ما قال ربکم فی هذہ اللیلۃ قالوا اللہ ورسولہ اعلم فقال قال ما انعمت علی عبادی نعمۃ الا اصبح فریق منهم بها کافرین فاما من آمن بی وحمدنی علی سقیای فذلک الذی آمن بی وکفر بالکوکب واما من قال مطرنا بنوء کذا وکذا فذلک الذی آمن بالکوکب وکفر بی۔ (بخاری مسلم ابوداؤد نسائی وغیرہم) حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیبیہ میں ہم کو نماز فجر پڑھائی جب کہ رات ہی کو بارش ہوچکی تھی۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے (ہماری طرف) متوجہ ہوکر فرمایا کچھ جانتے ہو کہ

شب گذشتہ تمھارے پروردگار نے کیا فرمایا؟ صحابہ نے عرض کیا کہ اللہ اور اوس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ اس پر فرمایا کہ ارشاد باری یوں ہوا کہ میں اپنے بندوں پر جو نعمت بھی اتارتا ہوں تو اون کا ایک گروہ اوس کا انکار کرتا ہے۔ جس فریق کا مجھ پر ایمان ہے اور وہ میرے باران رحمت کی بنا پر میری حمد کرتا ہے یہ وہی گروہ ہے جو میرا یقین رکھتا ہے یعنی مجھ پر ایمان لایا ہوا ہے اور ستاروں کا منکر ہے۔ رہا وہ جو یوں کہتا ہے کہ فلاں کارتی کی وجہ سے یہ بارش ہم پر ہوئی تو اوس کا ایمان ستاروں پر ہے اور وہ میرا منکر ہے۔" غزوۂ تبوک کے سفر میں بھی اسی مضمون کی ایک تقریر دلپذیر آپ نے فرمائی تھی۔

ایک اہم امر یہاں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ جن لوگوں کا عقیدہ اسی طرح ہے کہ ستارے اور کارتیاں ہی موثر حقیقی ہیں اور ان ہی کی تاثیر سے برسات ہوتی ہے تو ایسے کلمات' لاریب کلمات کفر ہیں ایسی باتوں سے ایمان جاتا رہتا ہے۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ کی نعمتوں کو غیر اللہ کی طرف منسوب کر دینا غور کیجئے کہ ایمان باللہ سے اس کو کیا تعلق ہے؟ نعوذ باللہ منہ مسلمانوں کو ایسی باتوں سے بچنا چاہیئے۔ ہاں اگر کسی کا اعتقاد یہ ہے کہ بارش وغیرہ

ساری نعمتیں اللہ سبحانہ تعالیٰ کے فضل سے ہیں اور کار تی یا ستارہ محض اوسکی
ایک علامت یا میقات یعنی موسم ہے جو اللہ سبحانہ نے مقرر فرمایا ہے تو
یہ اور بات ہے۔ ایسا کہنا مضائقہ نہیں رکھتا۔ بہرحال ایسے مواقع پر مسلمان کو
محتاط رہنا چاہیے اس باب میں متعدد احادیث شریفہ وارد ہوئے ہیں۔

قرآن کریم سے روحانی زندگی کا سامان بارش برسانا اور اس سے کائنات ارضی کی
حیات دنیوی کا سامان فراہم کرنا جس طرح
پروردگار عالم کا فضل و انعام ہے اسی طرح روحانی زندگی جو ابدی ہے
جس کی کوئی انتہا نہیں یہ بھی اللہ جل شانہ کا فیضان اور اوس کا احسان
و اکرام ہے جو انبیاء مرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین کو مبعوث
فرمایا اور اُن پر صحیفے اور کتابیں نازل فرمائیں از انجملہ بعثت حضور رحمۃ
للعالمین روحی فداہ و تنزیل کتاب مبین ہے جو تیئیس سال تک مسلسل آپ پر
اترتی رہی جس کی صراحت حجۃ الوداع کے موقع پر آیہ کریمہ الیوم اکملت
لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا
کے ذریعہ فرمائی گئی کہ آج میں نے تمھاری (حیات دنیوی و اخروی) کیلئے
تمھارے دین کی تکمیل کردی اور اوس کو معراج کمال پر پہنچا دیا اور اپنی پوری

نعمتیں تم پر اُتار دیں اور تمھارے دین کامل سے جو اسلام ہے خوش ہو گیا
اور خوش ہوں "، جس کے معنی ہیں "مسلمان شدن و گردن نہادن بطاعت"
مطیع و فرماں بردار ہو جانا اور طاعت کے لئے گردن رکھ دینا"۔ اس دین کامل
کے لئے مسلمانوں نے کس طرح گردن رکھ دی، زمانہ شاہد ہے اور تاریخ عالم
اس پر گواہ ہے۔ ایسا ابر رحمت آرہا ہے جو مسلسل برس رہا ہے تو اے گروہ
قریش! تم اس کا انکار کرتے ہو اور رب العلمین کے اتارے ہوئے کلام کو
دوسروں کی طرف منسوب کرتے ہو جس طرح مادی بارش کو ستاروں اور کاریوں
کا فعل قرار دیتے ہو غور کرو کہ یہ کہاں کی صداقت ہے؟ کیا یہ ایمانداری
کی بات ہے؟

-83 فَلَوْلَآ إِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُومَ ۙ وَأَنْتُمْ حِينَئِذٍ تَنْظُرُونَ ۙ
-84 -85 وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُونَ ۝ فَلَوْلَآ إِنْ
-86 -87 كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِينِينَ ۙ تَرْجِعُونَهَآ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِينَ ۝

پھر کیوں نہیں جس وقت کسی کی جان پہنچے حلق کو، اور تم اس وقت دیکھ
رہے ہو، اور ہم اس کے نزدیک ہیں تم سے زیادہ، پر تم نہیں دیکھتے، پھر
کیوں نہیں اگر تم نہیں ہو کسی کے حکم میں تو کیوں نہیں پھیر لیتے اس روح کو

اگر ہو تم سچے "

طلبۂ علوم عربیہ سے خطاب یہاں کلمۂ فَلَوْلَا جو دو جگہ آیا ہے اس کا تعلق تَرْجِعُوْنَهَا سے ہے۔ اصل ارشاد فَلَوْلَا تَرْجِعُوْنَهَا ہے۔ درمیانی کلام کا فصل آگیا ہے۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ فَلَوْلَا کہہ کر سامع کے ذہن کو اپنی طرف متوجہ کر لیا جائے اور وہ منتظر رہے کہ کس امر کی نسبت جواب مطلوب ہے؟ سامع کو متوجہ کر لینے کے بعد جو چیز اس سے دریافت طلب ہے اس کو اسی طرح معلق رکھ کر دوسری حقیقتیں اوس کے سامنے رکھ دی جائیں اگر ایسا نہ کیا جاتا تو جو حقائق اس کو بتلائے جا رہے ہیں اون کو وہ غور اور توجہ سے نہ سنتا۔ بہرحال قرآن پاک کا ایک ایک طرز خطاب اپنے اندر خاص شان رکھتا ہے۔

قیامت برحق ہونے کا ایک اور ثبوت مطلب یہ ہے کہ اللہ سبحانہ کا کلام یعنی قرآن کریم تم ایسی بے توجہی اور بے خوفی سے سنتے ہو اور اس کے کلام کو اس طرح جھٹلاتے ہو گویا تم کسی کے حکم اور اختیار میں نہیں ہو۔ اور تم کو کبھی مرنا اور خداوند تعالیٰ شانہ کے حضور میں پیش ہو کر اپنے اعمال کی جوابدہی کرنی ہی نہیں ہے۔ اگر تمھارا یہی خیال خام

درست ہے تو بتلاؤ کہ تم میں سے کسی کی جان جانے لگتی ہے۔ اُس کے عزیز اقارب، دوست احباب، اُس کے پاس جمع رہتے ہیں۔ ان میں سے ایک کو بھی گوارا نہیں کہ اپنا یہ عزیز قریب اور دوست و محب جدا ہو جائے۔ ہر ایک کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ اس کی جان بچ جائے۔ جبھی تو حکیم طبیب بلائے جاتے ہیں۔ روپیہ پیسہ خرچ کرنے سے دریغ نہیں کیا جاتا۔ یہ ایسا نازک وقت ہوتا ہے کہ بخیل بھی اپنی دولت خرچ کر ڈالنا چاہتا ہے۔ سعدیؒ فرماتے ہیں۔ سیم و زر از زمین بہ کان کندن برآید و از دست بخیل بجان کندن۔ یعنی چاندی سونا، کان کھودنے کے وقت زمین سے نکلتا ہے اور بخیل کے ہاتھ سے اُس وقت نکلتا ہے جب کہ "جاں کندنی" کا عالم ہو۔ اگر تم اپنے دعویٰ میں کہ حشر و نشر کچھ نہیں۔ حساب کتاب کچھ نہیں، سچے ہو تو پھر اس عزیز اور دوست کی جان، تن سے جدا ہو جانے کے بعد پھر واپس کیوں نہیں لاتے؟ اس سے معلوم ہوا کہ وہی جلانے اور مارنے والا ہے اور وہی دوبارہ زندہ کرے گا۔

قبض روح کی کیفیت بعض حدیثوں میں آیا ہے:۔ ان ملک الموت له اعوان یقطعون العروق ویجمعون الروح شیئا فشیئا حتی ینتهی بها الی الحلقوم فیتوفاها ملک الموت (روح البیان) ملک الموت

(حضرت عزرائیل علیہ السلام) کے یار و مددگار (فرشتے) ہیں جو (مرنے والے کی) رگوں کو کاٹتے جاتے اور ہر رگ اور ہر عضو سے روح کو تھوڑی تھوڑی جمع کرتے جاتے ہیں۔ جب یہ سلسلہ حلقوم تک پہنچتا ہے تو اُس کی تکمیل ملک الموت خود کرتے ہیں"۔ چنانچہ یہ امر مشاہد ہے کہ انسان عالم احتضار میں ہوتا ہے تو بسا اوقات اُس کی روح یکدم نہیں نکل جاتی بلکہ اوس کے پاؤں بے حس ہو جاتے ہیں۔ پھر یہ سلسلہ نیچے سے اوپر کی طرف آہستہ آہستہ بڑھتا ہے تا آں کہ دم گدگدی میں کھیلتا رہتا ہے۔ پھر اس کے بعد روح قبض کرلی جاتی ہے۔

عالم احتضار کی کیفیت اور تدبیر

ایسے موقع پر حدیث شریف میں آیا ہے:۔

احضروا موتاکم وذکّروھم فانھم یرون مالا ترون۔ (ابن ابی الدنیا عن عمر بن الخطابؓ) اپنے کوئی عزیز یا دوست احتضار کی حالت میں ہوں یعنی جان کنی کے عالم میں ہوں تو اُن کے پاس موجود رہو اور اُن کو (کلمہ طیبہ یا اللہ کی) یاد دلاؤ۔ کیوں کہ وہ اس وقت ایسی ایسی چیزیں دیکھتے رہتے ہیں جن کو تم دیکھ نہیں سکتے"۔ کیونکہ مرنے والے پر اس وقت عالم برزخ اور عالم آخرت کھل جاتا ہے۔ اس نئے عالم کے پیش نظر ہو جانے سے بیمار کی توجہ اس عالم دنیا سے ہٹ جاتی ہے جس کے

باعث کلمہ وغیرہ پڑھنا بھول جاتا ہے۔ چونکہ یہ ساعت اس جہاں سے اس کے رخصت ہونے کی آخری ساعت ہے اور زندگی دنیا کا خاتمہ اسی پر ہے اس لئے ضروری ہے کہ خاتمہ بخیر ہونے کے لئے اللہ کی یاد دلائی جائے۔ حدیث شریف میں آیا ہے انما الاعمال بالخواتیم۔ تمام اعمال کا کارآمد ہونا خاتمہ ہی پر موقوف ہے۔ لہذا ضرورت ہے کہ اوس کو کلمہ یا ذکر الٰہی کی یاد دہانی کی جائے تاکہ وہ توبہ کرلے امانات پہنچادے وصیت کرجائے اس میں بھی اوس کی نجات کا سامان ہے۔

تلقین کلمہ طیبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بھی فرمایا:۔

لقنوا موتاکم لا الٰہ الا اللہ واعقلوا ما تسمعون من المطیعین منکم فانہ یجلی لھم امور صادقۃ۔ (سعید بن منصور مروزی) اپنے قریب الموت عزیزوں دوستوں اور مسلمان بھائیوں کو لا الٰہ الا اللہ کی تلقین کیا کرو اور جو لوگ تم میں اللہ سبحانہ تعالیٰ کے مطیع و فرماں بردار (یعنی بزرگان دین اولیائے صالحین) ہیں اُن سے سُنی ہوئی باتیں یاد رکھو تو اُن کی صحت اور تصدیق اِن مرنے والوں کی باتوں سے تم کو ہوجائے گی۔ کیوں کہ عالم حق ان پر کھل جاتا اور امور صادقہ اِن پر منکشف ہوجاتے ہیں۔"

اس حالت میں وہ جو جو باتیں کہتے ہیں وہ عالم آخرت کی کہتے ہیں جس کا انکشاف ان پر ہو چکا ہے۔ یہ روایت اگرچہ اصطلاح محدثین میں اثر کہلاتی ہے مگر اس کے مضمون سے پتہ چلتا ہے کہ ایسی اطلاع حضرت عمرؓ اپنی طرف سے نہیں دے سکتے۔ ضرور اس کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم روحی فداہ سے سنا ہوگا۔ لہٰذا قرینہ یہ ہے کہ یہ حدیث مرفوع کے حکم میں ہے اگرچہ آپ نے حضور اکرمؐ کی طرف اس کو منسوب نہیں فرمایا۔

تلاوت یٰسین شریف احتضار کی حالت میں یٰسین شریف بھی پڑھنے کے لئے احادیث شریفہ میں صراحت آئی ہے اس کی تلاوت مرنے والے کے لئے موجب سہولت ہے یعنی آسانی سے روح پرواز کرتی ہے تکلیف نہیں ہوتی۔ یہاں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ مرنے والے دو حال سے خالی نہیں۔ نیک یا بد۔ بہرحال جیسا انسان ہوتا ہے حدیث شریف میں آیا ہے کہ ویسے ہی فرشتے روح قبض کرنے کے لئے اس کے ہاں آتے ہیں نیک بندے کے پاس خوب صورت، خوش لباس، معطر، ہنس مکھ، شیریں کلام تلطف و مرحمت کی گفتگو کرنے والے فرشتے آتے ہیں جن کی آمد سے پیشتر وہ مقام خوشبو سے مہک اٹھتا ہے۔

اور بعض اوقات اس عالم کے رہنے والے بھی اس کو محسوس کر لیتے ہیں کہ ازکم سکینت وطمانیت کا عالم طاری رہتا ہے۔ نیک بندہ ان کی آمد سے خوش ہوتا اور خوش آمدید کہتا ہے۔ سلام کرتا ہے یا سلام کا جواب دیتا ہے۔ یا بار مسکراتا جاتا ہے۔ سابقہ تکلیف کافور ہو جاتی ہے۔ ایسا معاملہ نیک بندوں کو پیش آتا ہے۔ اللہ سبحانہ ہم کو اور آپ کو اس سعادت عظمیٰ سے سرفراز فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ اور جس کی حالت اس کے برعکس ہوتی ہے اوس کے ساتھ برعکس معاملہ درپیش ہوتا ہے۔ اللہ پاک اس سے محفوظ رکھے آمین یارب العالمین۔ ان حالات میں وہ بندہ خوف زدہ اور ڈراؤنا معلوم ہوتا ہے۔ اس کی زبان سے جو کلمات نکلتے ہیں یا نیک آدمی کی زبان پر جو کلمات جاری ہوتے ہیں اُن سے اللہ ورسول کے مطیع وفرماں بردار بزرگوں سے سُنی ہوئی باتوں کی تصدیق ہوتی جاتی ہے۔ کیوں کہ یہ عالم جو انسان کو درپیش ہوتا ہے وہ اس عالم حیات دنیا سے مختلف ہی ہوتا ہے۔ یہاں حق و باطل، جھوٹ سچ، جائز ناجائز، حلال وحرام سب کچھ مخلوط ہے۔ اور وہ عالم عالم حق ہے۔ واقعہ ہے نفس الامر ہے۔ مولائے کائنات رض فرماتے ہیں:۔ الناس نیام اذا ماتوا انتبھوا لہٰذا وہاں کی سعادت

مطلوب ہے اور یقیناً مطلوب ہے تو ہمیں سے اس کی سعی کرنی ہوگی۔ ارشاد باری ہے:۔ لیس للانسان الا ما سعیٰ وان سعیہ سوف یریٰ ثم یجزاہ الجزآء الاوفیٰ۔ انسان کو وہی ملتا ہے جس کی اوس نے کوشش کی۔ اوس کی کوشش کیا تھی عنقریب دکھائی دے گی۔ پھر اوس کی پوری پوری جزا ملا کرے گی" و باللہ التوفیق۔

88 فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۙ فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ ۙ وَّ

89 جَنَّتُ نَعِيْمٍ ۝ پھر جو وہ شخص اگر ہوا مقرب لوگوں میں تو راحت ہے اور روزی ہے اور باغ نعمت کا"

(آیت ۸۸، ۸۹)

مقربین کا مقام | مقربین کون ہیں اور قرب کس طرح حاصل ہوتا ہے اوس کا بیان سورت ہذا کی ابتدا میں گزر چکا۔ یہاں تقرب کا ثمرہ بیان فرمایا جارہا ہے کہ یہاں سے رخصت ہونا تو سب کے لئے ہے۔ رخصت ہونیوالوں کے تین گروہ ہیں۔ پہلا گروہ مقربین کا۔ اون کے لئے راحت و رحمت ہے اور شایانِ شان روزی ہے اور نعمتوں سے بھرا ہوا باغ جس میں ہر قسم کے پھول بھی ہیں اور پھل بھی۔ سایہ بھی ہے اور ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا بھی۔ پرسکون مقام بھی اور سیر و تفریح کے مقامات بھی۔ چمن اور سبزہ زار بھی ہے۔ پرندوں کے نغمے بھی

ایسی نعمتیں جمع ہیں جو انسان کے تصور اور علم میں ہیں جن کا وہ طلب گار اور خواہشمند ہے اور ایسی ایسی نعمتیں بھی جو اوس کے حاشیۂ خیال میں تک نہ تھیں۔ مالا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر۔ نہ اون کو آنکھ کسی آنکھ نے دیکھا نہ اون سے کسی کے کان آشنا اور نہ کسی کے دل میں اون کا خطرہ تک پیدا ہو سکا کہ کوئی نعمت اس لطف و لُقہ اور ایسی شیرینی اور عطریت اور ایسے افعال و خواص رکھتی ہو۔ یہ افعال و خواص صحت جسمانی کی حد تک محدود نہیں بلکہ اُن سے توفیق و نورانیت پیدا ہوتی ہو۔

مقربین کی جنت ربیع بن خیثم رضؓ فرماتے ہیں:۔ فاما ان کان من المقربین فروح وریحان قال ھذا له عند الموت وجنة نعیم قال تخبأ له الجنة الی یوم یبعث۔ (ابن ابی شیبہ، امام احمد، عبد بن حمید، ابن المنذر) جو کوئی مقربین سے ہو تو اوس کے لئے راحت و رحمت ہے اور روزی۔ تو اس کی تفسیر میں فرمایا یہ رَوح وریحان اوس کے لئے وفات کے وقت مہیا کئے جاتے ہیں۔ اور جنت نعیم کی تفسیر میں فرمایا کہ یہ جنت اوس کیلئے پوشیدہ کی جاتی ہے اوس وقت تک کہ قبروں سے اُٹھائے جانے کا دن آجائے اُس دن یہ جنت اوس کو دی جائے گی۔

نیک و بد میں فرق و امتیاز ابو قتادہ انصاریؓ فرماتے ہیں:۔ کنّا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذ مرت جنازۃ فقال مستریح ومستراح منہ فقلنا یا رسول اللہ ما المستریح والمستراح منہ قال العبد المؤمن یستریح من نصب الدنیا واذاھا الی رحمۃ اللہ سبحانہ وتعالی والعبد الفاجر یستریح منہ العباد والبلاد والشجر والدواب۔ (امام مالکؒ، امام احمدؒ، عبد بن حمیدؒ، بخاریؒ، مسلمؒ، نسائیؒ) ہم حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے۔ اتنے میں ایک جنازہ گزرا۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا:۔ یہ یا تو راحت پانے والا ہے یا یہ اوس سے راحت ملتی ہوگی۔ ہم نے عرض کیا متریح اور مستراح منہ سے کیا مراد ہے؟ ارشاد ہوا کہ بندۂ مومن (وفات پاتا ہے تو وہ) دنیا کی مشقتوں اور اوسکی ایذاؤں سے نجات پاتا اور اللہ سبحانہ تعالیٰ کی رحمت میں جگہ پاتا ہے۔ اور بدکار شخص (کافر مرتا ہے تو اوس) سے تمام بندے اور سارا ملک، درخت اور جانور تک راحت پاتے ہیں۔" مسلمانوں کو اس ارشاد نبویؐ پر خوب غور کرنا چاہئے اور صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک وہ جن مشاغل میں لگے ہوئے ہیں سوچنا چاہئے کہ ہمارے افعال و اقوال کا شمار کس نوع میں ہے؟

مومن کے لئے بشارت بہ وقت موت و دفن	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:۔ ان اوّل ما یبشّر بہ

المومن عند الوفاۃ بروح وریحان وجنّۃ نعیم وان اوّل ما یبشّر بہ المومن فی قبرہ ان یقال ابشر برضا اللہ تعالی والجنّۃ قدمت خیر مقدم قد غفر اللہ لمن شیّعك الی قبرك وصدّق من شہد لك واستجاب لمن استغفر لك۔ (ابن مندہ عن سلمانؓ) سب سے پہلے مومن کو بوقت وفات جو خوش خبری دی جاتی ہے وہ راحت اور خوشبو (پھول) اور جنت نعیم کی خوشخبری ہے۔ اور سب سے پہلے مومن کو اوس کی قبر میں جو خوشخبری دی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ اُس سے کہا جاتا ہے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کی خوشنودی اور جنت سے خوش ہو جا۔ تیرا یہاں آنا مبارک ہو۔ جن لوگوں نے تجھے تیری قبر تک پہنچایا، اللہ نے اُن سب کو بخش دیا۔ اور جن لوگوں نے تیری بھلائی کی شہادت دی (نہ صرف اون کو بلکہ) جن جن لوگوں نے اون کی شہادت کی تصدیق کی اُن کو بھی بخش دیا۔ اور جس نے تیری مغفرت کی دعا کی اس کی دعا بھی قبول فرمائی "۔ یعنی دعائے مغفرت کو بھی مستجاب فرمایا اور اُس کی منہ مانگی مراد بھی دی خواہ اپنے لئے ہو یا اور کسی کے حق میں۔

مقربینؒ بارگاہ الٰہی کی شان کیا ہے اس حدیث شریف سے واضح ہے
وفات کے وقت اور قبر میں اتارنے کے وقت جو عالم آخرت کی پہلی منزل ہے۔
موت سے کسی کو چھٹکارا نہیں مگر مقربین کی موت سبحان اللہ کس شان کی ہے کہ
اون کے جنازے کو کندھا دینے والے قبر تک پہنچانے والے اون کے تقرب کی
شہادت دینے والے اور ان شاہدین کی تصدیق کرنے والے اور اُن کے لئے
دُعا کرنے والے تک اُن کی بدولت کیا کیا انعام پاتے ہیں تو مقربین کی سرفرازی
کا کیا حال ہوگا اُس پر غور کر لیجئے۔

رَوحٌ وَرَیحَانٌ کی تفسیر | محمد بن کعب قرظیؒ فروح وریحان کی تفسیر
میں فرماتے ہیں: — فرج من الغم الذی کانوا فیہ واستراحۃ من
العمل لا یصلون ولا یصومون۔ (ابن المنذر) جس غم میں وہ تھے اون کو
مرتے وقت ہی اس غم سے نجات مل جاتی ہے۔ اور تمام اعمال شاقہ سے وہ
راحت میں ہو جاتے ہیں۔ اب وہ نہ تو نماز پڑھتے ہیں اور نہ روزہ رکھتے"
یہ تو ایک کھلی حقیقت ہے کہ اعمال صالحہ اور عبادات مفروضہ وغیرہ تکالیف
شرعیہ اس دار تکلیف دنیا کے لوازم تھے۔ جو کوئی یہاں سے گزر جاتا ہے وہ ان
تمام پابندیوں سے آزاد ہو جاتا ہے مگر آزادی آزادی میں فرق ہے۔ ایک

آزادی تو اُس کی ہے جس کو اعمال صالحہ سے کوئی دلچسپی نہ تھی اور نہ فریضہ عبادات
کی ادائی میں اس نے کوئی حصہ لیا تھا۔ اسی غفلت میں اُس کی عمر ختم ہوئی اور وہ
یہاں سے چل بسا۔ برزخ اور عالم آخرت میں پہنچا تو آنکھ کھلی۔ وہ دیکھتا ہے کہ
یہاں جو کچھ مل رہا ہے ان ہی اعمال وعبادات کا ثمرہ ہے جس کا سرمایہ دار دنیا
میں فراہم کیا تھا۔ غافل انسان تو غفلت ہی میں پڑا رہا۔ اب اوس کو کف افسوس
ملنے اور حسرت ویاس کے سوا کچھ نہیں ملیگا۔ خوشا نصیب اون کے کہ دنیا کی
زندگی اعمال صالحہ میں بسر ہوئی اور ہر عبادت فرض اپنے اپنے وقت پر
پوری طرح ادا ہوتی رہی اور جو وقت اس سے بچ رہا وہ فکر فردا میں صرف ہوتا
رہا۔ یقیناً ایسی زندگی اس قابل ہے کہ اس کا خیر مقدم کیا جائے اور اس کو
آرام کی نیند سلا دیا جائے۔ سُبحان اللہ۔

محبین ومحبوبین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا:۔

من احب لقاء اللہ احب اللہ لقاءہ ومن کرہ لقاء اللہ کرہ اللہ لقائہ
فقالت عائشۃ رضی اللہ عنہا انا لنکرہ الموت فقال لیس ذالک
ولکن المومن اذا حضرہ الموت بشر برضوان اللہ وکرامتہ فلیس
شیئ احب الیہ مما امامہ واحب لقاء اللہ واحب اللہ لقاءہ۔

(بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، عن عبادۃ بن الصامت رضؓ) جو اللہ سبحانہ سے ملنے کو محبوب رکھتا ہے تو اللہ سبحانہ کو بھی اوس سے ملنا محبوب ہوتا ہے۔ اور جو اللہ سے ملنے کو مکروہ جانتا ہے تو اللہ سبحانہ کو بھی اوس سے ملنے سے کراہت ہوتی ہے۔ اس پر ام المومنین سیدتنا عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ (یا رسول اللہ) ہم کو تو موت بُری معلوم ہوتی ہے۔" حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ مطلب نہیں ہے بلکہ مومن کے ہاں جب موت آتی ہے تو اوس کو اللہ سبحانہ کی خوشنودی اور اوس کے اعزاز کی خوش خبری سنائی جاتی ہے۔ (جب وہ اس کو سن پاتا ہے تو) جو منزل اوس کے در پیش ہے مومن کو اوس سے زیادہ اور کسی چیز سے محبت نہیں رہتی۔ اب وہ اللہ سے ملنے کا مشتاق و دلدادہ ہو جاتا ہے اور ادھر اللہ سبحانہ کو بھی اوسی کا اشتیاق اور اوس کی محبت رہتی ہے۔"

مقربین کیلئے تحفہ ابو العالیہؒ فرماتے ہیں: لم یکن احد من المقربین یفارق الدنیا حتّٰی یؤتی بغصن من ریحان الجنّۃ فیشمّہٗ ثم یقبض۔ (ابن جریر، ابن ابی حاتم) مقربین بارگاہ الٰہی میں سے کوئی بھی ایسے نہیں ہوتے کہ وہ اس دار دنیا سے جدا ہو کر چلے جائیں تا آنکہ اون کے پاس جنت کے پھولوں کی ڈالی پیش نہ کی جائے۔ جب وہ اوس کو سونگھ لیتے ہیں تو

اس کے بعد اُن کی روح قبض کی جاتی ہے ۔"

کیفیت قبض مقربین حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا:۔ انّ المومن اذا حضرتہ الملائکۃ بحریرۃ فیہا مسك وضبائر ریحان فتسلّ روحہ کما تسلّ الشعرۃ من العجین ویقال ایّتہا النفس الطیّبۃ اخرجی راضیۃ مرضیّا عنك الی روح اللّٰہ وکرامتہ فاذا اخرجت روحہ وضعت علی ذلك المسك والریحان وطویت علیہا الحریرۃ وذھب بہ الی علّیّین ۔ (بزار، ابن مردویہ) مومن کا وقت آخر قریب ہوتا ہے تو ملائکہ کرام اوس کے ہاں ریشمی کپڑے میں مشک اور پھولوں کے گلدستے لاتے ہیں ۔ پھر روح مومن کو اوس کے جسد سے اس طرح نکال لیتے ہیں جیسے گوندھے ہوئے آٹے میں سے بال نکال لیا جاتا ہے (کہ کچھ بھی زحمت درپیش نہیں ہوتی) اور یوں کہا جاتا ہے کہ اے پاکیزہ نفس! خوشی خوشی نکل آ کہ تجھ سے ہر ایک خوشنود و خرسند ہے یہ لے اللہ سبحانہ کی دی ہوئی راحت اور اوس کی عزت ۔ جب وہ روح (خوشی خوشی) نکل آتی ہے تو اوس کو اوس مشک اور پھولوں میں رکھ کر اوس ریشمی کپڑے میں لپیٹ لیا جاتا ہے اور اوس کو علیین یعنی بلند ترین مقام رفعت

عزت میں پہنچا دیا جاتا ہے۔"

پھول چڑھانا ان ہی صریح احادیث کے پیش نظر اگر اپنے عزیزوں کے جنازے پر کوئی شخص پھول ڈالے تو اس میں انکار کی کیا بات ہے؟ آخر میت کے کفن میں حنوط (خوشبو) جیسے کافور، عطر وغیرہ لگانے کے احکام ہیں۔ عطر کیا ہے؟ پھولوں کا عصارہ (نچوڑ)۔ اگر کسی نے پھول بھی اوپر سے رکھدیئے تو کونسا گناہ ہوا۔ اگر اسلامی سادگی کے پیش نظر حکم نہیں دیا گیا تو یہ اور بات ہے مگر منع بھی تو نہیں کیا گیا۔ بلکہ اصول سمجھا دیا گیا جو کافی ہے۔ اور روایات بھی اس کے مؤید ہیں۔

میت کی معرفت و تذکیر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ ما من میّت الّا وھو یعرف غاسلہ ویناشد حاملہ۔ (ابن مردویہ) کوئی میت ایسی نہیں ہوتی جو اس کو غسل دینے والے کو نہ پہچانتی ہو اور اس کے اوٹھالے جانے والے کو اللہ سبحانہ کی یاد نہ دلاتی ہو۔" غور کیجئے کہ یہ شناخت اور یاد دہانی کسی خاص میت کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہر میت کے لئے عام ہے۔ عالم ہو یا جاہل۔ نیک ہو یا بد، مومن ہو یا کافر۔ یہی سبب ہے کہ

غسل اور حمل میت کے فرائض اعزہ، اقربا، واحباء انجام دیتے ہیں اور صالحین
اس میں حصہ لیتے ہیں۔ میت کو محض غسالوں کے حوالے کر دینا محبت اور حمیت سے
بعید ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ میت کو جماد محض تصور کرنا بھی نادانی
کی بات ہے۔ میت نے اس جہان سے صرف پردہ کیا ہے۔ اوس کی معرفت
وشناخت، تذکیر و یاد دہانی برقرار ہے۔

6-90 وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ۙ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ
6-91 اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ؕ اور جو اگر ہوا وہ داہنے والوں میں، تو سلامتی
پہنچے تجھ کو داہنے والوں سے۔"

سورۂ ہذا کے آغاز میں جن تین گروہ کا بیان ہوا تھا۔ ایک مقربین
اون کا حال ابھی ابھی بیان ہوا۔ یہ دوسرے گروہ کا بیان ہے جو "اصحاب الیمین"
کے لقب سے یاد کئے گئے تھے۔ یعنی اگر وفات پانے والا اصحاب الیمین سے ہے تو
اوس سے کہا جائے گا کہ تیرے بھائیوں کی طرف سے جو وہ بھی اصحاب الیمین سے
ہیں تجھے سلامتی کا پیام دیا جا رہا ہے۔

اصحاب الیمین کو سلام | حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ تأتیہ
الملائکۃ بالسلام من قبل اللہ تسلم علیہ وتخبرہ انہ من

اصحاب الیمین۔ (ابن جریر، ابن المنذر) اللہ سبحانہ تعالیٰ کی طرف سے ملائکہ کرام اوس کے پاس تحفۂ سلام و سلامتی لاتے ہیں اور اس کو سلام کرتے ہیں اور اُس کو اطلاع دیتے ہیں کہ وہ اصحاب الیمین سے ہے۔"

سلام کی تفسیر یہ سلام اور سلامتی کا پیام کیا ہے۔ اوس کی توضیح میں قتادہ رضی فرماتے ہیں:۔ سلام من عذاب اللہ وسلّمت علیہ ملائکۃ اللہ۔ (عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر) یعنی تجھے اللہ سبحانہ کے عذاب سے نجات ہے اور اللہ سبحانہ کے بھیجے ہوئے فرشتے اوس کو سلام کرتے ہیں۔" بہرحال اصحاب الیمین جن کا مرتبہ مقربین سے کم ہے اور جن کے کچھ احوال آغاز سورہ پر بیان ہوئے اون کے دم واپسیں میں ملائکہ کرام اس بندۂ مومن کے پاس آتے اور اوس کو سلام کرتے یا سلام پہنچاتے ہیں۔ خواہ یہ سلام اللہ سبحانہ کا ہو یا ملائکہ کرام کا یا اوس کے ہم مرتبہ دیگر اصحاب الیمین کا۔ اوس کے لئے ہر طرف سے سلامتی ہی سلامتی کی خوش خبری سنائی جاتی ہے۔ اگر مومن بدکار بھی ہو اور توبہ بھی نہ کیا ہو تو دائمی عذاب سے تو وہ محفوظ ہے۔

عرض فقیر فقیر عرض کرتا ہے کہ اس سلام و پیام کی سرفرازی پر جان کندنی کے وقت عبد مومن کو جو مسرت ہوتی ہوگی جس کی خوشی میں اپنی نقد جان کو

ہاتھ میں لے کر نذر جان جاناں کرتا اور انوار ربانی و تجلیات رحمانی کا مشاہدہ کرتے ہوئے اس دار فانی سے دار باقی کی طرف خوشی خوشی رخصت ہوتا ہوگا۔ حضرت اقدس دادا پیر سیدنا خواجہ محمد صدیق محبوب اللہؒ فرماتے ہیں: ؎

سر یار کے زانو پہ ہے اور رخ پہ نظر آج
اے خُلقؒ جو اک دن تجھے مرنا ہے وہ مر آج

کیا عجیب ہے کہ عالم ارواح کے نفوس قدسیہ، جن کی محبت کا دم یہ مدۃ العمر بھرتا رہا اور جن کے بتائے ہوئے راستے پر چل کر یہ خود بھی زمرہ صالحین میں شامل ہوا وہ سب محبوبان خدا نہ صرف پیام غائبانہ دیتے ہوں بلکہ اس کے استقبال کیلئے جلوہ فرما ہوں: ؎

منم وہمیں تمنا کہ بوقت جاں سپردن	برخ تو دیدہ باشم تو درون دیدہ باشی

موت صالحین کا ایک منظر

یہی سبب ہے کہ دم نزع حالت احتضار میں کتنے جانے والوں کو دیکھا اور ان کا حال سنا گیا کہ سلام کر رہے ہیں۔ سلام لے رہے ہیں مسکراتے جاتے ہیں۔ اور مسرت پر مسرت کا اظہار کر رہے ہیں۔ پیشانی پر ہلکا سا پسینہ ہے۔ اعضاء نرم پڑ گئے ہیں۔ ع

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

قوم سے خطاب عزیزو! دوستو! اس وقت موت' موت نہیں۔ حیاتِ جاوید
کا پیام ہے۔ ہر طرف سلامتی و سلام ہے۔ یہ موت نہیں بلکہ وہ ایک پل کی طرح ہے'
جس پر سے عبد مومن یہاں سے رخصت ہو کر اپنے احباء سے مل رہا ہے۔ الموت
جسر یوصل الحبیب الی الحبیب۔ حضرت مرشدی و والدی سید الشیوخ علیہ الرحمہ
فرماتے ہیں:—

خلیق اسلئے موت کو کہتے ہیں وصل لحد میں دکھاتے ہیں چہرہ کسی کا

موت کیوں ناپسند ہے؟ حضرت ابوحازم تابعیؒ سے کسی نے پوچھا:—
ما لنا نکرہ الموت کیا بات ہے کہ ہم موت کو بری چیز سمجھتے ہیں؟ فرمایا:
لانکم عمّرتم الدنیا وخرّبتم الآخرۃ۔ بات یہ ہے کہ تم لوگوں نے دنیا کو
آباد اور آخرت کو برباد کر چھوڑا ہے" اس لئے تم اپنی آبادی کو چھوڑ کر اس طرف
جانا پسند نہیں کرتے۔ سائل نے پھر پوچھا:— کیف القدوم علی اللہ تعالیٰ
ہماری حاضری دربارِ الٰہی میں کس نوعیت کی ہوگی؟ تو فرمایا:— امّا المحسن
فکالغائب عن اھلہ واما المسیئ فکالآبق علی مولاہ۔ نیک بخت تو
اس طرح آئے گا جیسے باہر سے آنے والا اپنے اہل و عیال میں مسرور آتا ہے۔ اور
بدکار کی آمد ایسی ہوگی جیسے کسی بھگوڑے غلام کو گرفتار کر کے لایا جاتا ہے—"

اصحاب الیمین میں تمام کلمہ گو اہل اسلام شامل ہیں۔ اللّٰھم لا تحرمنا اجرھم آمین

اب تیسرے گروہ کا حال بھی اسی سلسلے میں سُن لیجیے۔ ارشاد ہو رہا ہے:۔

6-92 وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ ۙ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ۙ
6-93
6-94 وَّتَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ ○ اور جو اگروہ ہوا جھٹلانے والوں بہکنے والوں میں سے

تو مہمانی ہے جلتا پانی اور ڈالا جانا آگ میں۔"

یعنی مرنے والا اگر مقربین میں شامل نہ ہوا اور نہ اصحاب الیمین میں شریک ہو سکا بلکہ مدۃ العمر اللہ سبحانہ تعالیٰ کے مبعوث فرمائے ہوئے انبیاء و رسل علیٰ نبینا وعلیہم الصلاۃ والسلام کو نیز رب العالمین جل جلالہ عم نوالہ کی اُتاری ہوئی کتابوں کو جھٹلاتا ہی رہا۔ اور اس طرح وہ خود گمراہ اور دوسروں کی گمراہی کا سبب بنا رہا تو مرنا اور یہاں سے کوچ کرنا ایسے گروہ کے لئے بھی مقرر ہے۔ ایسے لوگوں کی بدحالی کیا پوچھتے ہو۔ ان کی مہمانی کے لئے جلتا ہوا کھولتا ہوا گرم پانی ہے۔ اور خود ان کو نارِ دوزخ کا ایندھن بننا ہے۔

کافر کی موت بکر بن عبداللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:۔ اذا امر بقبض روح الکافر اتی بجاد من النار فقیل لہ اقبضہ فیہ (ابن ابی الدنیا) ملک الموت کو جب کافر کی روح قبض کرنے کا حکم ہوتا ہے تو وہ آگ کا ایک کمبل لاتے ہیں اور

اُن سے کہاجاتا ہے کہ اس کی روح کو اس کمبل میں قبض کرو۔"

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ ان الکافراذا حضرتہ الملائکۃ بمسح فیہ جمر فتنزع روحہ انتزاعا شدیدا ویقال ایتھا النفس الخبیثۃ اخرجی ساخطۃ مسخوطۃ علیک الی ھوان اللہ وعذابہ فاذا خرجت روحہ وضعت علی تلک الجمرۃ فان لھا نشیشا ویطوی علیھا المسح ویذھب بہ الی سجین۔ (بزاز، ابن مردویہ) کافر جب حالت نزع واحتضار میں ہوتا ہے تو فرشتے اوس کے پاس ٹاٹ کا ایک ٹکڑا لاتے ہیں جس کے اندر چنگاریاں ہوتی ہیں۔ پھر نہایت سختی کے ساتھ اوس کی جان نکالی جاتی ہے اور اس سے کہاجاتا ہے اے خبیث جان! تو ناراض ہے اور تجھ پر بھی ہر طرف سے ناراضی ہے (اس جسد سے) نکل کر اللہ سبحانہ کی دی ہوئی ذلت اور عذاب کی طرف باہر آ۔ جب اوس کی روح نکلتی ہے تو ان چنگاریوں پر رکھی جاتی ہے جس سے اوس کے پکنے اور جوش کھانے کی آواز آتی ہوگی۔ اور اس پر اُس ٹاٹ کو لپیٹ کر سجین (قید خانہ دوزخ) کی طرف پہنچادیا جاتا ہے۔"

العیاذ باللہ العیاذ باللہ۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں : ۔ لایخرج الکافر من دار الدنیا حتیٰ یشرب کأسا من حمیم (ابن ابی حاتم) کافر دار دنیا سے نکلنے نہیں پاتا تا آں کہ اوس کو دوزخ کے کھولتے ہوئے پانی کا پیالہ نہ پلایا جائے۔"

ربیع بن خثیمؒ فرماتے ہیں : ۔ فنزل من حمیم قال ھذا عند الموت وتصلیۃ جحیم قال تخبأله الجحیم الی یوم یبعث ۔ (ابن ابی شیبہ امام احمد عبد بن حمید ابن المنذر) کھولتے ہوئے پانی سے خاطر مدارات یہ (دنیا ہی میں) موت کے وقت ہوتی ہے اور آگ میں داخلی کو قیامت کے دن تک اٹھا رکھا جاتا ہے۔" دیگر روایات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے یہ سزا کفار کے لئے ہے۔

شراب خوار کی موت ضحاکؒ فرماتے ہیں : ۔ من مات وھو یشرب الخمر شنّج فی وجھہ من جمر جھنم ۔ (ابن ابی حاتم) جو کوئی شراب خواری کرتا ہوا مرتا ہے تو اوس کا چہرہ جہنم کی چنگاریوں سے جلایا جاتا ہے۔" یہ سزا شراب خواروں کی ہے۔ خواہ وہ کوئی ہوں ۔ جو مسلمان اس کی لت رکھتے ہیں اون کو عبرت لینی چاہئے۔" ضرورت ہے کہ وہ فوراً اس ام الخبائث سے تائب ہو جائیں ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ موت سر پر آجائے اور توبہ کی مہلت تک

نہ ملے۔ ؎

غافل ز احتیاطِ نفس یک نفس مباش

شاید ہمیں نفس نفسِ واپسیں بود

95 96 اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ ۚ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ۝ ع ۲ ۱۶ (آیت ۹۵ و ۹۶)

بے شک یہ بات یہی ہے لائق یقین کے، لہذا کہہ پاکی اپنے رب کے نام کی جو سب سے بڑا ہے"

مطلب یہ کہ آیات اللہ کو محض جھٹلاتے رہنا کارآمد نہیں ہو سکتا۔ مقربین، مومنین اور مجرمین کے جو احوال، حیات دنیا، عالم برزخ اور دار آخرت سے متعلق اس سورۃ کریمہ میں اور دوسرے مقامات پر قرآن کریم میں بتائے گئے ہیں اور جن کی توضیح و تشریح، احادیث شریفہ اور روایات صحیحہ کے ذریعہ کی گئی ہے، یہی حقیقت حال ہے یقین کرنیکے قابل، ٹھیک طور پر ایک ایک بات جو بتائی گئی اسی طرح ہو کر رہے گی۔ جو لوگ اس میں شکوک و شبہات پیدا کرتے اور دوسروں کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں، وہ خود دھوکہ میں پڑے ہوئے ہیں۔ وقت آئے گا تو ہر ہر بات یقینی طور پر ظاہر ہو جائے گی۔ لہذا

عہ الیقین ازاحۃ الشک والعلم الحاصل عن نظر واستدلال ولهذا لا یسمی علم اللہ یقینا۔ والیقین ایضا الموت وفی اصطلاح العلماء اعتقاد الشئ بانه

جو ساعت قیامت آنے والی ہے اوس کے لئے ابھی سے تیاری کرو۔ بڑی تیاری

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کذا مع الاعتقاد بانہ لا یمکن ان یکون الا کذا مطابقا للواقع غیر ممکن الزوال وعند اهل الحقیقة رؤیة العیان بقوة الایمان لا بالحجة والبرهان۔ وقیل الیقین علی ثلاثة اوجه یقین خبر و یقین دلالة و یقین مشاهدة وهو ملاك القلب وبه کمال الایمان۔ وعند المنطقیین هی القضایا التی یحصل منها التصدیق الیقینی۔ وحق الیقین ای خالصه و واضحه (محیط المحیط) شک دور کرنے اور غور و فکر اور استدلال کے ذریعہ علم حاصل کرنے کو "یقین" کہتے ہیں۔ موت کو بھی "یقین" کہا جاتا ہے۔ اہل علم کی اصطلاح میں "یقین" نام ہے کسی شئی کی نسبت اعتقاد کرنے کا کہ وہ ایسی ہے۔ ممکن نہیں کہ اس کے سوا ہو۔ نیز یہ اعتقاد واقع کے مطابق ہو جس کا دور ہونا ممکن نہ ہو۔ ارباب حقیقت کہتے ہیں کہ یقین قوت ایمان کے ذریعہ نہ کہ دلیل و برہان سے کسی چیز کو علانیہ دیکھ لیا جائے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یقین تین طرح ہے۔ خبر سے یقین کرنا۔ دلالت سے یقین کرنا۔ مشاہدے سے یقین کرنا۔ آخری صورت ہی دل نشیں ہے اور یہی کمال ایمان ہے۔ منطقیین یقین نام رکھتے ہیں اون قضایا کا جن سے تصدیق یقینی حاصل ہو۔" الیقین من صفة العلم

یہ ہے کہ ایسی فضول باتوں کو بالکلیہ چھوڑکر اپنے باعظمت پروردگار کے نام کی تسبیح و تحمید، تکبیر و تہلیل میں لگے رہو۔ انسان کا کوئی مشغلہ نہیں ہوتا تو فضول بکواس اور بیہودہ خرافات میں لگا رہتا ہے۔ مکذبین جو آیات اللہ کو جھٹلاتے رہتے ہیں اور قرآن کریم کی بتائی ہوئی باتوں میں شکوک و شبہات اور طرح طرح کے شیطانی وساوس ڈالتے رہتے ہیں۔ اگر انسان کا کوئی مشغلہ ہو اور وہ اوس میں لگا ہوا ہو تو یہ اخوان الشیاطین اوس کی طرف اپنا رخ کرنے بھی نہیں پاتے۔ اور اگر بندہ مومن، اپنے پروردگار کا باعظمت نام لے رہا اوس کی تسبیح و تحمید میں مشغول ہو تو پھر اوس کا کیا پوچھنا کہ وہ کس درِ یار، دربار میں ہے۔ کیا مفید مشغلہ اوس کو میسر ہے اور وہ کس جذب و شوق، سوز و گداز یا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

فوق المعرفة والدراية واخواتها يقال علم يقين ولا يقال معرفة يقين وهو سكون الفهم مع ثبات الحكم۔ وقال علم اليقين وعين اليقين وحق اليقين وبينها فروق (مفردات) "یقین" علم کے اوصاف سے ہے جس کا درجہ معرفت درایت وغیرہ سے بالاتر ہے۔ چنانچہ علم یقین کہتے ہیں۔ معرفت یقین نہیں کہا جاتا۔ ثبات حکم کے ساتھ فہم کے سکون پانے کا نام "یقین" ہے۔ قرآن کریم میں علم الیقین عین الیقین۔ حق الیقین ارشاد ہوا ہے ان میں کئی اعتبارات سے باہم فرق و امتیاز ہے۔"

فرح وانبساط کا عالم اپنی نظر کے سامنے رکھے ہوئے مستانہ وار محو تسبیح وتحمید ہے، استاذ جلیلؒ نے کیا خوب کہا ہے:

ہے آباد میرے تصور کی دنیا حسیں آرہے ہیں حسیں جا رہے ہیں

قرآن کریم پر ہر شخص ایمان لائے گا حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں:۔

ان اللہ عزوجل لیس تارکا احدا من خلقہ حتی یقفہ علی الیقین من ھذا القرآن فامّا المؤمن فایقن فی الدنیا فنفعہ ذلک یوم القیامۃ واما الکافر فایقن یوم القیامۃ حین لا ینفعہ الیقین۔ (عبد بن حمید ابن جریر) یقین جانو کہ خدائے عزوجل اس قرآن کریم کی حقانیت اور یقین کے موقف پر لائے بغیر اپنی مخلوق میں سے کسی کو نہ چھوڑے گا۔ (ہر ہر شخص کو یقین کرتے ہی بنے گی فرق صرف اس قدر ہے کہ) مومن دنیا ہی میں اوس کی حقانیت کا یقین کر لیتا ہے تو اوس کا یہ یقین قیامت کے دن اوس کے کام آتا ہے۔ رہا منکر (جو مدۃ العمر انکار ہی پر اڑا رہا) اوس کو روز قیامت یقین ضرور آئے گا (مگر افسوس بر حال او وہ ایسا موقع ہوگا کہ) اوس کا یہ یقین اوس کے کچھ بھی کام نہ آئے گا۔"

یقین کی تفسیر "یقین" یعنی ایسا علم جس کے بعد کوئی تردد اور شک باقی نہ رہے۔ نفس کو اطمینان حاصل ہو جائے اوس کے حسب ذیل مراتب ہیں:۔

علم الیقین ۱۔ "علم الیقین" جو صحیح استدلال، فکر صائب اور ادراک باطنی سے حاصل ہوتا ہے۔ یہ مقام علمائے ربانیین کا ہے جن کی صفت یؤمنون بالغیب ہے۔ ارواح قدسیہ سے جیسی جیسی مناسبت ان کی بڑھتی جاتی ہے ان کا مرتبہ علمیہ ترقی کرتا رہتا ہے۔ تا آں کہ وہ اعلیٰ مرتبہ علمیہ پر فائز ہوتے ہیں، اگرچہ ان کو مشاہدہ سے تعلق نہیں اور نہ وہ مشاہدہ کے محتاج ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ اگر اون کو مشاہدہ بھی حاصل ہو تو اس کی وجہ سے اون کے علم و یقین میں کسی طرح کا اضافہ نہیں ہوتا۔ جیسا کہ حضرت مولائے کائنات سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں: ۔ لو کشف الغطاء ما ازددت یقینا۔ اگر پردہ اوٹھا دیا بھی جائے (تو جو علم الیقین مجھے حاصل ہے) اوس میں کچھ بھی اضافہ نہ ہوگا۔"

عین الیقین ۲۔ "عین الیقین"۔ جو معلوم کی رویت اور مشاہدہ سے حاصل ہوتا ہے۔ یہ مرتبہ ارباب کشف کا ہے جو تزکیہ نفس اور صفائے باطن سے میسر آتا ہے۔ ان کو استدلال اور غور و فکر کی حاجت نہیں۔ اہل استدلال

اور ارباب غور و فکر جن چیزوں کا ادراک علم کے ذریعہ فرماتے ہیں وہ ان اصحاب کشف کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ حجاب اثنینیت یعنی دوئی کا پردہ ان کی آنکھوں سے جیسا جیسا اٹھتا جاتا ہے اون کا مشاہدہ ترقی پر رہتا ہے تاآں کہ وہ عین الیقین کے مرتبہ اعلی پر فائز ہو جاتے ہیں یہ اولیائے کاملین کا حصہ ہے۔ ؎

دل کے آئینے میں ہے تصویر یار   جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

حق الیقین ۳۔ "حق الیقین" جو ہر دو مراتب بالا کا جامع اور مدرکات ظاہرہ و باطنہ، اور جسمانیت و روحانیت کا مجموعہ ہے۔ اس کی ترقی یہ ہے کہ اس کے حصول کے بعد پھر کوئی حجاب باقی نہ رہے یہ شان حضرات انبیائے کرام علی نبینا وعلیہم الصلاۃ والسلام کی ہے۔

حقیقۃ الیقین ۴۔ "حقیقۃ الیقین"۔ یہ حق الیقین کا باطن اور اوس کا سِتر ہے۔ یہ مرتبہ اعلیٰ و منزلہ اسنیٰ حضور خاتم النبیین صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین کے لئے مخصوص ہے۔

مراتب یقین کی تمثیل بعض بزرگوں نے مراتب بالا کی تمثیل اس طرح دی ہے فرماتے ہیں کہ تجلیات تین طرح کی ہیں: — تجلی علمی، جیسے کعبۃ اللہ شریف کا

کسی کو اوس کا علم پوری طرح کرا دیا گیا مگر دکھایا نہیں گیا۔ دوسری تجلی عینی کہ علم تو نہیں کرایا گیا مگر اوس کی رویت دور سے کرادی گئی۔ تیسری تجلی حقی کہ کسی کو کعبۃ اللہ شریف میں پہنچا دیا گیا۔

یقین دنیا و آخرت میں بہرحال یہ مراتب ثلاثہ حیات دنیا کی حد تک ہیں جب انسان عالم آخرت میں پہنچیگا اوس کو جن جن چیزوں کی خبر یہاں دی گئی تھی اُن سب کو وہاں اُسی طرح پائے گا جیسا کہ اوس سے یہاں بیان کیا گیا تھا۔ مومن کو چونکہ اوس کی تصدیق اور یقین یہیں سے حاصل تھا اسلئے اوس کا ثمرہ اوس کو ملیگا۔ اور کافر چونکہ منکر تھا۔ اوس عالم کا مشاہدہ کرنے اور اوس میں داخل ہونے کے بعد اوس کو علم الیقین عین الیقین حق الیقین سب کچھ حاصل ہو جائیگا مگر وہ حیات دنیا میں انکار کرنے کی وجہ سے اس یقین کا کوئی ثمرہ نہ پاسکے گا۔ حق الیقین کا بیان یہاں آچکا ہے۔ علم الیقین اور عین الیقین کا بیان سورۃ تکاثر میں انشاء اللہ آرہا ہے۔

تسبیح کا حکم فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ۔ لہٰذا آپ (اے نبی کریمؐ!) اپنے رب کے باعظمت نام کی پاکی بیان کرتے رہیے'' یہ خطاب اگرچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے لیکن خطاب عام مراد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب

یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو آپ نے ارشاد فرمایا:۔ اجعلوھا فی رکوعکم۔ اس کو اپنے رکوع میں رکھو" یعنی بحالت رکوع سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ۔ پڑھا کرو۔ جس کی صراحت اوپر ہو چکی ہے۔

تسبیح کی فضیلت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم کلمتان حبیبتان الی الرحمٰن خفیفتان علی اللسان ثقیلتان فی المیزان سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔ (بخاری شریف) حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ دو باتیں ہیں جو خدائے رحمٰن کو بہت محبوب ہیں، ان کو زبان پر جاری کرنا نہایت ہی سہل ہے (فردائے قیامت) ان کا وزن میزان عمل میں بہت بھاری ہوگا۔ یعنی خفیف سے عمل پر اجر جزیل مترتب ہوگا۔ وہ دو کلمے یہ ہیں سُبحان اللہ وبحمدہٖ سُبحان اللہ العظیم۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ کی میں پاکی بیان کرتا ہوں اُن تمام اوصاف سے جو اوس کے شایان شان نہیں اور اُسکی تعریف کرتا ہوں اُن تمام اوصاف پر جو اُس کے شایان شان ہیں۔ پاکی بیان کرتا ہوں اللہ سبحانہ تعالیٰ کی جو نہایت ہی باعظمت ہے"

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث شریف کو اپنی معتبر کتاب جامع صحیح

یعنی بخاری شریف کے ختم پر لکھا ہے۔ چوں کہ آج سورۂ واقعہ کی تفسیر ختم ہو رہی ہے اس لئے ہم نے بھی مناسب جانا کہ یہ سعادت حاصل کی جائے۔

سورۂ واقعہ کی اہمیت حضرت مسروقؒ فرماتے ہیں: — من اراد ان یعلم نبأ الاولین والآخرین ونبأ الدنیا والآخرۃ ونبأ الجنۃ والنار فلیقرأ اذا وقعت الواقعۃ (ابن ابی شیبۃ عبد بن حمید ابن المنذر) جس کی خواہش ہو کہ اولین وآخرین کے اہم واقعات کا علم حاصل کرے اور دنیا وآخرت کی مہمات پر عبور حاصل کرے اور جنت ودوزخ کے مہتم بالشان احوال سے واقف ہو تو اس کو سورت کریمہ اذا وقعت الواقعۃ کی تلاوت کرنی چاہئے کہ اس میں یہ تمام مہمات جمع کر دیے گئے ہیں۔ وباللہ التوفیق۔

الحمد للہ والمنۃ کہ سورہ واقعہ کی تفسیر ختم ہوئی۔

آئندہ سورۂ حدید کی تفسیر عرض کی جائے گی۔

(رب یسر وتمم بالخیر آمین)

چہارشنبہ ۷ ربیع الآخر ۱۳۷۵ھ

57 Hadeed Madany Aayaath 29 (۵۷)

سُورَۃُ الحَدِید

یہ سُورۃ شریفہ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی۔ اس کی انتیس آیتیں ہیں

ماقبل سے مناسبت سورۂ واقعہ اور سورہ حدید میں وجہ مناسبت صاف ظاہر ہے کہ سورۂ واقعہ کا اختتام فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ پر ہوا تھا۔ جس میں تسبیح کرتے رہنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اور سورۂ حدید کی ابتدا سَبَّحَ لِلّٰهِ سے ہو رہی ہے جس میں تمام کائنات سماوی و ارضی کے تسبیح الٰہی میں مشغول و موظف ہونے کی خبر دی جا رہی ہے۔ گویا سوال پیدا ہو رہا تھا کہ اللہ سبحانہ کے با عظمت نام کی تسبیح کیوں پڑھی جائے؟ تو اس کا جواب ارشاد ہو رہا ہے:۔ اس لئے کہ جملہ کائنات سماوی و ارضی تسبیح الٰہی کرتی ہے لہٰذا آپ بھی اے نبی کریم! یا یہ کہ اے مخاطب!

ع‌ سورۂ حدید کا مدنیہ ہونا اکثر آیات کے اعتبار سے ہے حضرت ابن عباسؓ نے بھی اس کو مدنیہ فرمایا ہے مگر حضرت عمر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایات کے لحاظ سے ابتدائی آیات کا مکیہ ہونا ثابت ہے اسلئے یہی تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اکثریت کی بنا پر اس کو مدنیہ کہا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

تسبیح سے کام رکھو کہ یہی وجہ آفرینش ہے۔ واللہ اعلم۔

سورۂ حدید کی فضیلت حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یقرأ المسبحات قبل ان یرقد وقال ان فیھن آیۃ افضل من الف آیۃ۔ (امام احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن مردویہ، بیہقی) حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (رات کو) آرام فرمانے سے پہلے (روزانہ) مسبّحات (شریفہ) کی تلاوت فرمایا کرتے تھے اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ان میں ایک آیت ایک ہزار آیات سے افضل ہے۔" مسبّحات سے وہ سورتیں مراد ہیں جن کا آغاز تسبیح سے ہوا ہے۔ جیسے "سبحان الذی اسریٰ" "سبح للہ" "یسبح للہ" "سبح اسم ربک الاعلیٰ" یہ کل (۷) سورتیں ہیں۔

ایک آیت ہزار سے افضل یحییٰ بن ابی کثیرؒ فرماتے ہیں:۔ نراھا الآیۃ التی فی آخر الحشر۔ (ابن الضریس) ہماری رائے میں اس آیۂ کریمہ سے مراد جو ایک ہزار آیات سے افضل ہے۔ سورۂ حشر کی آخری آیت ہے" یعنی ھو اللہ الذی لا الٰہ الا ھو عالم الغیب والشھادۃ ھو الرحمٰن الرحیم سے ختم سورہ تک۔ **فقیر** عرض کرتا ہے اگرچہ اصطلاح

فقہاء و قراء کی روسے یہ تین آیتیں ہوتی ہیں مگر معنی اور مضمون چوں کہ ان
تینوں آیات کا ایک دوسرے سے مربوط ہے اور یہ سلسلہ اختتام سورہ تک چلتا
ہے۔ اس لئے ایک ہی آیت فرمایا گیا۔ واللہ اعلم۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

شروع ہے اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان اور نہایت رحم والا ہے

سَبَّحَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۚ وَ ہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ۝ 57-1

اللہ کی پاکی بولتا ہے جو کچھ ہے آسمانوں اور زمین میں اور وہی ہے زبردست
حکمتوں والا۔

یعنی کائنات سماوی اور ارضی کی ہر چیز کو اقرار ہے کہ اللہ سبحانہ تعالی
جملہ صفات نقص سے پاک ہے۔ جس چیز کو جس کام کے لئے بنایا اوس میں تمام
صلاحیتیں بخشیں جو اوس کے لئے ضروری تھیں۔ اس طرح ہر چیز بجائے خود
معترف ہے کہ اوس کا بنانے والا باکمال ہے۔ گویا ہر چیز کا وجود ہی اس امر پر
دلالت کرتا ہے کہ ایک باکمال ہستی نے ان صفات اور صلاحیتوں کے ساتھ
اوس کو فیضان وجود بخشا۔

(۵۷ حدید ۱)

تسبیح حال و قال تسبیح' زبان حال سے ہو یا قال سے یا دونوں سے۔ زبان حال سے اس طرح کہ بعض مخلوقات مثلاً پہاڑ اور اشجار بحالت قیام ہیں۔ اور بعض مثلاً چار پائے بحالت رکوع ہیں اور بعض رینگنے والے مثلاً سانپ' مچھلی بحالت سجود ہیں۔ اور بعض مثلاً میز' کرسی بحالت قعود ہیں۔ درختوں کے جھنڈ جب ہوا سے جھومتے ہیں تو گویا سلام پھیرتے رہتے ہیں۔ یہ تمام صورتیں تسبیح حالی کی ایک مثال ہیں۔

تسبیح زبان قال سے نہ صرف انسان' جن' ملائکہ بلکہ تمام حیوانات' چرند' پرند' درند' گرند' سبھی کرتے ہیں۔ پانی کی روانی' ہوا کے جھونکے' آگ کا جوش بلکہ ہر متحرک شئے جو جمادات سے ہو جب زور و قوت سے حرکت میں لائی جاتی ہے جیسے گاڑی۔ موٹر۔ ریل۔ جہاز' مشین وغیرہ تو اوس سے آواز پیدا ہوتی ہے۔ اس کو تسبیح قالی کی ایک مثال تصور کیجئے۔ ان تسبیحات کو سب ہی جانتے ہیں۔

تسبیح جامع محققین' ارباب کشف فرماتے ہیں کہ کائنات کی ہر چیز' زبان حال اور زبان قال' دونوں سے اللہ سبحانہ کی تسبیح کرتی ہے۔ خواہ وہ جمادات سے ہو یا نباتات سے۔ حیوانات سے ہو یا انسان' جن ہو یا ملک' بلکہ ان کا ہر ہر عضو' اور رگ و ریشہ' اور ہر بُن مو' خداوند تعالیٰ شانہ کی تسبیح حالی و قالی میں

رات دن مشغول ہے۔ اور یہی صحیح ہے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے :۔
وَاِنْ من شیئ الاّ یسبّح بحمدہ ولکن لا تفقھون تسبیحھم۔ کوئی
چیز ایسی نہیں جو اوس کی تسبیح نہ کرتی ہو لیکن تم اون کی تسبیحات کو سمجھ نہیں سکتے"۔
ایسے کتنے واقعات ہیں کہ لوگوں نے جمادات، نباتات، حیوانات کو انسانوں
کی طرح بات کرتے ہوئے دیکھا۔ استن حنّانہ کا واقعہ ترمذی شریف میں موجود
ہے کہ ایک خشک ستون سے بچے کے رونے کی طرح آواز آرہی تھی اور نماز جمعہ میں
تمام حاضر الوقت صحابہ کرام رضی اوس کو سنتے رہے۔ ابو جہل کی کنکریوں کا واقعہ
مشہور ہے۔ مولانا رومؒ نے ان دونوں واقعات کو تفصیل سے قلمبند فرمایا ہے
علامہ ابن الجوزیؒ کی کتاب النطق المفھوم من اھل الصمت المعلوم اس
موضوع پر قابل دید ہے۔

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ 57-2
شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۔ اُسی کے لئے ہے راج آسمانوں کا اور زمین کا جلاتا ہے اور مارتا ہے
اور وہ سب کچھ کر سکتا ہے"۔

تمام کائنات اوس کی، تو تمام حکومت اوس کی، جملہ اقتدار اوس کا،
جلانا مارنا سب اوس کے اختیار میں ہے۔ پھر کوئی ہے جو پوچھ سکے کہ فلاں کو کیوں

(۴۸۰ آیتم ۲)

پیدا کیا اور فلاں کو کیوں پیدا نہ کیا۔ فلاں کو کیوں زندہ چھوڑا اور فلاں کو کیوں مار ڈالا؟ کوئی اوس سے پوچھ نہیں سکتا۔ لا یُسْئَلُ عمّا یفعل و هُمْ یُسْئَلُوْن ۔ وہ جو کچھ اپنے ارادے سے کرتا ہے اوس سے پوچھا نہیں جا سکتا بلکہ خود اِن سے پوچھا جائے گا کہ ایسا کیوں کیا اور ایسا کیوں نہ کیا؟ بس ثابت ہو چکا کہ سارا اقتدار اُسی کا ہے۔

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ ۵۷ (۱۔۳) 57-3
عَلِيْمٌ ۔ وہی ہے سب سے پہلا، اور سب سے پچھلا، اور باہر اور اندر، اور وہ سب کچھ جانتا ہے۔"

اول و آخر کی تفسیر | اول اس طرح کہ جب کوئی نہ تھا وہ موجود تھا اور آخر اس طرح کہ جب کوئی نہ رہے گا وہ موجود رہے گا۔ ماضی پر غور کرو کہ کائنات اور اوس کی کسی چیز کا وجود نہ تھا اللہ سبحانہ کی ذات موجود تھی اور تمام صفات کاملہ کے ساتھ موجود تھی۔ اسی طرح مستقبل پر غور کرو تو معلوم ہوگا کہ ایک وقت ایسا آنے والا ہے کہ کوئی نہ رہے گا اور وہ موجود رہیگا سوال فرمائے گا لمن الملك اليوم۔ آج اقتدار کس کا ہے؟" جواب دینے والا تک کوئی نہ رہے گا۔ پھر خود ہی ارشاد فرمائے گا:—

لِلّٰہِ الواحِدِ القھّار۔ سارا اقتدار اللہ کا ہے جو تمام قوت قاہرہ کا مالک ہے"

کائنات کی تسبیح نہ سننا بھی رحمت ہے حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں:۔

لولاما یخفی علیکم من تسبیح من معکم فی البیوت ما تقاررتم۔ گھر میں تمہارے ساتھ جو (جمادات وحیوانات وغیرہ) رہتے ہیں اگر انکی تسبیح تم سے پوشیدہ نہ ہوتی تو تم اپنے گھر میں بھی آرام سے قرار نہ لے سکتے"

کائنات کی آفرینش تسبیح کیلئے علمائے کبار فرماتے ہیں:۔ قد اخذ اللہ بابصار الانس والجن عن ادراک حیاۃ الجماد الا من شاء اللہ والاشیاء کلّھا انّما خلقت لہ سبحانہ للتسبیح بحمدہ وامّا انتفاعنا بھا انّماھو بحکم التبعیۃ لا بالقصد الاوّل۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے انس وجن کی نظروں سے جمادات کی زندگی کا ادراک روک دیا ہے اس لئے (انس وجن عموماً) اس کا ادراک نہیں کر سکتے۔ الاماشاء اللہ۔ اور جملہ اشیاء کی آفرینش کا مقصد اولیٰ اللہ سبحانہ کی تسبیح ہے۔ اور ہمارا ساری کائنات سے منتفع ہونا ضمنی ہے"

عذاب قبر کو جن و انس کے سوا سب سن سکتے ہیں حدیث شریف میں آیا ہے:۔

ان کل شیئ من الجماد والحیوان یسمع عذاب القبر الا الثقلین۔
عذاب قبر کو جمادات (نباتات) حیوانات سب ہی سنتے ہیں، صرف جن وانس
اس سے مستثنیٰ ہیں کہ وہ نہیں سن سکتے "۔

بہر حال کائنات ارضی وسماوی کی ہر چیز حی ہے۔ سنتی ہے، دیکھتی ہے تو
تسبیح بھی کرتی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ جن وانس سے اس کو پردے میں رکھا
گیا ہے۔ یہ بھی بڑا احسان ہے ورنہ بموجب قول حضرت حسن بصریؒ ہماری
زندگی دوبھر ہو جاتی۔ کائنات کا تسبیح الٰہی کے لئے پیدا کیا جانا بالکل ایسا ہی
ہے جیسا کہ اللہ سبحانہ نے فرمایا کہ جن وانس کو ہم نے صرف اپنی عبادت کیلئے
پیدا کیا دیگر مقاصد ضمنی ہیں۔

مدعیان ملک سے خطاب | مدعیانِ ملک واقتدار کے لئے اس میں ایک
سبق ہے جو اللہ کی پیدا کی ہوئی زمین اور اس میں بنائی ہوئی کائنات کے
کچھ کچھ حصے پر جو عارضی تسلط ان کو ملا ہے، گو وہ بھی اللہ سبحانہ کا ہی دیا ہوا ہے
بس اسی پر نازاں اور شاداں وفرحاں ہیں۔ درحالیکہ ماضی میں کچھ نہ تھا
اور نہ مستقبل کی کوئی ضمانت ہے۔ کتنے تخت وتاج بنے اور بگڑے۔ قائم ہوئے
اور حرف غلط کی طرح مٹ گئے۔ کوئی ہے جو کم از کم اون کے نام یا صرف اونکی

گنتی ہی بتا سکے؟ اے انسان اور او ضعیف انسان! اس فخر و غرور کو بھول جا اور اس خیال باطل کو دماغ سے نکال دے۔ اللہ سبحانہ نے اقتدار حوالے فرمایا ہے تو وہ کام کر جس میں اوس کی رضا و خوشنودی ہو۔ اللہ کے بندوں پر رحم کر اور عدل سے کام لے کہ اسی میں تیری نیک نامی ہے ورنہ وہ دن دور نہیں کہ یہ عارضی اقتدار بھی سلب کر لیا جائے گا اور تجھ کو مجرمین کی صف میں کھڑا کر کے ذرے ذرے کا حساب لیا جائے گا۔ اوس وقت تیرا کوئی حمایتی نہ ہو گا۔

تفسیر اول و آخر ظاہر و باطن | ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم والذی نفس محمد بیدہ لو دلیتم احدکم بحبل الی الارض السابعۃ لقدم علی ربہ ثم تلا ھو الاول والآخر والظاھر والباطن وھو بکل شیئ علیم۔ (ابن مردویہ) حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ اوس ذات کی قسم جس کے قبضے میں محمدؐ کی جان ہے اگر تم میں سے کوئی زمین کے ساتویں طبقے تک بھی رسی چھوڑے تو وہ محمدؐ کے رب پر ہی منتہی ہو گی۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی (جس کا ترجمہ یہ ہے) وہی اول اور آخر اور ظاہر و باطن ہے اور وہی ہر چیز کو خوب جانتا ہے“

حدیث بالا کی تفسیر حضرت ابوہریرہؓ سے بھی اس مضمون کی ایک حدیث شریف مروی ہے جس کی امام احمدؒ عبد بن حمید ترمذی ابن المنذر ابن مردویہ بیہقی اور ابوالشیخ نے روایت کی ہے۔ امام ترمذیؒ اس کی روایت کے بعد فرماتے ہیں :- فسر بعض اھل العلم ھذا الحدیث فقالوا انما ھبط علی علم اللّٰہ وقدرتہ وسلطانہ۔ بعض اہل علم نے اس حدیث شریف کی تفسیر یوں فرمائی کہ وہ رسّی زمین کے ساتویں طبقے تک بھی پہنچ جائے جس کے بعد زمین کا کوئی طبقہ نہیں یعنی تحت الثریٰ تک تو وہ مقام بھی اللہ سبحانہ کے علم، قدرت، اور سلطنت میں ہوگا اس سے باہر نہ ہوگا۔"

ھوالاوّل والآخر کی تفسیر ام المومنین حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں انہ کان یدعو بھؤلاء الکلمات اللّٰھم انت الاوّل فلا شیئ قبلك وانت الآخر فلا شیئ بعدك اعوذ بك من شر کل دآبۃ ناصیتھا بیدك واعوذ بك من الاثم والکسل ومن عذاب النار ومن عذاب القبر ومن فتنۃ الغنی ومن فتنۃ الفقر واعوذ بك من المأثم والمغرم۔ (بیہقی) حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعا میں یہ کلمات فرمایا کرتے تھے :- الٰہی آپ ہی

سب سے اول ہیں آپ سے پہلے کوئی چیز نہیں اور آپ ہی سب سے آخر ہیں
آپ کے بعد کوئی چیز نہیں، میں آپ ہی کی پناہ لیتا ہوں شر سے ہر چلنے والی چیز کے
اوس کی پیشانی آپ ہی کے قبضے میں ہے۔ اور آپ ہی کی آڑ لیتا ہوں گناہ اور
سستی سے۔ اور دوزخ کے عذاب سے اور عذاب قبر سے، اور تونگری کے فتنے سے
اور محتاجی کے فتنے سے۔ اور آپ ہی کی پناہ ڈھونڈتا ہوں گناہ کے کام سے
اور تاوان بھرنے سے۔"

والظاہر والباطن کی تفسیر حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں:۔

جاءت فاطمۃؓ الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تسأل خادما
فقال لها قولی اللّٰھم رب السمٰوات السبع ورب العرش العظیم
ربنا ورب کل شیئ منزل التوراۃ والانجیل والفرقان، فالق
الحب والنوی اعوذ بک من شر کل ذی شر انت آخذ بناصیتہ
انت الاول فلیس قبلک شیئ وانت الآخر فلیس بعدک
شیئ، وانت الظاھر فلیس فوقک شیئ، وانت الباطن فلیس
دونک شیئ اقض عنا الدین واغننا من الفقر (ابن ابی شیبہ
ترمذی، بیہقی) جناب سیدہ فاطمۃ الزہرا (علی ابیہا وعلیہا الصلوٰۃ والسلام) حضرت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئیں اور ایک خادمہ کی درخواست کیں ۔ تو آپ نے یہ دعا تلقین فرمائی :۔ الٰہی ! ساتوں آسمانوں کے مالک، اور عرش عظیم کے مالک، اور ہمارے مالک ! اور ہر چیز کے مالک ! توریت، انجیل اور فرقان حمید کے اتارنے والے ! دانے اور تخم کو چیر نکالنے والے میں ہر شریر کے شر سے آپ کی پناہ لیتا ہوں، آپ ہی اوس کی پیشانی پر قابو رکھتے ہیں ۔ آپ ہی سب سے اول ہیں آپ سے پہلے کوئی چیز نہیں اور آپ ہی سب سے پچھلے ہیں آپ کے بعد کوئی چیز نہیں ۔ آپ ہی سب سے باہر ہیں آپ سے اوپر کوئی چیز نہیں ۔ اور آپ ہی سب سے اندر ہیں آپ کے سوا کوئی چیز نہیں ۔ ہمارے مطالبات کی تکمیل فرما دیجئے اور محتاجی سے ہم کو بے نیاز کیجئے ۔" ابن ابی شیبہ، امام احمد، مسلم، ابن مردویہ اور بیہقی حضرت ابوہریرہؓ سے یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روزانہ استراحت فرمانے سے پیشتر مذکورۂ بالا دعا فرمایا کرتے تھے ۔

حضور اکرمؐ کی دعا حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں :۔

کان من دعاء رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم الذی کان یقول یا کائن قبل ان یکون شیٔ والمکوّن لکلّ شیٔ والکائن بعد ما

لایکون شیئ اسالك بلحظة من لحظاتك الحافظات الوافرات المراجیات المنجیات۔ (بیہقی) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو دعائیں فرمایا کرتے تھے اون میں ایک یہ بھی تھی: ـــ اے موجود قبل اس کے کہ کوئی چیز موجود ہوا ور موجود بنانے والے ہر چیز کو' اور موجود رہنے والے بعد اس کے کہ کوئی چیز موجود نہ رہے آپ کی ایک نظر التفات منجملہ تمام انظار التفات کے چاہتا ہوں جو حفاظت کرنے والی' کمال کو پہنچانے والی' آس دلانے والی' نجات دینے والی ہے۔"

دعائے بالا مہمات کیلئے ہے حضرت سیدنا محمد بن علی (امام محمد باقر) رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعن آبائہ الکرام فرماتے ہیں کہ مذکورہ دعا حضور انور ارواحنا لہ الفداء نے سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کو تلقین فرمائی تھی اور جب کبھی کوئی مہم درپیش ہوتی تو آپ یہ دعا پڑھتے اور اپنی اولاد امجاد کو سکھایا کرتے تھے۔ اس میں آخر یہ اس قدر اضافہ تھا۔ اِفعل بی کذا وکذا۔ میرے ساتھ ایسا ایسا سلوک فرما" یعنی مذکورہ دعا پڑھ کر بطور خاص جس امر کی درخواست کرنی ہوتی اوس کو اس دعا میں شامل کر دیا جاتا تھا۔ جیسا کہ اور کی روایات میں ہے:ـــ اقض عنّا الدین واغننا من الفقر۔ وغیرہ۔

ایک مغالطہ اور اوس کا جواب بہرحال ھوالاوّل والآخر والظاہر والباطن کی تفسیر مذکورہ صدر احادیث صحیحہ میں بصراحت موجود ہے تو مزید کسی تفسیر کی حاجت نہیں رہی۔ البتہ بعض معاندین یہ کہتے ہیں کہ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ ہر چیز سے پہلے ہے تو اللہ سے پہلے کون تھا؟ اس کا جواب حدیث ذیل میں ہے:— ابن عمر اور ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:— لایزالون یسألون عن کلّ شیئ حتّیٰ یقولوا ھذا اللہ کان قبل کلّ شیئ فماذا کان قبل اللہ؟ فان قالوا الکم ذٰلك فقولوا ھو الاوّل قبل کلّ شیئ وھو الآخر فلیس بعدہ شیئ وھو الظاھر فوق کلّ شیئ وھو الباطن دون کلّ شیئ وھو بکلّ شیئ علیم۔ (ابو الشیخ) لوگ ہر چیز کی بابت پوچھتے رہیں گے تا آں کہ وہ کہیں گے کہ اچھا اللہ تو ہر چیز کے پہلے ہی (اس کو مان لیا مگر یہ تبائیے کہ) اللہ سے پہلے کیا تھا؟ اگر وہ ایسا سوال تم سے کر بیٹھیں تو تم یوں کہو کہ وہی سب سے پہلے ہے اور وہی سب سے آخر ہے اوس کے بعد کچھ نہیں۔ وہی باہر ہے اوس سے باہر کوئی چیز نہیں۔ اور وہی اندر ہے ہر چیز کے۔ اور وہی ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔" مطلب یہ کہ اون کے

جواب میں یہ آیہ کریمہ هوالاوّل الی آخرها پڑھ دیا کرو۔ یہی اون کا شافی جواب ہے۔

ایک شک اور اُس کا دفعیہ ابوزمیلؒ کہتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے عرض کیا:۔ ماشیئ اجدہ فی صدری قال ماهو قلت واللہ لا اتکلّم بہ فقال لی اشیئ من شکّ وضحک قال ما نجا من ذلک احد حتّی انزل اللہ تعالیٰ فان کنت فی شکّ مّما انزلنا الیک فاسئل الذین یقرأون الکتاب من قبلک وقال لی اذا وجدت فی نفسک شیئاً فقل هوالاوّل والآخر والظاهر والباطن وهو بکلّ شیئ علیم۔

(ابوداؤد) یہ کیا بات ہے جس کو میں اپنے سینے میں پاتا ہوں۔ ابن عباسؓ نے فرمایا وہ کیا چیز ہے؟ میں نے عرض کیا واللہ! میں تو اوس کو زبان پر نہ لاؤں گا۔ فرمایا کیا کوئی شک ہے؟ یہ کہہ کر تبسم فرمایا۔ پھر کہا کہ اس سے تو کوئی بھی بچ نہ سکا۔ حتیٰ کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (جس کا ترجمہ یہ ہے) اگر تو (اے مخاطب!) شک میں پڑا ہوا ہے اُس چیز سے جو ہم نے تجھ پر اتاری تو تم سے پہلے سے جو لوگ ہماری کتاب پڑھ رہے ہیں اون سے

دریافت کرلو۔ (یعنی آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد آمد کی خبر توریت انجیل وغیرہ میں درج ہونے کی نسبت کوئی شک ہے تو یہود و نصاریٰ سے دریافت کرلو) پھر فرمایا جب تم اپنے نفس میں کوئی ایسی بات پاؤ تو آیہ کریمہ "ھوالاول والآخر" اخیر تک پڑھ دو" (اس سے تشفی ہو جائے گی کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ ہی سب سے اول و آخر اور ظاہر و باطن ہے اور جملہ شکوک رفع ہوں گے)۔

آیۂ ھوالاول کی تشریح ھوالاول والآخر والظاھر والباطن کا مطلب یہ ہے کہ سلسلہ موجودات پر نظر ڈالو تو معلوم ہوگا کہ دنیا عالم اسباب ہے اور مسبب اول ذات باری تعالیٰ ہے۔ اور اگر مسببات کو دیکھو تو اس کی انتہا بھی ذات باری تعالیٰ پر ہوگی۔ سمندروں میں جہاز چل رہے ہیں یا ہوا میں طیارے پرواز کر رہے ہیں۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ ہوا کے زور پر ہو رہا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ ہوا بذات خود چلنے والی چیز نہیں۔ اور جب وہ خود نہیں چل سکتی تو کسی دوسری چیز کو چلا بھی نہیں سکتی بلکہ اس کا کوئی محرک ہے۔ سائنس اور علوم جدیدہ نے اس کے محرکات کا ایک سلسلہ دریافت کیا ہے تو یہ ہمارے دعوے کے لئے مضر نہیں یہ سلسلہ آگے چل کر

کسی ایسی ذات پر منتہی ہونا ضروری ہے جو دوسری چیزوں کو حرکت میں لاسکتی ہے اور خود متحرک نہ ہو۔ بلکہ اس سے منزہ ہو' بس یہی منزہ ذات حق سبحانہ تعالیٰ کی ہوگی۔ اسی طرح دیگر صفات کو بھی سمجھ لیجئے۔ سیر کی ابتدا کا تصور کیجئے تو سب سے اول ذات الٰہی ہوگی۔ اور اوس کی انتہا کا خیال کیجئے تو وہ بھی اوسی کی ذات پر منتہی ہوگی۔ وجود حق پر نظر کیجئے تو اوسی کا وجود ظاہر معلوم ہوگا اور اگر وجود خلق پر غور کیجئے تو درباطن وہی ذات ہوگی۔

مولائے کائنات کا ارشاد حضرت مولائے کائنات سیدنا علی مرتضےٰ کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں: — تجلی لعبادہ من غیر ان رأوہ و أراھم نفسہ من غیر ان یتجلی لھم۔ اپنے بندوں پر تجلی فرمائی تو ایسی تجلی فرمائی کہ وہ پھر اوس کو دیکھ نہ سکے۔ اور کسی کو اپنی ذات کا مشاہدہ کرایا تو تجلی سے اون کو کوئی بہرہ نہ مل سکا" کیوں کہ اس کی حاجت ہی نہ تھی: —

موسیٰ زہوش رفت بیک پرتو صفات　　تو عین ذات می نگری در تبسمے

صدیق اکبر کا ارشاد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: یا من غایۃ معرفتہ القصور عن معرفتہ۔ اے وہ ذات! جس کی

معرفت کا کمال ہی یہ ہے کہ اوس کی کما حقہ معرفت سے اپنے آپ کو قاصر پائے اور اپنے عجز وقصور کا اعتراف کرے۔" دوسرے موقع پر فرمایا۔ العجز عن درك الذات ادراك۔ ذات الہی کے باب میں انسان کا کمال ادراک یہی ہے کہ اوس ذات بے چوں و بے چگوں کے ادراک سے اپنے آپ کو عاجز پائے۔" ماعرفناك حق معرفتك کا خلاصہ بھی یہی ہے کہ جیسا پہچاننا تھا ہم تجھے نہ پہچان سکے۔" یہی اقرار کمال معرفت ہے ورنہ :

آں کس کہ ترا شناخت جاں را چہ کند فرزند و عیال و خاناں را چہ کند
دیوانہ کنی ہر دو جہانش بخشی ؟ دیوانہ تو ہر دو جہاں را چہ کند

محققین کی رائے محققین فرماتے ہیں :۔ اس آیہ کریمہ میں تشبیہ کی کمال درجے نفی کی گئی ہے۔ کیوں کہ دوسروں کا حال یہ ہے کہ جو اول ہو وہ (اسی حیثیت اور اعتبار سے) آخر نہیں ہوسکتا اور جو ظاہر ہو وہ باطن نہیں ہوسکتا۔ مگر خداوند تعالیٰ شانہ اول بھی ہے آخر بھی ظاہر بھی ہے باطن بھی تو معلوم ہوا کہ وہ کسی مخلوق اور مصنوع کے مشابہ نہیں۔ نہ کوئی چیز اوس کے مثل ہے۔ لیس کمثله شیئ وهو السمیع البصیر۔

حضرت جنیدؒ کا تاثر حضرت سید الطائفہ جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں :۔

نفی القدم عن کل اوّل باوّلیتہ، ونفی البقاء عن کلّ آخر بآخریّتہ،
واضطر الخلق الی الاقرار بربوبیتہ بظاہریتہ، وحجب الافہام
عن ادراک کنہہ وکیفیتہ بباطنیتہ، اللہ سبحانہ کی اولیت سے تمام
اگلی چیزوں کے قدامت کی نفی ہو گئی، اور اُس کی آخریت سے ہر پچھلی چیز کے
بقا کی نفی فرما دی گئی، اور ظاہریت کے باعث ساری مخلوقات کو اوس کی
ربوبیت کا اقرار کر لینا پڑا۔ اور باطنیت کے باعث اوس کی کنہ اور کیفیت
کے ادراک سے افہام پر پردہ ڈال دیا گیا۔ یعنی وہ ایسا اول کہ اوس سے
اول کوئی متصور نہیں اور ایسا آخر کہ اوس سے بھی آخر تر کوئی نہیں ہو سکتا
اور ایسا ظاہر کہ اوس کی ربوبیت کا اقرار کرنے سے کسی کو چارہ نہیں۔
اور ایسا باطن کہ اوس کی حقیقت کو کوئی نہیں جان سکتا اور یہ کہ وہ
کیسا ہے کوئی بتا نہیں سکتا۔ تمام افہام اوس کی کنہ اور کیفیت کے
ادراک سے قاصر ہیں۔ : ؎

اول و آخر توئی کیست حدوث و قدم	ظاہر و باطن توئی چیست وجود و عدم
اولِ بے انتقال آخرِ بے ارتحال	ظاہرِ بے چند و چون باطنِ بے کیف و کم

هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ

ثُمَّ اسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡشِ ؕ یَعۡلَمُ مَا یَلِجُ فِی الۡاَرۡضِ وَمَا
یَخۡرُجُ مِنۡہَا وَمَا یَنۡزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا یَعۡرُجُ فِیۡہَا ؕ وَہُوَ
مَعَکُمۡ اَیۡنَ مَا کُنۡتُمۡ ؕ وَاللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ ○

وہی ہے جس نے بنائے آسمان اور زمین چھ دن میں پھر قائم ہوا تخت پر جانتا ہے جو اندر جاتا ہے زمین کے اور جو اُس سے نکلتا ہے اور جو کچھ اُترتا ہے آسمان سے اور جو کچھ اُس میں چڑھتا ہے اور تمھارے ساتھ ہے جہاں کہیں تم رہو اور اللہ جو تم کرتے ہو اس کو دیکھتا ہے۔"

ستۃ ایام کی تفسیر | ھُوَ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ فِیۡ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ۔ وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھے دن میں پیدا کیا۔" اس کا بیان اوپر کئی جگہ آچکا ہے کہ اللہ سبحانہ کو تمام کائنات آن واحد میں پیدا کرنا دشوار نہ تھا مگر چھے دن میں اس لئے پیدا کیا کہ ہم اپنے کام غور و فکر سے کیا کریں۔ عجلت پسندی سے کام میں خرابی پیدا ہوتی ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: ــــ الاناءۃ من اللّٰہ والعجلۃ من الشیطان ۔ دھیرے دھیرے کام کرنا منجانب اللہ ہے اور جلدی شیطان کی طرف سے ہوتی ہے۔" اسی وجہ سے مشہور ہے

ع ۔ کہ تعجیل کار شیاطیں بود ۔ ستۃ ایام میں صفات ستہ کی طرف اشارہ ہے
جس کا مظہر اللہ سبحانہ نے انسان بلکہ تمام کائنات کو بنایا ۔ حیات، علم،
قدرت، ارادہ، سمع اور بصر ۔ اب جب کہ ہر شئی تسبیح کرتی ہے تو یہ کلام ہے
اوس کے لیے حیات لازم ہے ۔ اسی طرح تسبیح کا علم، تسبیح کرنے پر قدرت،
اور جس کی تسبیح کی جاتی ہے اوس کی تخصیص، یہ ارادہ ہے، پھر اُس تسبیح کو
خود سننا ۔ کیوں کہ ذاکر جب تک اپنے ذکر کو اپنے کان سے نہ سنے اس ذکر کا اعتبار
نہیں ۔ پھر مُسبح لہ کا مشاہدہ ۔ جس طرح بھی میسر ہو ۔ اگر تسبیح کرنے والا ان صفات
ستہ سے متصف ہو اور ہر صفت سے کام لے تو اس تسبیح کا لطف پوشیدہ نہیں ۔ بظاہر
یہ صفات انسان ہی میں تو پائے جاتے ہیں لیکن محققین کے نزدیک کائنات کی ہر شئی
ان صفات سے متصف ہے ۔

ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۔ اس کی تفسیر سورہ طٰہٰ میں حضرت
سید الشیوخ علیہ الرحمہ نے فرمادی ہے، شائقین ملاحظہ فرمائیں ۔

علم الٰہی کی تفسیر | يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا
يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ۔ زمین میں جو چیزیں جاتی ہیں اور
اوس سے جو چیزیں نکلتی ہیں اُن سب کو جانتا ہے ۔ اسی طرح آسمان سے جو چیزیں

اُترتی ہیں اور جو اوس میں چڑھتی ہیں وہ بھی اوس کو سب معلوم ہیں۔ خزانے دفینے تخم اور اموات وغیرہ جو زیر زمین ہیں یا پانی ایک جگہ جذب ہوتا ہے پھر دوسری جگہ سے پھوٹ کر نکلتا ہے۔ یا سونا، چاندی، تانبا، پیتل وغیرہ معدنیات زمین سے نکلتے ہیں۔ کھیتیاں، جانور، حشرات، جو زمین سے پیدا ہوتے ہیں قیامت کے وقت خزانے، دفینے اُبل پڑیں گے۔ دفن کئے ہوئے انسان دوبارہ زندہ ہوکر قبروں سے نکلیں گے۔ سب کچھ اللہ سبحانہ کو معلوم ہے۔ نیز دل کے خطرات، وساوس سے لے کر خیال پختہ ہونے اور کسی فعل کا عزم بالجزم ہونے تک جو مراحل ہیں یا دماغ میں جو منصوبے پیدا ہوتے ہیں وہ بھی سب کچھ اللہ سبحانہ کو اچھی طرح معلوم ہیں۔ اس میں کس کو کیا کلام ہوسکتا ہے؟ آگے مزید وضاحت فرمائی جارہی ہے:۔

معیت الٰہی کی تفسیر | وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۔ ”اور وہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں رہو“ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ عالم بکم اینما کنتم (ابن ابی حاتم) وہ تم کو جانتا ہے تم جہاں کہیں رہو“ اور سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں:۔ علمه ۔ (بیہقی) اوس کا علم تمہارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں ہو“ گویا معیت علمی مراد ہے۔ حضرت مقاتل بن حیانؒ فرماتے ہیں:۔ قدرته وسلطانه وعلمه (بیہقی) اوس کی قدرت اوس کی بادشاہت اور اوس کا علم تمہارے ساتھ ہے۔

معیت کے باب میں محققین کی رائے | محققین فرماتے ہیں کہ اللہ سبحانہ کی

ذات و صفات کے باب میں خصوصاً محفوظ تر اور اسلم طریقہ یہ ہے کہ ہم کوئی تاویل نہ کریں بلکہ اوس کی تفصیل کو علم الٰہی کے حوالے کر دیں یا اتباع سلف کیا جائے یعنی سلف صالحین نے جہاں کوئی تاویل فرمائی ہے ہم بھی اُن کا اتباع کریں اور جہاں کہیں اونھوں نے علم الٰہی کے تفویض فرمایا ہے ہم بھی تفویض سے کام لیں یہ نہیں کہ اونھوں نے کسی جگہ تاویل فرمائی ہو تو اوس کی بنا پر کسی دوسری جگہ جہاں اونھوں نے کچھ نہیں فرمایا ہم اپنی طرف سے کوئی تاویل کر بیٹھیں۔ اگر ایسا ہو تو اللہ سبحانہ کی جناب میں ہماری بہت بڑی جسارت ہوگی۔ مسلمانوں کو اس سے بچنا ضروری ہے۔

حدیث شریف میں ہے :- ان من افضل ایمان المرء ان یعلم ان اللہ معہ حیث کان۔ (ابن مردویہ، بیہقی عن عبادہ بن الصامت رض) انسان کے افضل تر ایمان سے یہ بھی ہے کہ وہ یقین جانے کہ وہ جہاں کہیں ہو اللہ سبحانہ اُس کے ساتھ ہے"

مراقبہ معیت الٰہی صوفیہ کرام رح کی اصطلاح میں ایسے ایقان کو "مراقبہ" کہتے ہیں۔ مثلاً مرد مومن کا یہ ایقان کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے، ہمارے پاس ہے، ہماری رگ جاں سے قریب تر ہے۔ یہ مراقبہ معیت الٰہی ہے۔ اسی طرح

ہم اُس کے علم میں ہیں اس کے معلومات میں شامل ہیں۔ عالم شہادت میں آنے سے قبل ہم اعیان ثابتہ تھے معلومات الٰہی میں شامل تھے۔ جب ان اعیان ثابتہ کو وجود بخشا گیا تو ہم اس عالم میں جلوہ گر ہو کر بھی اُس کے علم سے خارج نہیں۔ یہ مراقبہ علم الٰہی ہے۔ ہر چیز اوس کے احاطے میں ہے تو ہم پر بھی وہ محیط ہے۔ نہ وہ ہم سے دور ہے اور نہ ہم اُس سے دور ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ انتہائی قُرب ہی مانع رویت ہے ؎

دُرِّ معکم سفتی فی انفسکم گفتی ۔۔۔ از چشم نظر بازاں پردہ بہ حیا کردی

مراقبہ معیت الٰہی کے فوائد معیت الٰہی کے اس مراقبہ و ایقان میں انسان کا فائدہ یہ ہے کہ اگر وہ حق پر ہے اور ایسے کام میں لگا ہوا ہے جس میں اللہ سبحانہ کی رضا و خوشنودی ہے تو اوس کو اس ایقان اور ایسے کام میں تقویت ہوگی اوس کے خلاف باطل کی قوتیں جس درجہ بھی اُبھر کر آئیں اوس کو ذرہ برابر تشویش نہ ہوگی۔ اور اگر معاملہ برعکس ہے تو ایسا ایقان اوس کو باطل سے دور رکھے گا۔ بہرصورت معیت الٰہی انسان کے فائدے سے خالی نہیں بشرطیکہ فائدہ اٹھایا جائے۔

واقعہ ہجرت حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جب ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کے ساتھ بوقت ہجرت غار ثور میں فروکش ہوئے تو قریش کے جاسوس وہاں تک پہنچ گئے۔ حضرت صدیقؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ اتنے نزدیک آن پہنچے کہ ذرا جھک جائیں تو ہم کو دیکھ لیں۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا:—
ماظنك باثنين الله ثالثهما۔ (ابو بکر!) غم نہ کھاؤ تمہارا ان دو کے متعلق کیا گمان ہے جن کا تیسرا اللہ سبحانہ ہے"۔ یعنی ان کو کوئی گزند نہیں پہنچ سکتا اللہ سبحانہ نے اس واقعہ کی حکایت اس طرح فرمائی:— اذ يقول لصاحبه لا تحزن ان الله معنا۔ جب وہ کہہ رہے تھے اپنے رفیق سے کہ غم نہ کھاؤ بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے"۔

بہرحال یہ معیت، حسی، ذہنی، خیالی، وہمی، فرضی نہیں بلکہ ذوقی، کشفی، شہودی، حقیقی ہے جس کے بے شمار مدارج ہیں۔ جس کو جس درجے کا ذوق، کشف و شہود حاصل ہو اوس حد تک وہ معیت کو جانتا ہے۔ امر ذوقی کے بیان سے زبان قاصر اور قلم شکستہ ہے۔ عارف رومیؒ فرماتے ہیں:—

این معیت می نہ گنجد در بیاں نے زماں دارد خبر زو نے مکاں

اینما کنتم کی تفسیر اسی طرح اَینَمَا کُنتُم میں جس اَینِیَّت کا ذکر ہے وہ بھی ہر نوع کی اینیت پر حاوی ہے یعنی تم جہاں کہیں ہو اینیۃ از لیہ

ابدیہ، معنویہ، روحانیہ، مثالیہ، حسیۃ، دینویہ، برزخیہ، نشریہ، حشریہ
بنرانیہ، جنانیہ، غیبیہ، شہادیہ سبھی اس میں داخل ہیں۔ یا یوں کہیے کہ معیتہ
کی طرح اینیتہ بھی مبہمات، متشابہات سے ہے جس کی تاویل اللہ سبحانہٗ کے
سوا کوئی نہیں جانتا۔ راسخین فی العلم بھی ہیں تو وہ یہی کہتے ہیں:۔ آمنّا باللہ
ہمارا ایمان اللہ پر ہے " زبان کو یارائے بیان نہیں اور نہ قلم میں طاقت جولانی
و روانی ہے برہنیم عاشقین کو بشارت، متوکلین کو توفیق، عارفین کو سکینت،
محبین کو بہجت، مراقبین کو یقین، مقبلین کو رعایت نگہداشت، اور موحدین کو
سرّ وحدت کا سامان فراہم ہو رہا ہے ۔ ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء

بما تعملون بصیر کی تفسیر

وَاللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ۔ اور اللہ جو تم
کرتے ہو دیکھتا ہے " اس میں غافلین کی تنبیہ اور متنبہین کی تسلی ہے کہ غافل کو
رب العالمین سے حیا کرنی چاہیے کہ اوس کے علم میں رہتے ہوئے اور اوس کے ساتھ
ہوتے ہوئے اور اوس کی نظر کے سامنے ہوتے ہوئے اوس کے حکم کی خلاف ورزی کس
طرح کی جائے بلکہ خلاف ورزی کے خیال کو دل میں کس طرح جگہ دی جائے جب کہ وہ
دلوں کے حالات سے واقف ہے۔ پھر اوس کی سزا سے کس طرح چھوٹ سکے گا اور
پرسش کا کیا جواب دے گا۔ اسی طرح جو لوگ غفلت سے دور ہیں اور اون کے دل

اللہ سبحانہ کی یاد سے معمور رہیں اون کو اطمینان حاصل ہے کہ ہمارا کوئی عمل ضائع نہ ہوگا اور کوئی نیکی فراموش نہ ہوگی کیوں کہ علم الٰہی ہر چیز پر محیط ہے۔ اللہ سبحانہ کی معیت ہے اور وہ دیکھ رہا ہے تو ضرور ہے کہ ہر ہر عمل اور ہر نیکی کی بہترین جزا اور اوس کی خوشنودی و رضا بہر حال نصیب ہوگی۔ اگر سالک کی نظر کم از کم واللہ بما تعملون بصیر پر ہو تو اوس کی ساری غفلت کافور اور شوق عمل کا وفور ہو۔ واللہ الموفق۔

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝ 57-5

اُسی کے لئے ہے راج آسمانوں اور زمین کا، اور اللہ ہی تک پہنچتے ہیں سب کام۔

لہ ملک السموات کی تکرار تاکیداً نہیں اس سورۃ کریمہ کی دوسری آیت کا آغاز بھی یہی تھا لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ وہاں انسان کی ابتدائے آفرینش پیش نظر تھی۔ یعنی انسان پیدا ہوا اور دنیا میں بھیجا گیا تو اوس کو پہلا سبق یہی دیا گیا کہ تم جس جگہ آئے ہو یہاں تمہارا کچھ نہیں ہے۔ یہ آسمان جو تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے اور تم پر سایہ فگن ہے اوس پر بادشاہت اُسی مالک الملک کی ہے اور یہ زمین جس پر تم نے قدم رکھا ہے اور جس پر تم چلتے پھرتے، سوتے جاگتے اور کام کاج کرتے ہو یہ بھی اوسی کی بادشاہت میں ہے۔ تمہاری حیثیت ایک کارکن کی ہے۔ تم زمین و آسمان نیز اون میں جو کچھ ہے

کسی چیز کے بھی مالک نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے بعد وہاں ارشاد ہوا تھا
یُحۡیٖ وَیُمِیۡتُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ تم جو اس زمین پر زندہ رہ کر چلتے
پھرتے کام کاج کر رہے ہو زندہ رکھنے والا وہی ہے۔ پھر ایک دن آنے والا ہے
جب کہ تم کو یہاں سے چلنا ہوگا۔ یہ چلنا تمھارا اختیاری نہیں جیسا کہ تمھارا یہاں
آنا اختیاری امر نہ تھا۔ وہ روانگی بھی ہمارے حکم کی محتاج ہے۔ ایسی حالت میں
یہاں کی کوئی چیز ہماری ملک نہ ہوئی۔ کیوں کہ آتے ہوئے کوئی چیز ساتھ نہ تھی تو
جاتے ہوئے بھی کچھ ساتھ نہ ہوگا۔ جیسا کہ روزمرہ کا مشاہدہ ہے۔ اگر کچھ انسان کا
ہے تو وہ صرف اوس کی صداقت' دین داری' اور عمل ہے یہ انسان کے ساتھ ہے

لہٗ ملک السمٰوات ثانی میں تاسیس ہے علمائے معانی و بیان فرماتے
ہیں کہ ایک لفظ یا عبارت دو جگہ آجائے' اگر دونوں سے ایک ہی مفہوم مراد
ہو تو وہ تاکید ہے اور اگر ہر جگہ جدا مفہوم مراد ہو تو اوس کو تاسیس کہیں گے۔
اور اگر دونوں احتمال ہوں تو تاسیس کو ترجیح ہوگی۔ یہاں بھی ایسا ہی ہے۔
کیوں کہ اب جب کہ یہاں سے چلنا ٹھہرا ہے تو وہی سبق دوہرایا جاتا ہے لَہٗ
مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ "آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اسی کی ہے"
تم کو یہاں سے سب کچھ چھوڑ کر جانا چاہیے۔ مگر اس تمہید کے ساتھ کہ یہ جانا کہاں ہے

ارشاد ہو رہا ہے والی اللہ ترجع الامور۔ "اللہ سبحانہ کی طرف ہی پہنچتے ہیں سب کام"۔ تو تم کو بھی اوسی کے ہاں جانا ہے جہاں سے آئے تھے۔ یہی مضمون انا للہ وانا الیہ راجعون کا ہے کہ "ہم سب اللہ سبحانہ کی ملک ہیں اور ہم سب اوسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں"۔ وہاں سے آئے تھے تو علوم روحانی کشفی، لدنی لے کر آئے تھے یہ کسی استاد سے سیکھے ہوئے نہ تھے اور نہ اسباب وغیرہ کے واسطہ اور ذریعہ سے حاصل ہوئے تھے کیوں کہ بچہ دودھ پیتا ہے، روتا ہے ہنستا ہے، رینگتا ہے، چلتا ہے، کھاتا پیتا ہے، کھیلتا کودتا ہے تو اون میں سے ایک کام بھی کسی کا سکھایا ہوا نہیں ہے۔ جب بچہ ہوش سنبھالتا ہے تو علوم اکتسابی حاصل کرتا ہے جو استاد اور کتاب اور دیگر اسباب وآلات کی مدد سے حاصل کیا جاتا ہے۔ اس میں خود بچے کی سعی و اجتہاد کو بھی بڑی حد تک دخل ہے جب یہاں سے چلنا ٹھہرتا ہے تو جملہ کارنامے خواہ وہ علوم روحانی، کشفی، لدنی کے نتائج ہوں یا علوم اکتسابی اور اجتہادی سے تعلق رکھتے ہوں یہ کارنامے تو یہاں رہ جاتے ہیں اور انسان کے علوم کا حال یہ ہوتا ہے کہ اگر اوس نے علم باقی کو حاصل کیا تھا تو وہ اوس کے ساتھ باقی رہتا ہے اور جو فانی کو حاصل کیا تھا تو وہ اسی دار فانی میں فنا ہو جاتا ہے۔ البتہ اوس کے علمی کارنامے اگر علم فانی سے متعلق ہیں تو

دنیائے فانیہ کی فنا تک زیادہ سے زیادہ قائم رہتے ہیں۔ لیکن اگر علم باقی سے متعلق ہاں ہے تو اس کو فنا نہیں بمصداق ما عند کم ینفد وما عند اللہ باق۔ تمہارے جو کچھ ہے وہ فنا اور ختم ہونے والا ہے اور جو اللہ سبحانہ کے ہاں ہے وہی باقی رہنے والا ہے۔ واللہ اعلم۔

يُولِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۚ وَهُوَ عَلِيمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝ داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں اور وہ خوب جانتا ہے دلوں کی بات کو۔ 6 (رکوع ۱)

رات دن کی کمی بیشی معلوم ہے کہ رات دن کے چوبیس گھنٹے ہیں جن میں سے نصف رات کے اور نصف دن کے ہیں۔ اللہ سبحانہ کی قدرت ہے کہ موسم گرما میں رات کے چند گھنٹے دن میں داخل ہو جاتے ہیں جس کے باعث دن بڑھ جاتا ہے اور رات لازمی طور پر کم ہو جاتی ہے۔ یہ کمی بیشی بھی طول بلد اور عرض بلد کے اعتبار سے کم زیادہ ہوتی ہے۔ اگر رات کے تین گھنٹے دن میں داخل ہو گئے تو دن بجائے بارہ گھنٹے کے پندرہ گھنٹوں کا ہو گیا اور رات صرف نو گھنٹوں کی رہ گئی۔ موسم سرما آتا ہے تو دن کے چند گھنٹے رات میں داخل ہو گئے اب رات زیادہ گھنٹوں کی ہو گئی اور دن چھوٹا ہو کر رہ گیا۔ یہ بھی اللہ سبحانہ کی قدرت ہے۔ پھر لطف یہ ہے کہ

شب تاریک اور طویل بھی ہو اور کوئی شخص اپنے دل میں کوئی بات چھپائے رکھے تو اللہ سبحانہ سے کوئی بات چھپی نہیں رہ سکتی۔ جس طرح وہ ہر ایک کے ظاہری اعمال کو جانتا ہے دل میں چھپی ہوئی نیتوں کو بھی جانتا ہے۔ اُس کے آگے کسی کی کچھ بات چل نہیں سکتی۔ اسی طرح خطرات، وساوس، ارادے، منصوبے جو دل میں ہوتے ہیں وہ سب اُس کو خوب معلوم ہیں۔ اب ان تمام صفاتِ الٰہیہ پر جو آغاز سورۃ شریفہ سے یہاں تک بیان ہوئے اون کو مجموعی طور پر پیش نظر رکھو تو عظمت خداوندی ظاہر ہوگی۔ اسی طرح مومن کی نورانیت کو ترقی دینا اور دلوں کی تاریکی کو دور کرنا اُس کے آگے معمولی بات ہے۔

اِسمِ اعظم سے دُعا مستجاب براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دفعہ حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے پوچھا:—

یا امیرالمؤمنین اسألك بالله ورسوله الا خصصتني باعظم ما خصّك رسول الله صلی الله علیه وسلم واختصّه به جبریل وارسله به الرحمٰن فقال اذا اردت ان تدعو الله باسمه الاعظم فاقرأ من اول سورة الحديد الى آخر ست آيات منها عليم بذات الصدور وآخر سورة الحشر يعني اربع آيات ثم ارفع

یدیك فقل یا من ھو ھکذا اسئالك بحق ھذہ الاسماء ان تصلّی
علی محمّد وان تفعل بی کذا وکذا ممّا ترید فواللہ الذی لا الٰہ
غیرہ لتنقلبن بحاجتك ان شاء اللہ (ابن النجار) امیرالمومنین! میں
آپ کو خدا اور رسولؐ کا واسطہ دیتا ہوں کہ مجھے وہ بات خصوصیت سے بتائیے
جو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو بطور خاص بتائی۔ اور
آں حضرت کو جبرئیل نے اور اون کو خدائے رحمٰن نے اوس خصوصیت کے ساتھ
بھیجا تو آپؓ نے فرمایا اگر اللہ سبحانہ کو اوس کے اسم اعظم سے بلانا چاہتے ہو تو
سورہ حدید کی ابتدائی چھے آیتیں علیم بذات الصدور تک اور سورہ حشر
کی آخری چار آیات پڑھ کر دونوں ہاتھ اٹھاؤ اور عرض کرو کہ اے ذات باری
تعالیٰ جس کے اسماء وصفات یہ ہیں میں ان ہی اسماء کا واسطہ دے کر آپ سے
درخواست کرتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اپنی رحمت خاصہ
نازل کیجئے اور میرے ساتھ ایسا ایسا سلوک فرمائیے (یہاں جو دعا مانگنی ہو
مانگ لے) تو اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں، ان شاء اللہ
اپنی منہ مانگی مراد لیتے جاؤ گے۔" محدثین کرام نے گو اس روایت کو ضعیف بتلایا
ہے مگر فضائل اعمال میں اس پر عمل درست ہے۔

اسم اعظم کی تاثیر | تفسیر فتح الرحمن میں حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول منقول ہے:۔ اسم اللہ الاعظم فی اول سورۃ الحدید فی ست آیات من اولھا فاذا علقت علی المقاتل فی الصف لم ینفذ الیہ حدید۔
سورۂ حدید کی ابتدائی چھے آیات میں اللہ سبحانہ کا اسم اعظم ہے اگر صف کارزار میں جاکر لڑنے والا آیات بالا کو (لکھ کر اپنے گلے میں) آویزاں کرلے تو آہنی ہتھیار بھی اوس پر کارگر نہ ہوگا۔"

آمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهٖ وَاَنْفِقُوا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ 57-7
فِيهِ ؕ فَالَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيرٌ ۝ يقين لاؤ

اللہ پر اور اوس کے رسول پر اور خرچ کرو اوس میں سے جو تمھارے ہاتھ میں دیا ہے اپنا نائب بناکے بس جو لوگ تم میں یقین لائے ہیں اور خرچ کرتے ہیں ان کو بڑا ثواب ہے۔"

ایمان لانے کا حکم | اللہ سبحانہ تعالیٰ کے جو صفات اوپر بیان ہوئے انسان اون کو خوب سمجھ لے تو اون کا اقتضا ہی یہ ہے کہ وہ اللہ سبحانہ اور اوس کے رسولؐ کا یقین کرلے کیوں کہ کائنات میں کوئی ہستی ایسی نہیں جس میں یہ صفات کاملہ موجود ہوں اور ان صفات کا علم اوس کے رسولؐ کے ذریعہ

۵۰۸ (ربع)

اور اوس کے رسول پر اُتاری ہوئی کتاب سے معلوم ہو رہے ہیں تو خدا پر یقین کرنا اور اوس کے رسول پر یقین کرنا، نیز رسول پر اُتاری ہوئی کتاب کا یقین کرنا بھی ضروری ہوا کیوں کہ یہ ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں جو ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔ ان میں سے کسی ایک کا انکار ما بقی دو کے انکار کا مترادف ہے۔

حضرت عمرؓ کا تاثر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایمان لانے کا واقعہ مشہور ہے خود آپ فرماتے ہیں کہ جب میں اپنی ہمشیر کے پاس سے صحیفہ لے کر پڑھنے لگا تو اوس میں یہ بھی لکھا تھا۔ "بسم اللہ الرحمن الرحیم سبح للہ ما فی السموات والارض وھو العزیز الحکیم" فکلما مررت باسم من اسماء اللہ ذعرت ثم ترجع الیّ نفسی حتی بلغت "اٰمنوا باللہ و رسولہ وانفقوا ممّا جعلکم مستخلفین فیہ" فقلت اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ فخرج القوم مستبشرین فکبّروا۔ (بزار، ابن عساکر، ابن مردویہ، ابو نعیم، بیہقی) اللہ کے نام سے شروع ہے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔ اللہ کی پاکی بیان کرتی ہے ہر چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ وہی ہے عزت والا، حکمت والا" اس طرح پڑھتے پڑھتے اللہ سبحانہ کا جو نام آتا میں پریشان ہو جاتا۔ پھر اپنی حالت پر آتا تو آگے پڑھتا

تا آں کہ آمنوا باللہ و رسولہ والی آیت کریمہ پر پہنچا تو بے ساختہ کلمہ پڑھا
پھر کیا تھا کہ تمام لوگ خوش ہو کر نعرۂ تکبیر بلند کرنے لگے۔"

علامت ایمان انفاق مال پھر ان تینوں پر یقین کر لینے اور ایمان لانے کی علامت خاص یہ ہے کہ اللہ نے بندے کو جو کچھ دیا ہے اس میں سے اللہ کی راہ میں کچھ خرچ کرے اور یہ سمجھ کر خرچ کرے کہ یہ دولت میری نہیں بلکہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کی ملک ہے ہم کو اُس نے اپنا نائب اور خزانچی بنایا ہے۔ خزانچی کا کام یہ ہے کہ مالک کے حکم کے مطابق اوس کا صرف کیا کرے، یہ نہیں کہ من مانے خرچ کرتا جائے۔ ایسا خرچ کرنے والا خائن کہلائے گا۔ خزانچی تو امین ہوتا ہے۔ ہماری حیثیت اپنے مال و متاع میں امین کی اس وجہ سے ہے کہ یہ مال ہم سے پہلے دوسرے کی ملک میں تھا اوس کے بعد ہمارے ہاتھ میں آیا ہے۔ اسی سے یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ اگر ہم اس مال کو جوڑ جوڑ کر رکھیں گے اور راہ خدا میں خرچ نہ کریں گے تو یہ مال ہمارے قبضہ سے دوسرے کے ہاتھ میں اُسی طرح چلا جائے گا جس طرح دوسرے کے قبضہ سے ہمارے ہاتھ آیا تھا۔ اگر اوس کے حکم کے مطابق خرچ کرتے رہیں گے تو مالک خوش ہوگا کہ بندہ اپنے مالک کو مانتا بھی ہے اور اوس کا حکم بجا لاتا ہے۔ اس صورت میں بندے کا اعزاز

بڑھیگا اور اس سے زیادہ مال و دولت اوس کے قبضہ میں آئے گی۔ ورنہ ایک دن اس کو چھوڑنا ہی پڑے گا:۔

ویکفیک قول الناس فیما ملکتہ لقد کان ھذا مرۃ لفلان

تم جن چیزوں کے مالک ہو اُن کی نسبت لوگوں کا یہی قول بس ہے کہ یہ مال کبھی فلاں کی ملک میں تھا۔" حضرت سعدیؒ فرماتے ہیں:۔

مکن تکیہ بر ملک و جاہ و حشم کہ پیش از تو بودست و بعد از تو ہم

خور و پوش و بخشائے و راحت رساں نگہ می چہ داری ز بہر کساں

حضرت عثمانؓ کی منقبت تفسیر فتح الرحمٰن میں ہے کہ اس آیۂ کریمہ میں حضرت سیدنا عثمان ذو النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اشارہ ہے جن کی دولت و ثروت اور داد و دہش مشہور ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کی خدمت میں جو حصہ آپ کا رہا ہے صفحات تاریخ اوس سے بھرے پڑے ہیں اور مال و دولت کے ذریعہ آپ نے خدائے بزرگ و برتر اور حبیب اطہر نبی انور کی جو خوشنودی و رضا حاصل کی ہے قرآن کریم اور احادیث شریفہ میں اوس کے تذکرے موجود ہیں خصوصاً غزوہ تبوک کے موقع پر آپ نے جو مثال قائم کی قیامت تک آنے والوں کے لیے ایک روشن حقیقت ہے۔

علم و عرفان اور کسب و ہنر کی تعلیم راہ خدا میں خرچ کرنا صرف مال و دولت ہی کا نہیں، اللہ سبحانہ تعالیٰ نے جو کمال دیا ہے خواہ وہ علم و فضل ہو یا کشف و معرفت، یا کسب و ہنر اس کو بندگان خدا تک پہنچایا جائے تاکہ اوس کا فیضان عام ہو اور سبھی اوس سے فائدہ اوٹھاتے رہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا:۔ انفق ینفق علیك ولا توك فیوك علیك۔ دوسروں پر خرچ کرتے رہو تو تم کو بھی ملتا رہے گا اور روکو نہیں پھر تم پر بھی روک ٹوک ہوگی۔" علم کے باب میں فرمایا:۔ من کتم علما یعلمه الجم یوم القیامة بلجام من نار۔ جس نے علم کو چھپایا جس کو وہ جانتا تھا تو قیامت کے دن اوس کے منہ میں آگ کی لگام دی جائے گی۔"

ایک لطیفہ یہاں ایک کھلا اشارہ اس طرف ہے کہ صرف کلمہ پڑھ لینا، ایمان کامل نہیں بلکہ ایمان لانے کے ساتھ، راہ خدا میں کچھ خرچ کرنا بھی ہے جس کا حکم دیا جا رہا ہے۔ غالباً یہی سبب ہے کہ اساتذہ کے پاس طالب علم کوئی کتاب شروع کرتے ہیں تو شیرینی وغیرہ لاتے ہیں۔ مشائخ کرام و پیران طریقت کے پاس مرید ہونے آتے ہیں تو ان میں بعض لوگ شیرینی وغیرہ کے ساتھ کچھ نذرانہ پیش کرتے ہیں۔ یوں دیکھا جائے تو ایسی شیرینی یا نذرانہ کی اس تعلیم و عرفان کے مقابل کوئی حقیقت نہیں

مگر بات یہ ہے کہ روپے پیسے سے انسان کو بڑی محبت ہوتی ہے ۔ ارشاد باری ہے:
"وانّه لحبّ الخیر لشدید ۔ بے شک انسان مال کی محبت میں سخت ہے"۔ تجربہ کی
بات یہ ہے کہ جس کام پر گرہ سے کچھ خرچ نہیں کیا جاتا انسان کے دل میں اس کی
وقعت نہیں رہتی ۔ اور جہاں خرچ کرنا پڑے ایسا کام بہت عزیز ہوتا ہے ۔
پس اسی وقعت و عزت کے پیش نظر یہ طریقہ رائج ہے ۔

57-8 وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ۚ وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ لِتُؤْمِنُوا
بِرَبِّكُمْ وَقَدْ أَخَذَ مِيثَاقَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ اور تم کو
کیا ہوا کہ یقین نہیں لاتے اللہ پر، اور رسول بلاتے ہیں تم کو کہ یقین لاؤ
اپنے رب پر، اور لے چکا ہے تم سے عہد پکا، اگر ہو تم ماننے والے"۔

اس آیہ کریمہ میں مَا لَكُمْ کا جو خطاب فرمایا گیا ہے اس میں حسب ذیل
احتمالات ہیں :—

خطاب قریش سے ۱۔ قریش اس کے مخاطب ہیں جو اس آیۂ کریمہ کے
نزول کے وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے ۔ اس اعتبار سے معنی یوں ہوں گے
کہ اے کفار قریش! تم کو کیا ہوا کہ آغاز سورہ سے یہاں تک جو صفات حق سبحانہ
تعالیٰ کے بیان ہوئے، ان سب کو سننے کے بعد بھی ایمان نہیں لاتے

درحالیکہ رسولؐ تم کو دعوت دے رہے ہیں کہ اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ اور تم سے تمھارے رب نے میثاق میں پختہ عہد لے چکا ہے جبکہ فرمایا تھا اَلَستُ بِرَبِّکُم کیا میں تمھاری پرورش اور تربیت کرنے والا مالک نہیں ہوں ؟ تم نے اوس وقت اقرار کیا تھا "بلیٰ" - کیوں نہیں بے شک آپ ہمارے رب ہیں"۔ یہ میثاق انسان کی اصل فطرت میں ہے اور کچھ نہ کچھ نشان بنی آدم کے قلوب میں آج بھی پائے جاتے ہیں - چنانچہ انسان پر معاشی مشکلات کا زور ہوتا ہے تو بسا اوقات ایک نادان سے نادان بھی تمام مشکلات و مصائب کو نظر انداز کرکے بے ساختہ کہہ اوٹھتا ہے کہ مجھے ان مشکلات و مصائب کی پرواہ نہیں اللہ میرا مالک ہے - بعض بزرگوں نے تو یہاں تک فرمایا کہ میثاق میں جو عہد بنی آدم سے لیا گیا وہ منظر اب بھی ہماری آنکھوں کے سامنے ہے اور الست بربکم اور اوس کے جواب میں بلیٰ کہنے کی آواز ہمارے کانوں میں گونج رہی ہے - لہٰذا اگر اس میثاق کا تم کو یقین ہے تو ایمان کیوں نہیں لاتے ؟

خطاب اہل کتاب ۲ - یہ کہ خطاب اہل کتاب سے ہے - معنی یوں ہوں گے کہ اے اہل کتاب ! تم کو کیا ہو گیا کہ تم اللہ پر ایمان نہیں لاتے درحالیکہ تم کو رسول (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) تمھارے رب پر ایمان لانے کی دعوت دے رہے ہیں

اور اللہ نے تم سے عہد لے لیا ہے کہ نبی آخر الزماں تم میں تشریف لائیں گے تو اون پر تم ایمان لاؤ گے اور اون کی مدد کرو گے؟ اوس وقت تم اور تمھارے تمام انبیاؑ و رسل نے اقرار کیا تھا کہ ہم ضرور اُن پر ایمان لائیں گے اور اُن کی مدد کریں گے۔ اور یہ ساری روداد تمھاری کتابوں میں موجود ہے اور انبیاؑ و رسل علیہم الصلاۃ والسلام نے اپنے اپنے عہد میں وقتاً فوقتاً اس عہد و میثاق کی تجدید فرمائی۔ اگر تم کو اپنے رسولوں پر ایمان ہے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے میں تمھارا کوئی عذر قابل قبول نہیں ہو سکتا۔

خطاب صحابۂ کرام سے ۳۔ یہ کہ خطاب صحابۂ کرام سے ہے۔ یعنی اے مسلمانو! (جس طرح اللہ سبحانہ کی ذات پر اجمالی ایمان لا چکے ہو) اوس کی تمام صفات کاملہ پر تفصیلی ایمان کیوں نہیں لاتے حالاں کہ رسول (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) تمھارے رب پر ایمان تفصیلی لانے کی دعوت دے رہے ہیں اور رسول نے تم سے عہد لے لیا ہے کہ تم ان کی ہر دعوت پر لبیک کہیں گے۔ اگر تم کو خدا و رسول پر ایمان ہے تو تفصیلی ایمان لانے اور خدا کی ذات کی طرح اوس کی جملہ صفات کاملہ پر ایمان لانے میں تمھارا کوئی عذر قبول نہیں اور نہ عذر کی کوئی گنجائش ہے۔

عرض فقیر | ۴ - فقیر عرض کرتا ہے کہ خطاب عام ہے۔ قریش ہوں یا اہل کتاب صحابۂ کرام ہوں یا قیامت تک آنے والے بنی آدم خواہ اون کا تعلق کسی زمان و مکان سے ہو سب ہی اس کے مخاطب ہیں۔ اور سب کے لیے لمحۂ غور و فکر دیا جاتا ہے کہ ہر فریق اپنی اپنی مناسبت و موزونیت کے لحاظ سے آیۂ کریمہ کو اپنے احوال پر منطبق کرے اور اپنے احوال کا جائزہ لے ۔ واللہ اعلم ۔

هُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ عَلٰی عَبْدِهٖۤ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ لِّیُخْرِجَكُمْ 57-9

مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ○

وہی ہے جو اتارتا ہے اپنے بندے پر آیتیں صاف کہ نکال لائے تم کو

اندھیروں سے روشنی میں اور اللہ تم پر نرمی کرنے والا مہربان ہے "

آیت بیّنٰت کی تفسیر | اللہ سبحانہ تعالیٰ جس کی چند صفتیں آغاز سورۂ کریمہ سے یہاں تک بیان ہوئیں۔ وہی اپنے عبد کامل و اکمل پر یہ آیات واضحہ اتارتا جا رہا ہے جس میں وعد و وعید، امر و نواہی، حلال و حرام کا مفصل و مدلل بیان ہے۔ زندگی کے طور طریق، اور کامیابی کی راہیں کھول دی گئی ہیں۔ تاکہ کفر، شرک، شک، جہل، مخالفت اور حجاب کی تاریکیوں سے تم کو نور ایمان توحید، یقین، علم، موافقت اور تجلی کی طرف نکال لائے۔ یہ آیات واضحہ

۵۸(۲۷-۱) ۹

خواہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات وخوارق عادات ہوں جن سے آپ کی نبوت و رسالت کا ثبوت ملتا ہے یا قرآن کریم کی آیات ہوں جن میں کی ہر آیت ایک معجزہ ہے جو قیامت تک صفحہ ہستی پر موجود رہے گا۔ اگر آپ مبعوث نہ ہوتے یا آپ کے دست مبارک سے یہ معجزات ظاہر نہ ہوتے یا قرآن کریم کی یہ آیات بینات نہ ہوتیں تو نہ تمہاری مذکورہ تاریکیاں دور ہوتیں اور نہ تم کو کبھی یہ نور نصیب ہوتا۔ اب جب کہ تمہارے لیے ایسا سامان فراہم ہو چکا ہے تو اس میں تمہاری کیسی خوش نصیبی ہے ؟ غور کرو تو معلوم ہوگا کہ اللہ سبحانہ تم پر کیسا مہربان اور رحم کرنے والا ہے کہ آیات کے ذریعے تم پر یقیناً رؤف یعنی مہربان ہوا ہے اور اپنے رسول کے ذریعے دعوت دے کر رحم فرما رہا ہے۔ یا یہ کہ افاضۂ نور کر کے اپنی رأفت کا اظہار فرما رہا ہے اور تاریکیاں دفع کر کے اپنی رحمت کا ثبوت دے رہا ہے۔ اس کی قدردانی تمہارے ہاتھ ہے۔ قدر جانو گے تو اوس کا فائدہ تمہیں کو ملیگا۔ مبادا ناقدری کر کے اوس کی رأفت و رحمت کو شدت و غضب سے بدل دو، پھر تمہیں کو اس کا خمیازہ بھگتنا ہوگا۔

وَمَا لَكُمْ أَلَّا تُنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلِلَّهِ مِيرَاثُ السَّمٰوٰتِ 57-10

وَالْأَرْضِ ۚ لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ ۚ

اُولٰٓئِکَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ؕ
وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ ع ۱۰/۱۷

اور تم کو کیا ہوا ہے کہ خرچ نہیں کرتے اللہ کی راہ میں، اللہ ہی کے لیے ہے
آسمانوں اور زمین کی میراث، برابر نہیں تم میں سے وہ شخص جس نے خرچ کیا
فتح (مکہ) سے پہلے اور لڑائی کی، اُن لوگوں کا درجہ بہت بڑا ہے اُن سے جو کہ
خرچ کریں اس کے بعد اور لڑائی کریں، اور سب سے وعدہ کیا ہے اللہ نے
خوبی کا، اور اللہ کو خبر ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔"

انفاق فی سبیل اللہ کی تاکید | یعنی خدا و رسول پر ایمان لانے کے بات میں جس طرح تم کو کوئی عذر نہیں ہو سکتا اسی طرح اُس کی راہ میں خرچ کرنے کے بات میں بھی تم کو کوئی عذر نہ ہونا چاہیے۔ خرچ کرنا مال و متاع کا ہو یا خدا داد قابلیتوں اور صلاحیتوں کا بلکہ اپنے نفس و جان کا۔ کیوں کہ ان میں سے ایک بھی تمھاری ذاتی چیز نہیں۔ سب اُسی کی دی ہوئی ہے اور اُسی کی مِلک۔ اگر اب اپنی خوشی اور اختیار سے خرچ کرو گے تو اس کا اجر اور صلہ اضعافاً مضاعفہ ملے گا جو تمھارے خرچ کیے ہوئے سے کہیں بڑھ کر اور بہتر ہوگا۔ ورنہ ایک دن آنے والا ہے کہ یہ سب تم سے چھین لیا جائے گا اور تم خالی ہاتھ یہاں سے رخصت ہو جاؤ گے۔

اور سارا اندوختہ یہیں دھرا رہ جائیگا۔ اور ساری چیزیں مالک الملک کے حوالے ہو جائیں گی، بلکہ یوں دیکھو تو اس وقت بھی سب کچھ اُسی کا ہے۔ تم صرف اوس کے خلیفہ، امین، وکیل اور خزانچی ہو۔

بروقت اور بعد از وقت خرچ کا فرق

دوسری بات قابل غور یہ ہے کہ راہ خدا میں خرچ کرنا اگرچہ ہر حال میں اچھا ہے اور اس کا اجر ضرور ملیگا اور خرچ کرنے والا، بمقابل خرچ نہ کرنے والے کے لائق تحسین و آفریں ہے لیکن ایک خرچ کرنا بروقت ہوتا ہے اور دوسرا بعد از وقت۔ یہ دونوں خرچ مساوی درجے کے نہیں ہوسکتے۔ بروقت خرچ کرنا بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ یہ ایسا نکتہ ہے جو عقل اور نقل دونوں کے مطابق ہے اور اس کو دین دار اور دنیادار ہر ایک قبول کرتا اور مانتا ہے۔ لہٰذا اگر بروقت خرچ کروگے تو اوس کا اجر بعد از وقت کے خرچ سے کہیں بڑھ کر اور بہتر ہوگا۔ مگر کسی نے جو خرچ کرنا تھا اوس کو خرچ تو کیا مگر بعد از وقت خرچ کرکے اوس کی اہمیت گھٹالی تو یہ کہاں کی دانش مندی ہوئی؟

صحابہ کرام بھی مختلف مدارج رکھتے ہیں

حضرت قتادہ رضؓ فرماتے ہیں:—

کان قتالان احدھما افضل من الآخر و کانت نفقتان احدٰھما افضل من الاخریٰ قال کانت النفقۃ و القتال قبل الفتح فتح مکۃ

افضل من النفقة والقتال بعد ذلك وكلا وعد الله الحسنى قال الجنة (عبدالرزاق' عبد بن حمید' ابن المنذر) دو لڑائیاں تھیں جن میں سے ایک دوسری سے افضل ہے۔ اسی طرح دو خرچ تھے جن میں سے ایک دوسرے سے افضل ہے۔ جو خرچ اور لڑائی فتح مکہ سے پہلے تھی وہ اوس خرچ اور لڑائی سے افضل ہے جو اس کے بعد ہوئی۔ اور اللہ نے ہر ایک سے بھلائی کا وعدہ فرمایا یعنی جنت کا " اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام بھی سب کے سب ایک درجہ اور ایک مرتبہ کے نہیں ہیں' ان میں بھی مدارج ہیں۔

مومنین قبل فتح کی فضیلت فقیر عرض کرتا ہے' فتح مکہ سے پہلے مسلمان' تعداد میں بہت تھوڑے تھے' تہی دستی اس کے سوا تھی' مال غنیمت وغیرہ کی توقعات بھی کم تھیں۔ اس کے مقابل' کافروں' مشرکوں سے دنیا بھری پڑی تھی۔ ایسے نازک وقت میں مسلمان کا اپنی جان و مال کی بازی لگا دینا کوئی معمولی بات نہ تھی اس لئے ایسے اصحاب کی نسبت ارشاد ہوا اولئك اعظم درجة من الذين انفقوا من بعد وقاتلوا۔ یہی بہت بڑے درجے والے ہیں اُن اصحاب سے جنھوں نے خرچ کیا اور لڑائی کی مکہ کے فتح کے بعد۔" اگرچہ فتح مکہ کے بعد لڑنے والے اور خرچ کرنے والے بھی لائق تعریف ہیں کہ

انھوں نے بھی احکام خدا ورسول کی تعمیل میں اپنے جان ومال کی بازی لگا دی مگر سابقین کے درجے کو نہیں پہنچ سکتے۔ اس لیے کہ اس وقت تک مسلمانوں کی تعداد بہت بڑھ گئی۔ مال و دولت میں بھی فراوانی ہوئی۔ کامیابی اور غنیمت کی توقعات بھی زیادہ ہوگئیں۔ ہاں کامیابی آخرت کا استحقاق ان کو بھی حاصل ہوا۔ اسی لیے ارشاد ہوا:۔ وکلاوعد اللہ الحسنیٰ۔ پہلے دور والے اور بعد والے ہر ایک کے ساتھ اللہ سبحانہ نے بھلائی کا وعدہ فرمایا ہے اور آخرت کی بھلائی جنت سے کم کیا ہوسکتی ہے؟ اسی لیے سلف صالحین نے ''الحسنیٰ'' سے جنت مراد لی ہے اور جنت کے ساتھ ہی الحسنیٰ کی تفسیر فرمائی ہے۔

تمام صحابہؓ مغفور ہیں اسی آیہ کریمہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اہل جنت صرف عشرہ مبشرہ نہیں بلکہ جملہ صحابہؓ وصحابیات ہیں جنھوں نے ایمان کے ساتھ ایک نظر بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ لیا۔ یا یہ کہ حضور نے ان کو دیکھا کیوں کہ بعض صحابہؓ، ضعیف البصر بلکہ نابینا تھے مثلاً عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ فرق اس قدر ہے کہ عشرہ مبشرہ کو ان کے نام کے ساتھ جنت کی خوشخبری سنائی گئی ہے اور دیگر صحابہ کا وصف صحابیت مذکور ہوا ہے۔ عشرہ مبشرہ کی طرح حضرات حسنین علی جدہما وعلیہما الصلوٰۃ والتسلیم کی

شان میں نام کے ساتھ ارشاد مبارک ہوا سیدا شباب اھل الجنّۃ یہ دونوں جوانانِ اہل جنت کے سردار ہیں" حضرت سیدہ اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حق میں نام کے ساتھ ارشاد ہوا سیدۃ نساء اھل الجنّۃ کہ یہ جنتی عورتوں کی سردار ہیں وغیرہ وغیرہ۔ کما لا یخفیٰ۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں :۔ خرجنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام الحدیبیۃ حتی اذا کان بعسفان قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوشك ان یاتی قوم تحقرون اعمالکم مع اعمالھم قلنا من ھم یا رسول اللہ اقریش قال لا ولکنّھم اھل الیمن ھم ارقّ افئدۃ والین قلوبا فقلنا اھم خیر منّا یا رسول اللہ قال لو کان لاحد منھم جبل من ذھب فانفقہ ما ادرك مدّ احدکم ولا نصیفہ الاّ ان ھذا فصل ما بیننا و بین الناس لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل۔ (ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ، ابونعیم) ہم حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حدیبیہ کے سال نکلے۔ جب بہ مقام عُسفان پہنچے تو حضور نے فرمایا عنقریب ایک قوم آئے گی جن کے اعمال کے آگے

تم اپنے اعمال کو بھی حقیر جانو گے۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ کون ہیں کیا قریش ہیں؟ فرمایا نہیں بلکہ وہ یمن والے ہیں جن کے دل نرم اور جن کے دلوں کا پردہ رقیق تر ہے۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا وہ ہم سے بہتر ہوں گے۔ فرمایا اگر اون میں سے کسی کے ہاں سونے کا پہاڑ بھی ہو اور وہ اُس کو راہ خدا میں خرچ کر ڈالے تو بھی وہ تمھارے ایک لپ (مٹھی) بلکہ اوس کے نصف کو بھی نہیں پہنچ سکتے (ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں) آگاہ رہو یہی آیت لایستوی منکم ہمارے اور دیگر اصحاب کے درمیان فیصلہ کن ہے۔"

خالدؓ اور ابن عوفؓ کا مکالمہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:۔ کان بین خالد بن الولید و عبد الرحمٰن بن عوف کلام فقال خالد لعبد الرحمٰن بن عوف تستطیلون علینا بایام سبقتمونا بھا فبلغ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال دعوا لی اصحابی فوالذی نفسی بیدہ لو انفقتم مثل احد او مثل الجبال ذھبا ما بلغتم اعمالھم۔ (امام احمدؒ) خالدؓ بن ولید اور عبدالرحمٰنؓ بن عوف کے مابین کچھ گفتگو ہوگئی، جس میں خالدؓ نے عبدالرحمٰنؓ بن عوف سے کہہ دیا تم ہمارے مقابلہ میں صرف چند دنوں کی بنا پر اپنی شان دکھاتے ہو جن میں تم کو ہمارے

مقابلہ میں سبقت حاصل ہوگئی ہے (یعنی تم چند سال پیشتر ہم سے مشرف بہ اسلام ہوگئے) یہ کلمہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تک پہنچا تو آپ نے فرمایا۔ میرے اصحاب کو میرے لیے چھوڑ دو قسم ہے اوس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، اگر تم کوہ احد یا پہاڑوں کے برابر سونا خرچ کرو گے تو بھی اون کے کارناموں کو تم نہیں پہنچ سکتے۔"

تمام صحابہؓ کی فضیلت امتہ مرحومہ پر

بہرحال یہ تفاضل مابین الصحابہ ہوا کہ تمام اصحاب ایک درجے کے نہیں اور اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فتح سے مراد صلح حدیبیہ ہے کہ اوس کی تعبیر بھی فتح سے کی گئی ہے کیوں کہ فتح مکہ کی بنیاد، صلح حدیبیہ ہی میں رکھا دی گئی تھی۔ جو فتح مکہ سے دو سال قبل ہوئی تھی۔ یہ تو لا یستوی منکم کی ایک تفسیر ہوئی۔ دوسری تفسیر مطلق صحابہ کرامؓ کی فضیلت و برتری سے متعلق ہے جو اس مبارک گروہ کو دوسروں پر ہے، وہ یہ کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: — لا تسبّوا اصحاب محمّد صلّی اللہ علیہ وسلّم فلمقام احدھم ساعۃ خیر من عمل احد کم عمرہٗ۔ (ابن ابی شیبہ) حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اصحاب کو برا نہ کہنا کیونکہ اُن کا گھڑی بھر بھی آپ کے ساتھ رہنا، تمہارے عمر بھر کے اعمال صالحہ سے کہیں بہتر ہے۔" اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی

مرفوع حدیث ہے جس میں آپ فرماتے ہیں :۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تسبوا اصحابی فوالذی نفسی بیدہ لو ان احدکم انفق مثل احد ذهبا ما ادرک مد احدهم ولا نصیفه (ابن ابی شیبہ، بخاری، مسلم، ابو داؤد، ترمذی) حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا زینہار میرے اصحاب کو برا نہ کہنا کیونکہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر تم میں کا کوئی شخص اُحد برابر سونا بھی خرچ کر ڈالے تو ان کے ایک مُدّ (نام پیمانہ) بلکہ نصف مُدّ کو بھی پہنچ سکتا۔" اس مضمون کی اور بھی روایات ہیں جن سے صاف ظاہر ہے کہ غیر صحابی کسی صحابی کے درجے کو نہیں پا سکتا۔ لہٰذا اصحابِ کرام کی شان میں برائی کے ساتھ لب کشائی سخت سوء ادبی ہے۔ یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ اس آیۃ کے یہ کے آخر پر ارشاد ہوا :۔ وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ۔ "اب تم جو کچھ کرتے ہو، اللہ سبحانہ اس سے بخوبی باخبر ہے۔" یعنی خلاف ورزی کی سزا بھگتنی پڑے گی۔ اللہ اکبر

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗ
اَجْرٌ کَرِیْمٌ۔ "کون ہے ایسا کہ قرض دیوے اللہ کو اچھی طرح، پھر وہ اس کو 57-11
دو نا کر دے اس کے واسطے اور اس کو ملے ثواب عزت کا۔"

قرضِ حسن کی تفسیر | اللہ سبحانہ کو قرض دینے کے معنی یہ ہیں :۔

اعطآء العین علی وجہ یطلب بدلہ ۔موجودہ شئی کو راہ خدا میں اس طرح دینا کہ اُس جیسی چیز کی واپسی مطلوب ہو۔" اور" قرض حسن" کے معنی یہ ہیں: الاعطآ للہ وتحری اکرم المال وافضل الجھات۔ اللہ واسطے دینا' اور بہترین مال' اور بہترین سبب خیر دیکھ کر دینا۔" بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ" قرض حسن" وہ ہے جس میں یہ دس صفات پائے جائیں:۔

(۱) یہ کہ وہ کسب حلال سے حاصل کیا ہوا ہو کیونکہ اللہ سبحانہ کے ہاں حلال کی کمائی ہی مقبول ہے۔

(۲) نفیس ترین شئی جو موجود ہو اوس کو راہ خدا میں دیا جائے۔ نہ کہ خسیس اور ردی چیز دی جائے۔

(۳) ایسی حالت میں دیا جائے کہ خود کو اوس کی ضرورت ہو۔ انسان تندرست ہو جینے کی امید اور محتاجی کا اندیشہ لگا ہو۔

(۴) اللہ کے محتاج تر بندے کو دیا جائے۔ جو استحقاق واولویت رکھتا ہو۔

(۵) پھر یہ عطا پوشیدہ طور پر ہو۔ داہنے ہاتھ سے دے تو بائیں جانب والے کو اس کی خبر نہ ہو۔

(۶) دے کر احسان نہ جتائے۔ اور ستایا نہ کرے کہ اس سے ثواب جاتا رہتا ہے۔

(۷) دینے سے صرف خدا وند تعالیٰ شانہ کی خوشنودی مقصود ہو۔ نام آوری وغیرہ مطلوب نہ ہو۔

(۸) جتنا بھی دے اُس کو حقیر سمجھے۔ اپنی داد و دہش کتنی ہی زیادہ ہو اوس کو زیادہ تصور نہ کرے۔

(۹) اپنی پسندیدہ چیز دے۔ نہ یہ کہ جو چیز خود کے پسند نہ ہو اُسکی خیرات کرے۔

(۱۰) ایسی صورت اختیار کرے جس میں لینے والے کی سہولت اور خوشی ہو۔ مثلاً یہ کہ اُس کے گھر تک پہنچا دے۔

بہرحال اللہ سبحانہ کو قرض دینے کا مطلب یہ ہے کہ کسی کا کوئی عمل رائگاں نہ جائے گا۔ جو کام بھی کیا جائے اوس کی جزا ملیگی۔ جب صورت حال یہ ہے تو یہ بھی ایک طرح کا قرض ہی ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ قرض کے ساتھ حسن کی قید لگائی گئی کہ نیک کام بامید ثواب کریں۔ اگر کوئی برا کام کرے گا تو وہ بُرا قرض ہو گا۔ اس کی جزا بھی بُری ملیگی۔ کذا فی کشف الاسرار۔

حضرت شاہ صاحب کی رائے | حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی فرماتے ہیں:-

قرض کے معنی یہ کہ اس وقت جہاد میں خرچ کرو پھر تم ہی دولتیں برتو گے (اور آخرت میں بڑے مرتبے پاؤ گے) یہی معنی ہیں دونے کے۔ ورنہ مالک ہیں اور غلام ہیں کچھ دیا ج نہیں ہیں۔

جو دیا سو اُس کا۔ جو نہ دیا سو اُس کا۔"

آقا اور غلام میں سود بیاج نہیں فقیر عرض کرتا ہے یہ اشارہ ہے اُس مسئلہ کی طرف جو ہدایہ وغیرہ کتب فقہیہ میں مذکور ہے:۔ لاربا بین العبد والمولی یعنی غلام اور اس کے آقا میں اگر سودی معاملہ ہو تو وہ ربا نہیں۔ مثلاً آقا نے اپنے غلام کو تجارت کرنے کی اجازت دی۔ اور دوران تجارت میں غلام کو قرض کی ضرورت پڑی۔ غلام نے اپنے آقا سے قرضہ حاصل کیا اس شرط پر کہ فی صدی اس قدر سود بھی اصل کے ساتھ ادا کرے گا۔ یہ صورت بظاہر ربا کی سی معلوم ہوتی ہے مگر حقیقت میں یہ ربا نہیں۔ اس لئے کہ غلام کے قبضے میں جس قدر مالِ تجارت ہے اور تجارت سے جو کچھ مال حاصل ہوتا ہے وہ آقا کی ملک ہے۔ اگر غلام قرض کے سلسلہ میں حسب وعدہ آقا کو سود بھرے تو اصل مع سود سب کچھ آقا کی ملک ہے لہٰذا یہ نہ ربا ہوگا اور نہ آقا کے لئے اُس کا لینا اور غلام کے لیے ہر کا دینا ناجائز ہوگا۔

ابوالدحداحؓ کی منقبت عکرمہؒ کہتے ہیں جب یہ آیات نازل ہوئیں تو ابوالدحداح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا:۔ واللہ لا نفقن الیوم نفقۃ ادرك بها من قبلی ولا یسبقنی بها احد بعدی فقال اللهم كلّ شیئ یملكه ابوالدحداح فانّ نصفه للّٰه حتی بلغ فرد نعله ثمّ قال وهذا۔

(عبدبن حمید؛ ابن المنذر) خدا کی قسم میں آج اتنا خرچ کروں گا جس کی بدولت میں اپنے پیش رووں سے مل جاؤں گا اور میرے بعد کوئی مجھ سے سبقت نہ کرسکے گا۔ یہ کہہ کر باری تعالیٰ سے عرض کیا الٰہی! ابوالدحداح جس جس چیز کا مالک ہے اوس کا نصف اللہ کے لیے ہے۔ یہاں تک کہ جوتی کی باری آئی تو فرمایا اور یہ بھی "یعنی ایک جوتی بھی راہ خدا میں تصدق ہے۔ دیگر روایات میں ہے کہ جب گھر آئے تو اپنی بی بی سے یہ واقعہ ذکر کیا:۔ انی بایعت ربی۔ میں نے اپنے پروردگار سے یہ معاملہ کیا ہے" بی بی نے کہا:۔ ربح بیعك۔ آپ کا معاملہ سودمند رہا" اس کی اطلاع حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہوئی تو ارشاد ہوا:۔ کم من نخلة مدلاة عذوقها فی الجنة لابی الدحداح۔ جنت میں ابوالدحداح کے کتنے درخت خرما ہیں جن کے خوشے آویزاں ہیں"

عارف رومیؒ فرماتے ہیں :۔

ہر کسے از ہمت والائے خویش سود بردہ در خور کالائے خویش

57-12 يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۗ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۚ جس دن آپ دیکھیں ایمان والے

(۱۲)(۳)

مردوں کو اور ایمان والی عورتوں کو دوڑتی ہوئی چلتی ہے ان کی روشنی اُن کے
آگے اور ان کے داہنے' خوشخبری ہے تم کو آج کے دن' باغ ہیں بہتی ہیں جن کے نیچے نہریں
سدا رہو اُن میں یہ جو ہے' یہی ہے بڑی مراد ملنی "

یسعیٰ نورہم کی تفسیر تری میں جو خطاب ہے ہو سکتا ہے کہ خطاب عام مراد لیا جائے کہ ہر کوئی دیکھتا ہوگا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خطاب خاص مراد لیا جائے یعنی سید المخاطبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مشاہدہ فرماتے ہوں گے کہ قیامت میں جب حساب وکتاب' سوال وجواب' اور فیصلہ ثواب' عذاب' صادر ہوگا تو لوگ پل (صراط) پر سے گزر کر جنت میں جا رہے ہوں گے اس وقت ایمان دار مردوں اور ایمان دار عورتوں کے سامنے اور داہنے روشنی دوڑتی ہوئی چلتی ہوگی۔ نور ایمان آگے آگے اور نور طاعت داہنے سے ہوگا۔ کیونکہ اچھے کام عموماً داہنے ہاتھ سے کئے جاتے ہیں۔ نیکوکاروں کا شمار اصحاب الیمین میں کیا گیا ہے جن کا تفصیلی بیان سورۂ واقعہ میں گزرا۔ نیک لوگوں کو نامۂ اعمال بھی سامنے سے لا کر داہنے ہاتھ میں ہی دیا جائے گا اور جنت کی راہ بھی داہنی سمت سے ہوگی۔ اور اہل ایمان اسی سمت سے جنت کی طرف روانہ ہوں گے۔ ان اعتبارات سے یَسْعٰی نُوْرُھُمْ بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَبِاَیْمَانِھِمْ کا ارشاد' سورۂ واقعہ کی واضح تفسیر

اور کھلی تصویر ہے۔

ملائکہ کرام کا خیر مقدم ملائکہ کرام جو اہل ایمان کا استقبال کرنے پر مامور ہوں گے وہ قدم قدم پر بشارت دیتے ہوئے خیر مقدم کرتے ہوں گے مبارک ہو کہ آپ کے لئے باغات مہیا کئے گئے ہیں جو نہایت سرسبز و شاداب بار آور ہیں آب پاشی کا نظام مکمل ہے کہ زیر زمین سے نہریں بہتی ہیں اور درختان جنت کی آبیاری کر رہی ہیں۔ ارض جنت کی حقیقت ارض دنیا سے سوا ہے! ایمان والے جب ایک دفعہ اس میں داخل ہوں گے تو اوس کے دلدادہ ہو جائیں گے نہ وہ اوس سے نکلنا چاہیں گے اور نہ کوئی اون کو وہاں سے نکالے گا۔ یہ قیام دوام اور یہ سکون ابدی جو آپ کو حاصل ہو گا ایسی بڑی کامیابی ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی کامیابی متصور نہیں ہو سکتی۔

فوز عظیم کی تفسیر کامیابیاں اہل ایمان کو دار دنیا میں بھی نصیب ہوئی تھیں مگر وہ محدود اور مشروط تھیں۔ محدود اس وجہ سے کہ دنیا کی مدت ہی کتنی اور اس مختصر مدت میں بھی مومن کا دنیا میں قیام کتنا ؟ اور مشروط اس طرح کہ ہر کامیابی چند اوصاف حسنہ اعمال صالحہ اور اخلاق فاضلہ کی بنا پر ملی تھی جب تک وہ اوصاف باقی اعمال جاری اور اخلاق موجود رہے کامیابی سے ہم کنار رہے

اور جہاں یہ رخصت ہوئے کامیابی نے بھی اپنا رخ پھیر لیا۔ اب یہاں دار آخرت میں مومن کے صرف خاتمہ کا اعتبار ہے۔ خاتمہ بخیر تو سب کچھ بخیر۔ نہ اوصاف بدل سکتے ہیں نہ اخلاق۔ رہے اعمال وہ دار دنیا کے ساتھ مختص تھے جو دار تکلیف اور دار العمل تھا۔ یہ دار الجزاء ہے۔ یہاں اُن محدود اور مختصر اعمال کی صرف جزا ملتی رہیگی اور ابدالآباد ملتی رہیگی۔ اب غور کیجئے کہ یہ کامیابی کیسی عظیم الشان کامیابی ہے؟ اللّٰھم اجعلنا من الفائزین۔ آمین۔

نور اعمال صالحہ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں:۔ یؤتون نورھم علی قدر اعمالھم یمرّون علی الصراط منھم من نورہ مثل الجبل ومنھم من نورہ مثل النخلۃ وادناھم نورا من نورہ علی ابھامہ یطفأ مرۃ ویتقد مرۃ۔ (ابن ابی شیبہ، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ، حاکم بروایت صحیحہ) اہل ایمان کو اون کے اعمال صالحہ کے مطابق روشنی دی جائے گی تو وہ پل (صراط) پر سے گزریں گے کسی کی روشنی کوہ عظیم کی طرح ہوگی اور کسی کی درخت خرما کی طرح اون میں سے کم از کم روشنی اُن کی ہوگی جو صرف اون کے انگوٹھوں پر ہوگی، کبھی گل ہوتی اور کبھی روشن ہو جائے گی۔" فقیر عرض کرتا ہے کہ کم سے کم روشنی بھی ایسی ہوگی جیسی فی زمانا

بیاٹری کی ہوتی ہے بٹن دبانے سے گل ہوتی اور بٹن دبانے سے روشن ہو جاتی ہے ضرورت کے مطابق اوس سے بھی کام نکل جاتا ہوگا۔ اتنی روشنی بھی پل صراط پر سے جنت میں جانے کے لئے کافی ہوگی۔ اور جن کے لئے روشنی کے درخت اور پہاڑ روشن ہوں گے اون کا کیا پوچھنا۔ وفی ذلك فلیتنافس المتنافسون

انوار طاعت کا تفاوت قتادہؒ فرماتے ہیں:۔ ذکر لنا ان نبی اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال ان المومنین یوم القیامۃ من یضیئ لہ نورہ لما بین المدینۃ الی عدن ابین الی صنعاء فدون ذلك حتی ان من المؤمنین من لا یضیئ لہ نورہ الا موضع قدمیہ والناس منازل باعمالھم (عبدالرزاق، عبد بن حمید، ابن المنذر) ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن بعض مومنین وہ ہوں گے جن کا نور مدینہ منورہ سے عدن تک ہوگا جس سے صنعاء (پایہ تخت یمن) اور اوس سے آگے کے مقامات دکھائی دیتے ہوں گے۔ تاآں کہ مومنین میں ایسے بھی ہوں گے جن کی روشنی وہیں تک محدود ہوگی جہاں اون کے قدم پڑتے ہوں گے۔ بہرحال اعمال کے لحاظ سے لوگوں کے مدارج ہوں گے۔" فقیر عرض کرتا ہے کہ اصل روشنی ایمان اور عمل صالح کی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں بار بار فرمایا گیا انّ الذین آمنو وعملوا الصالحات
جس کی صراحت مذکورالصدر احادیث شریفہ میں فرمائی گئی ہے۔ دنیا مزرعہ
آخرت بنائی گئی ہے تو وقت ہے کہ ہم اپنے ایمان اور عمل صالح کے ذریعہ اپنی
نورانیت کو تازہ رکھیں اور تا امکان ترقی دیتے جائیں۔ ایمان وعمل لازم
و ملزوم ہیں۔ ایمان گلدستہ ہے تو عمل روشنی۔ بعض گلدستے بھی اتنے صاف
وشفاف ہوتے ہیں کہ تاریکی میں چراغ کی طرح جگمگاتے رہتے ہیں پھر وہ
روشن ہوں تو نورٌ علی نور کا مصداق ہے۔ سورۂ نور میں آیۂ کریمہ اللّٰہ
نور السموات والارض کی تفسیر حضرت سید الشیوخ علیہ الرحمہ کے دست پاک
وقلم مبارک سے گزر چکی ہے۔ ملاحظہ فرمائی جاسکتی ہے۔

امتہ مرحومہ کی شناخت

حضرت ابوذر غفاریؓ اور حضرت ابوالدرداءؓ فرماتے
ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ انا اوّل من
یؤذن له فی السجود یوم القیامة واوّل من یوذن له ان یرفع
رأسه فانظر بین یدیّ وعن خلفی وعن یمینی وعن شمالی فاعرف
امّتی من بین الامم فقیل یا رسول الله کیف تعرفهم من بین الامم
ما بین نوح الی امّتك قال غرّ محجّلون من اثر الوضوء ولا یکون لاحد

غیرھم واعرفھم انھم یوتون کتبھم بایمانھم واعرفھم بسیماھم فی وجوھھم من اثر السجود واعرفھم بنورھم الذی یسعی بین ایدیھم وعن ایمانھم وعن شمائلھم۔ (ابن ابی حاتم، ابن مردویہ، حاکم بروایت صحیحہ) قیامت کے دن سب سے پہلے سجدہ کرنے کی اجازت مجھے ہوگی اور سر اٹھانے کی اجازت بھی سب سے اول مجھے ملیگی اُس وقت میں اپنے آگے پیچھے داہنے بائیں دیکھوں گا اور تمام امتوں میں سے اپنی امت کو پہچان لوں گا۔ عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ! نوح علیہ السلام کے عہد سے آپ کے عہد مبارک تک بہت ساری امتیں آئی ہیں آپ ان کو کیسے پہچانیں گے؟ ارشاد فرمایا وضو کی برکت سے اون کے چہرے اور ہاتھ پاؤں چمکتے ہوں گے۔ یہ نشانی کسی امت میں نہ ہوگی۔ دوم یہ کہ نامۂ اعمال اون کے داہنے ہاتھ میں ہوگا اس سے پہچان لوں گا۔ سوم یہ کہ سجدہ کرنے اور نماز پڑھنے کی بدولت اُن کی پیشانیاں چمکتی ہوں گی۔ چہارم یہ کہ جو روشنی اون کے سامنے اور داہیں بائیں ہوگی اس سے پہچان جاؤں گا۔“ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ مومن کی بائیں جانب بھی روشنی ہوگی جیسا کہ اس حدیث شریف میں صراحت فرمائی گئی ہے لیکن آیہ کریمہ میں اس کا ذکر اس لئے نہیں فرمایا گیا کہ بائیں جانب کا ذکر تعریف کے موقع پر

کئے جانے کا دستور نہیں ہے۔ واللہ اعلم

اس حدیث شریف میں برادران اسلام کے لئے ایک لمحہ غور و فکر ہے کہ عنداللہ وضو و نماز کی کیا اہمیت ہے خصوصاً اُن بھائیوں کو غور کرنا چاہیئے جو نماز کے پابند نہیں ہیں کہ کیسی اہم اور کارآمد عبادت سے وہ غافل ہیں زیادہ کیا عرض کیا جائے۔

امۃ مرحومہ کی کامیابی کا منظر اس آیہ کریمہ پر مکرر غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ اللہ سبحانہ کو قیامت میں منظور ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو امۃ مرحومہ کی کامیابی آخرت کا منظر دکھایا جائے جبھی تو آیہ کریمہ کا آغاز یوم تری المومنین سے فرمایا گیا ہے۔ خدائے رؤف و رحیم کو اس سے خوشی ہے کہ آخرت میں حضور انور کی امۃ مرحومہ کامیاب فائز المرام رہے اسی لئے یہ سارا اہتمام فرمایا گیا ہے کہ عام طور پر تاریکی چھائی ہوئی ہے اوس میں ایماندار مردوں اور ایماندار عورتوں کا نور ایمان و نور طاعت چمک رہا ہے ملائکہ کرام ہیں کہ گروہ در گروہ آآ کر خوشخبریاں سنا رہے۔ بشارتیں دے رہے ہیں مبارکباد کا بازار گرم ہے اور یہ سہانا دلکش منظر حضرت نبی انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دکھایا جارہا ہے۔ حضور انور فرماتے ہیں کہ میں اپنے امتیوں کو ایک ایک

کرکے پہچانتا جاؤں گا۔ کسی کو اعضائے وضو کی روشنی سے۔ کسی کو داہنے ہاتھ میں نامۂ اعمال دیے جانے سے۔ کسی کو سجدہ گاہ کے نور سے۔ کسی کو اون کے سامنے اور دائیں بائیں جانب کی روشنی سے۔ غور کیجیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسرت کا کیا عالم ہوگا؟ ظاہر ہے کہ جتنے زیادہ امتی کامیاب ہونگے اتنی ہی زیادہ مسرت ہوگی۔ پھر یہ عالم ہوگا کہ ادھر اہل ایمان خوش۔ ادھر ملائکہ کرام شاداں و فرحاں استقبال کرتے ہوئے۔ ادھر حضور انور ایک ایک کو مذکورہ علامات و آثار کے ذریعہ پہچان پہچان کر مسرور ہیں اور سب سے بڑھ کر رب العزۃ جل جلالہٗ و عم نوالہٗ کہ کامیابی دیکھتے بھی ہیں اور اپنے حبیب کو دکھاتے بھی ہیں اللہ اللہ وہ کیا عالم ہوگا؟ سبحان اللہ۔

قوم سے خطاب ان حالات کے مدنظر اگر امتہ مرحومہ کی ایک ایک فرد صرف پابند نماز بھی ہو جائے تو کم از کم دو نشانیاں اون کے ساتھ ہوں گی۔ ایک غُرًّا مُّحَجَّلُوْنَ کہ وضو کی برکت سے اون کے اعضائے وضو درخشاں ہونگے۔ دوسرے سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ۔ کہ اون کی پیشانیاں سجدہ کے آثار سے چمکتی رہیں گی جن سے وہ پہچانے جائیں گے اور عظیم الشان کامیابی کی سمت بڑھائے جائیں گے واللہ الموفق۔

۵۷ (آیات ۱۳ تا ۱۵)

يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا 57-13
نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ؕ
فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ؕ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ 57-14
مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ؕ يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى
وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ
الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝ فَالْيَوْمَ 57-15
لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ ؕ
هِيَ مَوْلٰىكُمْ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝

جس دن کہیں گے دغا باز مرد اور دغا باز عورتیں ایمان والوں کو انتظار
کرو ہمارا کہ ہم بھی روشنی سلگا لیں تمہاری روشنی سے کوئی کہیگا لوٹ جاؤ
پیچھے پھر ڈھونڈھ لو روشنی، پھر کھڑی کر دی جائے گی اُن کے بیچ میں ایک دیوار
جس میں ہوگا دروازہ اُس کے اندر رحمت ہوگی اور باہر کی طرف عذاب ہوگا
یہ اُن کو پکاریں گے کیا ہم نہ تھے تمہارے ساتھ؟ کہیں گے کیوں نہیں لیکن تم نے
بچلا دیا اپنے آپ کو اور تم راہ دیکھتے رہے اور دھوکے میں پڑے اور بہک گئے
اپنی آرزوؤں پر یہاں تک کہ آ پہنچا حکم اللہ کا اور تم کو بہکا دیا اللہ کے نام سے

اُس دغا باز نے ' بس آج تم سے قبول نہ ہوگا فدیہ دینا اور نہ منکروں سے

تم سب کا ٹھکانا دوزخ ہے ' وہی ہے رفیق تمھاری اور بُری جگہ جا پہنچے ''

منافقین کی بدحالی جس دن مومنین مخلصین کی کامیابی کا یہ دل نشیں خوب صورت منظر سامنے ہوگا اس دن منافقین کی جو حالت ہوگی اور ان دغابازوں کی جو گت بنے گی اُس کا بھی کچھ احوال سُن لیجئے۔

سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :— ان اللہ یدعو الناس یوم القیامۃ باسمائھم ستراً منہ علی عبادہ واما عند الصراط فان اللہ یعطی کل مومن نوراً وکل منافق نوراً فاذا استووا علی الصراط سلب اللہ نور المنافقین والمنافقات فقال المنافقون انظرونا نقتبس من نورکم وقال المؤمنون ربنا اتمم لنا نورنا فلا یذکر عند ذلک احد احداً۔ (طبرانی ' ابن مردویہ عن ابن عباس رض)

اللہ سبحانہ تعالیٰ قیامت کے دن لوگوں کو ان کی ماؤں کا نام لے کر خطاب فرمائے گا (یعنی دنیا میں جو طریقہ لوگوں کو بلانے کا رائج ہے کہ وہ باپ کی طرف منسوب کر کے بلاتے ہیں مثلاً یوں کہتے ہیں :— اے فلاں ابن فلاں! قیامت کے دن ایسا خطاب نہ ہوگا بلکہ ہر انسان کو اس کی والدہ کی طرف

منسوب کرکے خطاب کیا جائے گا: — اے فلاں بن فلانہ!) یہ اس لیے کہ بندوں پر اللہ سبحانہ کی ستاری کا پردہ پڑا رہے (میدانِ محشر میں بن باپ کی اولاد رسوا نہ ہو) سبحان اللہ کیا شان ستاری ہے۔ پل (صراط) کے پاس آئیں گے تو (وہاں تاریکی رہیگی) اللہ سبحانہ ہر مومن کو روشنی دیگا۔ اور ہر منافق کو بھی روشنی ملیگی (کیوں کہ یہ روشنی جیسا کہ آیہ سابقہ کی تفسیر میں گزرا ایمان وعمل کی روشنی ہوگی۔ کلمہ ایمان مومن و منافق دونوں پڑھتے تھے اور اعمال صالحہ بھی دونوں فریق بجالاتے تھے۔ البتہ کافر اس سے محروم رہیں گے کیوں کہ ایمان وعمل میں ان کا کوئی حصہ نہ تھا سورۂ مومنون میں ہے: — اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَۃِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰکِبُوْنَ۔ آخرت پر جو ایمان نہیں رکھتے وہ صراط مستقیم سے ہٹے ہوئے ہیں" پل (صراط) پر تو وہی قدم رکھ سکیں گے جنھوں نے دنیا میں صراطِ مستقیم کو اختیار کیا تھا۔ بہرحال کفار کا یہاں گزر نہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہیں سے وہ دوزخ میں ڈھکیل دیے جائیں گے۔ رہے منافقین اگرچہ یہ کافروں سے کم نہیں بلکہ اشد ہیں لیکن دکھانے سنانے کیلئے ہی سہی صراط مستقیم پر گامزن ہوئے تھے اس لئے ابتداءً ان کو بھی روشنی دی جائیگی)

جب منافقین پُل (صراط) پر چڑھ جائیں گے اللہ سبحانہ منافق مردوں اور عورتوں سب کی روشنی سلب فرمالے گا۔ (اس حالت میں ظاہر ہے کہ اہل ایمان اپنی روشنی قائم رہنے کی بدولت آگے نکل جائیں گے اور منافق تاریکی کے باعث پیچھے رہ جائیں گے) اب منافق چیخنا شروع کریں گے۔ یارو! ہمارا انتظار کرو۔ ذرا ہماری راہ دیکھو کہ ہم بھی آپ کی روشنی سے حصہ لیں یا اپنی قندیل سلگالیں۔ اور اہل ایمان یہ دعا کرتے ہوں گے کہ اے ہمارے پالنے والے! ہماری روشنی قائم رکھ ایسا نہ ہو کہ منافقین کی طرح روشنی عین وقت پر سلب ہوجائے۔ بہرحال وہ وقت ہوگا کہ کوئی کسی کو یاد نہ کرے گا۔"

منافقین کے استہزاء کی سزا | حضرت مقاتل رحؒ فرماتے ہیں:—

قالت الملائکة لهم ارجعوا وراءکم فالتمسوا نورا من حیث جئتم هذا من الاستهزاء بهم استهزأوا بالمؤمنین فی الدنیا حین قالوا آمنّا ولیسوا بمؤمنین فضرب بینهم بسور له باب یعنی بالسور حائط بین اهل الجنّة والنار باطنه یعنی باطن السور فیه الرحمة ممّا یلی الجنّة وظاهره من قبله العذاب

یعنی جھنم وھو الحجاب الذی ضرب بین اھل الجنۃ واھل النارؔ
(بیہقی) اس وقت اُن سے فرشتے کہیں گے کہ تم جہاں سے آئے تھے اوسی طرف
پیچھے لوٹ جاؤ (یعنی جہاں نور تقسیم ہوا تھا۔ یا کہ دنیا کی طرف لوٹ جاؤ کہ
یہاں آج نور کے حاصل کرنے کا اصل مقام تو دنیا تھی۔ وہاں جاکر عمل کرو۔)
یہ دراصل اون کے استہزاء کا جواب ہوگا جو منافقین دنیا میں اہل ایمان کے
ساتھ کرتے تھے۔ وہاں وہ آمنّا کہتے مگر ایمان سے اون کو کچھ واسطہ نہ تھا
(جب وہ واپس پلٹ کر مایوس ہوکر دوبارہ وہاں آئیں گے) تو اوس وقت
تک اون کے اور ایمان والوں کے درمیان (اطراف سے) ایک دیوار
کھینچ دی جائے گی جس کا ایک ہی دروازہ ہوگا جس سے اہل ایمان جنت کی
طرف جاتے ہوں گے۔ اوس احاطہ جنت کے اندر رحمت ہی رحمت ہوگی اور
اوس کے باہر عذاب ہی عذاب یعنی دوزخ ہوگی۔ یہ احاطہ اہل جنت اور اہل نار کے
درمیان حجاب ثابت ہوگا۔"

منافقین کی حیات دنیوی پر نظر

یہ حجاب دیکھ کر منافقین اہل ایمان کو
پکار پکار کر کہیں گے یارو! کیا ہم تمھارے ساتھ نہ تھے پھر یہ بے رخی کیسی؟
مومنین جواب دیں گے کیوں نہیں۔ تم تھے تو ہمارے ساتھ لیکن۔ ابن عباسؓ

فرماتے ہیں:۔ ولکنکم فتنتم انفسکم قال بالشہوات واللذات وتربصتم بالتوبۃ وارتبتم ای شککتم فی اللہ وغرتکم الامانی حتی جاء امر اللہ قال الموت وغرکم باللہ الغرور قال الشیطان (بیہقی) تم نے اپنی جانوں کو مصیبت میں ڈالا کہ مدۃ العمر شہوات ولذات نفسانیہ میں گرفتار رہے (آج کے دن کے لیے کچھ نہ کیا) اور توبہ کا انتظار کرتے رہے (کہ اب توبہ کریں گے اور جب) اور اللہ سبحانہ کی ذات پاک میں تم کو شک تھا (یعنے اللہ ہے بھی یا نہیں) اور لمبی لمبی آرزوؤں نے تم کو دھوکے میں رکھا تا آں کہ تم کو موت آگئی۔ اور اللہ کے باب میں یہ سارا دھوکہ اور غابازی شیطان کا تھا۔"

عدل آخرت کا نمونہ قتادہؒ فرماتے ہیں:۔ قالیوم لا یوخذ منکم فدیۃ یعنی من المنافقین ولا من الذین کفروا۔ (عبد بن حمید) سو آج تم منافقین سے کوئی فدیہ (عذاب سے چھڑانے کے لئے) نہیں لیا جائے گا اور نہ ان سے جو منکر ہوئے۔" جہاں حقیقی انصاف ہوتا ہے ایسی عدالت کی یہی شان ہے

فقیر عرض کرتا ہے منافقین زبان سے کلمہ تو پڑھتے لیکن صرف دکھانا سنانا منظور تھا۔ دل سے قائل نہ تھے۔ لہو ولعب اور دنیا کے مزخرفات میں

پڑے ہوئے تھے۔عبادت وریاضت سے دور کا تعلق بھی نہ تھا۔انتظار یہ کرتے
تھے کہ کب حضورؐ اکرم کو شکست ہو گی اور کب مسلمان تباہ ہو جائیں گے۔شک میں تھے
کہ دین اسلام سچا دین ہے یا کیا؟آرزوؤں کا تو ایک سلسلہ تھا کبھی کہتے
سیغفر لنا۔ہم کو بخش دیا جائے گا۔کبھی کہتے بھلا یہ مسلمان فتح یاب ہوتے ہیں
ہم ان کو ایسی شکست دیں گے اور اس طرح مغلوب کر لیں گے۔ایک جنگ سے
واپس آتے ہوئے کہنے لگے۔مسلمان شیخی بگھارتے ہیں۔ذرا مدینہ آنے تو دو
دیکھ لینا ان کو کیسا نکال پھینکیں گے،امداد بند کر دیں گے اور یہ ذلیل ہو کر
خائب و خاسر لوٹیں گے۔یہ سلسلہ تا دم مرگ قائم رہا۔اب کہاں کی توبہ اور کہاں
مغفرت۔بلکہ ان کرتوتوں کے باعث ان کو توبہ کی توفیق کیونکر ہوتی وہ تو
اپنی آرزوؤں کے پھندے میں گرفتار تھے۔جو دراصل شیطان کا پھندا تھا۔اب
یہ منافق کچھ دے دلا کر عذاب سے چھوٹنا چاہتے ہیں مگر نہ ان سے کچھ لینے کے
احکام ہیں اور نہ کافروں سے۔فدیہ کی صورت بھی نہ رہی اب عذاب
دوزخ کے سوا رکھا ہی کیا ہے۔اس طرح تمام منافقین مرد اور عورتیں
دوزخ میں جائیں گے اور وہی ان کا ٹھکانا ہو گا جو نہایت برا ٹھکانا ہو گا۔عذاب
آخرت سے چھوٹنے کے لئے اگر کچھ دینا ہے تو راہ خدا میں ہیں وہی داد و دہش کارآمد ہو گی۔

57-16 ۵۷ (۱۶-۲۷)

اَلَمۡ یَأۡنِ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ تَخۡشَعَ قُلُوۡبُهُمۡ لِذِکۡرِ اللّٰهِ وَمَا
نَزَلَ مِنَ الۡحَقِّ ۙ وَلَا یَکُوۡنُوۡا کَالَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ مِنۡ قَبۡلُ فَطَالَ
عَلَیۡهِمُ الۡاَمَدُ فَقَسَتۡ قُلُوۡبُهُمۡ ؕ وَکَثِیۡرٌ مِّنۡهُمۡ فٰسِقُوۡنَ ۝

کیا وقت نہیں آیا ایمان والوں کو کہ گڑگڑائیں اُن کے دل اللہ کی
یاد سے اور جو اُترا ہے سچا دین، اور نہ ہو دیں اُن جیسے جن کو کتاب ملی تھی
اس سے پہلے پھر دراز گزری اُن پر مدت پھر سخت ہو گئے اُن کے دل اور
بہت اُن میں نافرمان ہیں ۔"

شانِ نزول اعمش ؒ فرماتے ہیں: ـــ لما قدم اصحاب رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم المدینة فاصابوا من
لین العیش ما اصابوا بعد ما کان لھم من الجھد فکانھم
فتروا عن بعض ما کانوا علیه فعوتبوا (ابن المبارک، عبدالرزاق،
ابن المنذر) جب صحابہ ؓ کرام مدینہ آئے اور یہاں اسباب زندگی کی کچھ
سہولتیں حاصل ہوئیں بمقابل اُن مشقتوں کے جو مکی زندگی میں حایل
تھیں تو اون کی ریاضات شاقہ میں کچھ کمی رونما ہوئی تو اس پر
یہ عتاب فرمایا گیا۔"

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: ۔ ان اللہ تعالیٰ استبطأ قلوب المھاجرین فعاتبھم علی رأس ثلاث عشرۃ سنۃ من نزول القرآن ۔ (ابن ابی حاتم، ابن مردویہ) اللہ سبحانہ تعالیٰ کے نزدیک مہاجرینؓ کے اصلاح قلوب میں دیری اندازہ ہوئی تو نزول قرآن کریم سے تیرھواں سال شروع ہونے پر یہ عتاب آیا۔"

حضرت ابن مسعودؓ کی روایت میں جس کی مسلم، ابن ماجہ، نسائی، ابن المنذر، ابن مردویہ نے تخریج کی ہے چار سال کی مدت مذکور ہے۔ بہرحال جو بھی ہو اس آیہ کریمہ میں مسلمانوں کو متنبہ کیا گیا کہ ذکر الٰہی اور قرآن کریم کی تاثیر سے مسلمانوں کے دل نرم پڑنا چاہئے اور اون میں اطاعت و انقیاد کا جذبہ پیدا ہونا چاہئے۔ اور دن بہ دن یہ شوق بڑھتا جانا چاہئے نہ یہ کہ ابتدا میں جو جذبہ اور شوق تھا اوس میں کمی آجائے جیسا کہ ان سے پہلے جن اقوام کو کتاب دیگئی تھی اون کا حال بھی یہ تھا کہ جب تک اللہ کے پیغمبر اُن میں رہے طاعت و انقیاد کا ذوق بڑھا چڑھا رہا۔ جہاں وہ رخصت ہوئے اور کچھ زمانہ گزرا تو اس شوق و ذوق میں کمی آگئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اون کی اکثریت حکم سے باہر ہوگئی زینہار! مسلمان ایسے نہ بنیں۔

حضرت ابن عمرؓ کا تاثر اس آیہ کریمہ سے یہ تھا کہ جب کبھی اس کی تلاوت فرماتے تو زار و قطار روتے اور عرض کرتے بلیٰ یا رب بلیٰ یا رب۔ (ابن المنذر) کیوں نہیں میرے پروردگار! کیوں نہیں میرے رب! (یعنی ذکر الٰہی اور قرآن کریم کی تاثیر سے مسلمانوں کے دل نرم پڑنے کا وقت بے شک آگیا)۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں:۔ اما واللہ لقد استبطأهم وهم يقرأون من القرآن اقل مما تقرأون فانظروا من طول ما قرأتم وما ظهر فيكم من الفسق۔ آگاہ رہو خدا کی قسم ہے کہ صحابہ کرامؓ کے قلوب نرم پڑنے میں تو صرف دیری اندازہ ہوئی درحالیکہ وہ قرآن بہت کم پڑھتے تھے (یا تو اس وجہ سے کہ اون میں پڑھے لکھے کم تھے۔ یا یہ کہ اوائل اسلام میں قرآن کریم ہی کم نازل ہوا تھا) اور تم اون کے مقابلہ میں قرآن کریم بہت پڑھتے ہو پھر دیکھو کہ قرآن پڑھتے رہنے کے باوجود تمہارا فسق بڑھتا جاتا ہے۔" سبب کیا کہ وہ ذکر الٰہی اور تلاوت قرآن کریم خشوع کے ساتھ کرتے تھے اور وہ خشوع تم میں نہیں ہے۔

خشوع کی اہمیت شداد بن اوسؓ فرماتے ہیں:۔ اول ما يرفع من الناس الخشوع۔ (عبد بن حمید، عبدالرزاق، ابن المنذر) سب سے پہلے جو چیز لوگوں کے

دلوں سے جاتی رہے گی وہ خشوع ہے" حالاں کہ خشوع ہی وہ وصف ہے جس کے پیدا ہونے میں تاخیر ہونے پر صحابہ کرامؓ کو بطورِ خاص متوجہ کیا گیا تھا۔ اور اسی وصف کی موجودگی کے موجود ہونے سے مومن اطاعت وانقیاد پر مائل ہوتا ہے۔ گویا اس سے تقویٰ کی راہ کھلتی ہے یہی سبب ہے کہ قرآن کریم میں جا بجا خاشعین کی تعریف فرمائی گئی اور اون کو طرح طرح سراہا گیا۔ جب خشوع ہی نہ رہے تو مومن کے مومن کامل بننے کی کیا توقع ہو سکتی ہے؟

ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں:۔ خرج رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم علی نفر من اصحابہ فی المسجد وھم یضحکون فسحب رداءہ محمرّا وجھہ فقال اتضحکون ولم یأتکم امان من ربّکم بانّہ قد غفر لکم ولقد انزل علیّ فی ضحککم آیۃ اَلَمْ یَأْنِ لِلَّذِیْنَ آمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُھُمْ لِذِکْرِ اللّٰہِ قالوا یا رسول اللّٰہ فما کفّارۃ ذلک قال تبکون قدر ما ضحکتم۔ (ابن مردویہ) رسول اکرم صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب کی ایک جماعت کے پاس مسجد شریف میں برآمد ہوئے تو وہ اوس وقت ہنس رہے تھے۔ چہرۂ مبارک سرخ ہو گیا اور آپ ردائے مبارک کو کھینچتے ہوئے واپس ہونے لگے اور فرمایا تم ہنستے ہو درحالیکہ

اللہ سبحانہ کے پاس سے تمہارے لئے کوئی امان نہیں آیا کہ اوس نے تم سب کو بخش دیا ہے۔ مجھ پر تو تمہاری ہنسی کے بارے میں آیہ الم یأن نازل ہوئی ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! پھر اس کا کفارہ کیا ہے؟ ارشاد مبارک ہوا کہ جس قدر ہنسا ہے اوسی قدر رو لو"۔

حضرت فضیل بن عیاض کی توبہ کا واقعہ

مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ اسی آیہ کریمہ کی بدولت حضرت فضیل بن عیاض اور مالک بن دینار تائب ہوئے۔ کہتے ہیں کہ اوائل عمری میں فضیل بن عیاض کو ڈاکہ زنی سے کام تھا جس سے راہ رو اور مسافر تنگ آ گئے تھے۔ ان کا علاقہ آتا تو خوف کے مارے قافلے ادھر ادھر چھپ جاتے۔ اسی سلسلہ میں ایک حسینہ کے عشق میں گرفتار ہو گئے۔ شب وصال آئی تو دیوار کے پیچھے سے ایک ہاتف غیبی کی آواز سنائی دی جو اس آیہ کریمہ کی تلاوت کر رہا تھا:۔۔۔ الم یان للذین آمنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ۔ کیا ایمان والوں کے لئے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ اون کے دل، اللہ کی یاد سے پسیچ جائیں؟ یہ سنتے ہی آپ بے خود ہو گئے ایسا اثر ہوا کہ جو افعال پیش نظر تھے سب بھول گئے اور بے ساختہ بول اٹھے:۔ بلٰی واللہ قد آن بلٰی واللہ قد آن۔ کیوں نہیں، خدا کی قسم وہ وقت

آچکا۔ کیوں نہیں۔ قسم بخدا وہ وقت بے شک آچکا" اللھم انی تبت الیك وجعلت توبتی الیك جوار بیتك الحرام۔ الٰہی! میں نے اپنے تمام افعال سے توبہ کی اور میری توبہ بس یہی ہے کہ تیرے باعزت گھر پر پڑا رہوں گا" ؎

ترے ہی در پر پڑا رہوں گا پڑے ہی رہنے سے کام ہوگا
کبھی تو قسمت کھلیگی میری کبھی تو میرا سلام ہوگا

بہرحال آپ نے یہاں سے بیت اللہ شریف کی راہ لی۔ راستے میں مسافروں کے قافلے دیکھے کہ فضیل کے خوف سے چھپ رہے ہیں مگر یہ اب وہ فضیل نہ تھے جن سے لوگ ڈرتے تھے۔ ایسی توبۂ صادق کی کہ کبار اولیاء اللہ سے ہوئے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت مالک بن دینار کا واقعہ مالک بن دینار اپنا واقعہ خود یوں بتلاتے ہیں کہ محکمہ پولیس سے میرا تعلق تھا۔ شراب خواری کا دلدادہ۔ ایک حسین باندی خرید کی تھی۔ جس سے ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ اوس کی عمر جیسی جیسی بڑھتی گئی میری محبت بھی اوس سے زیادہ ہوتی رہی جب پاؤں چلنے کے قابل ہوئی اور میں اپنا شغل کرنا چاہتا تو بچی دوڑتی ہوئی آکر جام شراب کو

ٹھوکر لگا دیتی جس سے تمام کپڑے خراب ہو جاتے۔ ابھی وہ دو سال کی تھی کہ اس کا انتقال ہو گیا۔ مجھے اس کا بے حد ملال تھا۔ اتنے میں شب برات آئی تو خواب دیکھا کہ قیامت قائم ہے قبور سے مردے نکل رہے ہیں۔ میں بھی اون میں شامل ہوں اور سیاہ ناگ میرے در پے ہے۔ میں اوس کے خوف سے دوڑتا پھرتا ہوں۔ قصہ مختصر مرحومہ بچی نظر پڑی اوس نے مجھے اپنے پاس بلا لیا اور میری گود میں بیٹھ گئی اور وہ یہی آیہ کریمہ پڑھ رہی ہے:۔ الم یان للذین آمنوا کیا ایمان والوں کے لئے ابھی وہ وقت نہیں آیا؟ اس کے بعد گھبرا کر اٹھا اور توبہ کی اور کاملین سے ہوئے۔ علیہ الرحمۃ والرضوان۔

عزیزانِ من! خواب غفلت سے ہمارے چونکنے کا یہی وقت ہے مبادا کہ اسی حالت میں وقت آخر آپہنچے۔ اُس حالت میں خجالت اور شرمندگی دامنگیر رہیگی۔ اور کوئی ساتھ نہ دے گا۔ لوگ بچوں کی موت پر روتے رہتے ہیں بچوں کے لیے کیا روتے ہیں، وہ تو پاک آئے اور پاک چلے گئے۔ رونا تو اپنا ہے کہ ہم بھی پاک آئے تھے اگر پاک زندگی بسر کرینگے اور گناہوں کی آلائش ساتھ لے کر جائیں گے تو یہ کیسے افسوس کی بات ہوگی کہ پاک آئیں اور ناپاک جائیں۔ اے اللہ ہمارے حال پر رحم فرما، ہمارے

قلوب کو پاک فرما ۔ آمین

اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ قَدْ 57-
بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ○ جان رکھو کہ اللہ زندہ
کرتا ہے زمین کو اُس کے مرجانے کے بعد ہم نے کھول کر بیان کر دیے
تم کو پتے اگر تم کو سمجھ ہے ۔"

احیاء ارض یعنی یہ خیال نہ کرنا کہ پیدا ہونے سے لیکر اب تک اتنی عمر تو گمراہی میں گزری اب آخر عمر میں توبہ کرنے اور راہ راست پر آنے سے کیا ہوگا ۔ ارشاد ہو رہا ہے کہ ایسا خیال بھی ایک وسوسۂ شیطانی ہے ۔ توبہ و انابت کا کوئی وقت اور اوس کی کوئی فصل مقرر نہیں ہے ۔ بہار شباب ہو یا بڑھاپے کی خزاں ۔ رجوع الی اللہ کے لئے کسی چیز کی قید نہیں غفلت اور گمراہی ہر وقت چھوڑنے کے قابل ہے ۔ اللہ سبحانہ کا فضل ڈھونڈنا چاہئے ۔ کیا ہم دیکھتے نہیں ہیں کہ زمین پر ہر سال بہار و خزاں کا دورہ رہتا ہے ۔ خزاں آتی ہے تو درختوں کے پھل پھول ختم بلکہ پتے بھی جھڑ پڑتے ہیں ۔ برہنہ شاخیں نظر آتی رہتی ہیں ۔ درخت نہ ہوا دیتے ہیں اور نہ سایہ ۔ زمین کو دیکھو تو گھانس پات سب کچھ خشک اور صاف ہو کر

ایک چٹیل میدان دکھائی دیتی ہے۔ جہاں تک نظر کام کرتی ہے ھُو کا میدان معلوم ہوتا ہے۔ کہنے والے کہہ دیتے ہیں:۔ اَنّٰی یُحْیٖ ھٰذِہِ اللّٰہُ بَعْدَ مَوْتِھَا۔ اس سرزمین کے اس طرح لق و دق بیابان بن جانے کے بعد اللہ اس کو دوبارہ کب زندہ کرے گا؟ مگر آپ دیکھتے ہیں کہ چند روز گزرنے نہیں پاتے کہ ایک جھونکا بہار کی ہوا کا فضل الٰہی سے چلتا ہے اور ساری مردہ زمین آن کی آن میں پھر سے گلزار جنت کا نمونہ بن جاتی ہے۔

احیاءِ قلوب یہی حال ارض قلب کے احیاء کا ہے۔ دل بھی اللہ سبحانہ کی ایک زمین سمجھو۔ اس پر بھی خزاں و بہار کا دورہ ہوتا رہتا ہے۔ اگر ہم اس دل کو غفلت اور گمراہی میں لگائے رکھیں تو وہ شیطان کے پنجہ میں ہے وہ دشمن ازلی ایسے ایسے خطرات اور مہالک میں ڈال دے گا کہ نجات مشکل نظر آئے گی۔ اور اگر اوس کو توبہ و انابت، ذکر و تلاوت میں مشغول رکھیں تو اوس مردود ازلی کی کیا مجال ہے کہ کبھی پھٹک بھی سکے۔ دعوت دینے والے دراصل خود ہیں۔ خواہ شیطان کو اپنے ہاں بلالیں وہ سر پر سوار ہو جائے یا رحمٰن کی پناہ میں آجائیں، پھر ہر طرح محفوظ و مامون رہیں اب خواب بھی پڑتا ہے تو رحمانی۔ بہرحال توجہ اور خیال ہے میلان جس طرف ہوگا اوسی سمت جائیں گے۔ کسی نے کیا خوب کہا:۔

بخیالے زتو راضی بہ خوابے خوشنود　　　حاصلِ زندگیم خواب و خیالے دارد

جزیرۃ العرب کے ساکنین پر نظر کرو کہ کن گمراہیوں میں پھنسے ہوئے تھے اور کیسے خوابِ غفلت میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ایک رحمانی ہوا چلی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے اور قرآن کریم کا نزول ہونے لگا۔ پھر کیا تھا۔ بچے، بڑے، جوان، بوڑھے، عورت، مرد، غلام اور آزاد و خود مختار سبھی کشاں کشاں آپ کی رأفت و رحمت کے دامن میں پناہ لینے گئے۔ ید خلون فی دین اللہ افواجا کا منظر سامنے تھا۔ فضیل بن عیاض اور مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہما کے واقعات ابھی ابھی گوش گزار کئے گئے ہیں جن کی عمروں کا معتدبہ حصہ ناکردنی کاموں میں گزر چکا تھا۔ مگر جب توبۂ صادق کی تو کیا سے کیا ہو گئے۔ بس یہی ارشاد ہو رہا ہے :۔ جان رکھو کہ اللہ زندہ کرتا ہے زمین کو اس کے مرجانے کے بعد اسی طرح تمھارے مردہ دلوں میں توفیق کی روح پھونک سکتا اور اون کو دوبارہ زندگی بخش سکتا ہے۔ تمھارے عقل و فہم اور احساس رکھنے والے دل، ایک بے جان زمیں سے کمتر تو نہیں ہو سکتے۔ مردہ زمین زندہ ہوتی ہے تو غافل دل کیوں چونک نہیں سکتا۔ اور بھٹکا ہوا مسافر کیوں راہ راست پر نہیں لگ سکتا۔ مایوسی اور ناامیدی کی کوئی وجہ نہیں۔ اگر عقل ہے تو ایسا واضح نشان اور اس سے زیادہ کھلا ہوا بیان اور کیا

ہوسکتا ہے۔ جلد توبہ کریں اور رجوع الی اللہ ہو جائیں اور سعادت دارین حاصل کریں۔ وباللہ التوفیق۔

اِنَّ الْمُصَّدِّقِیْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا 57-18
7-19 یُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِیْمٌ ﴿﴾ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ
رُسُلِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ ﴿ۖ﴾ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ
لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ ؕ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَاۤ
اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ ﴿ع﴾

یقیناً جو خیرات کرنے والے مرد ہیں اور خیرات کرنے والی عورتیں اور قرض دیتے ہیں اللہ کو اچھی طرح اُن کو ملتا ہے دوتا اور اُن کو ثواب ہے عزت کا اور جو لوگ یقین لائے اللہ اور اُس کے سب رسولوں پر وہی ہیں سچے ایمان والے اور لوگوں کا احوال بتانے والے اپنے رب کے پاس اُن کے واسطے ہے اُن کا ثواب اور اُن کی روشنی اور جو لوگ منکر ہوئے اور جھٹلایا ہماری باتوں کو وہ ہیں دوزخ میں جانے والے"

۵۷ (۱۸ تا ۱۹) ع ۲ ۹ ۱۸

مُصَّدِّقِیْنَ کی تفسیر اسی رکوع کے آغاز میں ارشاد ہوا تھا:۔ من ذاالذی یقرض اللہ قرضا حسنا۔ کوئی ہے جو اللہ سبحانہ سے اچھے قرض کا معاملہ کرے" اسی سلسلے میں ارشاد ہو رہا ہے:۔ اِنَّ الْمُصَّدِّقِیْنَ

وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا۔ بے شک وہ مرد اور عورتیں
جنہوں نے راہ خدا میں خیرات کی اور اللہ سبحانہ سے اچھے قرض کا معاملہ کیا
اون کو دونا ملیگا۔ اور اون کے لئے باعزت ثواب ہے۔"

"قرض حسن" کی صراحت اگلی آیتہ کریمہ کی تفسیر میں آچکی ہے۔ دونے سے
مراد صرف ایک کے دو نہیں بلکہ ایک کے عوض دس سے لے کر سات سو بلکہ اس سے
بھی بہت زیادہ ملیں گے۔ یہ اضافہ باعتبار کمیت و مقدار کے ہوگا۔ اور
ولھم اجر کریم۔ نیز اون کے لئے باعزت ثواب ہے" اور یہ باعتبار
کیف کے ہے۔ یعنی قرض حسن دینے والوں کو جو اجر ملیگا وہ کم و کیف ہر اعتبار سے
اوس سے کہیں زیادہ ہوگا جو اونھوں نے دنیا میں دیا تھا۔ اس تصدق میں
زکاۃ فرض اور نفل خیرات دونوں داخل ہیں۔ مبارک ہیں وہ اصحاب جو
دونوں طریقوں سے اس میں حصہ لیتے اور ذخیرۂ خیر آخرت جمع کرتے ہیں اور
بڑی حسرت اون کو ہوگی کہ اللہ سبحانہ کی طرف سے سب کچھ ملنے پر بھی اس میں حصہ نہ لیا
اور اون کا اندوختہ اون کے حق میں وبال جان بن گیا۔ بہرحال یہ آیہ کریمہ
بظاہر کچھ نہ کچھ اپنے پاس رکھنے والوں سے متعلق معلوم ہوتی ہے۔

ناداروں کی تسلی خاطر | رہے تہی دست، جن کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں

یہاں اون کو آرزو دامنگیر ہوتی ہوگی کہ اگر کچھ ہوتا تو وہ بھی سابق الذکر احباب کی طرح راہ خدا میں خرچ کرتے اور اپنے حوصلے پورے کرتے۔ اونکی تسلی خاطر اس طرح فرمائی جا رہی ہے:۔ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ وَالشُّھَدَآءُ عِنْدَ رَبِّھِمْ لَھُمْ اَجْرُھُمْ وَنُوْرُھُمْ ۔ اور جو ایمان لائے اللہ پر اور اوس کے تمام رسولوں پر وہی ہیں سچے ایمان والے، لوگوں کا احوال بتلانے والے اپنے رب کے پاس، اون کے واسطے ہے اون کا ثواب، اور اون کی روشنی۔ یہ دو قسم کے ہو سکتے ہیں۔ ایک وہ کہ جو کچھ میسر ہے وہ اون کو بمشکل کافی ہوتا ہے اگر کسی کو دے نہیں سکتے تو کسی سے مانگتے بھی نہیں۔ دوسرے اتنے نادار کہ مصدّقین اور مصدّقات کی داد و دہش ان تک پہنچتی ہے۔ ان دونوں گروہ کو دلگیر نہ ہونا چاہیئے قیامت ہوگی تو اغنیاء مال و دولت کے حساب کتاب میں رہیں گے حساب صاف بھی ہوگا تو اوس سے فارغ ہونے تک حسب مراتب دو ہزار برس لگ جائیں گے۔ اور فقراء اس حساب و کتاب سے بے نیاز ہونے کی بدولت کبھی کے جنت میں، خداوند تعالیٰ شانہ کے حضور میں بیٹھے ہوں گے۔ داد و دہش کرنے والوں سے ایک گروہ کو تو سابقہ ہی نتھا دوسرا

گروہ اون کا چرچا سنتا تھا۔ یہ دونوں اُن اغنیا کے احوال بتاتے اُن کی تصدیق کرتے ہوں گے اور ان کی تصدیق و شہادت پر ہی اغنیا کی نجات ہوگی۔ یہ ہے مرتبۂ صدیقیت اور شہداء کا ایک نمونہ کہ اغنیاء اون کی تصدیق اور شہادت پر بخشے جا رہے ہیں اور اون کو المضاعف اجر اور باعزت ثواب مل رہا ہے تو خود تصدیق کرنے والوں اور شہادت دینے والوں (صدیقین اور شہداء) کی کیا شان ہوگی؟ اس کا اندازہ کر لیجئے۔ ان فقراء کے پاس کیا تھا؟ ایمان اور فقر۔ فقر کا اجر مل رہا ہے اور ایمان کا نور۔ بس اسی میں اُن کا بیڑا پار ہو رہا ہے۔ آج اغنیاء تک ان کے محتاج ہیں لیکن یہ اپنے رب کریم کے سوا کسی کے محتاج نہیں: ؎

طمع فاتحہ از خلق نداریم نیاز عشق من از پس من فاتحہ خوانم باقی است

حدیث ابوہریرہ رضؓ کہتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دن فرمانے لگے: ـــ کُلّکم صدیق و شہید۔ تم سب کے سب صدیقین اور شہداء ہیں۔" لوگوں نے کہا: ـــ ما تقول یا اباھریرۃ۔ ابوہریرہ رضؓ! آپ یہ کیا فرما رہے ہیں؟ تو آپ نے یہ آیۃ کریمہ تلاوت فرمائی: ـــ والذین آمنوا باللہ ورسلہ اولئک ھم الصدیقون

والشهداء عند ربهم۔ (ابن ابی حاتم) جن لوگوں کو اللہ اور اوس کے رسولوں پر یقین کامل ہے وہی اپنے پروردگار کے ہاں صدیقین اور شہداء ہیں"۔ مجاہدؒ عمرو بن میمون اور ضحاکؒ وغیرہم سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

ابوالدرداءؓ کی حدیث مرفوع

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

من فرّ بدینه من ارض الی ارض مخافة الفتنة علی نفسه ودینه کتب عند الله صدیقاً فاذا مات قبضه الله شهیدا وتلا هذه الآیة .... ثم قال والفارّون بدینهم من ارض الی ارض یوم القیامة مع عیسی بن مریم فی درجته فی الجنة۔

(ابن مردویہ)۔ جو شخص اپنے دین کو لئے ہوئے ایک سرزمین سے دوسری سرزمین کی طرف بھاگے اس اندیشے سے کہ اس کی جان اور دین کو کوئی آفت نہ پہنچ جائے۔ اللہ سبحانہ کے پاس اوس کا نام صدیقین میں لکھا جاتا ہے اور جب وہ مرتا ہے تو اوس کی روح شہیدوں میں قبض کی جاتی ہے پھر اس کی تائید میں آپ نے یہ آیۃ کریمہ تلاوت فرمائی :۔ والذین آمنوا بالله ورسله پھر فرمایا جو لوگ اپنے دین کو ایک سرزمین سے دوسری سرزمیں کی طرف

لے بھاگتے ہیں وہ قیامت کے دن حضرت عیسیٰ بن مریم علیٰ نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کے ساتھ جنت میں اون کے ہم درجہ رہیں گے۔"

حدیث ابوہریرہؓ کا مطلب حضرت ابوہریرہؓ کی روایت جو اوپر گزری اوس کا مطلب بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ جن احباب میں آپ نے وہ تقریر فرمائی تھی وہ جماعت مہاجرین ہوگی جو محض حفاظت دین اور جان کی خاطر اپنے وطن مالوف کو خیر باد کہا ہوگا۔ یا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مسلمان کو اپنا دین اتنا عزیز ہو کہ اوس کی حفاظت کی خاطر اوس کو اپنے وطن، گھر بار، عزیز و اقارب تعلقات اور کاروبار معیشت وغیرہ کسی کی پرواہ نہ ہو۔ دین کی خاطر ان سب کو چھوڑنے پر آمادہ ہو۔ اگرچہ چھوڑنے کی نوبت نہ آئے۔ اس کی تائید میں روایات ذیل ہیں جن میں ترک وطن کا ذکر نہیں ہے:۔

حدیث براءؓ و ابن مسعودؓ حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ میں نے سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا:۔ مؤمنوا امتی شہداء ثم تلا والذین آمنوا باللہ ورسلہ۔ (ابن جریر) میری امت کے مومنین سب کے سب شہداء ہیں۔ پھر اس کے ثبوت میں آپ نے آیۂ کریمہ والذین آمنو باللہ ورسلہ تلاوت فرمائی۔" اسی طرح

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ـ ان الرجل لیموت علی فراشہ وھو شھید ثم تلا والذین آمنوا باللہ ورسلہ (ابن المنذر) ایک شخص اپنے بستر ہی پر مرتا ہے درحالیکہ وہ شہید شمار کیا جاتا ہے پھر آپ نے وہی آیہ کریمہ تلاوت فرمائی۔ یعنی وہ حقیقۃً شہید نہ ہو تو بھی اوس کو درجۂ شہادت دیا جاتا ہے۔ یا یہ کہ وہ دوسروں کا احوال بتاتا ہوگا۔ واللہ اعلم۔

حدیث عمرو بن میمونؓ حضرت عمرو بن میمون جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ـ جاء رجل للنبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ أرأیت ان شھدت ان لا الہ الا اللہ وانّک رسول اللہ وصلّیت الصلوات الخمس وادّیت الزکاۃ وصمت رمضان وقمتہ فممّن انا قال من الصدّیقین والشھداء (ابن حبان) ایک شخص نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر ہوکر عرض کیا: ـ یا رسول اللہ! اگر میں اللہ سبحانہ کی توحید اور آپ کی رسالت کی شہادت دوں، اور پانچوں نمازیں پڑھا کروں، زکاۃ ادا کرتا رہوں، اور رمضان بھر روزے رکھا کروں اور قیام اللیل کیا کروں تو

فرمائیے کہ میرا شمار کن لوگوں میں ہوگا؟ تو حضورِ انور نے ارشاد فرمایا کہ صدیقین اور شہداء میں"

عرض فقیر اس آیہ کریمہ اور احادیث شریفہ سابق الذکر میں مومنین کو "صدیقین و شہداء" فرمایا گیا ہے جو مومن کے لئے صفت کمال ہے۔ اور ایسی صفت کا اقتضا یہ ہے کہ ایمان بھی کامل ہو۔ معنی یہ ہوئے کہ مومنین کاملین کا شمار حق سبحانہ تعالیٰ کے پاس صدیقین و شہداء میں ہے۔ جیسا کہ تقریر بالا اور حضرت ابو الدرداءؓ کی حدیث سے معلوم ہوا۔ نہ کہ عام مومنین جو لذات اور شہوات میں منہمک اور طاعات و عبادات سے تک دور ہیں۔ حضرت سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:۔ مالکم اذا رأیتم الرجل یخرق اعراض الناس ان لا تعیبوا علیہ قالوا نخاف لسانہ قال ذلک احری ان لا تکونوا شہداء۔ تمھیں کیا ہوگیا کہ کسی کو دیکھتے ہو کہ لوگوں کی آبرو کو بٹہ لگا رہا ہے تو تم اوس کی گرفت نہیں کرتے؟ تو لوگوں نے کہا کہ ہم اوس کی زبان درازی سے ڈرتے ہیں (کہیں ہم کو لتھاڑنا نہ شروع کرے) تو فرمایا پھر اس صورت میں تم شہداء کی صفت سے موصوف نہ ہوسکو گے"۔ مطلب یہ کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر مومن کا فریضہ ہے اسی سے اوس کو شہداء اللہ کے زمرہ میں جگہ دیجاتی ہے اگر اسی کو ترک کر دیا تو

کس مُنہ سے شہداء اللہ کہلاؤ گے؟ حدیث شریف میں یہ بھی آیا ہے :۔
اللعانون لایکونون شھداء لعنت کو پیشہ بنا لینے والے شہداء اللہ میں شمار نہیں ہو سکتے۔"
ضحاکؒ فرماتے ہیں :۔ یہ آیہ کریمہ ان آٹھ سابقین الی الاسلام کی شان میں نازل ہوئی جو سب سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے تھے :۔ سیدنا علی، صدیق اکبر، فاروق اعظم، عثمان غنی، حضرت حمزہ و طلحہ و زبیر و سعد و زید رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔" یعنی یہ حضرات گرامی تو صدیقین و شہداء مسلمہ طور پر ہیں۔ آیندہ لوگ ان کے نقش قدم پر چل کر اپنے آپ کو اوس زمرہ میں شامل کرنے کی سعی کر سکتے ہیں کہ صدیقیت اور شہادت کا دروازہ قیامت تک کھلا ہوا ہے۔
یہ تو مومنین صالحین کے احوال تھے۔ اب منکرین اور مکذبین کا حال بھی سن لیجیے۔
ارشاد ہے :۔ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ۔ اور جن لوگوں نے انکار کیا اور ہماری قدرت کی نشانیوں کو جھٹلاتے رہے وہ دوزخ میں جانے والے ہیں۔" ظاہر ہے کہ یہ گروہ پہلے گروہ کی ضد ہے اور ان کا حال، اگلے لوگوں کے احوال کے بالکل برعکس۔ وہ خدا اور رسول کا اقرار کرنے والے مومنین تھے۔ یہ انکار کرنے والے کفار ہیں۔ وہ شہادت دینے والے

مصدقین تھے اور یہ اوس سے گریز کرنے والے مکذبین، تو ان کے نتائج اخروی
میں بھی وہی فرق نمایاں رہیگا جیسا کہ حیات دنیا میں تھا۔ اون کو اپنے اعمال
صالحہ کا اجر ملا اور ایمان کی روشنی حاصل ہوئی۔ اور یہ بدکاری میں مبتلا
اندھیری میں ٹھوکریں کھانے والے، وہ جنت میں قرب الٰہی حاصل کرنے والے،
اور یہ اوس کی رحمت سے دور، دوزخ میں پڑے ہوں گے۔ اللھم احفظنا آمین۔

اس تمہید کے بعد کس دلکش انداز میں خطاب فرمایا جا رہا ہے اوس کو
گوش حق نیوش سے سننا چاہیے:—

57-20 اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ
بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ۭ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ
نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا ۭ وَفِي
الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ۭ
وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝ جان رکھو کہ دنیا کی زندگانی
یہی ہے کھیل اور تماشا اور آرائش، اور بڑائیاں کرنی آپس میں اور بہتات
ڈھونڈنی مال کی اور اولاد کی، جیسے حال ہے مینہ کا کہ پیدا آیا کھیتی کرنے
والوں کو اوس کا سبزہ، پھر زور پر آتا ہے، پھر تو دیکھے زرد ہو گیا، پھر ہو جاتا ہے

روندا ہوا گھانس، اور آخرت میں سخت عذاب ہے اور معافی بھی اللہ سے

اور رضامندی، اور دنیا کی زندگی تو یہی ہے پونجی دغا کی "

"لعب" کی تفسیر | مومنین اور مکذبین، ہر دو فریق کی حیات اخروی کے احوال بیان کرنیکے بعد، اس حیات دنیا کا حال بیان ہو رہا ہے اور اوس کی حقیقت، اہل دنیا پر واضح فرمائی جا رہی ہے۔ ارشاد ہو رہا ہے کہ یقین جانو! یہ ابتدائی زندگی جو اخروی زندگی سے بیشتر تم کو دی گئی ہے اس کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ وہ کھیل ہے یعنی عمل باطل، جس میں انسان اپنے آپ کو مشقت میں ڈال کر تھکا لیتا ہے اور باوجود اس کے اوس کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ یہ تو ہوا لعب ایسے کام صرف نادان بچے کیا کرتے ہیں۔ مگر موجودہ حالات پر نظر ڈالئے تو معلوم ہوگا کہ سارا زمانہ کھیل کود میں لگا ہوا ہے۔ کتنے ایسے کھیل ہیں جو روزانہ کھیلے جاتے ہیں۔ بچے، جوان، بوڑھے، عورت، مرد سبھی اس میں شریک ہیں۔

موجودہ مدارس پر ایک نظر | مدارس میں خصوصاً کھیل و ناچ و رنگ کی تعلیم دینے کے لئے سینکڑوں افراد مامور ہیں۔ اور روپیہ ہے کہ بے دریغ اس پر خرچ ہو رہا ہے۔ روپیہ تو رہا ایک طرف، شریف گھرانے کی لڑکیاں، مدرسے کی طالبات بن کر ان کھیل کود، ڈراموں میں حصہ لے کر اپنی اور اپنے خاندان کی عزت و

ناموس کو بٹہ لگا رہی ہیں۔ بے حیائی کا یہ عالم ہے کہ ان ناچنے گانے والی، اور ناٹک کرنے والی لڑکیوں کے ماں باپ خود سامنے رہ کر ان حیا سوز مناظر کو دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہے ہیں۔ مبارک باد دینے والے عیش پرستوں سے کلمات تحسین سن کر باغ باغ ہیں کہ اون کی نو رِ نظر نے اسٹیج پر آ کر خوب تھرکا۔ خوب ناچا گایا۔ اپنی جوانی و عریانی کے ایسے دل فریب مناظر پیش کئے کہ ڈومنیوں اور طوائف کو بھی نیچا دکھایا۔ آہ ثم آہ۔ سچ ہے۔ ان اللہ لا یغیّر ما بقوم حتی یغیّروا ما بانفسھم۔ ؎

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

"لھو" کی تفسیر دوسرا درجہ "لھو" کا ہے۔ یعنی اہم کام کو چھوڑ کر غیر اہم کام میں لگے رہنا۔ مومن کی نظر تو ہر کام میں آخرت پر لگی رہنی چاہیئے کہ دنیا کا بھی جو کام کرے اوس میں آخرت کا پہلو پیش نظر ہو۔ اسی وجہ سے حدیث شریف میں آیا کہ مومن کے جملہ لہویات، لغو اور باطل ہیں سوائے تین چیزوں کے:۔
(۱) گھوڑ دوڑ اور مسابقت (۲) نشانہ اندازی اور (۳) اپنی بی بی کے ساتھ میل ملاپ کی باتیں۔ اگرچہ یہ بھی ایک حیثیت سے لہویات ہیں مگر اس میں افادیت کا پہلو بھی ہے کہ

اول الذکر دو کام تو جہاد فی سبیل اللہ میں کار آمد ہیں۔ امر آخر بھی اولاد صالح کی
جستجو ہے جو سب سے زیادہ مفید اور کار آمد ہے۔ مگر موجودہ حالات کا مشاہدہ
کیجئے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کو گویا آخرت سے کچھ کام ہی نہیں ہے۔
لہویات ولغویات اس درجہ بڑھ گئے ہیں کہ خدا کی پناہ۔ ؎

بازیچہ ایست طفل فریب ایں متاع دہر   بے عقل مرداں کہ بدو مبتلا شوند

"زینۃ" کی تفسیر تیسرا درجہ "زینت" جو صنف نازک کے ساتھ مخصوص ہے
مگر جس کو دیکھئے زیبائش و آرائش میں لگا ہوا ہے۔ فیشن کی پابندی اس کے
سوا ہے۔ روزانہ اصلاح بنوانا۔ بلالحاظ اس کے کہ وہ حدود شرع شریف کے
اندر بھی ہے یا نہیں؛ دن میں کئی بار کنگھی کرنا۔ ان دنوں تو یہ حال ہے کہ
کنگھی جیب میں رکھی رہتی ہے جب خیال آیا اوس کا استعمال کیا گیا (حالاں کہ
سنت تو یہ ہے کہ ایک دن آڑھ کنگھی کیا کریں۔ البتہ ایسا اہتمام مسواک کا
ہونا چاہئے تھا مگر مسواک تو شاید گھر میں بھی موجود نہ ہو)۔ روزانہ سر میں تیل
ڈالنا، صابن سے دن میں کئی دفعہ منہ دھونا۔ جوتے کی پالش، بے ضرورت
عینک کا استعمال، ریشمی کمر بند، ٹخنہ سے نیچے پاجامہ پہننا۔ (حالاں کہ حدیث
شریف میں اس پر وعید آئی ہے کہ اتنا حصہ دوزخ میں ہوگا۔ اور ایسے شخص کی طرف

اللہ سبحانہ تعالیٰ کی نظر رحمت نہ ہوگی) بے ضرورت انگوٹھیاں ہیں خوبصورت سے خوب صورت بٹن ہیں، بے ضرورت نازک گھڑیاں ہاتھ پر بندھی جارہی ہیں، پاؤڈر لگایا جارہا ہے۔ کہاں تک اسباب آرائش و زیبائش کا شمار کیا جائے پان، سگریٹ، چائے و ہوٹل، سینما پر کتنا روپیہ صرف ہورہا ہے اس کا اندازہ کیجئے۔ ایک طرف فضولیات کی یہ افراط، اور دوسری جانب مستحقین کی محرومی ایسے لوگ دنیا کی نظر میں خود کو بن سنوار کر پیش کرنا چاہتے ہیں مگر یہ یاد رکھیں کہ دنیا اون کا ساتھ نہ دیگی اور نہ آپ عمر بھر اس وضع داری کو قائم رکھ سکیں گے اگر قائم رکھا بھی تو کچھ فائدہ نہ پہنچیگا۔ ؎

جہاں اے پسر ملک جاوید نیست   ز دنیا وفادار امید نیست

"تفاخر" کی تفسیر چوتھا درجہ تفاخر بینکم کا ہے کہ اپنے ہی ابنائے جنس پر خود فخر جتانا، اور خود کو دوسروں سے بڑھا چڑھا کر بتانا۔ خواہ یہ تفاخر نسب یا خاندان کی بنا پر ہو۔ یا مال و دولت، عہدہ و حکومت کی بنیاد پر، یا کسی فن یا ہنر اور پیشہ وغیرہ کے اعتبار سے کہ یہ تمام امور ذات انسان سے خارج ہیں، ایسی بیرونی چیزوں پر فخر و مباہات دانشمندی کے خلاف ہے۔ انسان کی فضیلت، علم و ادب، اخلاق فاضلہ، تقوی، دینداری، خدا ترسی کی

بناپر ہے جو انسان کے اندرونی اوصاف ہیں۔ ظاہر ہے کہ جن میں یہ اوصاف ہوں گے اون سے تواضع و انکسار پیدا ہوگا اور عند اللہ و عند الناس اعتبار بڑھے گا نہ کہ تفاخر و استکبار یا غرور و انانیت ان اوصاف سے پیدا ہوں گے جن کا نتیجہ ذلت و خواری کے سوا اور کچھ نہیں۔ اگر کوئی کمال دنیوی یا اخروی حاصل ہے تو اللہ سبحانہ کا شکر ادا کریں۔ اور اپنے بنی نوع کو اوس کی تعلیم دیں۔ یہ نہیں کہ اپنے ہی جیسے لوگوں پر بڑائی جتائی جائے۔ سعدیؒ فرماتے ہیں۔ ؎

مرا پیر دانائے فرخ شہاب		دو اندرز فرمود بر روئے آب
یکے آں کہ بر خویش خود بیں مباش		دوم آں کہ بر غیر بدبیں مباش

فخر و غرور، کبر و نخوت، اعجاب نفس و خود پسندی اور اس کے مقابل دوسروں کی تنقیص، تحقیر، بلکہ تذلیل، یہ نہایت مذموم صفات ہیں جن کی قرآن کریم اور احادیث شریفہ میں مذمت وارد ہوئی ہے مومن کے لئے سزاوار نہیں۔

"تکاثر" کی تفسیر پانچواں اور چھٹا درجہ تکاثر فی الاموال والاولاد کا ہے کہ مال و اولاد نہ ہو تو دنیا دار رات دن کے چوبیس گھنٹے مال اور اولاد کی فکر میں گزار دیتا ہے۔ اگر حاصل ہے تو اون کی کثرت کا طلبگار بنا رہتا ہے اگر کثرت و فراوانی بھی نصیب ہوگئی تو دوسروں پر فخر

جتانے لگتا ہے۔ یہ نہیں جانتا کہ یہی اموال اور اولاد کبھی انسان کے لئے مصیبت بن جاتی ہے۔ دولت کے حصول اور اولاد کی خاطر وہ اپنی جان پر کیا کیا آفتیں مول لیتا ہے۔ جائز و ناجائز حلال و حرام کی تمیز تک نہیں کرنے پاتا۔ اس اُدھیڑ بن میں وہ کیسے کیسے شرمناک جرائم میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ آخر کار یہی مال و دولت اوس کے لئے وبال جان بن جاتی ہے اور یہی اولاد اوس کی دشمن جانی ثابت ہوتی ہے۔ کیا انسان نہیں جانتا انّما اموالکم واولادکم فتنہ۔ تمہارے اموال اور تمہاری اولاد کٹھن آزمائش و امتحان کا سبب ہے۔" اور انّ من ازواجکم واولادکم عدوّالکم۔ تمہاری بعض بی بیاں اور تمہاری بعض اولاد ہی تمہاری دشمن ہے۔" یہ ہے حیات دنیا جس میں دنیادار لگے رہتے اور آخرت سے غافل ہو جاتے ہیں۔ بی بی اور بچوں کا یہ حال ہے تو دوسروں سے کیا توقع؟ اگر یہ تفاخر اور تکاثر اہل اللہ کے مقابلہ میں ہو تو نہایت شرمناک اور حد درجہ ضرر رساں معاذاللہ

حضرت مولائے کائنات کی نصیحت حضرت مولائے کائنات نے عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے فرمایا: لا تحزن علی الدنیا فانّ الدنیا ستّة اشیاءٍ مطعوم ومشروب وملبوس ومشموم

ومرکوب ومنکوح، فاکبر طعامها العسل وھو ریقۃ ذبابۃ، واکبر
شرابھا الماء ویستوی فیہ جمیع الحیوان، واکبر الملبوس الدیباج
وھو نسج دودۃ، واکبر المشموم المسك وھو دم ظبیۃ، واکبر مرکوب الفرس
وعلیھا یقتل الرجال، واکبر المنکوح النساء وھو مبال فی مبال،
(عمار!) دنیا ہاتھ نہ آنے پر غم نہ کھاؤ کہ دنیا کا خلاصہ یہ قدرتی چھے چیزیں ہیں
کھانا، پینا، پہننا، سونگھنا، سواری، اور جوڑا۔ بڑے سے بڑا کھانا، شہد ہے
وہ مکھی کا لعاب دہن ہے۔ اور بڑی سے بڑی پینے کی چیز پانی ہے جس میں تمام
جانور بھی تمھارے ساتھ شریک ہیں۔ بہتر سے بہتر لباس، ریشم ہے ایک کیڑے کا
فضلہ، سونگھنے کی بہترین چیز، مشک ہے، وہ ہرن کا غلیظ خون، اور بہترین سواری
گھوڑا ہے۔ اسی پر لوگ قتل کئے جاتے ہیں۔ اور بہترین جوڑا عورت ہے جس کے
لطف کا خلاصہ یہ کہ پیشاب کی دونالیوں کا سنگم ۔"

دنیا حدیث نبوی کی روشنی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا
مالی وللدنیا، انما مثلی ومثل الدنیا کمثل راکب قام فی ظل شجرۃ فی
یوم صائف ثم راح وترکھا۔ مجھے دنیا سے کیا تعلق؟ میری اور دنیا کی مثال
اوس مسافر سوار کی سی ہے جو گرما کی سخت دھوپ میں آکر کسی درخت کے سایہ میں

ٹھہر گیا۔ پھر (تمازت کم ہوئی تو) اوس کو چھوڑکر روانہ ہوگیا"۔ سبحان اللہ! کیا ہی اچھی مثال ہے کہ انسان جو دنیا میں آیا ہے اوس کا تعلق اگر دنیا سے ہے تو بس اسی قدر ہے۔ اگر کوئی شخص مسافر خانے ہی کو اپنا وطن تصور کرکے اوس کی تعمیر و تزئین و آرائش و زیبائش میں لگا رہے تو یقیناً اپنے مقصد سفر کو فراموش کر دیا ہے۔ اور اس حالت میں جب وہ وطن کو واپس ہوگا تو ظاہر ہے کہ خالی ہاتھ ہوگا۔

جہاں اے برادر نماند بہ کس　　دل اندر جہاں آفریں بند و بس

دنیا قرآن کریم کی روشنی میں قرآن کریم کی تعلیمات بھی یہی ہیں کہ انسان پیدا ہوا تو وہ بالکل نادان تھا۔ بڑا ہوا چلنے پھرنے لگا کھیل کود میں مشغول ہوا۔ روزانہ اس میں خود کو تھکاتا رہا لیکن بے نتیجہ۔ کچھ اور بڑا ہوا تو اہم کام چھوڑکر معمولی کاروبار میں تضیع اوقات کرتا رہا۔ جوان ہوا تو اچھا کھانے اور اچھا پہننے کی دھن رہی۔ فیشن پرستی اور زیب و زینت میں لگ گیا۔ اور ذرا بڑھا تو دولت کمائی نکاح کیا صاحب اولاد ہوا۔ اب ایک دوسرے پر فخر جتاتا اور شیخی بگھارتا رہا۔ عقل پختہ ہوئی تو مال و دولت کی خواہش اور بی بی بچوں کے لئے رکھ چھوڑنے کی فکر دامنگیر ہوئی۔ بس ان ہی افکار میں الجھا ہوا رہ کر یہاں سے رخصت ہوگیا اور سارا جتن جوں کا توں رہ گیا۔

دنیا بزرگانِ دین کی نظر میں بزرگانِ دین اسی لئے فرماتے ہیں :—
لعب کلعب الصبیان، وزینۃ کزینۃ النسوان، وتفاخر کتفاخر الاقران، وتکاثر کتکاثر الدھقان۔ بچوں کا سا کھیل، عورتوں کی سی زینت، ساتھیوں کا سا تفاخر اور کسانوں کی سی حرص "۔ ذرا سوچو کہ عقلمند انسان کے لئے یہ کہاں تک زیبا ہے۔ کیا اسی کا نام دانائی ہے۔ کیونکہ مومن کی صفت حدیث شریف میں یوں بیان ہوئی ہے :— المومن کیّس مومن صاحب کیاست ہوتا ہے " کیاست کیا ہے؟ من دان نفسہ وعمل لما بعد الموت۔ جو اپنے نفس کو ذلیل کرے اور وہ کام کرے جو بعد مرنے کام آئے"

حیاتِ دنیا کی مثال کَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا۔ (اس حیات دنیا کی مثال) برسات کی سی ہے (کہ پانی برستا ہے اور بارش ہوتی ہے تو) کسانوں کو اوسکی سرسبزی پسند آئی (دیکھ دیکھ کر خوش ہونے لگے) پھر وہ کاشت زور پر آئی۔ پھر دیکھتے ہو کہ زرد پڑگئی پھر خشک ہوکر روندے ہوئے گھانس کی طرح ہوجاتی ہے "۔ یعنی ریزہ ریزہ، پارہ پارہ ہوجاتی ہے۔ یہ حال کھیتی کا ہوا جو انسان کی حیاتِ دنیا سے پوری طرح مشابہت رکھتا ہے۔

حیات دنیا کا انجام	وَفِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيدٌ وَّمَغْفِرَةٌ

مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ؕ اور آخرت میں (دو حال سے خالی نہیں۔ اگر دنیا کی لذتوں اور خواہشات میں الجھ کر حیات آخرت سے غافل رہے یا آخرت کے سرے سے منکر رہے تو ایسے افراد ظاہر ہے کہ) سخت عذاب میں گرفتار ہونگے (اور آخرت کے انکار کی صورت میں تو اس عذاب شدید سے چھٹکارا نک نہ ملیگا اور اگر انسان حیات آخرت کی تصدیق کرنے والا تھا اور با ایں ہمہ لذات و خواہشات میں منہمک رہا تو خواہ بقدر انہماک و غفلت سزا پاکر) منجانب اللہ بخش دیا جائیگا (یا وہ انسان یہاں یاد الٰہی اور طاعت الٰہی میں لگا رہا تو اوس کی نہ صرف مغفرت ہوگی بلکہ اوس کو رضائے الٰہی بھی حاصل ہوگی۔ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔ اللہ سبحانہ اُن سے راضی اور وہ اللہ سبحانہ سے خوشنود۔ حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں: صار الناس الٰی هٰذین الحرفین فی الاٰخرۃ۔ (عبد بن حمید ابن المنذر) لوگ آخرت میں ان دو قسموں میں بٹ جائیں گے۔"

حیات دنیا ایک دھوکہ	وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ

اور نہیں ہے دنیا کی زندگی مگر دغا باز کا فریب۔" یعنی دنیا اور اوس کا

اسباب تو یہیں جوں کا توں دھرا رہا کچھ بھی ساتھ نہ آیا۔ آخرت میں جس کا اعتبار ہے وہ انسان کا صرف ایمان اور عمل ہے، اگر ایمان وعمل ساتھ نہیں ہے تو عذاب شدید اور اگر دولت ایمان وعمل میسر ہے تو مغفرت و رضوان۔ جس کی جزاء ہاں ملیگی۔ اور یہ لہو لعب، زینت و تفاخر اور تکاثر اموال و اولاد سب کچھ ایک فریب اور دھوکہ ثابت ہوا اسی لئے انسان کو ضرور ہے کہ یہاں چوکس رہے۔ غفلت میں نہ گزارے۔

حیات دنیا کے دو پہلو سعیدؒ بن جبیر فرماتے ہیں :۔ الدنیامتاع الغرور ان الهتك عن طلب الآخرة فاما اذا دعتك الى طلب رضوان الله تعالى و طلب الآخرة فنعم المتاع و نعم الوسيلة ۔ (روح المعانی) دنیا دھوکہ کی ٹٹی ہے جب کہ وہ تم کو آخرت کی طلب سے غافل کر دے۔ اور اگر وہ تم کو اللہ سبحانہ تعالیٰ کی خوشنودی اور طلب آخرت کی دعوت دے رہی ہو تو دنیا بہترین سرمایہ اور آخرت کے حصول کا بہترین ذریعہ ہے۔" **فقیر عرض کرتا ہے**۔ قرآن کریم میں حیات دنیا کو متاع الغرور جو ٹھہرایا گیا ہے وہ اکثر اور اغلب کے اعتبار سے ہے کہ اکثر لوگ اس کے حصول کے پیچھے پڑ کر آخرت سے غافل ہو رہے ہیں۔ اس لئے وہ ان کے حق میں دھوکہ کی ٹٹی ہے۔ رہے وہ

نفوس قدسیہ جو دنیا میں رہتے بستے ہوئے آخرت کو ہاتھ سے نہیں دیتے تو ان کے حق میں بقول ابن جبیرؒ بہترین سرمایہ اور بہترین ذریعہ ہے اسی وجہ سے الدنیا مزرعۃ الآخرۃ فرمایا گیا۔ مگر ایسے لوگ دنیا میں کتنے ہیں ؟ —

سَابِقُوٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ 57-21
السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۭ ذٰلِكَ
فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝

دوڑو اپنے رب کی معافی کی طرف کو اور بہشت کو جس کا پھیلاؤ ہے جیا پھیلاؤ آسمان اور زمین کا تیار رکھی ہے واسطے اُن کے جو یقین لائے اللہ پر اور اُس کے رسولوں پر یہ فضل اللہ کا ہے دیوے اُس کو جس کو چاہے اور اللہ کا فضل بڑا ہے "

حیات دنیا کے دو راستے اوپر کی آیتہ کریمہ میں ارشاد ہوا تھا :—

وفی الآخرۃ عذاب شدید ومغفرۃ من اللہ ورضوان ۔ اس حیات دنیا کے ختم ہونے کے بعد میدان آخرت کے دو راستے ہیں ۔ یا تو عذاب شدید کی راہ ' یا اللہ سبحانہ کی بخشش اور اوس کی خوشنودی کی " ہر ایک کا راستہ جداگانہ ہے ۔ دنیا کی زندگی میں انسان جو راستہ اختیار کرے گا نتیجۃً اوس

(۲۱ حدید ۵۸)

ٹھکانے پر پہنچیگا۔ عذابِ شدید کا جو مقام ہوگا وہ نہایت تنگ و تاریک آفات و مصائب سے بھرا ہوا اور گھرا ہوا۔ اسی سے دور رکھنے کے لئے اللہ سبحانے نے انبیاء علیہم السلام کو بھیجا۔ کتابیں نازل کیں۔ لہذا مومن کا کام یہ ہے کہ وہ دنیا میں ایسے کام نہ کرے جن کے باعث اوس کو آخرت میں مبتلائے عذاب ہونا پڑے۔ اس لئے ارشاد ہو رہا ہے کہ تم اپنے پروردگار کی بخشش اور اوسکی خوشنودی کی راہ اختیار کرو۔ عذاب شدید کا مقام تنگ و تاریک اور مصائب و آلام سے پُر ہوگا تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ مغفرت و رضوان کا میدان نہایت پُرفضا بہت وسیع اور نورانی ہوگا۔

سابقوا کی تفسیر چونکہ یہ میدان نہایت وسیع ہے اور دنیا کی زندگی بہت ہی تھوڑی۔ چنانچہ حضور انور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔ اکثر اعمار امتی بین الستین والسبعین۔ میرے امتیوں کی اکثر عمریں ساٹھ اور ستر (سال) کے درمیان ہونگی "۔ خود حضور انور، شیخین، نیرین اور مولائے کائنات، علیہ و علیہم افضل التحیات واتم التسلیمات کی اعمار شریفہ تریسٹھ سال ہی تھیں تو معلوم ہوا کہ امتہ مرحومہ کے افراد کو عموماً یہاں زیادہ ٹھہرنا نہیں ہے اس لئے حکم ہو رہا ہے سابقوا۔ دوڑو اور ایک دوسرے سے گوئے سبقت لیجانے کی کوشش کرو کہ اس تھوڑے سے وقت میں بڑا وسیع میدان طے کرنا ہے۔

اور یہ مہم وقت ضائع کرنے اور تساہل و تغافل سے نہیں بلکہ احتیاط کے ساتھ تیز گام ہو کر ہی طے کرنا ہوگا۔ اسی میدان مغفرت و رضواں میں جنت بھی ہے جس کی وسعت کا حال یہ ہے :—

عرض جنت کی تفسیر وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ۔

اور (سبقت کرو) جنت کی طرف اس کا عرض اتنا ہے جتنا تمام آسمانوں اور زمین کا عرض ہے۔ یعنی اگر سات طبق آسمان اور سات طبق زمین کو پھیلا کر جوڑ دیا جائے تو ان کے مجموعہ کا جس قدر پھیلاؤ ہوگا جنت کے صرف عرض کا پھیلاؤ اتنا ہے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جنت کا طول کتنا ہوگا؟ کیونکہ عموماً ہر چیز کا عرض اوس کے طول کے مقابلہ میں کم ہوتا ہے۔

عرض فقیر فقیر عرض کرتا ہے کہ جنت کی حقیقی وسعت کیا بیان کی جا سکتی ہے اور اگر بیان بھی کی جاتی تو اوس کو کون سمجھ سکتا۔ انسان کسی چیز کو اسی حد تک سمجھتا ہے جتنا اوس کا علم ہے اور علم انسانی محدود ہے۔ اللہ سبحانہ نے فرمایا:۔ وما اوتیتم من العلم الا قلیلاً "تم کو بہت ہی تھوڑا سا علم دیا گیا ہے" جنت کی وسعت و گنجایش سمجھ میں آنے کے لئے یہ ایک تمثیل دی گئی ہے کہ آسمان و زمین کی وسعت سے انسان فی الجملہ واقف ہے۔ ورنہ حقیقت میں جنت کی

وسعت کتنی ہے اوس کا علم اللہ سبحانہ تعالیٰ ہی کو حاصل ہے۔

استحقاق جنت | اُعِدَّتْ لِلَّذِیْنَ آمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ۔ وہ (جنت) مہیا کی گئی ہے اُن کے لئے جنھوں نے یقین کیا اللہ کا اور اُس کے پیغمبروں کا۔ یہاں دو چیزیں قابل توجہ ہیں۔ ایک یہ کہ جنت پیدا ہو چکی ہے اور وہ اب وقت بھی موجود ہے اور عرصہ سے موجود ہے جس کا اندازہ مشکل ہے اہل سنۃ والجماعۃ کا عقیدہ یہی ہے۔ اگرچہ معتزلہ اس کے قائل ہیں کہ جنت قیامت کے بعد پیدا ہوگی حالانکہ اُعِدَّتْ ماضی مجہول کا صیغہ ہے۔ مطلب یہ کہ پیدا ہو چکی ہے۔ دوسری چیز یہ ہے کہ نفس ایمان سے انسان کو جنت کا استحقاق حاصل ہو جاتا ہے اگرچہ اوس کا عمل کچھ بھی ہو کیوں کہ یہاں عمل کی قید نہیں لگائی گئی اور نفس ایمان ہی کا بیان فرمایا گیا ہے۔ البتہ یہ امر قابل تسلیم ہے کہ عمل سے ایمان کامل حاصل ہوتا ہے' اوس کی روحانیت اور نورانیت عمل سے بڑھتی جاتی ہے اور جنت کے درجات عمل کی مناسبت کے لحاظ سے ملینگے۔

فضل اللہ کی تفسیر | ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ۔ یہ سب کچھ محض اللہ سبحانہ کا فضل ہے وہ جس کو چاہتا ہے اوس سے سرفراز فرماتا ہے۔ اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے۔"

اس میں اس امر کی جانب اشارہ ہے کہ جو ذات' فضل عظیم کی مالک ہے اوسکی عطائیں عظیم ہی ہوگی۔ دیگر یہ کہ انسان کا جنت میں جانا' محض فضل الٰہی سے ہے۔ انسان کی سعی و عمل سے نہیں۔ **فقیر** عرض کرتا ہے کہ انسان کی جو بھی سعی ہوگی یا انسان جو بھی عمل کرے گا وہ جوارح یعنی اعضائے ظاہرہ ہاتھ' پاؤں' آنکھ' کان' ناک' زبان کا ہوگا۔ یا دل و دماغ' قوت متخیلہ' تفکر وغیرہ کے ذریعہ ہوگا اور یہ سب کچھ اللہ سبحانہ کے عطایائے عظیمہ ہیں جو انسان کو اوس کے کسی عمل کے بغیر دیے گئے ہیں اور اُس وقت دیے گئے جب کہ وہ پیدا ہوا تھا اور کسی عمل و سعی کے قابل نہ تھا۔ لہذا یہ عطایا' محض افضال الٰہی ٹھہرے۔ اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ ایمان و اعمال صالحہ کی بنا پر وہ جنت میں جا رہا ہے تو ایمان و اعمال صالحہ چونکہ ان ہی اعضا و جوارح کے ذریعہ انجام پائے تھے اور یہ اعضا و جوارح محض فضل الٰہی سے ہم کو ملے تھے تو نتیجہ یہی نکلا کہ دخول جنت' محض فضل الٰہی سے ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ انسان محض اللہ سبحانہ کے فضل و کرم سے جنت میں جاتا ہے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! کیا حضورؐ بھی۔ تو آپ نے فرمایا ہاں میں بھی

محض اللہ سبحانہ کے فضل وکرم ہی سے جنت میں جاؤں گا: ؎

چو روئے بخدمت نہی برزمیں — خدارا ثنا گوئے وخود را مبیں
امیدے کہ دارم بہ فضل خداست — کہ برسعی خود تکیہ کردن خطاست
ہمیں اعتمادم بہ یاری حق — امیدم بہ آمرزگاری حق

22 مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا
فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝
23 لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰي مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ۭ وَاللّٰهُ
24 لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِ ۝ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ
النَّاسَ بِالْبُخْلِ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝

کوئی آفت نہیں پڑتی ملک میں اور نہ تمہاری جانوں میں جو لکھی نہ ہو ایک کتاب میں پہلے اس سے کہ پیدا کریں ہم اُس کو دنیا میں، بے شک یہ اللہ پر آسان ہے، تاکہ تم غم نہ کھایا کرو اُس پر جو ہاتھ نہ آیا، اور نہ شیخی کیا کرو اُس پر جو تم کو اُس نے دیا اور اللہ کو خوش نہیں آتا کوئی اترانیوالا بڑائی مارنے والا، وہ جو کہ آپ نہ دیویں اور سکھلائیں لوگوں کو بھی نہ دینا اور جو کوئی منہ موڑے تو اللہ آپ ہے بے پروا سب خوبیوں کیساتھ موصوف۔

مصیبۃ کی تفسیر | ہر پہنچنے والی چیز کو "مصیبۃ" کہتے ہیں وہ خیر ہو یا شر
مصیبت کے یہ معنی از روئے لغت ہیں اور عرف عام میں کوئی مکروہ اور ناپسند
چیز جو کسی کو پہنچتی ہے اوس کو مصیبت کہا جاتا ہے۔ یہاں دونوں معنی بن سکتے
ہیں لیکن اکثر مفسرین نے معنی ثانی مراد لئے ہیں اس لئے ہم نے اوس کا ترجمہ
"آفت" کیا ہے۔

آفت دو طرح کی ہے۔ ایک آفت عامّہ جو تمام روئے زمین یا اوس کے
کسی خاص خطہ میں سب پر آئی ہو۔ اوس کا تعلق کسی شخص خاص، یا طبقہ اور
گروہ سے نہ ہو۔ مثلاً قحط، سیلاب، آندھی، زلزلہ وغیرہ جس سے جمادات
نباتات، حیوانات، انسان سبھی متاثر ہوتے ہیں۔ دوسری آفت خاصّہ
جو کسی شخص خاص، یا طبقہ اور گروہ پر آئی ہو۔ مثلاً بیماری یا دشمن کا حملہ وغیرہ
کہ اس کا اثر کسی خاص شخص یا طبقہ پر ہوتا ہے۔ حیوانات نباتات جمادات پر
اوس کا اثر نہیں۔ یا ٹڈی دل کا حملہ صرف کھیتیوں پر ہوتا ہے دوسرے
انواع پر اس کا کوئی اثر بالذات نہیں۔

ارشاد باری ہو رہا ہے کہ جو آفت عامہ یا خاصہ آتی ہے پیشتر ہی سے
اوس کا حال اور پوری روداد اللہ سبحانہ کے ہاں ایک کتاب میں درج ہے۔

اور علم الٰہی کے ہر چیز پر محیط ہونے کے باعث، ایسا لکھ رکھنا اللہ سبحانہ کے لئے بہت سہل ہے اس میں ہمارے لئے یہ سبق ہے کہ ہماری مطلوبہ شئی اگر ہم کو نہ مل سکی تو ہم اوس کا غم نہ کھائیں اور اگر وہ میسر آگئی تو اوس پر اترائے اور فخر و غرور کرنے کا بھی کوئی محل نہیں اس لئے کہ جو صورت بھی نمودار ہوئی وہ علم الٰہی کے مطابق اور اوس کے نوشتہ کے موافق ہے۔ جب ازل میں اس کا فیصلہ ہو چکا تھا تو اوس کے بموجب واقعات وقوع میں آنا لازمی امر ہے۔ ایسی حالت میں انسان کے لئے راہ عمل یہ ہے کہ کسی چیز کے نہ ملنے پر صبر کرے اور ملنے پر شکر کرے یہی صبر و شکر انسان کے لئے مفید ہے۔ ہائے وائے کرنا، واویلا مچانا، یا کسی چیز پر اترانا اور فخر و غرور کرنا دانش مندی سے بعید ہے۔ حدیث ابن عباسؓ میں اس کی تفسیر یوں ہے :-

رنج و راحت میں مومن کا وظیفہ

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں :-

لیس احد الّا وھو یحزن ویفرح ولکن ان اصابته مصیبة جعلها صبرا وان اصابه خیر جعله شکرا (ابن ابی شیبہ، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر، حاکم بروایت صحیحہ، بیہقی) ہر کوئی غمگین اور خوش ہوا کرتا ہے لیکن انسان کو چاہئے کہ اگر اُس پر کوئی مصیبت آجائے تو اوس مصیبت کو صبر کا ذریعہ

بتائے اور اگر کوئی بھلائی پہنچے تو اوس کو وسیلۂ شکر قرار دے " مطلب یہ کہ انسان پر دنیا میں رنج و راحت، مصیبت اور نعمت کا تسلسل رہتا ہی ہے تکلیف آتی ہے تو راحت سلب ہو جاتی ہے۔ بھلائی پہنچتی ہے تو برائی دور ہو جاتی ہے نہ ہمیشہ تکلیف کا سامنا رہتا ہے نہ راحت کا اور عادت انسانی یہ ہے کہ وہ تکلیف سے گھبراتا اور پریشانی کا اظہار کرتا پھرتا ہے۔ اور اگر کوئی بھلائی پہنچی تو اس پر شیخی اور غرور کرتا ہوا اتراتا رہتا ہے۔ یہ دونوں چیزیں مرد مومن کے لئے نازیبا ہیں۔ رنج و راحت توام ہیں۔ ساتھ ساتھ پیدا ہوئے ہیں۔ اللہ سبحانہ نے انسان کو پیدا کرنے سے پیشتر ہی سب کچھ لکھ دیا ہے۔ اوس نوشتۂ تقدیر کے مطابق ہو کر رہے گا۔ نہ جزع فزع ہی کارآمد ہے اور نہ فخر و غرور۔ جب ان دونوں حالات سے گزرنا ہی ہے تو آسان صورت یہی ہے کہ تکلیف میں صبر کرے اور راحت میں شکر کرے۔ اس حالت میں دونوں حالتیں انسان کے لئے مفید ہی ثابت ہونگی۔ اس کے برخلاف جزع فزع اور فخر و غرور سر تا سر نقصان رساں اور پریشان کن ہے۔ اور یہ بالکل کھلی بات ہے انسان غور کرلے۔

یہاں معاشی مصائب مراد ہیں	اسی کے ساتھ حضرت ابن عباس رض نے

یہ بھی فرمایا :— یرید مصائب المعاش ولا یرید مصائب الدین انہ قال لکیلا تاسوا علی ما فاتکم ولا تفرحوا بما اتاکم ولیس عن مصائب الدین امرھم ان یاسوا علی السیئۃ ویفرحوا بالحسنۃ (ابن المنذر) یہاں "مصیبۃ" سے مصائب معاش مراد ہیں (جو انسان کی دنیوی حیات سے متعلق ہیں) مصائب دین مراد نہیں (جن کا تعلق انسان کی حیات اخروی سے ہے) یعنی حیات دنیوی سے تعلق رکھنے والی کوئی چیز چھوٹ جائے اور تمھارے ہاتھ نہ لگے تو اس کا افسوس نہ کیا کرو اور اگر کچھ مل جائے تو اوس پر شادماں و فرحاں بھی نہ ہوا کرو۔ (کیوں کہ دنیا دو روزہ ہے اس کے نہ ملنے پر کیا غم اور اگر مل گئی تو اوس پر خوشی کا کیا موقع کہ یہ غمی و شادی بھی دو روزہ ہی ہے۔ پوری انسانی زندگی سوائے غم و مسرت کی دھوپ و چھاؤں کے اور ہے بھی کیا :—

دریں حدیقہ بہار و خزاں ہم آغوش است
زمانہ جام بدست و جنازہ بردوش است

یہ حکم مصائب دین کا نہیں ہو سکتا۔ اگر کوئی گناہ سرزد ہوا (تو یہ نقصان آخرت کا پیش خیمہ ہے لہذا لوگوں کو) حکم دیا گیا ہے کہ اس کا غم کریں (اور توبہ و استغفار کے ذریعہ اوس کی تلافی کی فکر کریں) اور اگر کوئی نیک کام ہو سکا تو اوس پر

خوش ہوں (کہ یہ اللہ سبحانہ کی توفیق اور اوس کے فضل اور مہربانی سے ہوا)۔

عرض فقیر فقیر عرض کرتا ہے۔ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے :۔ قل بفضل اللہ وبرحمتہ فبذ لک فلیفرحوا ھو خیر مما یجمعون۔ (اے نبی کریم!) آپ فرما دیجئے کہ اللہ سبحانہ کے فضل اور اوس کی مہربانی سے تو ان لوگوں کو خوش ہونا چاہیئے۔ یہ لوگ جس مال و دولت کا اندوختہ کرنا چاہتے ہیں اوس کے مقابلہ میں یہ کارہائے خیر اور اون پر مسرت کا اظہار بدرجہا بہتر ہے۔ حضور انور روحی فداہ کا ارشاد ہے کہ اللہ سبحانہ کسی کو کوئی نعمت دیتا ہے تو اوس کا اثر بندہ پر کچھ تو دکھائی دینا چاہیئے۔ یعنی کھائے کھلائے۔ پہنے پہنائے۔ نادار ونکو دے اور خود بھی کچھ پاس رکھے۔ یہ نہیں کہ جو کچھ ملے اوس کا اندوختہ اور جتن ہی کرتا رہے۔ اور لوگوں کے سامنے اتراتا اور شیخی مارتا پھرا کرے۔

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورِۨ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَمَنْ يَتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ۔ اللہ کو پسند نہیں کوئی اترانے والا بڑائی مارنے والا وہ جو آپ نہ دیویں اور لوگوں کو بھی نہ دینا سکھلائیں اور جو کوئی منہ موڑے تو اللہ آپ ہے بے پرواہ سب خوبیوں کے ساتھ موصوف "

مختال فخور کی تفسیر انسان کی عادت ہے کہ حظوظ دنیوی سے اوس کو کچھ حصہ مل جاتا ہے تو وہ اس پر نازاں و فرحاں ہوکر اللہ کو بھول جاتا ہے بجائے اسکے کہ اللہ کی نعمتوں کا شکر کرے اور مالک کی یاد میں پہلے سے زیادہ لگا رہے یہ خیال کرلیتا ہے کہ دوسرے ابنائے جنس پر اوس کو فضیلت و برتری حاصل ہوگئی۔ اب کوئی اس کا ہمسر نہیں ہوسکتا۔ وہ دوسروں کے سلام کا طالب ہوتا اور اُن سے اپنی تعظیم و تکریم چاہتا ہے، خود کو ایسا سمجھنے لگتا ہے کہ وہ بڑا حاکم اور بادشاہ ہے کسریٰ و قیصر اوس کے حاشیہ بردار ہیں، اتنا دولت مند کہ قارون بھی اوس کے خزانہ کا ایک داروغہ، اور بلقیس اوس کی ایک ادنیٰ دایہ، اور خود اتنا حسین و جمیل کہ چوبیس گھنٹے حضرت یوسفؑ اوسی کو دیکھتے ہوئے محو حیرت ہیں۔ اور وہ ایسا فیلسوف ہے کہ لقمانؑ حکیم بھی اس کے معمولی شاگرد تھے۔ زمین کی یہ سرسبزی اور یہ پیداوار سب کچھ اسی کے لئے ہے اور یہ زمین و آسمان اسی کی خاطر بنائے گئے ہیں۔ مگر اس پر غور کرنے کی کبھی اوس کو توفیق نہیں ہونے پاتی کہ جو عہدہ یا حکومت اس کو اب ملی ہے اس سے پیشتر کسی دوسرے کے پاس تھی وہاں سے منتقل ہوکر یہاں آئی ہے تو یہاں سے بھی منتقل ہوجائے گی ـــ یہ دولت بھی کسی کی ملک تھی۔ اب ہمارے قبضہ میں آئی ہے۔ ایک دن یہاں سے بھی

جانے والی ہے۔ بی بی ہے، بچے ہیں۔ جن کے لئے یہ رات دن دم بھر رہا ہے ایک دن اس سے چھوٹ جائیں گے۔ اور کیا عجب ہے کہ کبھی اسی زندگی میں یہی بی بی بچے اوس کے دشمن ثابت ہوں۔ جیسا کہ سن چکے ہو:۔ انّ من ازواجکم و اولادکم عدوّا لکم فاحذروھم۔ تمھاری بعض بی بیاں اور بچے ہی تمھارے دشمن ہو سکتے ہیں۔ ان سے ڈرتے اور بچتے رہو" یہ بہار حسن چند روزہ ہے۔ بڑھاپا آیا بال پک گئے۔ دانت گر گئے۔ بصارت زائل ہو گئی۔ قدم لڑکھڑا گئے۔ ایک ایک کا سہارا ڈھونڈنے لگے۔ اب ملک عدم کی تیاری ہے۔ ایسی حالت ہے تو یہ غرور، اور یہ تکبر، یہ اترانا اور یہ شیخی جتانا غور کرو کہ عقل و دانش سے کہاں تک مطابقت رکھتا ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

منافقین کا بخل حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو مدینہ میں جن منافقین سے سابقہ تھا بعض ان میں مال دار لوگ تھے۔ جہاد وغیرہ کی صورتیں درپیش ہوتیں تو ایسی ناگزیر ضرورتوں کے لئے توجہ دلائی جاتی مخلص مسلمان تو خوشی خوشی آپ کی اس مالی دعوت پر لبیک کہتے اور مقدور بھر مدد کرتے۔ چنانچہ ایک غزوہ کے موقع پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے چار ہزار دینار کا پیشکش کیا، اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غزوۂ تبوک میں تین سو اونٹ

معہ ساز وسامان و دیگر اخراجات اپنے ذمہ لئے گویا تین سو مجاہدین کے ضروری
مصارف اپنی ذات پر برداشت کئے۔ عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ نے ایک سو وسق
کھجوروں کا تحفہ دیا جن کی قیمت چار ہزار درہم ہوتی تھی۔ منافقین کہنے لگے کہ
یہ لوگ محض دکھانے سنانے کے لئے اتنا زیادہ دے رہے ہیں۔ ایک صحابی
ابوعقیل حبحاب رضی اللہ عنہ نہایت مفلوک الحال نادار تھے۔ دن بھر محنت
مزدوری کرکے دو صاع کھجوریں کما لائیں۔ اون میں سے ایک صاع اپنے
گھر والوں کے لئے رکھ چھوڑا اور ایک صاع خدمت اقدس میں کمال عقیدت و
عجز سے پیش کیا تو منافقین کہنے لگے کہ اس کے ایک صاع سے کیا ہوگا۔ یہ تو ان
لگاکر شہیدوں میں شامل ہونا چاہتا ہے۔ اور خود منافقین باوجود مالدار ہونے کے
کچھ نہ دیتے۔ اقسام کے بہانے بناتے اور جھوٹے عذرات تراشتے۔ بہرحال خود بخل
کرتے اور دوسروں پر اعتراض کرتے۔ نہ دل کھول کر خرچ کرنے والا ان کے الزام سے
چھوٹ سکتا اور نہ فخر و مسکنت کے باوجود کوئی خدا اور رسول کے لئے کچھ دیدیتا تو
ان کے طعنوں سے محفوظ رہتا۔ اس طرح دوسرے خرچ کرنے والوں کی ہمت
پست کرنے کی باتیں کرتے۔ اس لئے ارشاد ہو رہا ہے کہ یہ خود بخیل ہیں اور
دوسروں کو بخل کی تعلیم دیتے ہیں۔ ایسے لوگ اللہ سبحانہ کے نزدیک پسندیدہ

نہیں ہو سکتے۔ ان کو اپنی ایسی حرکات سے باز آنا چاہیے۔ اس پر بھی کوئی نہ مانے تو
اللہ سبحانہ کو ان کی پرواہ نہیں ہے۔ اللہ غنی ہے اوس کا کوئی کام خواہ وہ
کتنا ہی بڑا اور اہم ہو رک نہیں سکتا۔ اللہ سبحانہ اوصاف حمیدہ سے موصوف ہے
وہ زیادہ دینے والوں کو بھی دیکھتا ہے اور معمولی تحفہ لانے والوں کے دلوں سے بھی
واقف ہے۔ نیت کے مطابق ہر ایک کو دے گا۔ دینے والوں کا ایک ایک دانہ
بار آور ہو کر رہے گا۔

57-25 لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ
وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ
شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ
بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۳ع ۱۹ ہم نے بھیجے ہیں اپنے رسول نشانیاں
دے کر اور اُتاری اُن کے ساتھ کتاب اور ترازو، تاکہ لوگ سیدھے رہیں انصاف پر
اور ہم نے اتارا لوہا اس میں سخت لڑائی ہے اور لوگوں کے کام چلتے ہیں اور
تاکہ معلوم کرے اللہ کون مدد کرتا ہے اس کی اور اس کے رسولوں کی بن دیکھے
بے شک اللہ زور آور زبردست ہے۔"

رُسُلَنَا کی تفسیر | مفسرین کرام نے رُسُلَنَا کی دو تفسیریں فرمائی ہیں۔

پ ۲۷ الحدید ۵۷

رُسُل بشر۔ یعنی پیغمبران جو نوع بشر سے مبعوث ہوئے۔ حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام سے شروع ہو کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک۔ یا رُسُل ملائکہ یعنی فرشتے جو خداوند تعالیٰ شانہ کے پیامات اور احکام پیغمبران علیہم الصلاۃ والسلام تک پہنچاتے رہے ہیں۔ مثلاً حضرت جبرئیل و میکائیل علی نبینا وعلیہم الصلاۃ والسلام۔ پہلی تفسیر تو صاف ہے اور یہی قول راجح ہے کہ رُسُل بشر ہی یہاں مراد ہیں۔ دوسری تفسیر اس بنا پر ہے کہ اللہ سبحانہ کے پیام اور احکام جو رُسُل بشر کے پاس آتے رہے ہیں اون میں ملائکہ کرام کا توسط رہا ہے کیوں کہ اس آیہ کریمہ میں اَنزَلنَا مَعَهُم آیا ہے یعنی ہم نے اُن کے ساتھ کتاب اُتاری ہے رسل بشر پر جو کتابیں نازل ہوئی ہیں وہ اُن کے ساتھ نہیں آئیں بلکہ اُن کی بعثت کے بعد آئی ہیں۔ البتہ کتاب پوری ہو یا اُس کا کچھ حصہ اوس کو اللہ سبحانہ کے فرشتے اپنے ساتھ لاکر حضرات انبیا علیہم السلام کو پہنچاتے رہے ہیں۔ گویا کلمۂ مَعَهُم کو حقیقی معنی پر محمول کیا ہے اور اگر رسل بشر مراد لئے جائیں تو معہم بمعنی الیھم ہوگا۔ اور یہ استعمال مجازی ہوگا حقیقی نہیں۔ جب حقیقی معنیٰ درست ہوسکتے ہیں تو مجازی معنی لینے کی ضرورت نہیں۔ یہ تقریر بھی بجائے خود درست ہوسکتی ہے۔ لیکن اسی آیہ کریمہ میں لِيَعلَمَ اللّٰهُ مَن يَّنصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ

بِالْغَیْبِ آیا ہے یعنی تا اللہ سبحانہ معلوم کرے کہ یے دیکھے اللہ سبحانہ اور اوس کے رسولوں کی مدد کون کرتا ہے "یہاں رُسُلَهٗ سے رسل بشر ہی مراد ہوسکتے ہیں کیونکہ رسل بشر ہی کو مدد کی ضرورت ہوتی ہے ۔ رُسُلِ ملائکہ خود مددگار ہوتے ہیں اون کو کسی مدد کی ضرورت نہیں ہوتی ۔ اس لئے رُسُلَنَا سے بھی رُسُلِ بشر مراد لینا اولیٰ وارجح ہے ۔ اس اعتبار سے وانزلنا معهم الکتاب کے معنی یہ ہوں گے کہ رسل بشر کو ہم نے اس حالت میں بھیجا کہ کتاب اون کے ساتھ ہے ۔ وہ کتاب سے جدا نہیں ہوتے ۔ اون کی جملہ ہدایات اسی کتاب پر مبنی ہیں ۔ جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :۔ انی تارك فیکم الثقلین ۔ واللہ اعلم

انبیاء علیہم السلام کی بعثت

بہر حال اللہ سبحانہ نے پیغمبر بھیجے تو یوں ہی نہیں اون کے ساتھ پیغمبری کی نشانیاں تھیں ۔ جیسے کسی عہدہ دار کا کسی جگہ کی خدمت پر تقرر ہوتا ہے تو جریدہ شائع ہوتا ہے ۔ احکام بھیجے جاتے ہیں اون میں رعایا کے نام ہدایات ہوتی ہیں کہ ان کی ایسی خاطر تواضع کی جائے ۔ ایسا احترام واعزاز ملحوظ رکھا جائے ۔ ایسی اطاعت کی جائے ۔ یہ تمام چیزیں اون کے تقرر وتعیناتی کے نشان ہوتے ہیں ۔ اسی طرح پیغمبر علیہم الصلاۃ والسلام تشریف لائے تو پورے اعزاز واحترام کے ساتھ تشریف لائے ۔ ان کے ساتھ بھی پیغمبری کے

نشانات تھے۔ علاوہ اس کے کہ وہ خود ایسے برگزیدہ اوصاف و اخلاق کے مجسمے تھے کہ دوسرے انسان اون کی ہمسری تو کیا کر سکتے اون کا عشر عشیر نمونہ بھی نہیں رکھتے تھے۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ کو ید بیضا اور عصا حضرت عیسیٰؑ کو لا علاج امراض کے دفع کرنے بلکہ مردے کو زندہ کرنے کی قدرت بخشی گئی۔

حضورؐ انور کی بعثت مبارک پھر حضورؐ انور کو رحمۃ للعالمین بنا کر اور بے شمار معجزات دیکر مبعوث فرمایا گیا۔ چونکہ آپ کی نبوت و رسالت کسی زمان و مکان تک محدود نہ تھی۔ اس لئے معجزات بھی ان گنت دئے گئے کہ قیام قیامت تک ظاہر ہوتے رہیں اور اقوام عالم کی نظروں کو خیرہ و مسحور کرتے جائیں۔ وہ اس طرح کہ اولیائے متبعین کی ہر کرامت انبیائے متبوعین کا معجزہ ہے۔ علاوہ شق القمر اور دیگر آیات بینات کے جو اپنے اپنے وقت پر آپ کے دست حق پرست سے ظاہر ہوتے اور شان اعجاز دکھاتے رہے۔ جس کی تفصیل کی یہاں گنجائش کہاں؟ خود قرآن کریم سے بڑھ کر اور کونسا معجزہ ہے جو چودہ سو سال سے دعوت مقابلہ دے رہا ہے اور قیامت تک کے لئے اعلان عام ہے کہ جو کوئی چاہے اس کا جواب لائے یا ایسی کوئی ایک سورت ہی بنا لائے۔ ہرگز نہیں لا سکتا۔

کتاب کیساتھ میزان کا نزول وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ

اور ہم نے کتاب اور ترازو اُتاری درحالیکہ وہ کتاب اور ترازو اون کے ساتھ تھے
ہے" وہ رُسل بشر اُس کتاب اور ترازو سے کبھی جدا نہیں ہوتے۔ یعنی اون کی جملہ
ہدایات کا خلاصہ یہی کتاب اور میزان ہے۔ جیساکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم نے فرمایا۔ انی تارك فیکم الثقلین ما ان تمسکتم بھما لن تضلوا
ولا یفترقان حتی یردا علی الحوض کتاب اللہ وسنتی۔ میں تم میں
دو بھاری چیزیں چھوڑ جاتا ہوں جب تک تم ان کو مضبوطی سے تھامے
رہو گے کبھی راہ راست سے بھٹک نہ سکو گے۔ اور یہ دونوں چیزیں بھی
مجھ سے حوض کوثر پر ملاقات ہونے تک کبھی ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گی
(قرآن کریم) ایک اللہ سبحانہ کی کتاب ہے اور دوسری میری سنت۔" (حدیث شریف)
کتاب اللہ اور حدیث رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یہ دونوں جدا نہیں
ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ ہیں۔ کتاب اللہ متن ہے تو حدیث شریف
اوس کی شرح ہے۔ کتاب اللہ مجمل ہے تو حدیث شریف اوسکی تفصیل و تفسیر۔

اہل بیت کرام کی عظمت شان

اس حدیث شریف کی دوسری روایت
اس طرح ہے کتاب اللہ و عترتی۔ دو بھاری چیزیں جو تم میں چھوڑ جاتا ہوں
وہ کتاب اللہ اور میری عترت طاہرہ ہے" یعنی میری اولاد و اہل بیت

یہ اس طرح کہ کتاب اللہ اگر متن ہے تو اہل بیت اوس کے شارحین ہیں۔ یا یہ کہ کتاب اللہ اگر قول ہے تو میرے اہل بیت اوس کی عملی تصویر و تفسیر۔ بہر حال یہ دونوں بھی ساتھ ساتھ ہیں۔ ایک دوسرے سے جدا نہیں۔ ان شاء اللہ تا قیام قیامت یہی حال رہے گا۔ تا آنکہ وہ مجھسے حوض کوثر پر ملاقات کریں گے۔

المیزان کی تفسیر یہاں المیزان سے مراد یا تو یہی ترازو ہے جس سے اشیاء کا وزن کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ کہتے ہیں:۔ انّ جبریل علیہ الصلاۃ والسلام نزل بالمیزان نفسہ فدفعہ الی نوح علیہ الصلاۃ والسلام وقال مر قومك یزنوا بہ۔ جبریل علیہ السلام یہی ترازو اتار لائے اور حضرت نوح علیہ السلام کو دے کر فرمایا کہ آپ اپنی قوم کو حکم دیں کہ وہ اس سے وزن کیا کریں۔" مطلب یہ کہ خرید و فروخت کے جو معاملات لوگوں میں جاری ہیں یہ حقوق الناس ہیں۔ یا یدداد اور یا یدگرفت دونوں میں عدل پیش نظر رہے۔ انسان جس طرح چاہتا ہے کہ اپنا حق ضائع نہ ہو اسی طرح دوسروں کے حقوق کا بھی خیال رکھے کہ وہ بھی ضائع ہونے نہ پائیں۔ ترازو اوس کا معیار ہے۔ اگر اس سے اشیاء کا لین دین سچے تول کے ساتھ قائم رہے تو حقوق الناس تلف نہ ہوسکیں گے نہ دینے والے کے اور نہ لینے والے کے۔ اس سے امن قائم ہوگا۔ آپس میں محبت بڑھیگی

اور کاروبار میں خیر و برکت ہوگی۔

میزان کے نزول کا مقصد چنانچہ اس کے بعد ہی ارشاد ہے:—

لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۔ تاکہ لوگ عدل پر قائم رہیں "کتب الٰہیہ کا نزول انبیاء علیہم السلام کی بعثت، سلطنتوں کا قیام، شریعتوں کا اجراء قوانین کا نفاذ سب کچھ اسی قیام عدل کے لئے ہے۔ اگر عدل قائم ہے تو سب کچھ ہے ورنہ کچھ نہیں کیونکہ اگر حقوق الناس ہی عدل کے ساتھ ادا نہ ہوں تو حقوق اللہ کی ادائی کی توقع کس طرح کی جا سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم پر اسی ناپ تول میں کمی کرنے کی بنا پر عذاب آیا تھا جس کا واقعہ بار ہا بیان ہو چکا ہے اور ابھی کئی جگہ اس کا بیان آرہا ہے۔

میزان کی دوسری تفسیر المیزان کی دوسری تفسیر وہ ہے جس کی صراحت حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی چنانچہ آپ لکھتے ہیں:—

أتظنّ انّ الميزان المقرون بالكتاب هو ميزان البرّ والشعير والذهب والفضة أم تتوهّم انّه هو الطيار والقبان ما ابعد هذا الحسبان واعظم هذا البهتان فاتّق الله ولا تتعسف في التأويل واعلم يقينا انّ هذا الميزان هو ميزان معرفة الله ومعرفة

ملائکتہ وکتبہ ورسلہ وملکہ وملکوتہ لیتعلم کیفیۃ الوزن بہ من انبیائہ کما تعلّموا من ملائکتہ فاللّٰہ ھوالمعلّم الاوّل والثانی جبرائیل والثالث الرسول والخلق کلّھم یتعلّمون من الرسول مالھم طریق فی المعرفۃ سواہ۔ کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ کتاب اللّٰہ کے ساتھ جو ترازو اتری وہ گیہوں اور جو، سونا اور چاندی تولنے کی ترازو ہے ہیا یہ توہّم رکھتے ہو کہ میزان سے مراد، دینار و درہم تولنے یا ثقیل چیزیں تولنے کی ترازو ہے ایسا خیال، حقیقت سے کیا ہی دور ہے اور یہ کتنا بڑا بہتان ہے خدا سے ڈرو اور ایسی بیجا تاویل نہ کرو۔ یقین جانو کہ یہ معرفت الٰہی کی میزان ہے اور اوس کے فرشتوں کے شناخت کی میزان ہے، اوس کی کتابوں اور رسولوں، ملک اور ملکوت کو پہچاننے کی میزان ہے تا اوس کے نبیوں سے ان چیزوں کے تولنے اور اون کے مراتب پہچاننے کا طریقہ سیکھا جائے جیسا کہ انبیا علیہم السلام کو فرشتوں کے ذریعہ معلوم کرایا گیا۔ کیونکہ معلم اول، حق سبحانہ تعالیٰ ہے۔ دوم حضرت جبرئیل اور سوم رسول و پیغمبر ہیں علیہم الصلاۃ والسلام تمام مخلوقات نے پیغمبروں ہی سے سیکھا۔ اس کے سوا معرفت کی کوئی راہ نہیں۔"

عرض فقیر | فقیر عرض کرتا ہے کہ میزان کو کسی ایک معنی سے مختص نہ کیا جائے کہ

ایک معنی مراد لینے سے دوسرے معنی کی نفی ہو جائے بلکہ میزان کو درجہ عموم میں رکھا جائے خواہ مراد یہ ظاہری میزان ہو یا میزان شریعت یا میزان معرفت جو تینوں معانی کی جامع ہو۔ اس صورت میں کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا اور نہ کسی جواب یا تردید کی حاجت ہوگی۔ اس تفسیر سے جملہ معانی اپنی اپنی جگہ درست ہو جائیں گے۔ واللہ اعلم۔

وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ اور ہم نے لوہا اتارا جس میں سخت ہیبت ہے اور لوگوں کے کام نکلتے ہیں اور تا اللہ سبحانہ کو معلوم ہو کہ اوسکی اور اوس کے رسولوں کی غائبانہ تائید کون کرتا ہے؟"۔

انزلنا الحدید کی تفسیر وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ سے یہاں مراد خلقنا الحدید ہے یعنی ہم نے لوہے کو پیدا کیا" چاندی سونے کی طرح لوہا بھی ظاہر ہے کہ زمین سے نکلتا ہے اس کے بھی معدن ہوتے ہیں جن کو کھود کر لوہا نکالا جاتا ہے مطلب یہ کہ لوگ سیم و زر کے درپے ہیں اور اسی دھن میں اپنا کارآمد وقت صرف کر رہے ہیں۔ سونا چاندی تو عورتوں کا زیور ہے۔ اور سیم و زر کی خواہش ایک زنانہ مطالبہ ہے۔ جو مردوں کے لئے سزاوار نہیں۔

فیہ بأس شدید کی تفسیر | فِیۡہِ بَاۡسٌ شَدِیۡدٌ (ہم نے لوہا اتارا ہے
گویا اسی طرح اتارا جیسی کتابیں اتاریں) لوہے میں بڑی سخت ہیبت ہے "
جس کو دیکھ کر اور جس کا بیان سن کر مجرمین کے دل کانپ اوٹھتے ہیں ۔ اون کو
زنجیریں، ہتکڑیاں، بیڑیاں، طوق، اسی لوہے کے ڈالے جاتے ہیں ۔ اس کی
سلاخوں میں اون کو بند کیا جاتا ہے ۔ اسی کے قفل دروازوں پر لگائے جاتے ہیں
اسوۂ یوسفی | اگر کوئی ظالم یہی عمل اہل حق کے ساتھ اون کی حق گوئی اور حقانیت
کی بنا پر کرتا ہے تو اہل حق اس سے نہیں گھبراتے ۔ بلکہ اس کو خوشی خوشی
قبول کر لیتے ہیں مگر حق کو چھوڑنے پر کبھی راضی نہیں ہوتے ۔ یہی طوق و زنجیر
ہتکڑی و بیڑی اون کے حق میں زیور کا کام دیتی ہے ۔ جس کو زیب تن کرنے
کے لئے وہ ہر وقت تیار رہتے ہیں کیوں کہ یہ مردانہ زیور ہے ۔ حضرت یوسف
صدیق علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کو اہل باطل جب اپنے دام فریب میں
لانے کی تیاریاں کر رہے تھے تو رب العزت کی بارگاہ میں آپ نے یہ عرض کیا
رب السجن احب الی مما یدعوننی الیہ وان لم تصرف عنی کیدھن
اصب الیھن واکن من الجاھلین ۔ میرے پروردگار ! قید خانہ ہی مجھے
محبوب تر ہے اوس کے مقابلہ میں جس کی دعوت یہ عورتیں مجھے دے رہی ہیں

اگر اون کے مکر و کید کا رُخ مجھ سے نہ پھیر دیا تو مبادا ایں اون کی طرف جھک جاؤں پھر تو نادانوں میں شامل ہو جاؤں گا۔"

حسن و کمال یوسفی | یوسفؑ جن کا حُسن ظاہر اس اوج کمال پر تھا، باطن اس سے بھی کہیں زیادہ نورانی جن کی تعریف و توصیف، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طرح فرمائی:۔ الکریم بن الکریم بن الکریم بن الکریم خود باعزت، پھر باعزت کے فرزند، باعزت کے پوتے، باعزت کے پروتے۔" یعنی یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علی نبینا وعلیہم التحیۃ والف الف تسلیم جن کی مسلسل چار پشتیں، انوار نبوت و کمالات رسالت کی حامل، انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام میں ایسا نورانی تسلسل اپنی آپ نظیر ہے۔ کیوں کر گوارا ہو سکتا تھا کہ نادانوں کی صف میں آجائیں۔ ارشاد ہوتا ہے:۔ فاستجاب لہ ربہ فصرف عنہ کیدھن انہ ھو السمیع العلیم۔ ان کے رب نے ان کی دعا قبول فرمائی پھر اُن سے ان عورتوں کے کید کا رُخ پھیر دیا۔ بے شک وہ پروردگار خوب سننے والا اور اچھی طرح جاننے والا ہے۔" پھر کیا تھا وہی قید و بند آپ کے اور آپ کے آبائی کمالات و کرامات کی درخشانی کا سبب ہوا۔

اسوۂ داؤدی | یہی لوہا حضرت داؤد علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کیلئے

نرم بنا دیا گیا۔ ارشاد باری ہے:۔ والنّالہ الحدید ان اعمل سابغات وقدّر فی السّرد واعملوا صالحا انّی بما تعملون بصیر۔ اور نرم کر دیا ہم نے اُن کے آگے لوہا کہ بنا ؤ زرہیں کشادہ اور اندازہ سے کڑیاں جوڑ کر اور کرو تم سب اچھے کام تم جو کچھ کرتے ہو میں اوس کو دیکھتا ہوں"۔ چنانچہ حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام آگ اور آلات واوزار کے بغیر لوہے کو جس طرح چاہتے موڑ لیتے جوڑ لیتے۔ اور زرہیں تیار کرکے فروخت کرتے۔ نبوت ورسالت کیا تھ آپ کو حکومت وخلافت سرفراز ہوئی۔ آپ کے فرزند ارجمند حضرت سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام کو نبوت ورسالت کے ساتھ روئے زمین کی حکومت ملی جو اکل حلال، صدق مقال، اعمال صالحہ اور شکر منعم کا صلہ تھا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک جماعت مہاجرین کو تیر اندازی کی مشق کرتے ہوئے دیکھ کر فرمایا:۔ ارموا فان اباکم اسماعیل کان رامیا۔ تیر اندازی اور نشانہ بازی کئے جاؤ (یہ تمھارا آبائی جوہر ہے) کیونکہ تمھارے جد اعلیٰ اسماعیلؑ بھی تیر انداز نشانہ باز تھے"۔ ذوالفقار حیدریؓ کے جوہر اظہر من الشمس وابین من الامس ہیں جن کا شہرہ تا قیامت باقی رہیگا۔ اور سیف اللہ خالدؓ بن ولید کے احوال محتاج بیان نہیں۔ حضور انورؐ نے مشہور تیر انداز

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جن الفاظ میں یاد فرما کر سرفراز فرمایا وہ اپنی آپ نظیر ہیں :۔ ارم یا سعد فداك ابی وامی اے سعد! تیر چلائے جاؤ میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں "

لوہا اور سیم وزر کا توازن بہرحال سیم وزر کیا چیز ہے۔ گھڑیال کی بال کمان لوہے سے ہی بنتی ہے۔ وزن دیکھو تو کچھ نہیں مگر سیم وزر کی اوس کے آگے کوئی حقیقت نہیں۔ اگر منفعت ہی کا خیال ہے تو ارشاد ہو رہا ہے وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ۔ (لوہے میں بڑی ہیبت بھی ہے) اور لوگوں کو اس سے بڑے بڑے منافع ہیں "کان کنی سے لے کر لوہے کو برآمد کرنے، صاف کرنے، اوس سے اشیائے مایحتاج تیار کرنے، ان کو اٹھا لانے، فروخت کرنے، پھر انکو خرید کر اپنے کام میں لانے تک جتنے مراحل ہیں سب کے سب پر منفعت ہیں، کوئی پہلو اور کوئی صورت نفع سے خالی نہیں اور نہ نظر انداز کرنے کے قابل۔

لوہا اور حضرت آدم حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ نزل آدم علیہ السلام من الجنۃ ومعہ خمسۃ اشیاء من الحدید السندان والکلبتان والمیقعۃ والمطرقۃ والابرۃ (روح البیان) حضرت آدم علیہ السلام جنت سے تشریف لائے تو آپ کے ساتھ لوہے کی یہ پانچ چیزیں تھیں۔ ایرن، دستپناہ، ہتوڑا

کھن اور سوئی“ ایک روایت میں ہے :۔ ومعہ المر والمسحاۃ۔ اور آپ کے
ساتھ ہل اور پھاوڑا بھی تھا“ یعنی اشیائے مایحتاج سامان زراعت۔
بہرحال سامان دفاع ہو خواہ دشمن کو دفع کرنے اور روکنے کا جیسے اسلحہ
یعنی تیر و تفنگ، تلوار، خنجر، برچھا بھالا وغیرہ، یا اپنے تحفظ نفس کا جیسے زرہ بکتر،
خود وغیرہ، یا معیشت کے اسباب ہوں وہ یا تو لوہے کے ہوں گے یا لوہا اوس میں
شریک ہوگا۔ یہاں تک کہا جاتا ہے :۔ ومامن صنعۃ الا والحدید
اوما یعمل بالحدید انتھا۔ کوئی صنعت ایسی نہیں جس میں لوہے کا دخل نہ ہو خواہ
بالذات یا بالواسطہ“ یہی سبب ہے کہ اللہ سبحانہ نے لوہے کا ذکر اپنی کتاب کریم
فرمایا۔ اور اسی آیۃ کریمہ کی بنا پر اس سورت شریفہ کا نام سورۃ الحدید رکھا گیا۔
یعنی وہ سورت جس میں لوہے کا بیان ہے۔

لوہے سے نصرتِ خدا و رسول

ولیعلم اللہ من ینصرہ ورسلہ بالغیب
اور تا اللہ سبحانہ معلوم کرے کہ کون اوس کی اور اوسکے رسولوں کی مدد بن دیکھے کرتا
ہے“ دیکھتے ہوئے تو ہر کوئی مدد کو کھڑا ہوگا۔ کس کی مجال ہے کہ وہ مالک الملک سامنے
ہوتے ہوئے اوس کا ذرہ برابر بھی خلاف کرسکے لیکن اس میں کوئی خوبی اور فضیلت
نہیں ہے۔ بڑی بات تو وہ ہے کہ بن دیکھے مدد کے لئے کھڑا ہو۔ یعنی جو لوگ اللہ سبحانہ کی

آسمانی کتاب اور اوس کی مقرر فرمائی ہوئی میزان شریعت سے راہ راست پر آئیں اور اوس کو چھوڑ کر تمرد و سرکشی اختیار کریں تو ایسے کج رو معاندین کی قرار واقعی گوشمالی کی خاطر قبضۂ شمشیر پر ہاتھ ڈالنا ہوگا کہ اقتضائے سیاست یہی ہے تاکہ اللہ کی زمین سے ظلم دفع ہو اور عدل و امن قائم ہو تو یہ کام بھی لوہے کے ذریعہ ہی لیا جائے گا۔ اور اسی سے اللہ سبحانہٗ اور اوس کے رسولوں کے احکام کا وقار قائم ہوگا۔ جو اللہ سبحانہ کے وفادار بندے ہیں وہ اپنی جان و مال کی بازی لگا کر احکام خدا اور رسول کا وقار قائم کریں گے اور معاندین وظالمین کو اسی لوہے سے اون کے کیفر کردار کو پہنچائیں گے۔ قابل صد تحسین ہیں قرون اولی کے ہماری وہ محترم ہستیاں جنھوں نے اقوام عالم سے اپنا لوہا منوا لیا۔ جزاھم اللہ عنا احسن الجزا۔

قوی عزیز کی تفسیر

اِنَّ اللّٰہَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ۔ بے شک اللہ زور آور زبردست ہے۔" وہ اپنے کسی کام میں کسی کی نصرت و تائید کا محتاج نہیں اوس کے تمام کام بغیر کسی کی شرکت اور تائید کے تکمیل پا سکتے ہیں۔ نصرت الٰہی کا جو حکم دیا گیا ہے محض اسلئے کہ اوس کے بتائے ہوئے کاموں کی تکمیل اوس کی دی ہوئی قوتوں اور صلاحیتوں سے لے کر بندے مستحق ثواب قرار پائیں کہ اس

اتباع و امتثال امر کا نفع، دنیا و آخرت میں اون ہی کو ملے گا۔

قوی عزیز کی تاثیر علامہ زورقیؒ فرماتے ہیں:۔ "قوی" ایسا کہ اپنی ذات و صفات اور اپنے افعال میں اوس کو کسی نوع کا کوئی ضعف و اضمحلال کوئی مشقت یا تکان، نہیں ہوسکتا۔ نہ یہاں کسی کوتاہی یا عاجزی کی گنجایش اور نہ کسی توڑ جوڑ کی حاجت ہے۔ صرف اوس کے اس نام کی تاثیر یہ ہے کہ اگر کوئی ضعیف ہمت والا، اللہ سبحانہ کو "**قوی**" کے نام سے یاد کرلے تو وہ اپنے اندر ایک زبردست قوت پائے گا۔ اس نام کے لیتے ہی ایک ضعیف الجسم اپنے ناتوان جسم میں توانائی محسوس کرے گا۔ اگر کسی ظالم کو دفع کرنیکی نیت سے ایک ہزار دفعہ اس نام کا ورد کرے تو ظالم دفع ہوگا اور اوس کا کام بن جائیگا۔ اور اسم مبارک "**عزیز**" کی خاصیت یہ ہے کہ اس نام کے لینے سے غنیٰ اور عزت صورۃً یا معنیً بلکہ صورۃً و معنیً ہر حیثیت سے حاصل ہوگی۔ اور جو کوئی چالیس دن تک روزانہ چالیس دفعہ اس بابرکت نام کا ورد جاری رکھے اعانت الٰہی اوس کو حاصل ہوگی اور اوس کو وہ عزت نصیب ہوگی کہ کسی مخلوق کی اوس کو کوئی احتیاج نہ رہے گی۔"

اربعین ادریسیہ میں ہے:۔ یا عزیز المنیع الغالب ملی امرہ

فلاشیٔ یعادلہ یعنی "یا عزیز" (اے محفوظ و غالب) کے وظیفہ کی شان یہ ہے کہ اس کا معاملہ بھرپور ہے کوئی چیز اس کے برابر کی نہیں ہوسکتی۔"

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔ جو کوئی اس مبارک نام کو ایک ہفتہ تک روزانہ ایک ہزار بار پڑھا کرے اوس کا دشمن تباہ ہوجائے گا۔ اور اگر کسی لشکر کے مقابلہ میں ستر دفعہ اس کو پڑھے اور اپنے ہاتھ سے اوس کی طرف اشارہ کرتا جائے تو وہ لشکر شکست کھا جائے گا۔"

عرض فقیر | فقیر عرض کرتا ہے کہ یہ منافع و برکات، صرف اللہ سبحانہ کے ان اسمائے حسنیٰ میں ہیں تو اسم کے مسمّیٰ کی کیا شان ہوگی اسی سے اللہ سبحانہ کی ذات جامع الصفات کا اندازہ کرلیجئے چنانچہ ارشاد مبارک ہوا ہے:۔ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ۔

بے شک اللہ زور آور زبردست ہے۔" وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرٰهِيْمَ
وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ 57
فٰسِقُوْنَ ۝ اور ہم ہی نے بھیجا نوح کو اور ابراہیم کو اور ٹھہرا دی دونوں کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب، پھر کوئی ان میں راہ پر ہے اور بہت اُن میں نافرمان ہیں۔"

نبوت اولاد نوح و ابراہیم میں | یعنی اوسی خدائے قوی و عزیز نے نوحؑ و ابراہیمؑ کو

اپنا رسول بنا کر اپنے اپنے زمانہ میں بھیجا کہ وہ اُس خدائے قوی و عزیز کے احکام اور اوس کا پیام اللہ سبحانہ کے بندوں تک پہنچائیں اور اون کو راہ راست صراط مستقیم (اسلام) بتائیں۔ اور ان پر مزید کرم یہ فرمایا کہ آئندہ نبوت اور کُتب الٰہیہ کا سلسلہ جو اِن بزرگواروں کے بعد جاری رہیگا وہ بھی ان ہی ہردو حضرات کی ذریت اور نسل میں رہیگا۔ اس طرح کہ نوح علیہ السلام کے بعد اور سیدنا ابراہیم علیٰ نبینا و علیہ الصلاۃ والسلام کی ولادت باسعادت سے پہلے جس قدر حضرات انبیاء کرام ہوں گے وہ سب حضرت نوحؑ کی اولادیں ہوں گے جیسے حضرت ہود و حضرت صالح و حضرت لوط علیہم الصلاۃ والسلام اور جب آپ کی اولادیں حضرت ابراہیم علیہ التحیہ والتسلیم ہوں گے تو پھر نبوت و رسالت حضرت ابراہیم کی ذریت کیساتھ مخصوص ہو جائے گی۔ جیسے حضرت اسمٰعیل، اسحاق، یعقوب، یوسف، موسیٰ، ہارون، داؤد، ذکریا، یحییٰ، عیسیٰ علیہم الصلاۃ والسلام یہ سب اولاد اسحاقؑ سے اور حضرت سید الانبیاء والمرسلین خاتم النبیین احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت اسمٰعیلؑ کی ذریت سے ہوئے آپ پر نبوت و رسالت ختم ہوئی۔ اب قیامت تک کوئی نبی یا رسول نہ ہوں گے۔ قیام قیامت تک حضور خاتم النبیینؐ ہی کی نبوت و رسالت جاری رہیگی۔

قوت وعزت الٰہی انبیاؑ کیساتھ

جب خدائے قوی و عزیز نے نوحؑ اور ابراہیمؑ کو بھیجا تو خداوند تعالیٰ شانہ کی قوت و عزت ان حضرات کے ساتھ تھی نوح علیہ السلام کو آپ کی قوم نے بہت کچھ ڈرایا دھمکایا اقسام کی ایذا رسانی اور دل آزاری کی مگر پیر ہزار سالہ کا کچھ بگاڑ نہ سکے۔ مخالفت کرکر کے قوم نے تباہی و بربادی کا سامان کیا اور چشم زدن میں جس طرح یہ قوم تباہ ہوئی اس کا حال متعدد جگہ آچکا ہے۔ یہی حال حضرت ابراہیم علیہ التحیہ والتسلیم کا بھی تھا کہ آپ کا مقابلہ نمرود جیسا متمرد بادشاہ کرنا چاہا۔ مگر کیا ہوا اوس کا بیان بھی متعدد دفعہ آپ سن چکے ہیں۔ اور کم و بیش ایسے ہی واقعات دوسرے انبیا علیہم السلام کو بھی درپیش آتے رہے ہیں۔ خصوصاً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تو قیامت ہی توڑ دی گئی۔ مگر آپ نے کس ہمت و استقلال اور کیسی رحمت و رأفت سے اس کا جواب دیا محتاج بیان نہیں قرآن کریم احادیث شریفہ تفاسیر تاریخ و سیر میں تفصیلات موجود ہیں۔ زمانہ ان واقعات کو بھلا نہیں سکتا۔ یہاں بھی اُسی قوی و عزیز کی قوت و عزت کی کارفرمائی تھی۔

یہ سب کچھ سہی مگر حقیقت حال یہ بیان فرمائی جارہی ہے کہ نوحؑ و ابراہیمؑ کی بعثت کے بعد جو نتائج سامنے تھے ہی کہ ﴿ومنهم مهتد﴾ ۔ ان میں سے راہ راست پر

یا ہدایت یافتہ کچھ ہی"۔ وکثیر منھم فاسقون اون کے بہت سارے نافرمان ہی رہے"۔ نوحؑ و ابراہیمؑ کا واقعہ قرآن کریم میں دوہرانے کا مقصد یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی اگر ان ہی حالات سے دوچار ہونا پڑے تو ہمت شکنی، حوصلہ فرسائی اور ملالت خاطر کی کوئی وجہ نہیں۔ ابتدا سے ایسا ہی ہوتا آیا ہے کہ صالحین، تعداد میں کم ہی ہوتے ہیں۔ اکثریت ہمیشہ نافرمان، ناخداترس جماعت ہی کی رہی ہے اس پر دلگیر ہونے کی کیا بات ہے؟

قوت و عزت الٰہی صالحین کیساتھ یہاں یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ صالحین، تعداد میں کم سہی مگر یہ خدائے قوی و عزیز کے چہیتے ہیں۔ ان کا کوئی بگاڑ نہیں سکتا۔ خواہ کسی فرعون، نمرود، شداد و ہامان یا اور کسی دشمن مخفی ابلیس و شیطان سے ان کا مقابلہ ہو۔ بات اتنی ہے کہ اپنی صالحیت میں فرق نہ آنے دیں اور اپنی خداداد صلاحیت سے کام لیتے رہیں۔ حکم عدولی، نافرمانی شیوۂ مسلمانی نہیں۔

57-2

ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ
وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ ۥ وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً
وَّرَحْمَةً ۭ وَرَهْبَانِيَّةَۨ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَاۗءَ
رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ○

پھر پیچھے بھیجے اُن کے قدموں پر اپنے رسول، پھر پیچھے بھیجا ہم نے عیسیٰ مریم کے بیٹے کو، اور اوس کو دی ہم نے انجیل، اور رکھ دی ان کے ساتھ چلنے والوں کے دل میں نرمی اور مہربانی، اور ایک ترک کرنا دنیا کا جو انھوں نے نئی بات نکالی تھی ہم نے نہیں لکھا تھا یہ اُن پر مگر کیا چاہنے کو اللہ کی رضامندی، پھر نہ نباہا اوس کو جیسا چاہیے تھا نباہنا، پھر دیا ہم نے اُن لوگوں کو اُن کا بدلہ اور بہت اُن میں نافرمان ہیں۔"

یعنی نوحؑ و ابراہیمؑ اور اون کے معاصر انبیا و رسل مثلاً لوطؑ کے بعد ہم نے اور بہت سے رسول بھیجے۔ جیسے حضرت نوحؑ کے بعد حضرات ہودؑ و صالحؑ، اور حضرت ابراہیمؑ اور حضرت لوطؑ کے بعد حضرات اسمٰعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ، یوسف علیہم السلام مبعوث ہوئے جو اپنے پیش رو انبیا و رسل کے نقش قدم پر تھے کیوں کہ دین اسلام

جو ابتدا سے چلا آرہا تھا اوسی کی تبلیغ واشاعت کے لئے تمام انبیا ورسل تشریف
لائے جو بنی اسرائیل سے تھے اور سب کے آخر میں خاتم انبیائے بنی اسرائیل حضرت
عیسیٰ بن مریم علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کو مبعوث کیا۔ اور اون کو انجیل دی
یعنی پوری کتاب دفعۃً واحدۃً آپ پر اتاری۔ قرآن کریم کا نزول جس طرح
نجماً نجماً تیئیس سال کے عرصہ میں ہوا اس طرح انجیل کا نزول نہ ہوا تھا بلکہ یہ کتاب
یک دم پوری اتاری گئی تھی۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین جو حواریین تھے اون کے
دلوں میں رأفت ورحمت ڈال دی گئی۔ رأفت یعنی لینت و نرمی اون لوگوں
مقابلہ میں جن کے ساتھ کوئی نہ کوئی سبب تعلق اور لگاؤ کا ہو۔ جیسے قرابت داری
سسرال یا رضاعی رشتہ۔ یا اور کوئی تعلق۔ اور رحمت یعنی مہربانی وشفقت
ان لوگوں کے مقابلہ میں جن کے ساتھ کوئی سبب تعلق اور لگاؤ کا نہ ہو جیسے اجنبی لوگ۔
دین عیسوی کی تعلیم کے متعلق کہا جاتا ہے کہ احکام یہ تھے:۔

تعلیمات عیسوی قیل لھم من لطم خدّک الایمن فولّہ خدّک
الایسر ومن سلب رداءک فاعطہ قمیصک ولم یکن لھم قصاص
علی جنایۃ فی نفس او طرف۔ حضرت عیسیٰ کے متبعین کو احکام دیے گئے
تھے کہ اگر کوئی تمہاری دائیں گال پر طمانچہ رسید کرے تو اوس کے آگے اپنی بائیں

گال بھی پیش کردو (کہ بابا! اگر مارنا ہی چاہتے ہو تو لو اس گال پر بھی طمانچہ مار لو لیکن ہماری بات سنو اور نصیحت مانو) اور اگر کوئی تمھاری چادر چھین لے تو اپنا قمیص بھی اتار کر اوس کے حوالہ کردو۔ (شریعت عیسویہ میں) قصاص (بدلہ لینے) کے احکام نہ تھے خواہ جان کا نقصان ہوا ہو یا کسی عضو کا"۔ چنانچہ یہود جس درجہ قسی القلب (سنگدل) واقع ہوئے تھے۔ نصاریٰ نہایت نرم دل رأفت و رحمت والے واقع ہوئے تھے۔ ایک دوسرے کے ساتھ حد درجہ لطف و مرحمت کا سلوک کرتے۔

عہد موسوی بات یہ تھی کہ حضرت موسیٰؑ کو فرعون جیسے متکبر جبار بادشاہ کے مقابلہ میں بھیجا گیا تھا جس کا غرور اور تندخوئی اس درجہ تھی کہ وہ خود کو کہتا انا ربکم الاعلیٰ۔ میں تمھارا رب اعلیٰ ہوں"۔ نعوذ باللہ نعوذ باللہ۔ اور یہی فرعونی صفات اوس کی قوم قبطیوں میں بھی تھیں۔ بنی اسرائیل بھی اون کے ساتھ رہتے رہتے سنگ دل بن گئے تھے۔ سنگدلی اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ اونھوں نے کئی انبیاء علیہم السلام کو شہید کردیا۔ جس کا بیان قرآن کریم میں متعدد جگہ آیا ہے مثلاً ثم قست قلوبکم من بعد ذلک فھی کالحجارۃ او اشد قسوۃ۔ پھر اس کے بعد اے بنی اسرائیل! تمھارے دل

سخت ہو گئے وہ پتھر کی طرح سخت بلکہ پتھر سے بھی سخت تر تھے"۔ ان حالات میں
فرعون اور فرعونیوں کا دماغ سیدھا کرنے کے لئے حضرت موسیٰ ہی موزوں ہو سکتے
تھے جن کا ایک طمانچہ بھی قبطی کو ختم کرنے کے لئے کافی تھا۔ اور فرعون کے مقابلہ
کے لئے تو عصائے شریف بھی ساتھ تھی۔ فرعون اور فرعونیوں کے خاتمہ کے بعد
اور یہود کا زور ٹوٹنے کے بعد نہ عصا کی ضرورت باقی تھی اور نہ موسوی طمانچہ کی
وقت گزر گیا اور وقتیہ احکام بھی ختم ہو گئے۔

عہد عیسوی حضرت مسیح علیہ السلام مبعوث ہوئے اور حضور خاتم النبیین صلوات اللہ
وسلامہ علیہ و علیہم اجمعین کی آمد آمد کی بشارت سنانے کے لئے تشریف لائے اب
ضرورت تھی حد درجہ نرمی اور لطف کی۔ اس لئے اول تو حضرت عیسیٰ کو بغیر باپ کے
شان اعجاز کے ساتھ صرف ماں سے پیدا کیا گیا۔ آپ کی ولادت میں صلب پدر کا
تعلق نہ ہونے کے باعث یوں بھی صلابت آپ کی ذات میں نام کو تک نہ تھی۔
پھر آپ کو مذکور الصدر رأفت و رحمت کے احکام دئے گئے شریعت موسوی میں
یہود کی شرارتوں کی بنا پر جو سختیاں رکھی گئی تھیں ان سب کو بدل دیا گیا مگر
ظاہر ہے کہ یہ نرمی بھی وقتیہ تھی۔ ہمیشہ جاری رہنے والی بات نہ تھی۔ مشہور ہے:

درشتی و نرمی بہم در بہ است چو رگ زن کہ جراح و مرہم نہ است

عہد مبارک نبوی چنانچہ حضرت عیسیٰ کے بعد حضور رحمۃ للعالمین خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم تشریف فرما ہوئے۔ آپ فرمایا کرتے:۔ انا الضحوك القتول "میں متبسم بھی ہوں اور قتل بھی کرنے والا" آپ کو رأفت و رحمت سے وہ بہرۂ وافر دیا گیا کہ "رؤف و رحیم" جو اللہ سبحانہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ ہیں۔ آپ کے بھی اسمائے مبارک قرار دئے گئے۔ ارشاد باری ہوا:۔ لقد جآء کم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمؤمنین رؤف رحیم۔ بے شک تمھارے پاس تمھیں میں سے ایسے رسول تشریف لائے ہیں جن پر تمھاری مشقت شاق ہے تم پر حد درجہ حریص ہیں۔ نیز ایمان والوں پر بڑی رأفت رحمت سے کام لینے والے ہیں" فبما رحمۃ من اللہ لنت لھم ولو کنت فظا غلیظ القلب لانفضوا من حولك۔ اللہ سبحانہ کی بڑی ہی مہربانی ہے کہ آپ نرم خو ہیں اگر درشت خو سخت دل ہوتے تو یہ سب آپ کے اطراف سے ٹوٹ کر نکل بھاگتے" ساتھ ہی آپ کو حکم ہوا:۔ یا ایھا النبی حرض المؤمنین علی القتال۔ اے نبی! آپ ایمان والوں کو جنگ پر آمادہ کراتے رہیں" بہر حال رأفت و رحمت اپنے وقت پر اون کے ساتھ جس کے وہ مستحق ہوں اور سختی بلکہ جنگ اون کے ساتھ جو بغیر اس کے نہیں مانتے کفر و فساد پر جمے ہوئے ہیں

ہر شخص کے ساتھ اور ہر وقت نرمی یہ بھی کارآمد نہیں۔ یا ایھا النبیّ جاھد الکفاّ
والمنافقین واغلظ علیھم۔ اے نبی! کفار اور منافقین کے ساتھ لڑتے رہیں اور
اون پر دباؤ ڈالتے رہیں۔" اسی طرح آپ کے صحابہ کرامؓ کے اوصاف یہ تھے :۔
والذین معہ اشدآء علی الکفار رحماء بینھم تراھم رکعا سجدا
یبتغون فضلا من اللہ و رضوانا سیماھم فی وجوھھم من اثرالسجود
جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ منکرین کے مقابلہ میں سخت، اور باہم مہربان، تم
اون کو دیکھو تو رکوع کرتے سجدہ کرتے پاؤگے وہ سب کے سب اللہ سبحانہ کا فضل اور
اوس کی خوشنودی چاہتے ہوں گے۔ اون کی پیشانیوں پر آثار سجود نمایاں ہیں۔"

موسوی و عیسوی تعلیمات وقتیہ تھے

ہر وقت نرمی اور ہر ایک کے ساتھ نرمی یہ بھی ایک وقتیہ بات تھی۔ ہمیشہ اس کو ہمیشہ قائم و برقرار نہیں
رکھا جا سکتا۔ شریعت موسوی کی طرح، شریعت عیسوی بھی قابل تبدیل تھی چنانچہ
اوس کو بھی بدل دیا گیا۔ عیسائیوں کا یہ خیال غلط ہے کہ عیسوی شریعت قیامت
تک کارآمد ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو جنگ عظیم اور عالمگیر جنگ میں جبکہ جرمنی نے
بلجیم اور پولینڈ پر حملہ کر دیا تھا، برطانیہ اور دیگر دول یورپ کو چاہیئے تھا کہ
جرمنی کے حق میں اپنے اپنے تخت و تاج سے دست بردار ہو جاتے کیونکہ سلطنت کی

ایک گال پر جب کہ طمانچہ پڑ چکا تھا تو سلطنت کی دوسری گال بھی شریعت عیسوی کے حکم کے مطابق پیش کر دیتے یا بلجیم اور پولینڈ پر جرمنی کے قبضہ کرتے ہی لندن پیرس وغیرہ کا تخلیہ کر دیا جاتا کیونکہ جرمنی نے ان کی چادر کھینچ لی تو یہ اپنا قمیص بھی اتار کر اوس کے حوالے کر دیتے۔ مگر برطانیہ و فرانس نے ایسا نہیں کیا اور نہ وہ ایسا کر سکتے تھے۔ لامحالہ اون کو معتدل شریعت' شریعت مطہرہ محمدیہ پر عمل کرنا پڑا جس میں احکام دئے گئے ہیں: فمن اعتدی علیکم فاعتدوا علیه بمثل ما اعتدی علیکم۔ اگر کوئی تم پر دست درازی کرے تو تم بھی اوسی طرح دست درازی کا جواب دو جیسی دست درازی تم پر اوس نے کی ہے" وان قاتلوکم فاقتلوهم اور اگر وہ تم سے لڑیں تو تم بھی اُن سے لڑو" وان جنحوا للسلم فاجنح لها۔ اور اگر وہ صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی آمادۂ صلح ہو جاؤ"۔ یہ احکام ایک معتدل شریعت کے ہیں اور تا قیامت جاری رہ سکتے ہیں۔

نصاریٰ کی رہبانیت آگے ارشاد ہو رہا ہے:- ورهبانیة ابتدعوها ما کتبناها علیهم الا ابتغاء رضوان الله فما رعوها حق رعایتها۔ اور ترک دنیا جو خود ان کی اپنی ایجاد (بدعت) تھی۔ کچھ ہم نے ان پر فرض نہیں قرار دیا۔ خود اونھوں نے اس کو کیا محض اسلئے کہ اللہ سبحانہ کی رضامندی

حاصل ہو۔ پھر وہ اس کی نگہداشت جیسی کہ چاہئے نہ کر سکے۔"

رہبانیت ایجاد نصاریٰ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ اختلف من کان قبلنا علی ثنتین و سبعین فرقۃ نجا منہا ثلاث وھلک سائرھا فرقۃ وازت الملوک وقاتلتھم علی دین اللہ وعیسی بن مریم حتی قتلوا وفرقۃ لم یکن لھم طاقۃ بموازاۃ الملوک فاقاموا بین ظھرانی قومھم فدعوھم الی دین اللہ و دین عیسی فقتلتھم الملوک ونشرتھم بالمناشر وفرقۃ لم یکن لھم طاقۃ بموازاۃ الملوک ولا بالمقام معھم فساحوا فی الجبال وترھبوا فیھا وھم الذین قال اللہ ورھبانیۃ ابتدعوھا ما کتبناھا علیھم الا ابتغاء رضوان اللہ فما رعوھا حق رعایتھا فاٰتینا الذین اٰمنوا منھم اجرھم الذین اٰمنوا بی وصدقونی وکثیر منھم فاسقون الذین کفروا بی وجحدونی (عبد بن حمید حکیم ترمذی ابویعلیٰ ابن جریر ابن المنذر ابن ابی حاتم طبرانی حاکم بروایت صحیحہ ابن مردویہ بیہقی ابن عساکر عن ابن مسعودؓ) ہم سے پہلے جو اہل کتاب تھے وہ (۷۲) فرقوں میں بٹ گئے۔ ان میں سے تین کی نجات ہوئی باقی برباد ہو گئے۔ ایک فرقہ وہ تھا جس نے

پادشاہوں کا مقابلہ کیا اور دین الٰہی اور دین عیسیٰ بن مریم کے لئے لڑتے رہے تاآنکہ وہ شہید ہو گئے۔ دوسرا فرقہ وہ تھا جن کو پادشاہوں سے لڑنے کی ہمت تو نہ تھی مگر اپنی قوم میں ٹھہرے رہے اور اون کو اللہ کے دین اور عیسیٰ بن مریم کے دین کی دعوت دیتے رہے۔ پادشاہوں نے ان کو قتل کر دیا اور اون سے آرے سے چیر دیا۔ تیسرا فرقہ وہ تھا جن میں نہ پادشاہوں کے مقابلہ کی سکت تھی اور نہ اون کے ملک میں ٹھہرے رہنے کی ہمت، انھوں نے پہاڑوں کو اپنا مسکن بنایا اور تارک الدنیا ہو گئے۔ ان ہی کے باب میں اللہ سبحانہ نے فرمایا ہے ترک دنیا کا طریقہ ایجاد کیا جس کو ہم نے ان پر فرض نہیں قرار دیا تھا بلکہ خود انھوں نے اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اختیار کیا تھا۔ پر وہ اوس کی نگہداشت کما حقہ نہ کر سکے۔ لہٰذا ان میں سے جو لوگ ایمان لائے اون کو ہم نے اون کا صلہ دے دیا۔ حضور اکرمؐ فرماتے ہیں یہ لوگ وہ ہیں جو مجھ پر ایمان لائے اور میری تصدیق کی اور بہتیرے اُن میں بے حکم ہیں جنہوں نے مجھے نہ مانا اور میرا انکار کیا۔"

اسباب ایجاد رہبانیت ان فرقوں کا پادشاہوں سے مقابلہ و مقاتلہ کس بنا پر تھا اور رہبانیت کا باعث کیا چیز ہوئی اوس کی صراحت حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں :۔ کانت ملوك بعد عیسی بدلت التوراۃ

والانجیل فکان منھم مومنون یقرؤن التوراۃ والانجیل فقیل
لملوکھم ما نجد شیئا اشد من شتم یشتمناھؤلاء انھم یقرأون
ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکفرون ومن لم
یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الظالمون ومن لم یحکم بما
انزل اللہ فاولئک ھم الفاسقون مع ما یعیبونا من اعمالنا
فی قراءتھم فادعھم فلیقرأوا کما نقرأ ولیؤمنوا کما آمنا فدعاھم
فجمعھم وعرض علیھم القتل او یترکوا قراءۃ التوراۃ والانجیل الا ما بدلوا
منھا الحدیث۔ (نسائی، حکیم ترمذی، ابن جریر، ابن المنذر، ابن مردویہ) عیسیٰ
علیہ السلام کے بعد جو پادشاہ آئے اونھوں نے توریت و انجیل کے احکام بدل
ڈالے۔ اب جو اہل ایمان رہ گئے تھے وہ توریت و انجیل پڑھتے پڑھاتے
(اور قوم میں احکام الٰہی کی تبلیغ کرتے تھے) تو پادشاہوں سے اون کے ہواخواہ
کہنے لگے کہ ہم پر سخت تنقید اور سب وشتم جیسا کہ یہ لوگ کرتے ہیں کوئی دوسرا
طبقہ نہیں کرتا۔ یہ لوگ اس طرح پڑھتے پڑھاتے ہیں کہ اللہ کے نازل کیے ہوئے
حکم کے مطابق جو فیصلے نہ کریں وہ کافر ہیں۔ اللہ کے اتارے ہوئے احکام کے
مطابق جو احکام نہ دیں وہ ظالم ہیں۔ اللہ کی اتاری ہوئی کتاب میں جو احکام

درج ہیں اوس کے موافق جو احکام جاری نہ کریں وہ بدکار ہیں۔ اس کے ساتھ جو نکتہ چینیاں ہمارے کارناموں پر اون کے پڑھنے پڑھانے کے ضمن میں ہوتی رہتی ہیں وہ جدا ہیں۔ لہٰذا ان کو طلب کیا جائے (اور صاف صاف سنا دیا جائے کہ تبدیل و تغیر کی ہوئی کتاب) جیسی ہم پڑھتے ہیں اور اوس پر اعتقاد رکھتے ہیں یہ بھی اوس کو اسی طرح پڑھتے پڑھاتے رہیں اور اسی کا اعتقاد رکھیں چنانچہ بادشاہ نے اون کو بلا کر جمع کیا اور دو صورتیں پیش کیں۔ یا تو وہ اپنے قتل پر راضی ہو جائیں۔ یا توریت و انجیل کا پڑھنا پڑھانا چھوڑ دیں۔ ہاں تحریف کی ہوئی کتاب (جو حکومت کے منشا کے مطابق تیار کی گئی ہے اسکو) پڑھتے پڑھاتے رہیں تو اور بات ہے۔"

رہبانیت کیا ہے؟ رہبانیت کیا تھی؟ مفسرین کرام فرماتے ہیں:۔

الرهبانية المبالغة فى العبادة بمواصلة الصوم ولبس المسوح وترك اكل اللحم والامتناع عن المطعم والمشرب والملبس والنكاح والتعبد فى الغيران ومعناها الفعلة المنسوبة الى الرهبان وهو الخائف فان الرهبة مخافة مع تحزن واضطراب (روح البیان)

"رہبانیت" عبادت میں غلو کرنے کا نام ہے۔ مثلاً صوم وصال رکھنا، ٹاٹ پہننا

گوشت نہ کھانا' لذیذ کھانے پینے اور عمدہ لباس سے احتراز کرنا' نکاح نہ کرنا' غاروں میں ٹھہر کر عبادت کرتے رہنا' بہرحال تارک الدنیا لوگوں کے سے کام کرنا' رہبانیت ماخوذ ہے "رھب" سے۔ جس کے معنی ہیں غم اور بے چینی کے ساتھ ڈرتے رہنا۔

رہبانیت عہد موسوی کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر فرعون کے جادوگر جب ایمان لائے تو ان کی بڑی جماعت تھی اس جماعت میں جو رؤسا تھے ان کو تو فرعون نے سخت سزائیں تجویز کر کے ہلاک کر دیا۔ اس کے بعد جو بچ رہے وہ حضرت موسیٰ کی اجازت سے پہاڑیوں میں چلے گئے۔ اور وہ وہیں عبادت کرتے کرتے ختم ہو گئے۔ گویا اس کا آغاز عہد موسوی ہی میں ہوا تھا۔ لیکن اس کا تسلسل قائم نہیں رہا۔ ساحروں کے ختم کے ساتھ رہبانیت بھی ختم ہو چکی تھی۔

رہبانیت عہد مسیحی پھر اس کا رواج حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اٹھا لیے جانے کے بعد از سر نو ہوا۔ اور اس کا سلسلہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت مبارک تک جاری رہا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریین تو صداقت کے ساتھ رہبانیت پر قائم تھے مگر بعد کے لوگ قائم نہ رہ سکے۔ بعد والوں میں بھی جو صادقین تھے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست حق پرست پر ایمان لائے مگر یہ

بہت کم تھے، مابقی لوگ جن کی تعداد زیادہ تھی اوسی آبائی طریق پر قائم رہے۔
ان ہی کی نسبت ارشاد باری ہو رہا ہے : — فآتینا الذین امنوا منہم اجرہم
وکثیر منہم فاسقون۔ ایمان والوں کو تو ہم نے اون کا اجر دیا اور اون میں
بہتیرے نافرمان تھے۔" بعثت مبارک کے بعد جبکہ شریعت عیسویہ منسوخ ہوگئی
آنحضرتؐ پر ایمان لانے کے سوا چارہ نہ تھا۔ جب انھوں نے نہ مانا تو رہبانیت
اگر صداقت کے ساتھ بھی ہو تو قابل قبول نہیں ہوسکتی چہ جائیکہ رہبانیت کی
آڑ میں ساری خیانتیں جاری وساری ہوں تو ان کی نجات کیوں کر ہوسکتی ہے؟

رہبانیت بدعت ہے

بہر حال رہبانیت کا حکم اللہ سبحانہ نے نہیں دیا
بلکہ یہ طریقہ نصاریٰ کا خود ساختہ تھا۔ اس پر بھی وہ قائم نہ رہ سکے تو کس منہ سے
دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ رہبانیت کا منشاء حق سبحانہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور اوسکی
خوشنودی تھی؟ جب ایک امر غیر واجب کو اختیار کیا گیا تھا تو اوس پر قائم رہنا
ضروری تھا کیوں کہ اس کی مثال نذر کی سی ہے کہ انسان اپنے ذمہ ایک چیز
واجب کر لیتا ہے مثلاً یوں کہتا ہے کہ الٰہی! اگر میرا فلاں کام تکمیل پائے یا
فلاں مقصد حاصل ہو تو میں اتنی رکعتیں نماز کی ادا کروں گا، اتنے روزے
رکھوں گا، حج کروں گا، عمرہ بجا لاؤں گا۔ یا اتنی خیرات کروں گا وغیرہ۔

ایسی نذر انسان پر اللہ سبحانہ کی طرف سے واجب نہ تھی لیکن کسی بندے نے خود پر
اوس کو لازم کر لیا تو حکم شرع شریف یہ ہے کہ اوس کام کے تکمیل پانے یا مقصد کے
حاصل ہونے پر عبادت بدنی یا مالی جو کچھ خود پر لازم کر لی ہے اوس کا ایفاء کرے
ایسا ایفاء واجب ہے۔ کیوں کہ یہ نذر اللہ سبحانہ کے ساتھ عہد ہے اور عہد کا
ایفاء شرعاً واجب۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔ ولیوفوا نذورهم۔
اور چاہیئے کہ لوگ اپنی منتوں اور نذروں کا ایفا کریں"۔ اگر نہ کریں گے تو
گنہگار ہوں گے۔ اور حق تعالیٰ کے پاس اوس کی جواب دہی کرنی ہوگی۔
بشرطیکہ نذر کسی امر مباح یا مندوب کی کی گئی ہو۔ جس کے کرنے کی شریعت میں
اجازت دی گئی ہو یا اوس کی ترغیب دلائی گئی ہو۔ کسی امر مکروہ یا حرام کی
نذر نہ ہو۔ کیونکہ مکروہ اور حرام کی نذر صحیح نہیں۔ جب نذر ہی صحیح نہیں تو اوس کا ایفاء بھی
لازم نہیں بلکہ امر مکروہ سے دور رہنا مستحسن اور حرام سے دور رہنا واجب ہے۔

ابتداع کا حکم

یہاں یہ امر بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ محض ابتداع
یعنی کسی چیز کی ایجاد جو سلف سے منقول نہ ہو بری نہیں اور نہ اس آیہ کریمہ
میں اوس کی مذمت وارد ہوئی ہے بلکہ ایجاد کے بعد اوس پر قائم نہ رہنا
برا ہے اور قرآن کریم میں اسی جزو کی مذمت وارد ہوئی ہے جیسا کہ ارشاد

باری عز اسمہٗ فما رعوھا حق رعایتھا سے ظاہر ہے مطلب یہ کہ جب ایک طریقہ جو واجب نہ تھا اوس کو ایجاد کرکے خود پر لازم کر لیا گیا تو اوس کی تکمیل ضروری ہو چکی۔ اب اگر کوئی اوس کی تکمیل سے قاصر رہے تو یہ اوس کے حق میں برا ہے۔ ایجاد کی حد تک اوس سے بازپرس نہیں لیکن عدم تکمیل کی صورت میں بازپرس ہوگی کیونکہ اللہ سبحانہ کے ساتھ عہد کرکے اوس کی خلاف ورزی کی ہے۔

نفل شروع کرکے توڑنے کا حکم

فتح الرحمٰن میں ہے:۔ واختلفا الائمۃ فیما اذا انشأ صوما او صلاۃ تطوعا فقال ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ لم یجز لہ الخروج منہ فان افسدہ فعلیہ القضآء لقولہ تعالیٰ ولا تبطلوا اعمالکم وقال مالک رحمہ اللہ کذلک الا انہ اعتبر العذر فقال ان خرج منہ لعذر فلا قضاء والا وجب وقال الشافعی واحمد رحمہما اللہ متی انشأ واحدا منہما استحب اتمامہ فان خرج منہ لم یجب علیہ قضاء علی الاطلاق واما اذا کان التطوع حجا او عمرۃ فیلزما اتمامہ فان افسدہ وجب قضاؤہ لوجوب المضی فی فاسدہ۔ اگر کوئی شخص نفل روزہ یا نماز شروع کرے تو ائمہ کرامؒ کے اقوال اس باب میں حسب ذیل ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اوس کو نا تمام

چھوڑنا جائز نہیں اگر کوئی اوس نفل روزہ یا نماز کو توڑ دے تو اوس پر قضا واجب ہوگی۔ کیونکہ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے:۔ ولا تبطلوا اعمالکم۔ اپنے اعمال کو ضائع نہ کرو۔" مطلب یہ کہ نفل کو شروع کرنا تو انسان کا اختیاری امر ہے لیکن شروع کرنے کے بعد اوسکی تکمیل واجب ہے۔ شروع کرنا بھی ایک عمل ہے اگر بلا تکمیل چھوڑ دیگا تو عمل مذکور ضائع ہو جائے گا حالانکہ اللہ سبحانہ نے اس سے منع فرمایا ہے ارشاد ہے:۔ ولا تبطلوا اعمالکم۔ اپنے اعمال کو ضائع نہ کرو۔" امام مالکؒ بھی یہی فرماتے ہیں مگر اون کے پاس عذر معتبر ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ اگر کسی عذر کی وجہ سے شروع کئے ہوئے نفل کو چھوڑ دیا تو اوس پر قضا واجب نہیں۔ ہاں اگر بلا عذر چھوڑا تو قضا کرے۔ امام شافعیؒ اور ہمارے امام امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ نفل روزہ یا نماز شروع کی تو اوس کی تکمیل مستحب ہے۔ اگر تکمیل نہ کی تو قضا واجب نہیں لیکن وہ نفل حج و عمرہ ہو تو تکمیل لازم ہے اگر اوس کو توڑ دے تو قضا کرے کیونکہ فاسد حج و عمرہ کی صورت میں بھی اوس کو جاری رکھنا واجب ہے۔"

عرض فقیر فقیر عرض کرتا ہے کہ حضرت امام شافعی اور حضرت سیدنا امام احمد رضی اللہ عنہما کا استدلال اس آیہ کریمہ سے ہے:۔ واتموا الحج والعمرۃ للہ

حج اور عمرہ جو محض اللہ سبحانہ کی خوشنودی کے لئے کیا جاتا ہے اوس کی تکمیل کیا کرو"
چونکہ اتمام کا حکم حج وعمرہ کی حد تک ہے لہذا اگر کوئی ان کو شروع کرکے تکمیل کو نہ پہنچائے
تو اوس پر قضا واجب ہوگی۔ اگرچہ وہ حج وعمرہ نفل ہو۔ روزہ ونماز کے باب میں
چونکہ ایسی کوئی نص موجود نہیں اسلئے اون کا اتمام واجب نہیں مستحب ہے نیز
اون کے فاسد ہوجانے کی صورت میں قضا واجب نہ ہوگی۔ واللہ اعلم۔

امۃ مرحومہ کی کوئی ایجاد بدعت نہیں ایسی ایجادات جو سلف سے
منقول نہیں جیسا کہ امم سابقہ میں رہبانیت ایجاد ہوئی ہے اللہ سبحانہ نے
اوس کو "بدعت" کے نام سے یاد فرمایا لیکن امۃ مرحومہ کی ایسی کسی ایجاد کو
حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "سنت" کا لقب مرحمت فرمایا ہے۔
چنانچہ حدیث شریف ہے :۔ علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین
من بعدی۔ تم پر میری سنت کا اتباع لازم ہے نیز خلفاء راشدین کی سنت کا بھی
اتباع جو میرے بعد ہوں گے" چنانچہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے
عہد خلافت میں جب باجماعت تراویح شروع ہوئی تو حضرت فاروق نے
مساجد کی رونق ملاحظہ فرماتے ہوئے یوں اظہار خیال فرمایا نعمت البدعۃ
ھذہٖ ۔ یہ ایک اچھی بدعت (ایجاد) ہے"

تراویح کی پابندی کا حکم ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:۔

ان اللہ کتب علیکم صیام شہر رمضان ولم یکتب علیکم قیامہ وانما القیام شیئ ابتدعتموہ فدوموا علیہ ولا تترکوہ فان ناسا من بنی اسرائیل ابتدعوا بدعۃ فعابھم اللہ بترکھا وتلا ھذہ الآیۃ ورھبانیۃ ابتدعوھا الآیۃ۔ (سعید بن منصور، عبد بن حمید ابن جریر، ابن مردویہ، ابن نصر) اللہ سبحانہ نے تم پر صرف ماہ رمضان کے روزے فرض کئے ہیں (ماہ رمضان کی راتوں) میں قیام کرنا فرض نہیں ٹھہرایا۔ صرف تم لوگوں نے اس کو ایجاد کیا ہے۔ اب اوس کے پابند رہو اور قیام لیالی رمضان کو کبھی نہ چھوڑو۔ کیونکہ بنی اسرائیل کے کچھ لوگوں نے بھی ایک نئی ایجاد کی تھی تو اللہ سبحانہ نے اوس کے ترک پر اون کی مذمت فرمائی۔ پھر آیہ کریمہ ورھبانیۃ ابتدعوھا کی آخر تک تلاوت فرمائی"۔

تراویح بدعت حسنہ ہے حضرت عمر فاروق یا ابو امامہ رضی اللہ تعالےٰ عنہما کا تراویح کے آغاز کو "بدعت" کے نام سے یاد کرنا بطور تواضع و انکسار کے ہے۔ انسان کو یہی چاہئے کہ اپنے کام کو سراہا نہ کرے مگر ائمہ کرام اور فقہائے اسلام نے تراویح کا ذکر جہاں جہاں فرمایا اوس کو سنت خلفائے راشدین ہی کے

مبارک لقب سے یاد کیا ہے۔ جو حدیث شریف وسنۃ الخلفاء الراشدین من بعدیؐ کی پوری پوری تعمیل ہے۔ اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امۃ مرحومہ کی ایجادات کو بھی سنت کا لقب مرحمت فرمایا ارشاد مبارک ہوا:۔

من سن سنۃ حسنۃ فلہ اجرھا واجر من عمل علیھا ومن سن سنۃ سیئۃ فعلیہ وزرھا ووزر من عمل علیھا۔ جس نے کوئی اچھی سنت قائم کی تو اوس کو اوس ایجاد کا ثواب بھی ملیگا اور جتنے لوگ اوس پر عامل ہوں گے اون کا اجر بھی ملتا رہیگا۔ اور جس نے کوئی بری سنت قائم کی تو اوس پر اوس کی ذمہ داری بھی ہو گی نیز اون کی بھی ذمہ داریاں جو اوس پر عامل ہوئے

امۃ مرحومہ کی ایجاد کو سنت کہو اس حدیث شریف میں حضور روحی فداہ نے نہ صرف اچھی ایجاد کو سنت کا لقب مرحمت فرمایا بلکہ سنت سیئہ کو بھی سنت کا لقب سرفراز فرمایا۔ یہ صرف امۃ مرحومہ کی قدردانی اور قدر افزائی ہے۔ مگر بعض طبقات ہیں کہ مسلمانوں کے کام کو بدعت قرار دینے اور اسی نام سے یاد کرنے میں اون کو بڑا مزہ آتا ہے۔ اون کی تقریروں، تحریروں تالیفات وغیرہ کو دیکھئے تو جا بجا یہی لفظ ملیگا۔ بدعت بدعت۔ بدعتی بدعتی۔

بدعت کے اقسام واحکام خیر، امۃ مرحومہ کی کوئی ایجاد جو بموجب ارشاد مبارک نبوی

سنت ہے ان طبقات کی پسندیدہ اور پُرلطف اصطلاح کے مطابق بدعت ہی سہی اوپر معلوم ہوچکا ہے کہ نفس ایجاد بری نہیں بلکہ اوس پر عمل ترک کردینا اور اوسکی پابندی چھوڑ دینا بُرا ہے۔ با ایں ہمہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ شرح مسلم شریف میں فرماتے ہیں:۔ قال العلماء البدعۃ خمسۃ اقسام واجبۃ ومندوبۃ ومحرمۃ ومکروھۃ ومباحۃ فمن الواجبۃ تعلم ادلۃ المتکلمین للرد علی الملاحدۃ والمبتدعین وشبہ ذلک ومن المندوبۃ تصنیف کتب العلم وبناء المدارس والربط وغیر ذلک ومن المباحۃ التبسط فی الوان الاطعمۃ وغیر ذلک والحرام والمکروہ ظاھر ان علماء فرماتے ہیں کہ بدعت کی پانچ قسمیں ہیں۔ واجب، مندوب، حرام، مکروہ اور مباح۔ علم کلام کے دلائل سیکھنا تاکہ اون کے ذریعہ ملاحدہ اور جدید فرقہ ہائے ضالہ کے جوابات دئے جاسکیں یہ بدعت واجبہ ہے (یعنی اگر ایسا نہ کریں تو امت گنہگار ہوگی)۔

عرض فقیر فقیر عرض کرتا ہے کہ علم کلام پڑھنا اوس وقت ضروری تھا جبکہ فلاسفہ اور مناطقہ اسلام پر اعتراض کرتے تھے۔ اب یہ گروہ ختم ہوگیا۔ خال خال اون کے افراد رہ گئے ہیں لہٰذا علم کلام اب واجب نہیں رہا بلکہ مندوب یا

مباح کے درجہ میں رہ گیا ہے۔ اب سائنس داں اور حکمت جدیدہ والوں سے سابقہ ہے لہٰذا ان کی تردید جدید علم کلام کے ذریعہ سے کرنی ہوگی۔ فی زماننا یہی واجب ہے۔ اور علم دین کی کتابیں تصنیف کرنا، مدارس دینی قائم کرنا، رباط اور خانقاہیں بنانا یہ سب بدعت مندوبہ میں داخل ہے۔ (اس کے کرنے میں اجر اور فضیلت ہے اگرچہ ایسا نہ کرنے میں مواخذہ نہیں لیکن اسکو بھی آغاز کرنے کے بعد اتمام کو پہنچانا ضروری ہے جیسا کہ ابھی ابھی گزرا)۔ اور کھانے پینے میں وسعت سے کام لینا مثلاً دسترخوان پر الوان نعمت جمع کرنا یا ایسے ہی کام جن کی شریعت میں ممانعت یا مذمت وارد نہیں ہوئی یہ مباح ہے۔ اور ایسی بدعت کو بدعت مباحہ کہا جائے گا (یعنی کوئی اس پر عامل ہو تو اوس سے کوئی بازپرس نہیں اور عامل نہ ہو تو اوس سے بھی کوئی پرسش نہیں ہے) اور مابقی دو قسمیں یعنی بدعت محرمہ اور مکروہہ اوس کو سب ہی جانتے ہیں کیوں کہ محرمات و مکروہات ظاہر ہیں۔

امت مرحومہ کی ہر ایجاد لائق ملامت نہیں اس تقریر سے معلوم ہوا کہ بدعت کے نام سے ہی ملامت و مذمت شروع کر دینا صحیح نہیں ہے بلکہ بدعت کی تفصیل ہے جو اوپر گزری۔ احادیث شریفہ میں بدعت کی جو مذمت آئی ہے وہ

بدعت محرمہ ومکروہہ سے متعلق ہے۔ اوس کو واجبہ مندوبہ اور مباحہ تک وسعت دینا صحیح نہیں۔ بلکہ ان اقسام ثلاثہ کو بدعت کے نام سے یاد کرنا بھی تعلیمات نبویہ علی صاحبہا الف الف سلام وتحیہ کے مطابق نہیں۔ حضور انور سید عالم تو اوس کو سنت کا لقب مرحمت فرمائیں اور قرآن کریم بدعت و ابتداع کو غیر مسلمین (اہل کتاب) تک محدود رکھے پھر نفس ابتداع کی بھی مذمت نہیں بلکہ اوس کا پابند نہ رہنے پر ملامت فرمائے۔ اور کوئی شرذمہ قلیلہ خود کو امتہ مرحومہ میں شمار کرتے ہوئے واجب، مندوب، مباح میں فرق تک نہ جانتے ہوئے مختارات صالحین کو بدعت کہے۔ العجب ثم العجب۔

امتہ مرحومہ کی ایجادات کے بارے اقوال ان ایجادات کے متعلق علمائے کرام کی تصریحات مختلف ہیں ان میں سے چند اقوال کو اون کے دلائل کیساتھ پیش کیا جاتا ہے:۔

پہلا قول روح البیان میں ہے:۔ قال بعض الکبار جمیع ما ابتدع من السنۃ الحسنۃ علی طریق القربۃ الی اللّٰہ تعالی داخل فی الشریعۃ التی جاءت بھا الرسل عن امر اللّٰہ قال تعالی ورھبانیۃ الخ فاقرھم تعالی علیھا ولم یعب علیھم فعلھا انما عاب علیھم عدم رعایتھم

لها فی دوام العمل فقط و خلع علیها اسم البدعۃ فی حقھم
بخلاف ھذہ الامۃ خلع علی ما استحسنوہ اسم السنۃ تشریفا
لھم لما قال علیہ الصلاۃ والسلام من سن سنۃ حسنۃ وما قال
من ابتدع بدعۃ حسنۃ فافھم۔ فاجاز لنا ابتداع ما ھو حسن
وسماہ سنۃ وجعل فیہ اجرا لمن ابتدعہ ولمن عمل بہ۔ ایک قول
یہ ہے جس کو بعض اکابر نے فرمایا کہ اچھی ایجادات جو تقرب الی اللہ میں مفید ہوں
وہ بھی داخل شریعت ہیں جن کو پیغمبروں نے حکم الٰہی سے پہنچایا۔ ارشاد
باری تعالیٰ ورھبانیۃ الخ پڑھو کہ اللہ سبحانہ نے اہل کتاب کو اون کی اس
ایجاد پر برقرار رکھا اوس کی مذمت نہ فرمائی۔ صرف نگہداشت نہ کرنے اور
پابند نہ رہنے پر مذمت فرمائی۔ اور صرف اون کی ایجاد کو بدعت قرار دیا۔
برخلاف اس امۃ مرحومہ کے کہ جس امر کو یہ مستحسن جانیں اوس کو سنت کا لقب
دیا ان کی شان بڑھائی۔ حضور علیہ الصلاۃ والسلام الی ممر الدھور نے فرمایا
من سن سنۃ حسنۃ اور یہ نہیں فرمایا ابتدع بدعۃ حسنۃ۔ اس نکتہ کو
خوب سمجھو۔ دیکھو کہ اچھے طریقے قائم کرنے کی نہ صرف اجازت مرحمت فرمائی
اور اوس کا نام سنت رکھا بلکہ اوس کے قائم کرنے والے اور اوس کا اتباع

کرنے والوں کے لئے اجر کی صراحت فرمائی۔ اور ثواب ملتے رہنے کی بشارت دی۔"

مضمون صدر کی توضیح آخر آئے دن نئی نئی انجمنیں، جمعیتیں، کتب خانے دارالمطالعے، مدارس، مکاتیب، لیگیں، کانفرنسیں، مجالس، محافل کیوں قائم کئے جاتے ہیں۔ اون کے قواعد کیوں بنتے ہیں۔ کیوں خاص خاص مقاصد و اغراض متعین کئے جاتے ہیں۔ کیا ان کے قائم کرنے والے ان میں شرکت کرنے والے کام کرنے والے، چندہ دینے والے اور کسی نہ کسی طرح حصہ لینے والے سب عند اللہ ماخوذ، معتوب و مغضوب بلکہ جہنمی ہیں؟ نعوذ باللہ منہ نعوذ باللہ منہ اگر یہ سب ماخوذ مغضوب ہی ہیں تو حدیث شریف مَنْ سَنَّ سنۃ حسنۃ کے مصداق کون ٹھہرینگے اور ماجور و مثاب کون ہوں گے؟ یہ امر دریافت طلب رہ جائے گا اور اس کا جواب ان معترضین ہی کے ذمہ رہیگا۔

امت مرحومہ میں موجد کی شان واخبران العابد للہ تعالی بما یعطیہ نظرۃ اذا لم یکن علی شرع من اللہ معین انہ یحشر امۃ وحدہ بغیر امام یتبعہ کما قال تعالی فی ابراھیم ان ابراھیم کان امۃ قانتا للہ وذلک لنظرہ فی الادلۃ قبل ان یوحی الیہ۔

یہاں تک خبر دی گئی ہے کہ اللہ کا کوئی عبادت گزار بندہ جو محض اپنی نظرو

استدلال سے کام لیتا ہے اور اوس کی نظر اللہ سبحانہ کی اتاری ہوئی کسی معینہ شرع پر نہیں ہوتی تو بھی صرف اوسی کو ایک امت بنا کر قیامت میں اٹھایا جائے گا وہ کسی امام کا متبع نہ ہوگا جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کی شان میں اللہ سبحانہ نے فرمایا کہ بے شک ابراہیمؑ خود ایک امت تھے اللہ کے مطیع بندے " یہ اس لئے فرمایا کہ وحی نازل ہونے سے پیشتر آپ کی نظر، دلائل قدرت اور آیات اللہ پر تھی " یعنی ایک تارہ کو دیکھ کر فرمایا کہ کیا یہ میرا رب ہے۔ پھر وہ غروب ہوگیا تو فرمایا کہ اس طرح غروب ہوکر چھپ جانے والا رب نہیں ہو سکتا۔ پھر چاند کو روشن دیکھ کر کہنے لگے کہ کیا یہ میرا رب ہے؟ پھر وہ بھی غروب ہوا تو فرمایا کہ ایسے چھپ جانے والوں سے مجھے کوئی محبت و دلچسپی نہیں۔ پھر آفتاب کو دیکھا کہ ان سب سے زیادہ روشن اور چمکیلا ہے تو فرمایا کہ یہ میرا رب ہے اور یہ تو سب سے بڑا بھی ہے۔ جب وہ بھی غروب ہوچکا تو فرمایا کہ میں ان سب سے بیزار ہوں میری توجہ تو اس ذات کی طرف ہے جس نے آسمان وزمین اور ساری کائنات ٹھیک طور پر بنائی میں اوس کے برابر کسی کو نہیں سمجھتا "

دوسرا قول | وقال بعضهم ما ابتدعه العلماء والعارفون

مما لم تصرح الشريعة بالامر به لايكون بدعة الا ان خالف صريح السنة فان لم يخالفها فهو محمود وذلك كحلق الراس ولبس المرقعات والرياضة بقلة الطعام والمنام والمواظبة على الذكر والجهر به على الهيئة المشهورة ونحو ذلك من جميع اوصافهم فانها كلها نواميس حكمية لم يجئ بها رسول الله عليه الصلاة والسلام في عموم الناس من عند الله لكونها طريقة اهل الخصوص السالكين بطريق الحق وهذه الطريق لا تحتمل العامة الامر بها ولا تجب هي عليهم۔ دوسرا قول یہ ہے کہ بعضوں نے فرمایا کہ علماء اور عارفین نے جو نئے طریقے نبلائے ہیں جنکی صراحت شرع شریف میں نہیں ہے اور نہ اوس کا حکم دیا گیا ہے بدعت نہیں ہوسکتے مگر اوسی صورت میں جب کہ سنت صریحہ کے خلاف ہوں اگر یہ خلاف سنت صریحہ نہیں ہیں تو یہ سارے طریق اچھے ہی ہیں۔ جیسے سر مونڈوانا، پیوند لگاکر گوڈریاں پہننا کھانا کم کھانا، کم سونا، ہمیشہ ذکر کرنا اور ذکر بالجہر معروف طریقہ پر کرنا وغیرہ جو بزرگوں کے اوصاف ہیں یہ سارے حکمت ہیں گو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عام لوگوں کو

یہ باتیں نہیں پہنچائیں ۔ یہ بھی اللہ سبحانہ ہی کی طرف سے ہیں یہ اسرار خاص ہیں جو خواص سالکین راہ حق کے ساتھ ہی مختص ہیں، رہے عوام وہ نہ اس کے متحمل ہو سکتے ہیں اور نہ عوام پر یہ امور واجب ہیں۔"

فقد علمت ان طریق القوم صادرۃ عن اللہ ولکن من غیر الطریق الصریح النبوی ولولا انہ علیہ الصلاۃ والسلام فتح لامتہ باب الاستنان ما اجترأ احد منہم علی ان یزید حکما ولا وضعا ففی الصحیح من سن سنۃ حسنۃ فلہ اجرھا واجر من عمل بھا۔ بیان صدر سے معلوم ہوا کہ ارباب طریقت کی یہ راہ بھی منجانب اللہ ہے جو تعلیمات نبویہ علی صاحبہا الف سلام وتحیہ میں صاف وصریح طور پر تو نہیں ملتیں لیکن اگر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی امت مرحومہ کے لیے "استنان" یعنی نئی راہ قائم کرنے کا دروازہ نہ کھولتے ہوتے تو امت میں سے کوئی بھی کسی حکم یا وضع قطع کے اضافہ کی کبھی جرأت نہ کر سکتا ۔ چنانچہ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ جو کوئی اچھی راہ نکالتا ہے تو اوس کو اس راہ نکالنے کا اجر بھی ملتا رہتا ہے اور جو کوئی اس اچھی راہ پر گامزن ہوتے رہتے ہیں اون کا اجر بھی اوس راہ نکالنے والے کو ملتا رہتا ہے۔"

تیسرا قول وقال بعضهم ما یصدر عن الواصل من الافعال تشریعة وکذا الباقی فلا بد من الاعتدال ولذلك قال علیه الصلاة والسلام الشریعة اقوالی والطریقة اطواری والمعرفة رأس مالی والحقیقة نقد حالی۔ تیسرا قول یہ ہے کہ بعضوں نے کہا کہ واصل الی اللہ سے جو افعال بھی صادر ہوتے ہیں وہ سب دائرہ شریعت کے اندر ہیں (اوس سے اون کا کوئی فعل خارج نہیں) اسی طرح باقی ارباب طریق کے افعال بھی لہذا (افراط و تفریط سے ہٹ کر) اعتدال کی راہ اختیار کرنی ضروری ہے۔ چونکہ واصلین کے افعال دائرہ شریعت میں ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ شریعت میرے اقوال ہیں اور طریقت میرے اطوار۔ معرفت میرا سرمایہ ہے اور حقیقت میرا نقد حال۔

چوتھا قول وقال بعضهم لا تبتدع فیوجب اللہ ذلك الابتداع علیك وفی شرعنا من سن سنة حسنة فما سماها بدعة فان شرعنا قد قررها فلیشکر اللہ صاحب هذه البدعة ولیلزمها حیث الحقها بانبیائه ورسله واباح له ان یسن ما سنته الرسل مما یقرب الی اللہ تعالی ولا یخفی ان الکامل من عباد اللہ من سد باب الابتداع ولم یزد فی التکالیف حکما واحدا موافقة لمراد اللہ ومراد

رسول اللہ من طلب الرفق والرحمۃ ۔ چوتھا قول یہ ہے کہ بعضوں نے فرمایا کہ کسی قسم کی ایجاد کرنا ہی نہیں ورنہ اللہ سبحانہ اوس کی پابندی تم پر واجب قرار دے گا۔ اور ہماری شریعت مطہرہ میں حدیث شریف من سن سنۃ حسنۃ کے ذریعہ ایسی ایجاد کا نام بدعت تو نہیں رکھا لیکن ہماری شریعت نے اوس کی برقراری کا حکم دیا۔ اب ایسے شخص کو اس ایجاد پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے اوس کا پابند ہونا پڑے گا کیونکہ اللہ نے اوس کو انبیاء و مرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین کے ساتھ ملحق فرمادیا اور تقرب الی اللہ کے طور طریق بتانا جو پیغمبروں کا کام تھا اس شخص سے لے رہا ہے ۔ اور یہ امر مخفی نہیں کہ اللہ کے بندوں میں کامل وہی ہے جو ایسی ایجادات کا دروازہ ہی بند کردے اور تکلیف و پابندیوں میں ایک حکم کا بھی اضافہ نہ کرے ۔ اسی میں اللہ سبحانہ کی مراد اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منشائے مبارک کی موافقت اور بندگان خدا کے حق میں رفق و رحمت ہے "

پانچواں قول وقال بعضھم لاتجعل ورداً غیر ما ورد فی الکتاب والسنۃ تکن من العلماء الادباء لانک حینئذ تجمع بین الذکر والتلاوۃ فیحصل لک اجر التالین والذاکرین فما ترک الکتاب

والسنة مرتبة يطلبها الانسان من خير الدنيا والآخرة الا و
قد ذكرها فمن وضع من الفقراء وردا من غير الوارد في السنة
فقد اساء الادب مع الله ورسوله الا ان يكون ذلك بتعريف
من الله فيعرفه خصائص كلمات يجمعها فيكون حينئذ ممتثلا
لا مخترعا۔ پانچواں قول یہ ہے کہ بعضوں نے فرمایا کہ اپنا وظیفہ کوئی ایسا
نہ مقرر کرو جو کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ میں مذکور نہ ہو۔ اس صورت میں
تمھارا شمار با ادب علماء میں ہوگا۔ کیوں کہ تم اس صورت میں فضیلت ذکر و فضیلت
تلاوت دونوں کے جامع ہوں گے اور تم کو تلاوت کرنے والوں اور ذکر کرنیوالوں
دونوں کا اجر ملیگا کیونکہ کتاب وسنت نے خیر دنیا و آخرت کا کوئی درجہ جس کا انسان
طلبگار ہوتا ہے اوس کو ذکر کئے بغیر چھوڑا نہیں ہے۔ اس کے باوجود اگر کوئی فقیر
و درویش حدیثوں میں آئے ہوئے اوراد و وظائف کے سوا کوئی ورد یا وظیفہ
وضع کرے تو اوس نے خدا و رسول کے ساتھ ادب کو ملحوظ نہ رکھا۔ ہاں یہ اور بات
ہے کہ وہ ورد یا وظیفہ اللہ سبحانہ کی طرف سے معلوم کرایا گیا ہو اور چند کلمات کے
مجموعی خواص اوس کو بتلا دئے گئے ہوں تو ایسی صورت خاص میں وہ تعمیل کنندہ ہی
ہوگا ایجاد و اختراع کرنے والا نہ ہوگا۔"

حزب البحر اور دلائل الخیرات وغیرہ | وذلک مثل حزب البحر للشاذلی رحمہ اللہ ونحوہ فانہ رحمہ اللہ صرح بانہ ما وضع حرفا منہ الا باذن اللہ ورسولہ وقال من دعا بغیر ما دعا بہ رسول اللہ فھو مبتدع ۔ منجانب اللہ علم کرایا جانے کی مثال حضرت سیدی ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ کا حزب البحر ہے کیونکہ حضرت علیہ الرحمۃ نے اوس میں صراحت سے فرمایا ہے کہ اس میں کا کوئی حرف بھی اذن واجازت خدا اور رسُول کے بغیر نہیں لکھا گیا اور آپ اس کے شدت سے قائل تھے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقولہ و ماثورہ دعاؤں کے سوا اگر کوئی شخص کوئی دعا کرے تو وہ بدعتی ہے ۔" کتاب وسنت کی ایسی سخت پابندی کے باوجود آپ نے حزب البحر لکھا اور مذکورہ صراحت فرمائی تو معلوم ہوا کہ حزب البحر کی دعائیں اذن الٰہی واجازت حضرت رسالت پناہی سے لکھی گئی ہیں لہٰذا یہ ادعیہ بھی حکماً ماثورہ ادعیہ میں ایک طرح شامل ہیں ۔ واللہ اعلم ۔

فقیر عرض کرتا ہے کہ یہی حکم دلائل الخیرات جامع الصلوات الصلوٰۃ الالفیہ اور حصن حصین شریف کا ہے ۔

چھٹا قول | وقال بعضھم المعبد فی اداء الفرائض عبد اضطرار

و فی فعل النوافل عبد اختیار و عبودیۃ الاضطرار اشرف واسلم فی حقہ من عبودیۃ الاختیار لما قد یخطر بالہ فی عبودیۃ الاختیار من شائبۃ الامتنان و من ھٰھنا ترک اکابر الرجال من الملامیۃ فعل النوافل واقتصروا علی اداء الفرائض خوفا من خطور ذلک علی قلوبھم فیجرح عبودیتھم۔ چھٹا قول یہ ہے کہ بعضوں نے فرمایا کہ ادائے فرائض کے باب میں بندے کی بندگی اضطراری ہے (یعنی اوس کے اپنے اختیار کو مطلقاً دخل نہیں وہ صرف حکم کی تعمیل کرتا ہے) اور نوافل کے کرنے میں اوس کی بندگی اختیاری ہے (یعنی بندہ اپنی پسند سے نوافل میں حصہ لیتا ہے) اور عبودیت اختیار کے مقابلہ میں عبودیت اضطراری بندے کے حق میں زیادہ شرف رکھتی ہے اور بندے کی سلامتی بھی اسی میں زیادہ تر ہے کیوں کہ عبودیت اختیار کی صورت میں کبھی بندے کے دل میں یہ خطرہ گزرتا ہے کہ وہ نوافل میں حصہ لیکر احسان کرتا ہے اور اپنی منت رکھتا ہے اسی اندیشہ سے جو ملامتیہ طبقہ کے بزرگ ہیں اونھوں نے ادائے فرض کی حد تک خود کو محدود رکھا اور نوافل کی ادائی کا خیال بالکلیہ ترک کر دیا کہ اگر خطرۂ امتنان ان کے دل میں پیدا ہوگا تو ان کی عبودیت ہی مجروح ہوگی ۔"

عرض فقیر فقیر عرض کرتا ہے کہ علما و اکابر دین کے یہ چند منتخب اقوال ہیں
ان میں قول پنجم معتدل ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت سرور عالم صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ لا تشددوا علی انفسکم فیشدد علیکم فان
قوما شددوا علی انفسھم فشدد علیھم فتلک بقایاھم فی
الصوامع والدیارات رھبانیۃ ابتدعوھا ما کتبناھا علیھم۔
(ابو یعلی) اپنی جانوں کو سختی میں نہ ڈالو پھر تم پر سختی کی جائے گی۔ کیونکہ ایک
قوم نے خود پر تشدد کیا تو اون کو اوسی تشدد پر چھوڑ دیا گیا صومعوں اور
دیر میں ان ہی کے بچے کچھے لوگ رہ گئے ہیں" فی زماننا جب کہ امت مرحومہ میں
اختلافات کی کثرت ہے۔ یہی پانچواں قول بہتر اور اقرب الی الصواب ہے
گو دیگر اقوال بھی اپنی اپنی جگہ درست ہیں ان پر اعتراض و انکار کی وجہ نہیں
مگر بعض اصحاب کو بات بات پر اعتراض کی عادت سی ہو گئی ہے اور ہر نئی
چیز کو بدعت کا لقب دینے اور ہر بدعت کو بدعت سیئہ اور ضلالت قرار
دینے میں اون کو بڑا لطف آتا ہے اس لئے اس بارے میں جو اقوال ہیں
اور ہر قول کی جو دلیل ہے اوس کی وضاحت کی گئی کہ اکابر دین پر اعتراض
و انکار اون کے فیوض و برکات سے محرومی کا موجب ہے۔ اللہ سبحانہ

ہم کو اور تمام برادران اسلام کو توفیق ادب عطا فرمائے، آمین۔

عارف رومیؒ فرماتے ہیں:۔

از خدا خواہیم توفیقِ ادب   بے ادب محروم ماند از لطفِ رب

ایک ضروری گزارش اسی سلسلے میں ایک اور ضروری گزارش ہے۔

حِکَم عطائیہ میں ہے:۔ من علامة اتباع الھوی المسارعة الی نوافل الخیرات، والتکاسل عن القیام بحقوق الواجبات، وھذا حال غالب الخلق الا من عصمه اللہ، تری الواحد منھم یقوم بالنوافل الکثیرة ولا یقوم بفرض واحد علی وجھه۔ خواہش نفس کے اتباع کی ایک کھلی نشانی یہ ہے کہ کارہائے خیر جو درجۂ نفل میں ہیں اون کی طرف تو سبقت کی جاتی ہے لیکن واجبات، خواہ اون کا تعلق حقوق اللہ سے ہو یا حقوق العباد سے، اون کے پابند ہونے میں سستی سے کام لیا جاتا ہے اور اکثر لوگوں کا یہی حال ہے مگر وہ جن کو اللہ سبحانہ نے اس سے محفوظ رکھا۔ چنانچہ آپ بھی دیکھتے ہوں گے کہ ان میں کا ایک ایک شخص، نوافل میں (جو انسان پر واجب نہیں محض اوس کا اختیاری امر ہے) بکثرت حصہ لیتا رہتا ہے اور اگر کسی فرض کی نوبت آئے (جس کی ادائگی سے مفر نہیں) تو اوس کو

کما ینبغی ادا کرنے پر مائل ہوتا نظر نہیں آتا۔"

عرض فقیر فقیر کا مشاہدہ ہے کہ بعض مریدین، اوراد و وظائف، ذکر و شغل حتیٰ کہ قیام لیل اور تہجد کے تو سختی سے پابند ہیں۔ اللہ سبحانہ اون کے اس ذوق و شوق میں اور اضافہ فرمائے اور اپنی گوناگوں رحمتوں اور برکات سے مالا مال کرے۔ لیکن اگر اون کو فقہ کا کوئی رسالہ جس میں طہارت و نماز کے ضروری مسائل درج ہوں مثلاً کشف الخلاصہ کو دیکھ لینے کی جانب توجہ دلائی جائے تو اون کو اس طرف اتنی رغبت نہیں ہوتی۔ حالاں کہ وظیفہ یا ذکر، قیام لیل اور تہجد اگر احیاناً ترک ہو جائے تو اُن سے اس کا سوال ہو گا کہ کیوں ترک کیا۔ بخلاف طہارت و نماز وغیرہ کے فرائض کی ادائی میں اگر خلل ہو گا تو اوس کا سوال ہو گا۔ اور طہارت کے نقص کا اثر تو صحت نماز پر بھی پڑے گا۔ مگر اون کو توجہ نہیں ہوتی۔ واللہ الموفق۔

ایک سوال اور اُس کا جواب یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خدانخواستہ اگر امتہ مرحومہ پر بھی کبھی ایسا دور آجائے جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امتہ پر آپ کے بعد درپیش ہوا تھا تو اوس صورت میں حکم کیا ہے اور راہ عمل کیا ہو گی؟ اس کا جواب وہی ہے جو صحیح بخاری میں ہے

جس کی حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کی ہے:۔
كان الناس يسألون رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الخير
وكنت اسأله عن الشر مخافة ان يدركني فقلت يا رسول الله
انا كنا في جاهلية وشر فجاء نا الله بهذا الخير فهل بعد هذا
الخير من شر قال نعم قلت وهل بعد ذلك الشر من خير قال نعم
وفيه دخن قلت وما دخنه قال قوم يهدون بغير هدي
تعرف منهم وتنكر قال قلت فهل بعد ذلك الخير من شر
قال نعم دعاة على ابواب جهنم من اجابهم اليها قذفوه
فيها قلت يا رسول الله صفهم لنا قال هم من جلدتنا ويتكلمون
بالسنتنا قلت فما تامرني ان ادركني ذلك قال تلزم جماعة المسلمين
وامامهم قلت فان لم يكن لهم جماعة ولا امام قال فاعتزل
تلك الفرق كلها ولوان تعض باصل شجرة حتى يدركك الموت
وانت على ذلك ۔ (حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں) حضرت رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم سے لوگ خیر کے بارے میں دریافت کیا کرتے اور میں آپ سے
شر کی بابت دریافت کرتا تھا اس اندیشے سے کہ شاید مجھے اس سے سابقہ ہو

چنانچہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم جاہلیت اور شر میں تھے اللہ نے ہم کو یہ عہد خیر دکھایا۔ تو کیا اس خیر کے بعد کوئی شر ہے؟ فرمایا ہاں۔ میں نے عرض کیا۔ کیا اس شر کے بعد پھر کوئی خیر ہے؟ فرمایا ہاں لیکن اس میں کچھ دھندلا پن ہے۔ میں نے عرض کیا وہ دھندلا پن کیا ہے؟ ارشاد ہوا کہ وہ ایسی قوم ہے جو میری سنت سے ہٹی ہوئی اون کی کوئی اور روش ہوگی۔ بعض باتیں ملتی ہوئی اور بعض اوس سے ہٹی ہوئی میں نے پھر عرض کیا۔ کیا اس خیر کے بعد بھی کوئی شر ہوگا۔ ارشاد فرمایا ہاں جو جہنم کے کنارہ پر گلہ بانی کرتے ہوں گے۔ جو کوئی اون کی دعوت قبول کرے گا اوس کو جہنم میں جھونک دیں گے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ان کا کچھ وصف بیان فرمائیے۔ ارشاد مبارک ہوا ان کا ظاہر حال ہم جیسا ہوگا اور ہم جیسی زبان ہی میں کلام کریں گے۔ میں نے عرض کیا اگر وہ دور مجھے مل جائے تو آپ مجھے کیا حکم فرماتے ہیں؟ فرمایا مسلمانوں کی جماعت اور اون کے امام کو پکڑے رہو (ان سے جدا نہ ہو) میں نے عرض کیا۔ اگر اون کی کوئی جماعت نہ ہو اور نہ کوئی امام ہو تو؟ فرمایا اُن سب سے نکل کر عزلت گزیں ہو جاؤ۔ گو عزلت کتنی ہی دشوار گزار ہو جائے

تا آں کہ تمھارا وقت آخر آپہنچے اوس وقت تک اسی حالت پر قائم رہو۔"

جواب صدر کی تائید دوسرے موقع پر حضور سراپا نور صلی اللہ علیہ الی حمر الدہور نے فرمایا: یوشك ان یکون خیر مال المسلم غنم یتبع بھا شعف الجبال ومواقع القطر یفر بدینه من الفتن۔ (بخاری عن ابی سعید الخدری رضی) وہ زمانہ بھی قریب ہے کہ مسلمان کا بہترین مال بکریاں ہوں گی جن کو ساتھ لے کر پہاڑ کی چوٹیوں اور وادیوں میں پہنچ جاؤ تاکہ فتنوں سے اپنے دین کو بچائے رکھو۔" خلاصہ یہ کہ اگر ایسے فتنے درپیش ہوں کہ اون کا مداوا نہ ہوسکے تو مسلمان عزلت گزیں ہوجائیں یا کسی اور جگہ چلے جائیں۔ اور وہیں اپنا ٹھکانا کرلیں۔ یہ ٹھکانا بنا لینا صرف مردوں کا نہیں ہے بلکہ مرد عورتیں بچے سب وہاں ایک ساتھ رہیں گے۔

رہبانیت نصاری اور جواب صدر میں فرق یہاں یہ خیال نہ کیا جائے کہ یہ عزلت گزینی یا آبادی سے دوری یہ بھی تو رہبانیت ہے۔ کیوں کہ ایسا خیال کر لینا صحیح نہیں۔ رہبانیت کی صراحت اوپر گزر چکی ہے کہ مسلسل بلا افطار روزے رکھنا، ٹاٹ پہننا، گوشت ترک کرنا، کھانے پینے، لباس اور نکاح سے دور رہنا اور غاروں میں عبادت کرنا یہ تھی

رہبانیت جس کی شریعت محمدیہ میں ممانعت وارد ہوئی ہے۔ چنانچہ مروی ہے
ان نفرا من الصحابۃ رضی اللہ عنھم اخذھم الخوف والخشیۃ
حتی اراد بعضھم ان یعتزل عن النساء وبعضھم الاقامۃ
فی رؤوس الجبال وبعضھم ترک الاکل والشرب وبعضھم
غیر ذلک فنھاھم علیہ الصلاۃ والسلام عن ذلک کلہ وقال
لارھبانیۃ فی الاسلام وقال رھبانیۃ امتی فی المساجد دون
رؤوس الجبال۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت پر خوف وخشیت الٰہی کا
غلبہ ہوا تو کسی نے یہ ارادہ کر لیا کہ عورتوں سے دور رہیں گے کسی نے پہاڑوں
میں بیٹھ جانے کی ٹھان لی کسی نے کھانا پینا ترک کر دینا چاہا کسی نے اور کچھ
صورت تجویز کی۔ مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سب باتوں سے
روک دیا اور فرمایا کہ اسلام میں رہبانیت نہیں ہے۔ میری امت کی رہبانیت
مساجد میں معتکف رہنا ہے نہ کہ پہاڑوں پر جا بیٹھنا۔

امت مرحومہ کی رہبانیت حدیث شریف یہ بھی ہے جس میں ابن ام معبد رض
فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے دریافت فرمایا:
یا ابن ام معبد اتدری ما رھبانیۃ امتی قلت اللہ ورسولہ اعلم

قال الهجرة والجهاد والصلاة والصوم والحج والعمرة والتکبیر علی التلاع۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا اے ام معبد کے بیٹے تمھیں معلوم ہے کہ میری امت کی رہبانیت کیا ہے؟ میں نے عرض کیا اللہ اور اوس کے رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا کہ ہجرت، جہاد، نماز، روزہ، حج، عمرہ، اور بلندیوں پر تکبیریں (زور سے زور سے) پڑھنا۔" چنانچہ سیدنا عثمانؓ کی شہادت، واقعہ فاجعۂ کربلا، واقعہ حرّہ، اور حضرت ابن زبیرؓ کی شہادت کے بعد، جب کہ خیار امت خال خال رہ گئے تو ان میں سے بہتیرے مساجد میں معتکف ہو گئے اور گوشہ نشینی اختیار فرمائی۔ جہاد فی سبیل اللہ پر قدرت نہ رہی تو نفس و شیطان کے جہاد میں مشغول ہو گئے جو جہاد اکبر ہے۔ فقر اختیار کیا اور اہل صفہ کی سی زندگی اختیار کی۔ صوفیہ ان کا لقب قرار پایا۔ ورع، صدق، منازل، احوال، مقامات، جو صوفیہ کرام کی اصطلاحات ہیں اوس کے مطابق کلام کرنے لگے۔ لیکن تارک الدنیا نہ ہوئے جیسی صفت کہ نصاریٰ کے راہبوں نے اختیار کی تھی۔

سلمہ بن اکوعؓ کی عزلت گزینی چنانچہ حضرت سلمہ بن الکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو صحابی رسولؐ ہیں (اور جن سے بھیڑیا ہم کلام ہوا تھا) آپ کا واقعہ آپ کے

شاگرد خاص، یزید بن ابی عبیدؒ بیان کرتے ہیں جو بخاری شریف میں ہے:۔
انه دخل على الحجاج فقال یا ابن الاکوع ارتددت على عقبیك تعرّبت قال لا ولکن رسول الله صلى الله علیه وسلم اذن لی فی البدو وعن یزید بن ابی عبید قال لما قتل عثمان بن عفان خرج سلمة بن الاکوع الى الربذة وتزوج هنالك امرأة وولدت له اولادا فلم یزل بها حتى قبل ان یموت بلیالی فنزل المدینة۔
سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دفعہ حجاج بن یوسف کے پاس تشریف لے گئے تو اُس نے کہا۔ ابن اکوع! آپ تو الٹے پاؤں پلٹ گئے آپ نے اعرابیوں میں اپنی سکونت اختیار کرلی (اس گفتگو سے حجاج کا مطلب یہ تھا کہ آپ تو مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ آئے تھے۔ پھر اعرابیوں میں جاکر ٹھہر گئے تو ہجرت ٹوٹ گئی اور مستحق قتل ٹھہرے۔) آپ نے جواب دیا نہیں نہیں بلکہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے مدینہ سے باہر ٹھہرنے کی اجازت سرفراز فرمائی تھی۔ یزید بن ابی عبید پورا واقعہ یوں بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت ہوئی تو سلمہ بن اکوعؓ مقام ربذہ میں مدینہ سے دور جا ٹھہرے۔ وہاں آپنے نکاح کر لیا

آپ کے اولاد ہوئی۔ آپ بقیہ عمر وہیں مقیم رہے (خدا کی قدرت کہ) وفات
کے لئے چند ہی راتیں باقی رہ گئی تھیں کہ مدینہ طیبہ حاضر ہوئے (اور یہیں وفات
پائی)"۔ اس روایت سے پایا جاتا ہے کہ ایام فتنہ و فساد میں مسلمان کو اگر
عزلت گزینی، گوشہ نشینی اختیار کرنی بھی پڑے تو اس کے معنی رہبانیت اور
ترک دنیا کے نہیں بلکہ راہبوں کے خلاف، ان حالات میں بھی نکاح کرنا چاہیے
جیسا کہ سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کے احوال سے معلوم ہوا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ 57-28
كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَيَغْفِرْ
29 لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۙ لِّئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَلَّا يَقْدِرُوْنَ
عَلٰي شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ
يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝ع اے ایمان والو! ڈرتے رہو
اللہ سے اور یقین لاؤ اس کے رسول پر، دیویگا تم کو دو حصے اپنی رحمت سے
اور رکھ دیگا تم میں روشنی جس کو لئے پھرو اور تم کو معاف کریگا اور اللہ
معاف کرنے والا ہے مہربان، تاکہ نہ جانیں کتاب والے کہ پا نہیں سکتے
کوئی چیز اللہ کے فضل میں سے اور یہ کہ بزرگی اللہ کے ہاتھ ہے دیتا ہے،

جس کو چاہے' اور اللہ کا فضل بڑا ہے۔"

شانِ نزول حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں :- ان اربعین من اصحاب النجاشی قدموا علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فشھدوا معہ احدا فکانت فیھم جراحات ولم یقتل منھم احد فلما راُوا ما بالمومنین من الحاجۃ قالوا یا رسول اللہ انا اھل میسرۃ فائذن لنا نجیئ باموالنا نواسی بھا المسلمین فانزل اللہ فیھم الذین آتیناھم الکتاب من قبلھم ھم بہ یومنون الی قولہ اولئک یوتون اجرھم مرتین بما صبروا فجعل لھم اجرین قال ویدرأون بالحسنۃ السیئۃ قال ای النفقۃ التی واسوا بھا المسلمین فلما نزلت ھذہ الآیۃ قالوا یا معاشر المسلمین اما من آمن منا بکتابکم فلہ اجران ومن لم یومن بکتابکم فلہ اجر کاجورکم فانزل اللہ یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ وآمنوا برسولہ یوتکم کفلین من رحمتہ ویجعل لکم نورا تمشون بہ ویغفر لکم فزادھم النور والمغفرۃ۔ (طبرانی) نجاشی (شاہ حبشہ) کے چالیس مصاحبین حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر ہوئے

(اس وقت غزوۂ احد درپیش تھا) یہ بھی اوس میں شریک ہوئے اور ان کو
زخم بھی آئے مگر کسی کی شہادت کی نوبت نہیں آئی۔ جب انھوں نے صحابۂ کرام
کی احتیاج کا مشاہدہ کیا تو عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم خوش حال ہیں اجازت
مبارک ہو تو اپنا مال و متاع لاکر مسلمانوں کی کچھ خدمت کریں۔ اس پر
الذین اتیناھم الکتاب والی آیات کریمہ نازل ہوئیں جن میں اون کو
دوہرے اجر کی بشارت دی گئی اور ان کا یہ وصف بتایا گیا کہ یہ برائی کا
جواب بھلائی سے دیتے ہیں اور ہمارا دیا کچھ خرچ کرتے رہتے ہیں چنانچہ
اونھوں نے مسلمانوں پر بھی کچھ خرچ کیا۔ اس پر وہ فخریہ کہنے لگے: مسلمانو!
ہم میں سے جو لوگ تمھاری کتاب (قرآن کریم) پر ایمان رکھتے ہیں اون کو
دو دو اجر اور جو ایمان نہیں رکھتے اون کو ایک اجر تمھاری طرح ملیگا۔ اس وقت
یہ آیت نازل ہوئی کہ ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور اوس کے رسول پر
یقین رکھو تو اللہ سبحانہ تم کو اپنی رحمت کے دو حصے دیگا اور روشنی تمھارے
ساتھ رہیگی۔ اور تم کو معافی دیگا۔ اس طرح مسلمانوں کو مخاطب کرکے
مومنین اہل کتاب پر یہ فضیلت دی کہ علاوہ رحمت کے دو حصوں کے نور اور
مغفرت کا اضافہ فرمایا۔"

کِفلین کی تفسیر یہی نہیں بلکہ کفلین کی تفسیر میں حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں :۔ الکفل ثلاث مائۃ جزء وخمسون جزء من رحمۃ اللّٰہ۔ (فریابیؒ ابن المنذرؒ ابن ابی حاتمؒ ابن مردویہ) ایک ایک "کِفل" حق سبحانہ تعالیٰ کی رحمت کے ساڑھے تین سو اجزا کا ہوتا ہے"۔ ابو علابہ کی روایت میں ہے :۔ الکفل ثلاث مائۃ جزا من الرحمۃ۔ (عبد بن حمید) رحمت کے تین سو اجزا کو "کفل" کہتے ہیں۔ گویا اس طرح دو کفل کے چھ سو سات اجزائے رحمت ہیں جو مسلمانوں کو ملیں گے۔ جو مومنین اہل کتاب کے دونے اجر کے مقابلہ میں کہیں زائد ہیں۔ پھر نور و مغفرت کا اس پر اضافہ ہے۔ نیز یہ کہ جو اہل کتاب حضرت رسول کریم اور قرآن کریم پر ایمان نہیں لائے اونکی نسبت مومنین اہل کتاب کا یہ ادعا کہ وہ بھی مسلمانوں کی طرح ایک اجر پائیں گے غلط ہے۔ ان کو کچھ بھی نہیں ملیگا کیوں کہ جب تک بلا تفریق تمام انبیا علیہم السلام ایمان نہ ہو کسی کو نجات نہیں مل سکتی۔ ان کا ایمان چونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر نہیں ہے لہٰذا حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام پر ان کا جو ایمان ہے وہ بھی غیر معتبر اور نامقبول ہے۔ خود حضرت مسیحؑ نے حضور انورؐ کی بشارت دی ہے اس بشارت کبریٰ کو نہ ماننا حضرت مسیحؑ کا بھی انکار ہے۔

کِفل کے لغوی معنی راغب اصبہانی لکھتے ہیں:۔ الکفل الحظ الذی فیہ الکفالۃ کا نہ تکفل بامرہ والکفلان ھما النصیبان المرغوب فیھما بقولہ تعالی ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ۔ "کِفل" اوس حصہ کو کہتے ہیں جس میں ضمانت دی گئی ہو گویا کہ اللہ سبحانہ اہل ایمان کی ضروریات کا کفیل ہو چکا ہے اور "کِفلان" بصیغۂ تثنیہ دو حصے ہوئے جن کا انسان کو شوق و رغبت ہو۔ ہر انسان یہی چاہتا ہے کہ اوس کی حاجات دنیوی اور حاجات اخروی دونوں کی تکمیل کی ضمانت دی جائے چنانچہ یہی دعا کی جاتی ہے کہ پروردگار ہمارے! ہم کو دنیا میں بھی بھلائی دیجئے اور آخرت میں بھی بھلائی دیجئے۔ اس استدعا کے مطابق اللہ سبحانہ دونوں جہاں کے حاجات کا اہل ایمان کے حق میں کفیل اور ضامن ہو چکا ہے اور نہ صرف کفیل ہوا بلکہ نور کا وعدہ فرمایا جو مومن کے ساتھ ساتھ رہیگا وہ جدھر بھی جائے۔ اور مغفرت نصیب ہوگی۔ اور کیا چاہیئے؟

فضل الٰہی پر کسی کو قابو نہیں لئلا یعلم اھل الکتب الا یقدرون علی شیئ من فضل اللہ وان الفضل بید اللہ یوتیہ من یشاء۔ تا اہل کتاب کو معلوم ہو جائے کہ اللہ کے فضل پر اون کو کچھ بھی اقتدار نہیں ہے

تمام فضل اللہ ہی کے ہاتھ ہے اوسی کے قبضۂ قدرت میں ہے اب اوس کو اقتدار کامل حاصل ہے کہ جس کو چاہے اور جتنا چاہے اپنے فضل سے حصہ دے یا اوس کو جس کے ساتھ چاہے مختص فرمائے۔

فضل کی تفسیر فضل کے اصل معنی افزونی ثواب اور زیادتی اجر کے ہیں ایک تو کام کا صلہ ہوتا ہے دوسرا اوس پر مزید انعام۔ کہ مالک کسی سے خوش ہوتا ہے تو صلۂ کار کے علاوہ جو مقررہ معاوضہ ہے اپنے پاس سے مزید انعام دیتا ہے۔ اس کی کوئی حد معین نہیں۔ مالک کو اختیار ہے کہ جتنا چاہے دے کسی کو اس پر اعتراض کا حق نہیں۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

انما مثلنا ومثل الذین اوتوا الکتاب من قبلنا مثل رجل استاجر اجراء فقال من یعمل الی آخر النھار علی قیراط قیراط فعمل قوم ثم ترکوا العمل نصف النھار ثم قال من یعمل نصف النھار الی آخر النھار علی قیراط قیراط فعمل قوم الی العصر علی قیراط قیراط ثم ترکوا العمل ثم قال من یعمل الی اللیل علی قیراطین قیراطین فعمل قوم الی اللیل علی قیراطین قیراطین فقال الطائفتان الاولیان مالنا اکثر عملا واقل اجرا فقال ھل نقصتکم من حقکم شیئا قالوا لا قال

ذلك فضلي اوتيه من اشاء۔ ہماری مثال اور ہم سے پیشتر جن کو کتاب دی گئی اون کی مثال اوس شخص کی سی ہے جس نے چند مزدور اجرت پر لئے اور فرمایا وہ کون ہے جو دن بھر ایک ایک قیراط پر کام کرے۔ اس بنا پر چند لوگوں نے کام شروع کیا اور نصف دن کام پر لگے رہے (پھر تھک کر بیٹھ گئے) پھر اوس شخص نے کہا کوئی ہے جو نصف النہار سے دن ختم ہونے تک کام کرتا رہے اوس کو بھی ایک ایک قیراط ملیگا۔ اب دوسری جماعت کام پر چڑھی اور عصر تک کام کیا (پھر یہ بھی تھک گئے) پھر اوس نے کہا کوئی ہے جو شام تک کام کرے اوس کو دو دو قیراط دئے جائیں گے۔ اب ایک تیسری قوم آئی اور دو دو قیراط پر شام تک کام کرتی رہی (شام کو ہر جماعت نے اپنا اپنا حق لے لیا۔) اب پہلی دو جماعتیں کہنے لگیں کیا بات ہے کہ ہمارا کام تو زیادہ مگر اجرت کم۔ اس پر اس شخص نے کہا کہ تمھارا جتنا حق تھا کیا اوس سے تم کو کم دیا گیا؟ بولے نہیں۔ فرمایا وہ میرا مزید انعام ہے جس کو جتنا چاہوں دوں۔"

وقت عصر پر حنفیہ کا استدلال یہ پہلی جماعت، یہود، دوسری نصاریٰ ہے، اور تیسری حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت مرحومہ ہے

جن کو تھوڑے سے عمل پر دونا اجر ملتا ہے۔ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اس حدیث شریف سے یہ استدلال فرمایا ہے کہ نماز عصر کا وقت، ظہر کے مقابلہ میں کم ہے عصر کا وقت ہر چیز کا سایہ دو مثل ہونے پر شروع ہوتا ہے اور دو مثل سے قبل تک ظہر کا وقت باقی رہتا ہے۔ واللہ اعلم۔

مضمون بالا کا خلاصہ | بہرحال اہل کتاب کو اگلے پیغمبروں کے حالات پڑھکر پچھتاوا ہوتا تھا کہ ہم ان کے ساتھ نہ رہے۔ اُن سے دور پڑ گئے۔ اگر پیغمبروں کے زمانہ میں ہوتے تو ہم کو دوہرا اجر ملتا۔ اللہ سبحانہ نے اُن کے اس خیال کو دفع فرمایا کہ اگر اگلے پیغمبروں کا ساتھ میسر نہ ہوا تو کیا مضائقہ ہے! ہم نے نبی آخر الزماں کو مبعوث کیا ہے اگر ان کا اتباع کرو تو دونا اجر پاؤ گے اور گزشتہ خطاؤں کی معافی ملیگی اور روشنی مرحمت ہوگی۔ یہ مزید فضل وانعام ہے۔ اور جو آپ کا اتباع نہ کریں گے وہ ان تمام انعامات سے محروم رہیں گے۔

آیہ لئلا یعلم کی دوسری تفسیر | یہاں مفسرین کرام کا ایک قول اور ہے وہ یہ کہ ارشاد باری تعالیٰ لئلا یعلم میں کلمہ "لا" زائد ہے جس کے کچھ معنی نہیں۔ قرینہ موجود ہو تو کلام عرب میں اس طرح کلمہ "لا" زائد آیا کرتا ہے

خود قرآن کریم میں دوسری جگہ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے :۔ قال یا ابلیس ما منعك الا تسجد ۔ اللہ سبحانہ نے فرمایا اے ابلیس! تجھے سجدہ کرنے سے کس چیز نے باز رکھا۔ یہاں بھی کلمہ "لا" زائد ہے جس کے کچھ معنی نہیں ۔ اور الا تسجد بمعنی ان تسجد ہے اکثر سلف سے اسی طرح منقول ہے لیکن ہم نے شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی علیہ الرحمہ کا مسلک یہاں اختیار کیا ہے اس وجہ سے کہ کلام باری تعالیٰ میں کلمہ "لا" کو زائد قرار دینے کے مقابلہ میں اوس کو اصلی قرار دینا بہتر ہے اور معنی بھی درست ہوتے ہیں ۔ اسی طرح الا تسجد میں بھی لا زائدہ تسلیم کرنے کے عوض اگر اصلیہ تسلیم کیا جائے تو اس سے معنی میں کوئی خرابی لازم نہیں آتی۔ معنی یوں ہونگے کہ "اے ابلیس! تجھے کس چیز نے منع کیا جو تو (آدم کو) سجدہ نہیں کرتا"

فضل عظیم کی تفسیر واللہ ذو الفضل العظیم ۔ اور اللہ سبحانہ بڑے فضل والا ہے۔ اللہ سبحانہ کے اسمائے حسنیٰ میں عظیم بھی ہے ۔ جب حق سبحانہ تعالیٰ کی ذات عظمت والی ہے تو اس کا فضل و انعام بھی اوسکی عظمت ذاتی کے اعتبار سے باعظمت ہوگا۔

سورۂ حدید کی تفسیر ختم ہوئی جسکے ساتھ ستائیسواں پارہ بھی ختم ہو رہا ہے ۔

والحمد للہ والمنۃ وصلی اللہ تعالیٰ وسلم علی خیر خلقہ سیدنا محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین والحمد للہ رب العلمین ۔

چہارشنبہ ۲۹ شعبان المعظم ۱۳۷۵ھ یوم ولادت پاک حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ